نافع البشر فی فتاوی ظفر

۱۳۴۹ھ

فتاویٰ ملک العلماء

ملک العلماء شاہ محمد ظفر الدین قادری

نوری کتب خانہ۔ لاہور

نافعُ البَشَر فی فتاویٰ ظفر

۱۳۲۹ھ

فتاویٰ ملکُ العُلماء

ملک العلماء شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی

[illegible]

نبیرۂ ملکُ العُلما ڈاکٹر طارق مختار

شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

[illegible]

علامہ ساحل شہسرامی (علیگ)

مقدمہ

عالم جلیل فاضل شہیر علامہ محمد منشا تابش قصوری مدظلہ

صدر شعبہ فارسی جامع نظامیہ رضویہ۔ لاہور

نوری کتب خانہ
نزد جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور
042-6366385

marfat.com

بفیضانِ کرم
حضرت الحاج پیر سید **محمد معصوم شاہ** گیلانی قدس سرہٗ
قادری نوری

بفیضانِ نظر
صاحبزادہ الحاج پیر سید **محمد حسن شاہ** گیلانی مدظلہ
قادری نوری

اہتمام اشاعت

پیرزادہ سیّد محمد عثمان نوری

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

2005

ناشر : نوری کتب خانہ، لاہور

طابع : موٹروے پرنٹرز، لاہور

قیمت 300 روپے

تقسیم کار

نوری کتب خانہ
معصوم شاہ روڈ بالمقابل ریلوے اسٹیشن، لاہور
فون: 042-6366385

نوری بک ڈپو
دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ، لاہور
فون: 042-7112917

marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نشانِ منزل

سلسلۂ سوالات و جوابات

اللہ تعالیٰ نے ارواح کی تخلیق کے ساتھ ہی سوال و جواب کا آغاز فرمایا ارشاد ہوا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُم کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

روحوں نے جواب دیا: قَالُوْا بَلٰی۔ کیوں نہیں ہاں یا اللہ تو ہمارا رب ہے۔

تفاسیر میں آتا ہے کہ جس نے خدا کے سوال پر روحوں میں سے ہاں کہنے میں پہل کی وہ محسنِ اعظم نبی اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ کی روحِ اقدس تھی۔

سوال و جواب کے اس ابتدائی منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے ذرا آگے بڑھیے:

اللہ تعالیٰ ملائکہ سے ارشاد فرماتا ہے:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً، میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔

ملائکہ تعجب سے سوال کرتے ہیں۔

کیا تو ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں قتل و غارت گری کا بازار گرم رکھے گا؟

تسبیح و تحمید اور تقدیس کے لیے تو ہم ہی کافی ہیں۔

جب حضرت سیّدنا آدم علیہ السلام کو خلافت سے نواز کر علم الاسماء سے ممتاز فرمایا جاتا ہے تو بحکمِ خدا آپ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں:

مجھے ان اسماء کی بابت بتایئے؟ یہ کیا ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں لَا عِلْمَ لَنَا ہمارے پاس اس سوال کا جواب نہیں۔

لَا عِلْمِی کے اعتراف پر حضرت آدم علیہ السلام جواب عنایت فرماتے ہیں:

فرشتے اور انسان کی سوالاً جواباً یہ ابتدائی گفتگو اس بات پر غماز ہے کہ علوم و فنون کی تحصیل کے لیے سوال و

marfat.com

جواب کو بنیادی حیثیت حاصل رہے گی۔ چنانچہ اس قرآنی مکالمہ کے تناظر میں آئینۂ حدیث کو فردوس نگاہ کریں۔

حضرت سیّدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص ہمارے سامنے نمودار ہوا، جس کا لباس نہایت سفید بال خوب کالے اور سفر کے آثار بالکل ظاہر نہ تھے۔ صحابہ میں سے اسے کوئی بھی نہیں جانتا تھا یہاں تک کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے گھٹنے حضور ﷺ کے گھٹنے کے ساتھ ملا دیے اور اپنے ہاتھ زانو پر رکھے، پھر سوال کیا۔

وقال یا محمدُ اَخبِرُنِیْ عن الاسلام؟

یا رسول اللہ ﷺ مجھے اسلام کے متعلق بتایئے حضور نے جواب ارشاد فرمایا اس نے تصدیق کرتے ہوئے پھر سوال کیا **وقال اخبرنی عن الایمان؟** ایمان کیا ہے؟ حضور ﷺ نے جواب دیا تصدیق کے ساتھ ہی اس نے پھر سوال کیا: **وقال اخبرنی عن الاحسان؟** مجھے احسان کے بارے بتایئے گا؟ حضور ﷺ نے جواب سے سرفراز کیا۔ سائل پھر عرض گذار ہوا۔ **وقال اخبرنی عن الساعة،** مجھے قیامت کی خبر دیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا، ’’**قال ما المسئول عنها باعلم من السائل**‘‘ تو اس پر پھر سوال پیش کیا: **قال فاخبرنی عن امارا تها یا رسول الله** ﷺ پھر مجھے قیامت کی نشانیاں ہی بتا دیجئے؟ جواباً نبی اکرم ﷺ نے قیامت کی چند علامتیں بیان کیں، **ثُمَّ انطَلَقَ** پھر وہ سائل چلا گیا۔

سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تھوڑی سی دیر بعد رسول اکرم ﷺ نے مجھے مخاطب فرمایا، **قال یا عمر اتدری من السائل؟** اے عمر تم جانتے ہو وہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ **قال فانه جبریل اتاکم یعلمکم دینکم۔** حضور نے فرمایا! یہ جبریل علیہ السلام تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

(مشکوٰۃ شریف)

تصور کیجئے، وہ کیسی پر کیف، روح پرور، ایمان افروز اور نورانی محفل ہو گی، جہاں معلّم کتاب وحکمت جلوہ افروز ہیں سید الملائکہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک سائل کی صورت میں حاضر ہیں۔ سوال و جواب کی وہ کیف افزا نشست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے کتنی معنی خیز ہو گی، جہاں تعلیم و تعلم کے لیے سوال و جواب کی بنیاد فراہم کی جا رہی تھی۔

صحیح اور حقیقی سوال و جواب پر نتائج کا مرتب ہونا لازمی امر ہے، مگر سوال و جواب کی اہمیت و عظمت کو قرآن کریم نے اتنا بلند مقام عطا فرمایا ہے کہ حقیقت تک پہنچنے کے لیے اگر مجاز کی راہ اختیار کی جائے تو اس میں بھی کوئی

marfat.com

مضائقہ نہیں اور یہ ضرب المثل بھی پیشِ نظر رہے، "المجاز مقنطرة للحقیقة" مجاز حقیقت کے لیے پل ہے۔ یعنی سوال کی فرضی صورت پیدا کر کے جواب کی حقیقت تک پہنچنا، اب اس تناظر میں یہ عجیب داستان پڑھیے جہاں لباسِ مجاز میں حقیقت جلوہ گر ہے اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں کلمۂ سوال صرف ایک ہی مرتبہ اسی داستان سے متعلق استعمال ہوا اجمالی طور پر مفہوم رقم کیا جاتا ہے تفصیل کے لیے "دیکھئے تفسیر خزائن العرفان علیٰ کنز الایمان۔"

حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں پھر آپ نے ایک اور عورت کو نکاح کا پیام دیا اور اس کے خاوند کو اپنی رغبت سے متعلق آگاہ فرمایا، اس نے بادل نخواستہ اسے طلاق دی اور بعدِ عدت آپ نے نکاح فرمایا، یہ بات نہ اس وقت کی شریعت میں ناجائز تھی اور نہ رسم و رواج کے خلاف، مگر شانِ انبیاء کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی آگاہی کے لیے دو فرشتے بشکل انسان آپ کی خدمت میں بھیجے جو بظاہر اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانا چاہتے تھے، ایک مدعی اور دوسرا مدعا علیہ: خَصْمٰنِ بَغٰی بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ فَاحْکُمْ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ ہم دو فریق ہیں کہ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، تو ہم میں سچا فیصلہ فرما دیجئے۔ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا اِلٰی سَوَآءِ الصِّرَاطِ٥ اور خلاف حق نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتائیے، اِنَّ هٰذَا اَخِیْ۔ بے شک یہ میرا بھائی ہے۔ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی، فَقَالَ اَکْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ٥ اب یہ کہتا ہے وہ بھی میرے حوالے کر دے اور اس بات میں مجھ پر زور ڈالتا ہے: قَالَ لَقَدْ ظَلَمَکَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِکَ اِلٰی نِعَاجِهٖ (الآیۃ) حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا بے شک یہ تجھ پر زیادتی کرتا ہے کہ تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کے لیے سوال کرتا ہے: (پ۲۳)

جب مجاز میں حقیقت آشکار ہوئی تو حضرت داؤد علیہ السلام نادم ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرمایا، ثابت ہوا کہ سوال و جواب کی فرضی صورت بھی جائز اور حقیقت کے لیے ممد و معاون ہے۔

حضور سیّد عالم ﷺ کی شفقت و بندہ نوازی سے جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے جلا پائی تو سوال و جواب کا یہ رخ بھی سامنے آیا۔

متیٰ وجبت لک النبوة یا رسول اللّٰہ؟ یا رسول اللہ ﷺ آپ کب سے نبی ہیں؟ جواباً فرمایا! کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین: میں اس وقت نبی تھا جب آدم علیہ السلام خمیر میں تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مزید تائید و توثیق ہوتی ہے یا رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کسے پیدا فرمایا جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا تمام اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے تخلیق فرمایا۔ (الحدیث)

ہم از لوح و قلم تا عرش و کرسی — ازاں نوراست گر تحقیق پرسی

(جامی علیہ الرحمۃ)

marfat.com

عالمِ ارواح، عالمِ دنیا، عالمِ برزخ، عالمِ عقبیٰ!!

ان تمام کی ابتداء سوال و جواب پر مبنی ہے، عالم ارواح اور عالم دنیا پر چند مثالیں مذکور ہوئیں اب ذرا عالم برزخ کی ابتدأ دیکھیے کیسے ہوتی ہے۔

حضرت براابن عاذب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھا کر سوال کرتے ہیں:۔

مَنْ رَبُّکَ؟ (تیرا رب کون ہے؟) (مسلمان) کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، پھر سوال کرتے ہیں: مَادِیْنُکَ؟ تیرا دین کیا ہے؟ فیقول دینی الاسلام (مسلمان) کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ **فیقولانِ ما ھذا الرجل الذی بعث فیکم؟** پھر فرشتے سوال کرتے ہیں۔ یہ کون ہیں جو تمہاری طرف مبعوث فرمائے گئے؟ **فیقول ھو رسول اللہ** ﷺ۔ وہ مسلمان جواباً کہتا ہے یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ (الیٰ آخرہ): (ابوداؤد۔ مشکوٰۃ شریف)

بعد از وصال قبر میں جاتے ہی سوال و جواب کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ بات صرف مسلمان سے متعلق نہیں بلکہ مسلم وغیر مسلم، مرد و عورت، بچے، بوڑھے، نوجوان ہر انسان سے وابستہ ہے۔ جس طرح عالمِ ارواح میں ہر روح اس مرحلے سے گذری اور پھر عالم دنیا میں ہر ایک کو اس سے سابقہ رہا، نیز عالم برزخ (جہانِ قبر) میں جاتے ہی سوال وجواب کی حقیقت دکھائی دی۔

عالم عقبیٰ میں بھی سوال و جواب کا اسی طرح استقبال کرنا پڑے گا۔ حدیث شفاعت میں نبی اکرم شافع محشر ﷺ نے تو قیامت کا ایک منظر واضح فرمایا ہے، جس کا قدرے خاکہ ملاحظہ فرمایئے گا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں حشر کا دن بڑا بھاری ہوگا یہاں تکبر وغرور کے پتلے، ظالم و جابر حکمران، جب قہر الٰہی میں گرفتار ہوں گے اور جلالتِ خداوندی اپنے جوبن پر ہوگی اللہ تعالیٰ کمال جلال کے ساتھ سوال فرمائے گا۔

لِمنِ الملک الیوم؟ بتاؤ آج کس کی حکمرانی ہے؟ سب سرنگوں چپ سادھے ہوں گے پھر خود ہی اللہ تعالیٰ پکارے گا۔ **للہ الواحد القھار**، واحد قہار ہی کی حکمرانی ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں، محشری تمام کے تمام پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگتے پھریں گے آخر کار حضرت سیّدنا آدم علیہ السلام کی خدمت میں جا کر عرض کریں گے کہ ہماری شفاعت کے لیے بارگاہ خداوندی میں سفارش فرمایئے۔ آپ فرمائیں گے، ''اِذْھَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ'' الغرض حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام مخلوق ماری ماری شفاعت کی بھیک مانگتی پھرے گی۔ سوال و جواب کا یہ پریشان کن منظر دیکھا نہیں جا سکے گا۔ القصہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت عالیہ میں حاضری ہوگی تو آپ محسن اعظم رحمت عالم نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کس و پناہ کی راہ دکھائیں گے۔ جملہ امتیں حضور کی در پر بھیک کے لیے حاضر ہوں گے۔

marfat.com

ذرا عشق کو آواز دو اور خدا کے اس ارشاد کو گنگناؤ۔

وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ، یا رسول اللہ ﷺ !! جو آپ کے دروازہ پر سائل آئے اسے محروم نہ لوٹائیں۔ آج اپنے پرائے، یگانے، بیگانے، دوست، دشمن، مسلم، کافر، سب حاضر ہیں اور رحمۃ للعالمین ﷺ سے یہ کربناک منظر دیکھا نہیں جائے گا۔ آپ فوری فرمائیں گے: "اَنَا لَھَا" اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں سوال کریں گے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

یا محمد ارفع رَاسَکَ وقل تسمع وسئل تعطہ واشفع تشفع!!!

یا محمد ﷺ اپنا سر اٹھائیے اور کہیئے، تمہاری بات قبول ہو گی، تمہارا سوال پورا کیا جائے گا، شفاعت کرو تمہاری شفاعت مقبول ہے۔ اب شفاعت کا سلسلہ شروع ہو گا۔ (الیٰ آخرہ)

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام سوال کرتے ہیں۔

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی.

اے میرے رب مجھے دکھا دے تو کیونکر مردے زندہ کرے گا!

قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ.

اللہ تعالیٰ نے سوال فرمایا، کیا تجھے یقین نہیں۔

قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ.

جواباً عرض کیا یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے۔

اللہ تعالیٰ نے جواب الجواب فرمایا:

"قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ" (الایۃ) تو اچھا چار پرندے لے۔ اور حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ سوال و جواب کی کیفیت قرآن یوں بیان فرماتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کا گزر ایک بستی سے ہوا کہ وہ اپنی چھتوں سمیت برباد ہو چکی تھی، آپ بولے اللہ تعالیٰ انہیں موت کے بعد کیسے زندہ فرمائے گا تو اللہ تعالیٰ نے سو سال تک وصال کی صورت میں رکھا پھر زندہ فرمایا اور سوال کیا: کَمْ لَبِثْتَ! تو یہاں کتنا ٹھہرا؟ جواباً آپ عرض گزار ہیں۔ یَوْماً اور بعد یوم دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم قَالَ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ: فرمایا نہیں بلکہ تجھے سو برس گزر گئے۔

اسی طرح انبیاء کرام کو سوال و جواب کی بے شمار حالتیں پیش آئیں جن پر قرآن و سنت ناطق ہیں، ذرا غور تو کیجئے۔ سوال کو تو ضروری قرار دیا جا رہا ہے۔

ارشاد باری ہے، فاسئلو اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون: اہلِ علم سے سوال کرو جن کا تمہیں علم نہیں اور

marfat.com

سید عالم ﷺ کو تو خصوصیت کے ساتھ ارشاد ہو رہا ہے وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ لا ۵(الایۃ)

اور اے محبوب جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں، تو میں قریب ہوں، سوال کا جواب عطا فرماتا ہوں، جب بھی کوئی سوال کرے۔ (یعنی میں دعا قبول کرتا ہوں جب بھی دعا کریں)

قرآن کریم میں ،ماضی، مضارع، امر و نہی، تاکید، معروف، مجہول، فاعل، مفعول، واحد، تثنیہ، جمع، غائب، مخاطب، متکلم، مذکر، مؤنث وغیرہ کے صیغے سوال سے متعلق اتنی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں کہ اگر ان تمام آیات کو یکجا کیا جائے تو ایک طویل مضمون ترتیب دیا جا سکتا ہے، اسی طرح جواب کا وجود بھی متعدد آیات کی صورت میں موجود ہے اور پھر سوال کرنے والا صرف خدا ہی نہیں بلکہ انبیاء و رسل، ملائکہ، مخلوق، امتیں، قومیں، بادشاہ، فقیر، امیر، غریب، آزاد، مقید حتیٰ کہ جانوروں کے سوال و جواب کی کیفیت پر قرآن ناطق ہے۔ کلامِ خدا میں سوال و جواب کے وسیع و عریض سمندر کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ کائنات کا نظام سوال و جواب سے ہی وابستہ کر دیا گیا ہے حقیقت ہے کہ دین و دنیا کی تعمیر و ترقی کا راز انہی پر مبنی ہے اور انسان کی کامیابی و کامرانی کا مدار صحیح جوابات پر منحصر ہے چنانچہ اسی اساس کے آئینہ میں حضرت ملک العماء علیہ الرحمۃ نے اپنے راہوار قلم کو صفحۂ قرطاس پر چلایا اور سینکڑوں سوالات کو جوابات کے حسن سے مرصع کیا، اس پر طرۃ یہ کہ اس فتاویٰ میں تاریخی، اسلامی اور تعمیری پہلو بھی اجاگر کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

حضرت ملک العلماء علامہ مولانا سیّد ظفر الدین احمد بہاری رحمہ الباری اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ارشد تلامذہ اور اشرف خلفاء میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کو ان پر ناز تھا فتاویٰ رضویہ لکھنے کی سعادت سے بہرہ مند رہے فقہ حنفی پر آپ نے احادیث مبارکہ کا وسیع ذخیرہ ”الجامع الرضوی بنام الصحیح البھاری“ مرتب فرمایا۔ جو اس دور کی نہایت وقیع کاوش تھی یگانے بیگانے اس کی عظمت کے معترف رہے۔ مفتیانِ اسلام کی متابعت میں آپ نے اپنے فتاویٰ سے بھی انسانیت کی رہنمائی فرمائی تاہم آپ کی حیاتِ مبارکہ میں وہ فتوے شائع نہ ہو سکے۔ حال ہی میں بھارت سے ”فتاویٰ ملک العلماء“ کے نام سے چھپ کر پاکستان میں جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت صاحبزادہ پیر الحاج سیّد محمد عثمان نوری مدظلہٗ ناظم اعلیٰ نوری کتب خانہ لاہور نے اس کی اہمیت کے پیش نظر اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو بھی باعث برکت بنائے۔ آمین ثم آمین!

خاکِ پائے سید المرسلین ﷺ

محمد منشا تابش قصوری

خطیب مرید کے (پاکستان)

marfat.com

شرف انتساب

فقہائے احناف خصوصاً

☆ سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ
☆ عطائے رسول خواجہ سید معین الدین حسن چشتی حنفی رضی اللہ عنہ
☆ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری حنفی قدس سرہٗ
☆ فقیہ اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی حنفی علیہ الرحمہ

کی بارگاہِ قدس میں نذر گدایانہ

چہ از صفائے ارادت زنم بمہر تو دم
ضمیر پاک ، دل روشنت گواہِ من است

گدائے بے نوا

ساحل

marfat.com

تقریظ جلیل

تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری

قائم مقام مفتیٔ اعظم ہند، بریلی شریف

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پیش نظر فتاویٰ ملک العلما حضرت علامہ شاہ مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کے ہیں۔ حضرت ملک العلما میرے جد امجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کے خاص فیض یافتہ تلمیذ، مسترشد اور خلیفہ ہیں جنھوں نے اپنی پوری زندگی اعلیٰ حضرت کے مسلک عشق ومحبت یعنی سنّیت کی ترویج واشاعت میں گذاری۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی حضرت ملک العلما کے ساتھ ہمیشہ خصوصی شفقت کا معاملہ رکھا۔ اپنے مشہور قصیدہ ''الاستمداد'' میں فرماتے ہیں ؎

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے

اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

آج ملک العلما کے مرتب فتاویٰ دیکھ کر دل ودماغ میں ان کی یاد پھر سے تازہ ہوگئی اور دل کو بے حد مسرت کا احساس ہوا۔ اپنی علالت کے سبب اس مجموعۂ فتاویٰ کو خود تو پڑھ نہ سکا لیکن ان فتاویٰ کے مرتب عزیز القدر مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی ساحل شہسرامی سلمہ سے کچھ اقتباسات اور ذیلی عنوانات سنے۔ جس قدر فتاویٰ میں نے سنے، خوب ہیں۔ مرتب نے مجھے بتایا کہ بیشتر فتاویٰ اس دور کے ہیں، جب ملک العلما بریلی شریف میں قیام رکھتے تھے۔ حضرت ملک العلما کے چھ گراں قدر فقہی رسالے بھی اس میں شامل ہیں جو اس مجموعے کی افادیت کو دوچند کرتے ہیں۔

ملک العلما کے ان چند منتشر فتاویٰ کو مرتب سلمہ، نے بہت کاوش سے مرتب کیا ہے اور اس پر ایک مبسوط تقدیم بھی تحریر کی ہے جو فقہ کی تعریف، تاریخ وغیرہ اور ملک العلما کی فقاہت کے گوشوں کو محیط ہے۔ یہ تقدیم بہت معلوماتی اور شائقین فقہ کے لیے کارآمد ہے۔

اللہ تعالیٰ مرتب موصوف کو اس فقہی خدمت پر جزائے خیر دے اور دین وسنّیت کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مجموعۂ فتاویٰ کو مقبول عام اور مفید انام بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

الفقیر محمد اختر رضا القادری الازہری غفرلہ

marfat.com

کلمات تکریم

پروفیسر مختار الدین احمد

وائس چانسلر مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی، پٹنہ
وسابق صدر شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

والد ماجد ملک العلما حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ علم وفضل، زہد وتقویٰ میں معاصرین ایک ممتاز شناخت رکھتے تھے۔ انہیں یہ امتیاز بارگاہ الٰہی سے عطا ہوا تھا اور اس کے حصول میں ان کے مربی اور مرشد امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی بابرکت صحبت اور تربیت کا خاصا دخل تھا۔ فاضل بریلوی کی ممتاز ترین شناخت ان کی فقاہت اور فتویٰ نویسی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کی بیشتر تصانیف کسی نہ کسی استفتا کا جواب ہیں۔ اس لئے والد ماجد بھی ان کے فیض یافتہ ہونے کی وجہ سے فقاہت کا خاص رنگ اور فتویٰ نویسی کی گہری بصیرت رکھتے تھے۔ دنیا انہیں ایک ماہر ہیئت داں، محدث، خطیب اور مناظر کی حیثیت سے پہچانتی رہی لیکن ان کی فقیہانہ بصیرت کی روشن دستاویز باضابطہ طور سے آج پہلی بار منظر عام پر آرہی ہے۔

والد ماجد علیہ الرحمہ نے فتویٰ نویسی کا آغاز اپنی طالب علمی کے زمانے سے ہی کر دیا تھا۔ ان کا سال فراغ ۱۳۲۵ھ ہے اور انہوں نے پہلا فتویٰ ۸ر رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کو تحریر فرمایا، جب وہ فاضل بریلی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر درس حدیث لینے اور فتویٰ نویسی سیکھنے میں مصروف تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد والد ماجد کی علمی مصروفیات میں گوناگوں اضافہ ہو گیا لیکن فتویٰ نویسی سے رشتہ اخیر دم تک قائم رہا، گرچہ وقفے کے ساتھ ہی سہی۔ لیکن قیام بریلوی کے ابتدائی سالوں کے علاوہ دنوں کے فتاویٰ کی نقلیں محفوظ نہ رکھی جا سکیں۔ اس میں ملک العلما کی نقل مکانی کا دخل رہا۔ وہ بریلی اور پٹنہ دو جگہ ہی زیادہ رہے، ورنہ اور سالوں میں قریب قریب سیمابی کیفیت رہی۔ بعد کے زمانے کے صرف وہی فتاویٰ محفوظ رہ سکے جو کتاب اور رسالے کی صورت اختیار کر گئے۔ چنانچہ زیر نظر مجموعے میں بھی شامل کئی رسائل بعد کے زمانوں کی یادگار ہیں۔

والد ماجد کے فتاویٰ کے دو رجسٹر ناچیز نے اپنے ذوق وشوق سے نوعمری کے زمانے میں نقل کئے تھے جب میں عربی فارسی کی ابتدائی درجات کا طالب علم تھا اور ہنوز مدرسے میں داخل نہیں ہوا تھا۔ اس کے ابتدائی صفحات میں حضرت ملک العلما نے جابجا اپنے قلم سے اصلاحات دی ہیں۔ جہاں جہاں مجھ سے الفاظ اور جملے نہیں پڑھے گئے، وہاں میں نے سادہ جگہ چھوڑ دی تھی۔ بعد میں جب شعور پختہ ہوا اور ان مقامات کی درستگی کی جانب توجہ کی تو والد ماجد کے دست مبارک کا تحریر فرمودہ اصل مسودہ مجھے دستیاب نہ ہو سکا جس سے میں نے یہ رجسٹر تیار کئے تھے۔ اس لئے وہ سادہ مقامات جوں کے توں رہ گئے۔ بعد میں کوئی مناسب آدمی نہ مل سکا جو ان کو درست کر کے

marfat.com

مرتب کرتا۔ بالآخر عزیز گرامی مولانا ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی، ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام اس کارِ سعید کا قرعۂ فال نکلا اور انہوں نے بڑی جانفشانی اور خوبی کے ساتھ اس ''تحفت خواں'' کو طے کرلیا۔ اس سلسلے میں ان کے سپروائزر برخوردار ڈاکٹر طارق مختار سلمہٗ نے بھرپور تعاون کیا اور مسودات و مواد کی فراہمی میں ان کی قدم قدم پر رہنمائی کی۔

مجھے بے حد مسرت ہے کہ والد ماجد کی یہ قیمتی یادگار ان کے وصال کے چالیس سال بعد گوشۂ گم نامی سے نکل کر منظر عام پر آرہی ہے۔ اس گرامی کارنامے پر میں صمیم قلب کے ساتھ اپنے دونوں عزیزوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور بارگاہِ رب العزت میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ ان کی گرامی خدمات کو قبول فرمائے اور مزید در مزید سعادتوں کی توفیق بخشے۔ آمین!

مختار الدین احمد

ناظمہ منزل ۴/۲۸۶، سول لائن

امیر نشاں روڈ، علی گڑھ

marfat.com

تقریب

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
صدر شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً

جامع علوم عقلیہ ونقلیہ، ملک العلما، ابوالبرکات، حضرت مولانا ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان اہل سنت و جماعت کے ممتاز عالم، جلیل القدر محدث، زبردست مناظر، بلند پایہ محقق، نامور مصنف، بالغ نظر فقیہ اور ماہر مفتی تھے۔ ان خوبیوں کی وجہ سے آپ ملک کے علما میں صفِ اول کے علما میں شمار کیے جاتے ہیں۔

فقہ وفتویٰ نویسی میں آپ کی ثقاہت ومہارت کے ثبوت کے لیے یہ سند کافی ہے کہ آپ نے عالم اسلام کے عبقری فقیہ اور فقید المثال مفتی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زیر سایہ رہ کر فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی اور پچپن سال تک اپنے فتاویٰ کے ذریعہ آپ خلقِ خدا کو فیضیاب کرتے رہے۔

مقدمہ صحیح البہاری میں ہے: ''مولانا (ظفر الدین رحمۃ اللہ علیہ) نے فاضل بریلوی سے صحیح بخاری شریف پڑھنی اور فتویٰ نویسی سیکھنی شروع کی''۔ (۱/۷)

اسی میں ہے: ''ان کی (حضرت ملک العلما کی) تدریسی زندگی کا آغاز بھی مدرسہ منظر اسلام بریلی ہی سے ہوا، جہاں ان کی تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ تقریباً چار سال تک وہ وہاں درس دیتے رہے اور فاضل بریلوی کی ہدایت پر فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ اس زمانے میں جو فتاویٰ انہوں نے لکھے، ان میں سے کچھ کی نقلیں نافع البشر فی فتاویٰ ظفر میں موجود ہیں''۔ (۱/۸)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں: ''مولانا مولوی ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کارِ افتاء میں میرے معین ہیں (۱) سنی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں (۲) عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں''۔

(مقدمہ صحیح البہاری، پروفیسر مختار الدین احمد دام مجدہم، ص۲،۱)

marfat.com

ایک مفتی کو درج ذیل اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے

(۱) مذہب کے متون، شروح، فتاویٰ پر اس کی گہری نظر ہو، ساتھ ہی استحضار ہو

(۲) عرفِ ناس وحالات زمانہ سے باخبر ہو

(۳) سوال فہم ہو، سائل کے خلجان اور اس کی الجھن کو سمجھ سکے

(۴) جواب تحقیق کے ساتھ لکھے اور مذہب کے جزئیات مفتیٰ بہا سے استناد کرے

(۵) جواب مسئلہ کے تمام ضروری گوشوں کو حاوی ومحیط ہو

(۶) اس بات پر بھی نظر رکھے کہ سائل یا کوئی بدمذہب اس کے فتوے سے غلط فائدہ حاصل نہ کر سکے

ان امور کی روشنی میں جب ہم حضرت کے فتاویٰ کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ ان تمام اوصاف کے جامع نظر آتے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی درسگاہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ شواہد اس امر کی دلیل ہیں کہ حضرت ملک العلما رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے ایک ذمہ دار مفتی تھے اور آپ کے فتاویٰ ہمارے لئے سند وحجت ہیں۔

حضرت علیہ الرحمہ کے مشاغل علمیہ مختلف انواع کے تھے۔ زیادہ وقت درس وتدریس کی مصروفیات میں گزرا۔ اسی میں کچھ وقت نکال کر فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے، اس لئے آپ کے فتاویٰ کی تعداد کوئی زیادہ نہیں، لیکن جو کچھ بھی ہے وہ بجائے خود اہم اور معتمد ومستند ہے۔ آپ کے انہیں فتاویٰ کا ایک مختصر مجموعہ بنام ''فتاویٰ ملک العلما'' عزیز اسعد جناب مولانا نثار ارشاد احمد رضوی مصباحی (ساحل شہسرامی، علیگ) صاحب دام مجدہم کی مساعی جمیلہ سے نظارۂ خلق ہو رہا ہے۔

اس مختصر مجموعے میں بارہ فقہی ابواب ہیں:

(۱) کتاب الطہارۃ -۳ (۲) کتاب الصلوٰۃ-۳۲ (۳) کتاب الزکوٰۃ-۵ (۴) کتاب الصوم-۶ (۵) کتاب النکاح-۲۱ (۶) کتاب الطلاق-۹ (۷) کتاب السیر -۵ (۸) کتاب الوقف-۴ (۹) کتاب القضا-۱ (۱۰) کتاب الاضحیہ-۸ (۱۱) کتاب الحظر والاباحۃ-۲۶ (۱۲) کتاب الفرائض-۶ (۱۳) ضمیمہ-۴ = ۱۳۰

اس میں حضرت ملک العلما کے چھ فقہی رسالے بھی شامل ہیں، جو یہ ہیں:

(۱) تنویر المصباح للقیام عند حیّ علی الفلاح (۱۳۳۰ھ)

(۲) عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)

(۳) تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (۱۳۳۶ھ)

(۴) اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ)

(۵) نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)

(۶) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۴ھ)

کتاب کے آغاز میں فاضل مرتب کا طویل مقدمہ شامل ہے جس میں حضرت ملک العلما کے حالات طیبات، فقہ وافتا کی اجمالی تاریخ اور ترتیب کی تقریب کا تذکرہ ہے۔ اس کے ذیلی عناوین سے اندازہ ہوا کہ فاضل مرتب سلمہٗ نے اس مقدمہ کو بڑی جانفشانی کے ساتھ قلم بند کیا ہے اور اسے جامع اور خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے۔

marfat.com

فتاویٰ ملک العلما کے مرتب اور مقدمہ نگار محب مکرم جناب مولانا ارشاد احمد رضوی صاحب زید علمہٗ، ملک کی مشہور درسگاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فاضل، ایک باصلاحیت عالم دین ہیں۔ کئی سال تک جامعہ اشرفیہ کے مدرس و مفتی رہے پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ چلے گئے۔ یہاں انہیں حضرات سادات مارہرہ مطہرہ☆ کے زیر سایہ مزید پروان چڑھنے کا موقع نصیب ہوگیا۔ یہ ان حضرات کی برکت ہے کہ چند سالوں میں انہوں نے کئی ایک قابل قدر کارنامے☆☆ انجام دیے۔ انہیں میں سے ایک فتاویٰ ملک العلما کی ترتیب بھی ہے۔

مولانا ایک اچھے قلم کار ہونے کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کا ذوق اور تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ اس لئے انہیں فتاویٰ کو مرتب کرنے کا بجا طور پر حق تھا اور قارئین محسوس کریں گے کہ مولانا نے حق ترتیب بخوبی ادا کیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے مولانا کی یہ سعی مشکور فرمائے، نہیں صحت وعافیت کے ساتھ شاد و آباد رکھے، ان کے علم، عمر، فضل، اقبال، اشغال میں برکتیں دے اور ان سے بیش از بیش دین حنیف کی خدمات جلیلہ مقبولہ لے اور جملہ اہل سنت کی طرف سے انہیں فتاویٰ ملک العلما کی ترتیب واشاعت کے صلے میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

محمد نظام الدین الرضوی

۳؍جمادی الآخرہ ۱۴۲۴ھ/ ۳؍اگست ۲۰۰۳ء (دوشنبہ)

☆ مارہرہ مطہرہ میں بلگرام کے زیدی سادات کی ایک شاخ دسویں صدی ہجری کے اخیر میں آکر سکونت پذیر ہوئی۔ تاجدار سلسلۂ برکاتیہ سید شاہ برکت اللہ عشقی پیمی مارہروی قدس سرہٗ کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے اس خطۂ پاک کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ اس خاندان ذیشان کے فرد جلیل خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ کے دست اقدس پر امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ بیعت ہوئے۔ عصر رواں میں قادری سلسلے کی اس عظیم خانقاہ کی نمائندگی سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی، پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری سجادہ نشینان خانقاہ برکاتیہ اور سید محمد اشرف قادری برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ فرما رہے ہیں۔ ناچیز انہیں بزرگوں کے سایۂ کرم میں سعادتوں کے ذخیرے سمیٹ رہا ہے۔ ۱۲ ساحل

☆☆ ۲۰۰۱ء کے وسط سے ۲۰۰۳ء کے اخیر تک حضرت امین ملت کی سرپرستی میں ناچیز کو درج ذیل تصانیف وتراجم رقم کرنے کی توفیق ارزانی ہوئی، فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

۱.	شاہ حقانی کا اردو ترجمہ وتفسیر قرآن، ایک تنقیدی وتحقیقی جائزہ	صفحات ۶۰۰
۲.	مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی - حیات اور شاعری	" ۲۴۸
۳.	حضرات محدثین کے اخلاق کریمانہ	" ۱۲۰
۴.	حضرت صادق شہسرامی - حیات اور شاعری	" ۲۰۰
۵.	کاشف الاستار شریف (ترجمہ وتقدیم)	" ۷۰۰
۶.	النور والبہاء لاسانید الحدیث وسلاسل الاولیا (ترجمہ)	" ۸۰
۷.	ایم اے عربی کی نصابی نظموں کا ترجمہ	" ۴۰۰
۸.	فتاویٰ ملک العلما (ترتیب وتقدیم)	" ۵۱۲

marfat.com

حضرت ملک العلما اور ان کے فتاویٰ

ساحل شہسرامی (علیگ)

ملک العلما حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ (۱۳۰۳ھ۔۱۳۸۲ھ) اپنے عہد کے ممتاز عالم دین، اسلامی دانشور، تدبر آشنا فقیہ، نکتہ سنج مفتی، دقیقہ رس مصنف، ماہر مدرس اور سراپا خلوص، مرتاض پیشوائے طریقت تھے۔ بچپن ہی سے آثار کرامت آپ کی پیشانی سعادت پر درخشاں تھے۔ پھر جب اس گلستان فکر کو امام احمد رضا کی فضائے نو بہار میسر آ گئی تو اس کی شادابی اور درخشانی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

حضرت ملک العلماء کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابو بکر غزنوی ملقب بہ مدار الملک ومخاطب بہ مَلِک بیا ہیں۔ ان کا نسب نامہ ساتویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ سید ابو بکر غزنی کے رہنے والے تھے، آپ غزنی سے تین فرہنگ کے فاصلے پر مقام بت نگر میں مدفون ہیں۔ سید ابراہیم غزنی سے سلطان فیروز شاہ کے عہد (۷۵۲-۷۹۰ھ) میں ہندوستان پہنچے اور یہاں آ کر شاہی فوج میں ملازم ہو گئے۔ وہ عمر بھر جنگی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے اور بالآخر ۱۳؍ذوالحجہ ۷۵۳ھ کو قلعۂ رہتاس (شاہ آباد، شہسرام، بہار) کی جنگ میں شہید ہوئے۔ قصبۂ بہار شریف کی ایک بلند پہاڑی پر سید صاحب کا مقبرہ ہے جس پر قدیم عالی شان گنبد تعمیر ہے۔ سید ابراہیم کا سلسلہ چھ واسطوں سے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اس طرح پہنچتا ہے:

۱-سید ابو بکر غزنوی بن۔ ۲-سید ابو القاسم عبد اللہ بن۔ ۳-سید محمد فاروق بن۔ ۴-ابو المنصور عبد السلام بن۔ ۵-سید عبد الوہاب بن۔ ۶-غوث الثقلین حضرت سیدنا الشیخ محی الدین عبد القادر حسنی حسینی جیلانی قدست اسرارہم۔

(حیات اعلیٰ حضرت ۱/و)

حضرت ملک العلما کی ولادت مبارکہ ۱۰؍محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/ ۱۹؍اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت موضع رسول پور میجرا ضلع نالندہ، بہار میں ہوئی۔ والد ماجد ملک عبد الرزاق اشرفی علیہ الرحمۃ نے خاندانی طرز کے مطابق چار سال، چار مہینہ، چار دن کی عمر (۱۳۰۷ھ) میں اپنے مرشد گرامی شاہ چاند بیتھوی کے دست مبارک سے آپ کی بسملہ خوانی کرائی۔ ابتداءً والد ماجد کی آغوش تربیت میں رہے پھر قرآن حکیم اور اردو فارسی کی کتابیں حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین اور مولوی عبد اللطیف سے پڑھیں۔ پھر اپنے نانیہال موضع بین ضلع پٹنہ کے مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں ۱۳۱۲ھ میں داخلہ لیا جہاں تفسیر جلالین اور میر زاہد تک کی کتابوں کا درس لیا۔ مدرسہ غوثیہ حنفیہ کے اساتذہ نے آپ کی ذہانت دیکھتے ہوئے بہت شفقت کے ساتھ آپ کی تعلیم کا نظم فرمایا۔ آپ وہاں ان اساتذہ کے زیر تربیت رہے:

۱-مولانا شیخ محی الدین اشرف۔ ۲-مولانا شیخ بدر الدین اشرف۔ ۳-مولانا مہدی حسن میجروی۔ ۴-مولانا فخر الدین حیدر۔ ۵-مولانا محمد منعم۔ ۶-مولانا معین اظہر رئیس موضع بین۔ ۷-مولوی محمد ابراہیم۔ ۸-حافظ محمد

marfat.com

اسماعیل بہاری۔ ۹۔ منشی اکرام الحق۔

قاضی عبدالودود کے والد ماجد قاضی عبدالوحید صدیقی فردوسی رئیس لودی کٹرہ وخلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہما (۱۲۸۹ھ - ۱۳۲۶ھ) نے ۱۳۱۸ھ میں پٹنہ کی سرزمین پر ایک عظیم الشان کانفرنس بلائی جو تحریک ندوہ کے اسلام مخالف نظریات کا تردیدی پس منظر رکھتی تھی۔ اس کانفرنس میں امام احمد رضا قادری برکاتی بنفس نفیس شرکت کے لئے پٹنہ تشریف لے گئے جہاں دیگر اکابر علمائے اہلِ سنت بھی جلوہ افروز تھے۔ اسی موقع سے قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمۃ نے ایک سنی ادارے کی داغ بیل ڈالی، نام رکھا مدرسہ حنفیہ۔ اس ادارے کے لئے قابل اساتذہ کا انتخاب کیا جن میں مسند وقت حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ (متوفی ۱۳۳۴ھ) بھی شامل تھے۔ مرحوم فردوسی نے اسی ادارے سے ایک علمی رسالہ "تحفۂ حنفیہ ملقب بہ مخزن تحقیق" جاری کیا جو عرصۂ دراز تک علم وفن اور دین وسنیت کی گرانقدر خدمات انجام دیتا رہا۔

حضرت ملک العلما نے جب اس مدرسے کی شہرت اور حضرت محدث سورتی کا چرچا سنا تو ۲۵ر جمادی الآخرہ ۱۳۲۰ھ کو پٹنہ چلے آئے اور محدث سورتی کی خدمت میں رہ کر مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف اور ملّا جلال پڑھی۔ کچھ دنوں کے بعد ہی محدث سورتی اپنی علالت سے مجبور ہوکر اپنے وطن پیلی بھیت تشریف لے گئے تو حضرت ملک العلما بھی وہاں سے رخصت ہوکر کانپور پہنچے اور وہاں کے تین مدارس سے بیک وقت علمی فیوض حاصل کئے۔ ۱- مدرسہ امدادالعلوم، بانس منڈی۔ ۲- مدرسہ احسن المدارس۔ ۳- دارالعلوم...... یہاں کے اساتذہ میں شہرۂ آفاق عالم مولانا احمد حسن کانپوری (متوفی ۳ر صفر ۱۳۲۲ھ) اور مولانا عبید اللہ پنجابی (متوفی ۶ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ) قابل ذکر ہیں۔ حضرت ملک العلما کانپور سے دوبارہ اپنے ممتاز استاذ حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت حاضر ہوگئے اور ان سے درس حدیث لیا۔ پھر ۱۳۲۱ھ میں بانس بریلی حاضر ہوئے اور مدرسہ مصباح التہذیب میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے لیکن یہاں کی سنیت بیزار فضا سے جلد ہی اوب کر سرچشمۂ علم وادب اور مصدر عشق ومحبت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ان سے ایسے مانوس ہوئے کہ انہیں کے ہوکر رہ گئے بلکہ پوری زندگی ان کے مشن کی ترویج واشاعت کے لئے وقف کردی۔

حضرت ملک العلما کے ذوق علم کی برکت ہے کہ امام احمد رضا نے آپ کے اصرار پر ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء میں مدرسہ منظرِ اسلام قائم فرمایا جس کا افتتاح ان دو طالب علموں سے ہوا:

۱- ملک العلما مولانا ظفرالدین قادری رضوی۔ ۲- مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی۔ حضرت ملک العلما نے امام احمد رضا سے بخاری شریف، اقلیدس کے چھ مقالے، تشریح الافلاک، تصریح، شرح چغمینی کا درس لیا اور فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور اسی طرح علم ہیئت، توقیت، جفر، تکسیر اور ریاضی جیسے نادر فنون میں کمال حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے سلوک کی ظاہری اور باطنی منزلیں بھی طے کیں۔ تصوف کی مشہور کتابیں رسالۂ قشیریہ اور عوارف المعارف

marfat.com

کا سبقاً سبقاً درس لیا، ذکر بالجہر، پاس انفاس کے باطنی آداب سیکھے۔ بالآخر آپ کی صفائے باطن سے متاثر ہو کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے سال فراغ کے اخیر میں آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت وخلافت مرحمت فرمائی۔

سال فراغ کے فوراً بعد حضرت ملک العلما نے منظر اسلام، بریلی شریف میں تدریس، تصنیف اور افتا نویسی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ زیر نظر مجموعۂ فتاویٰ میں بیشتر فتاویٰ اسی زمانے کے ہیں۔ ۱۳۲۹ھ میں معززین شملہ کے اصرار پر شملہ تشریف لے گئے پھر علی الترتیب ان مدارس کی فضاؤں میں آپ کے پاکیزہ افادات گونجتے رہے۔

۱- مدرسہ حنفیہ، آرہ، بہار (۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۰ھ)۔ ۲- مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۰ھ تا ۱۳۳۴ھ)۔ ۳- مدرسہ خانقاہ کبیریہ، شہسرام (۱۳۳۴ھ تا ۱۳۳۸ھ)۔ ۴- مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء تا ۱۹۵۰ء)

اخیر الذکر مدرسہ کے آپ ۱۹۴۸ء میں پرنسپل ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے ڈیڑھ دو سال بعد شاہ شاہد حسین درگاہی میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق، میتن گھاٹ پٹنہ کی استدعا پر ۱۳۷۱ھ میں کٹیہار، بہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا اور اپنی کوششوں سے اسے کافی فروغ بخشا۔ جب یہ ادارہ مستحکم ہو گیا تو آپ ربیع الاول شریف ۱۳۸۰ھ میں اپنے دولت کدے ''ظفر منزل'' شاہ گنج پٹنہ آ گئے۔

پچپن سال کے طویل تدریسی ایام میں ہزاروں تلامذہ آپ کے سرچشمۂ فیض سے سیراب ہوئے اور ایک عالم کو فیض یاب کیا۔ آپ نے اس دوران فتویٰ نویسی، وعظ وتلقین، تصنیف وتالیف، بیعت وارشاد، مناظرہ اور قضا جیسے گوناگوں مشاغل سے رابطہ رکھا۔ ان کثیر مصروفیات کے ہجوم میں صوفیانہ اذکار کے لئے بھی آپ نے اوقات خاص کر رکھے تھے۔ قادر مطلق نے آپ کے اوقات میں عجب برکتیں دے رکھی تھیں لیکن اس ذیل میں آپ کے اوقات کی منضبط تقسیم کا بھی خاصا دخل تھا۔

حضرت ملک العلما عرصے سے فشار الدم کے مرض میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے کافی نحیف ہو گئے تھے۔ اس عالم نقاہت میں بھی آپ کے معمولات شب وروز میں کوئی فرق نہ آیا۔ ریاضتوں کے وہی سلسلے تھے اور علمی مصروفیات بھی اپنی جگہ تھیں۔ بالآخر یکشنبہ کا دن گذار کر دوشنبہ کی شب میں ۱۹ر جمادی الآخرۃ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو اسم ذات کا ذکر بالجہر کرتے ہوئے اس طرح پرسکون انداز میں اپنے محبوب حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے کہ حاضرین کو کچھ دیر تک اس بات کا احساس بھی نہ ہو سکا کہ آپ لذت وصال سے شادکام ہو چکے ہیں۔ دوسرے دن حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور ضلع پٹنہ (متوفیٰ ۱۹۶۷ء) نے، جن سے حضرت کو فردوسی، شطاری وغیرہ سلاسل کی اجازت حاصل تھی، آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور درگاہ شاہ ارزاں (متوفیٰ ۱۰۲۸ھ) کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

☆☆☆☆☆

marfat.com

حضرت ملک العلما علامہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ علم وفن کی بیشتر شاخوں پر دسترس رکھتے تھے خصوصاً علوم اسلامیہ میں امام احمد رضا کے علمی اور فکری جانشین تھے۔ علوم قرآن، تفسیر، اصول تفسیر، تجوید وقرأت، علوم حدیث، حدیث، اصول حدیث، فقہی علوم، فقہ، اصول فقہ، عقائد وتصوف، بلاغت، عروض، ادب، لغت، نحو وصرف، معانی وبیان، فلکیاتی علوم، نجوم، ہیئت، توقیت، تکسیر، جفر، رمل، عقلی علوم منطق، فلسفہ، ریاضی جیسی علمی شاخوں سے آپ کو نہ صرف واقفیت بلکہ ان پر دسترس حاصل تھی۔ اس وسعت علمی پر ان کی تحریریں بہترین شہادت ہیں جن میں مذکورہ بھی علوم کی چاندنی پھیلی ہوئی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو دبستان رضا کے خوشہ چیں جو ٹھہرے۔ آپ کی اس علمی لیاقت کا اکرامی اعتراف خود آپ کے مربی اور مشفق، استاذ اور مرشد، عبقری الشرق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت، انجمن نعمانیہ لاہور کو ۵ر شعبان المعظم ۱۳۲۸ھ کے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں کے اعز طلبا سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتا میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب میں یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

''سنی، خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔ عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں، علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں .... فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے''۔

(حیات ملک العلما ص ۷-۸ مطبوعہ لاہور)

ان تمام علوم میں چند شاخیں آپ کی خاص پہچان تھیں۔ ۱- علوم حدیث ۔ ۲- فقہ وتصوف ۔ ۳- عقائد ومناظرہ ۔ ۴- ہیئت وتوقیت ۔ ۵- اور سوانحی ادب۔

فقہ وتصوف پر آپ کو کس قدر عبور حاصل تھا، اس کی قدرے وضاحت کے لئے تو یہ مقدمہ ہی تحریر کیا جا رہا ہے۔ باقی گوشوں پر بھی ایک اجمالی نگاہ ڈالتے چلتے ہیں۔

علوم حدیث:

حضرت ملک العلما نے بریلی شریف کے علاوہ جہاں بھی منصب تدریس سنبھالا وہاں علمی صدارت کی شہ نشین آپ کی خدمت میں ہی پیش کی گئی۔ اسی لئے صحاح ستہ کا درس بھی ہمیشہ آپ کے ذمہ رہا۔ اس طور سے درس حدیث کی آپ نے پوری زندگی گرانقدر سعادت حاصل کی۔ وعظ وتذکیر میں کثرت کے ساتھ آپ حدیث شریف تلاوت کرتے اور اس کے قیمتی نکات بیان فرماتے۔ فتاویٰ اور مختلف تصانیف میں بھی آپ نے جس کثرت کے ساتھ احادیث طیبہ کے حوالے پیش کئے ہیں، وہ آپ کی اس علم شریف پر دسترس کا کافی ثبوت ہیں لیکن اس فن شریف میں

marfat.com

آپ کی سب سے انمول یادگار ہے ''جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری''۔ چھ جلدوں میں آپ نے مذہب حنفی کی مؤید احادیث کا ذخیرہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا اور ہر جلد میں دس ہزار احادیث کا اوسط رکھا۔ مصنف کی حیات میں اس کی صرف دوسری جلد چار قسطوں میں شائع ہو سکی جس کے اندر تقریباً دس ہزار احادیث مبارکہ کا ذخیرہ موجود ہے۔

اس عظیم الشان خدمت حدیث کو اہل علم کے ہر طبقے نے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور اسے ایک مہتم بالشان علمی کارنامہ قرار دیا۔ اس گرانقدر علمی کارنامے کو خراج تحسین پیش کرنے والوں میں محدث سورتی مولانا وصی احمد پیلی بھیتی، مولانا عبد القدیر پروفیسر حدیث وصدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مولانا سید حیدر ولی اللہ قادری ناظم دار العلوم لطیفیہ خانقاہ حضرت قطب ویلور کرناٹک، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الماجد دریا آبادی، غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری جیسی شخصیات شامل ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہر شخص حضرت ملک العلما کی علم حدیث میں مہارت اور اس کے مختلف گوشوں پر دسترس کی بھرپور شہادت دے گا۔ خاص طور سے ۲۵ رصفحات پر پھیلا ہوا اس کتاب کا گرانقدر مقدمہ، اصول حدیث کا شاندار گلدستہ ہے جسے پڑھ کر ہر باذوق قاری جھوم اٹھتا ہے۔ حضرت کے یہ سارے حدیثی افادات محدث بریلی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے بحر علم کی چند قیمتی موجیں ہیں جس کا اعتراف خود حضرت ملک العلما نے ان کلمات سے کیا ہے:

''ھذا نھر اصغر من البحر الاکبر من بحار علوم سیدی و شیخی نفعنا ببرکاتہ فی الدنیا والآخرۃ'' (صحیح البھاری، کتاب الصلوٰۃ، ۱/۲۶)

عقائد و مناظرہ:

حضرت ملک العلما کا دور معتقداتی معرکہ آرائیوں کا گرما گرم دور تھا۔ اہل سنت کی وحدت پارہ پارہ ہو رہی تھی اور لوگ نت نئے خیموں میں داخل ہوتے جا رہے تھے۔ ابن عبد الوہاب نجدی کے مسموم عقائد اسمٰعیل دہلوی کی تقویت الایمان کے ذریعہ متحدہ ہندو پاک کے خطوں میں پھیل رہے تھے۔ اس لئے ملت کے پاسبان بھی شیرازۂ ملی کو سمیٹنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اس خصوص میں اسمٰعیل دہلوی کے ہم درس اور مکتب شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے خاص فیض یافتہ علامہ فضل حق خیرآبادی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ آپ نے حمایت حق اور باطل کی سرکوبی کا جو مستحکم سلسلہ شروع کیا تھا اسی کی کڑیاں ملاتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے بھی حق کی حمایت اور باطل کے خلاف محاذ آرائی کا سلسلہ چھیڑ رکھا تھا جس نے باطل کے منہ زور بڑھتے سیلاب پر کامیاب بند باندھا۔ حضرت ملک العلما بھی مکتب رضا کے فیض یافتہ تھے اس لئے آپ نے بھی باطل سے مختلف محاذ پر لوہا لیا اور انہیں فاش شکستیں دیں۔ آپ کے مناظرے کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ حریف کو اسی کے اسلحے سے اس شائستگی سے زیر کرتے تھے کہ ذوق لطیف پر ذرا سی بھی خراش نہ آتی۔ شائستہ اور متین تنقید آپ کی پہچان کہی جا سکتی ہے۔

marfat.com

آپ نے وہابیت کی جملہ شاخوں غیر مقلدیت، دیوبندیت اور آریوں، مسیحی مشنریوں کے مبلغوں سے بہت کامیاب بحثیں کیں اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ آپ کا دور تو دیوبندیت اور وہابیت پر داروگیر کا خاص دور تھا، اس لئے ان سے رزم آرائیاں تو تھیں ہی، آریہ سماجیوں اور عیسائی مشنریوں نے بھی بھولی بھالی عوام کو پھانسنے کے لئے جال پھیلا رکھا تھا۔ اس لئے علمائے اسلام ان کے خلاف بھی صف آرا ہوتے۔ ملک العلما نے بھی اس محاذ پر اسلام کی پاسبانی کے حقوق ادا کئے۔ آپ جہاں کہیں حمایت حق کے لئے تشریف لے گئے، نصرت خداداد آپ کی رفیق رہی۔ آپ کی اسی فاتحانہ شوکت کو شفیقانہ تحسین پیش کرتے ہوئے آپ کے شفیق مربی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے فرماتے ہیں۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے　　　اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

ملک العلما کے صاجزادے پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

''مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ (حضرت ملک العلما) آریہ سماجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کے لئے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرے کے لئے بھی وہ دور دراز کے علاقوں سے مدعو کئے جاتے تھے۔ ایک مناظرے کے لئے وہ برما بھی تشریف لے گئے تھے۔ (حیات ملک العلما ص ۱۶)

حضرت ملک العلما، اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے حکم پر فیروز پور میوات کے علاقے موضع جھر کا میں دیابنہ سے مناظرے کے لئے تشریف لے گئے اور فتح یاب ہو کر بریلی شریف واپس ہوئے۔ ''اس موقع پر اعلیٰ حضرت نے ایک اونی جبہ عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا: یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا اور آنکھوں سے لگایا''۔ (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۵۵)

اس مناظرے کی پوری روداد آپ کے مرتبہ رسالہ ''شکست سفاہت'' (۱۳۲۶ھ) میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر اور بھی کئی رسالے آپ نے تصنیف فرمائے:

۱- الحسام المسلول علیٰ منکر علم الرسول (۱۳۲۳ھ)۔ ۲- نجم الکنزہ علیٰ الکلاب الممطرۃ (۱۳۲۸ھ)۔ ۳- النبراس لدفع ظلام المنہاس (۱۳۲۹ھ)۔ ۴- رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ)۔ ۵- کشف الستور عن مناظرۃ رامپور (۱۳۳۴ھ)۔ ۶- ظفر الدین الجید (۱۳۲۳ھ)۔ ۷- گنجینۂ مناظرہ (۱۳۳۴ھ)۔ ۸- ظفر الدین الطیب وغیرہ رسائل بھی مناظراتی تحریریں ہیں۔ زیر نظر مجموعے میں بھی کئی فتاویٰ مناظراتی انداز کے ہیں جن پر گفتگو ابھی آتی ہے۔ یہ تمام چیزیں حضرت ملک العلما کے مناظراتی معیار فن کو متعین کرتی ہیں اور معتقداتی پہلوؤں اور تقابل ادیان کے وسیع اور متنوع علوم میں آپ کی دسترس کے شواہد فراہم کرتی ہیں۔

ہیئت و توقیت:

یہ فنون حضرت ملک العلما کی پہچان تھے اور آپ ان میں معاصرین کے درمیان یکتائے روزگار۔ اس امتیاز

maktabah.org

کے لئے امام احمد رضا کی یہ شہادت کافی ہے:

"(مولانا محمد ظفر الدین قادری) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علما بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جس میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں"۔ (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۲۴۴)

حضرت ملک العلما نے اس علم کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں رہ کر سیکھا اور اس میں مکمل مہارت حاصل کی۔ ہندو پاک کے دائمی اوقات صلوٰۃ تخریج کئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے زبانی افادات اور اپنی ذاتی توضیحات کو یکجا کر کے کئی رسائل ترتیب دیئے:۔ ۱۔ الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت معروف بہ توضیح التوقیت (۱۳۳۰ھ)۔ ۲۔ بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام معروف بہ موذن الاوقات (۱۳۳۵ھ)۔ ۳۔ توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (۱۳۴۰ھ)۔ ۴۔ مشرقی اور سمت قبلہ/ مشرقی کا غلط مسلک (۱۳۵۸ھ) جیسی حضرت کی قیمتی تحریریں انہیں فنون سے تعلق رکھتی ہیں۔

توضیح التوقیت کی ترتیب کے سلسلے میں ملک العلما اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قبلہ نے علم توقیت کے قواعد کتابی شکل میں مدون نہیں فرمائے۔ بلکہ میری تعلیم کے زمانے میں قواعد زبانی فرمایا کرتے تھے جس کو میں اردو زبان میں لکھ لیتا اور میرے دوست وہم سبق حکیم سید عزیز غوث صاحب بریلوی فارسی میں لکھ لیا کرتے اور شرکائے درس میں کوئی ان سے، کوئی مجھ سے سیکھا کرتا۔ بہر کیف! ایک زمانے تک وہ سب ردی پرزے کی شکل میں رہے۔ اس کے بعد میں نے بعض احباب کی فرمائش سے ان سب کو کتابی شکل میں جمع کر دیا اور اس کو آسان سے آسان تر کرنے کے لئے مثالوں کے علاوہ تشریح مقامات متعلقہ کے عنوانات سے ہر قاعدے کو اتنا واضح کر دیا کہ اس کتاب کو پیش نظر رکھ کر ہر شخص اس فن کو بہ آسانی گھر بیٹھا سیکھ سکتا ہے۔ کہیں شبہہ ہو تو بذریعہ خط دریافت کر لینا کافی ہے"۔ (حیات ملک العلما ص ۲۹)

حضرت نے نہ صرف یہ کہ اس علم کے افادات تحریری شکلوں میں عام کئے بلکہ اسے سفینوں کے ساتھ ساتھ سینوں میں بھی منتقل کیا اور کئی ایک نامور تلامذہ پیدا کئے۔ بہتیرے شائقین اس فن میں آپ سے خطوط کے ذریعہ استفادہ کرتے۔ ان مستفیدین میں مولانا حاجی محمد ظہور نعیمی مراد آباد اور مولانا مفتی سید محمد عمیم الاحسان ڈھاکہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان میں اول الذکر نے متحدہ ہندو پاک کے سارے مشہور مقامات کے اوقات صوم وصلوٰۃ "ظہور الاوقات" کے نام سے تخریج کئے ہیں۔ اس کتاب کا خاص وصف یہ ہے کہ اس میں ہر مقام کا سمت قبلہ بھی تحریر ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ کوئی ادارہ اسے نئے انداز سے ایڈٹ کر کے شائع کرے۔

ان فنون میں آپ کے باضابطہ تلامذہ میں مولانا حافظ عبد الرؤف بلیاوی نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ

marfat.com

مبارک پور (متوفی ۱۹۷۱ء)، مفتی نظام الدین بلیاوی الہ آباد، اور مولانا یحییٰ بلیاوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

سوانحی ادب:

حضرت ملک العلما بہت شستہ اور نکھرا ادبی ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تحریریں چاہے جس موضوع سے تعلق رکھتی ہوں، بیان کی شائستگی اور لہجے کی شگفتگی سے آراستہ ہوتی ہیں۔ مناظرانہ اور تنقیدی تحریروں میں بھی کہیں سوقیانہ لب و لہجے کا دور دور تک پتہ نہیں چلتا۔ اسی شگفتہ نثر میں سیرت وسوانح کے موضوع پر بھی آپ نے قیمتی تحریریں چھوڑی ہیں۔

۱-شرح الشفا للقاضی عیاض (نامکمل)۔ ۲-مولود رضوی (۱۳۶۰ھ)۔ ۳-مبین الھدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (۱۳۲۴ھ)۔ ۴-تنویر السراج فی ذکر المعراج (۱۳۵۳ھ)۔ ۵- اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (۱۳۴۱ھ)۔ ۶- خیر السلوک فی نسب الملوک (۱۳۳۳ھ)۔ ۷- جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان (۱۳۳۳ھ)۔ ۸- حیات اعلیٰ حضرت/ مظہر المناقب (۱۳۶۹ھ)۔ ۹- چودھویں صدی کے مجدد (۱۳۶۷ھ)۔ المجمل المعدّد لتالیف المجدّد (۱۳۲۷ھ) یہ ساری تحریریں آپ کے سوانحی ادب کا شاہکار ہیں۔

یوں تو حضرت کی ساری تصانیف اخلاص اور عقیدت کے جذبے سے سرشار ہو کر معرض تحریر میں آئیں لیکن مذکورہ بالا تصانیف میں عشق رسول اور محبت رضا کے شیریں جذبے کچھ زیادہ ہی نمایاں ہیں۔

شفائے قاضی عیاض کی عربی حاشیہ نگاری کا آغاز ۱۴/ ربیع الاول شریف ۱۳۲۴ھ بروز چہارشنبہ ہوا۔ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

"انی نذرت للرحمن انه لما تمت هذه الحاشية اصلی مائة ركعة ان شاء الله"

"میں نے خدا کے حضور نذر مانی ہے کہ جب یہ حاشیہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا، اس وقت سو رکعت نمازیں شکرانہ نفل کی پڑھوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ۱۲ ساحل

مجدد ملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ سے آپ کو بہت گہری عقیدت تھی۔ آپ نے امام احمد رضا کے اتباع رسول اور عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی خوشبوؤں میں بسے شب و روز دیکھے، ان کی شفقتیں، ہمدردیاں، انسانیت نوازی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کا مشاہدہ کیا، علم وفن اور فکر وقلم کی عبقریت ملاحظہ کی۔ اس لئے ان سے شیفتگی کے والہانہ جذبات انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ "من احب شیئا اکثر ذکره"۔ محبوب کے ذکر سے روح کو بالیدگی ملا کرتی ہے۔ اس لئے امام احمد رضا کا ذکر بھی حضرت ملک العلما کی تسکین روح کا سامان تھا۔ جلوت وخلوت ہر جگہ امام احمد رضا کا ذکر جمیل حرز جاں رہتا۔ آپ کے خواجہ تاش، خلیفۂ امام احمد رضا، مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شہر امی جب کبھی "ظفر منزل" پٹنہ تشریف لاتے تو پوری پوری رات اعلیٰ حضرت کے ذکر جمیل میں گذر جاتی۔ پروفیسر مختار الدین احمد کے لفظوں میں:

"رات کے کھانے کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا والہانہ ذکر شروع ہوتا اور ان کے فضائل

marfat.com

ومناقب میں پوری رات گذر جاتی تھی۔ درمیان میں کبھی کبھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، تحریرات کے دفتر بھی کھل جاتے تھے اور عبارتیں پڑھی جاتی تھیں اور ان کے محاسن پر گفتگو ہوتی تھی۔ دونوں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے عاشق جو ٹھہرے''۔ (ماہنامہ جہان رضا، لاہور۔ جون ۱۹۹۹ء ص ۶۱)

جب تک اعلیٰ حضرت حیات سے رہے، ملک العلما نے ہمہ دم خود کو ان کی ہر ممکن علمی خدمت کے لئے مستعد رکھا۔ کارافتا میں معین رہے، منظر اسلام کی تدریسی ذمہ داری سنبھالی، حضرت صدر الشریعۃ اور ملک العلما نے بڑی تندہی سے اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کی حفاظت اور اشاعت کی جانب توجہ فرمائی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی رحلت کے بعد حضرت مفتیِ اعظم شاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہٗ کی خواہش پر ملک العلما بریلی شریف تشریف لے گئے اور تین چار مہینے کی جانکاہ محنت کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ڈھیروں تصانیف کے مبیضے تیار کئے، منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کی اور یوں بہتیری تصانیف رضا کو ضائع ہونے سے بچالیا، لیکن ایک شیفتۂ رضا کی یہ جاں نثارانہ خدمات کچھ تنگ نظر حضرات کو ایک آنکھ نہ بھائی اور وہ ان تصانیف رضا کی اشاعت میں تاخیر کرنے کے حیلے کرنے لگے۔ اس سے کبیدہ خاطر ہوکر حضرت ملک العلما بریلی شریف کے ایک دوست کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں:

''میں نے تین مہینے کس جانفشانی سے کام کیا اور خدا کا شکر ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کو ضائع ہونے سے بچالیا مگر جو قدردانی کی گئی، وہ آپ کے اور سب کے پیش نظر ہے۔ اگر تصنیفات کی اشاعت ہی کا سلسلہ جاری ہوتا تو دینی فائدہ کثیر ہوتا''۔ (حیات ملک العلما ص ۲۷)

مولانا امجد رضا خاں نوری کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی جملہ تصنیفات و تالیفات و تحریرات چھپ جائیں تو سینوں کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہوگی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد، اخلاق کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، ہیئت، توقیت، حساب، جبر و مقابلہ، تکسیر، جفر، زائچہ، کون سے علوم ہیں جن میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں۔ جس وقت یہ کتابیں جناب کی ہمت و محنت و توجہ سے چھپ جائیں گی، اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی کہ اعلیٰ حضرت کیا تھے۔'' (حیات ملک العلما ص ۲۶)

احسان شناسی کے جذبوں سے لبریز حضرت ملک العلما کی ذات گرامی نے اپنے سارے محسنوں کے حقوق محبت ادا کئے۔ آپ کے ذخیرۂ مکاتیب اور قلمی یادداشتوں کے مجموعے اس کی تصدیق کے لئے کافی سے زائد مواد فراہم کرتے ہیں۔

آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے سب سے زیادہ منت کش تھے، اس لئے ہمیشہ ان کی یادوں میں مگن اور ان کے ذکر جمیل میں رطب اللسان رہے۔ پوری زندگی ان کے فکری مشن کی اشاعت کے لئے وقف رکھی، ان کی نگارشات کے تحفظ اور طباعت کے لئے حضرت صدر الشریعہ اور ملک العلما یکساں طور سے مضطرب نظر آتے ہیں۔ آپ اپنے دامن سے وابستہ حضرات کو ''ظفری'' کے بجائے ''رضوی'' لکھنے کی تاکید فرماتے۔ اعلیٰ

marfat.com

حضرت کی تصانیف کی سب سے پہلی شیرازہ بندی کا سہرا آپ کے سر رہا۔ "المجمل المعدد لتالیف المجدد" میں سب سے پہلے آپ نے امام احمد رضا کی تقریباً آٹھ سو تصانیف کی موضوعاتی فہرست پیش کی ہے۔ امام احمد رضا کے حوالے سے آپ کا سب سے عظیم کارنامہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' کی تدوین ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا وصال شریف ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ آپ کے وصال کے سترہ سال بعد تک آپ کی حیات وخدمات پر کوئی کام نہ ہوسکا۔ چند مقالات، تاثرات یا مختصر کتابچے ظاہر ہے مشرق کے اس عبقری کا کیا تعارف کرا سکتے تھے۔ اس راہ میں کئی چیزیں حائل ہوئیں۔ ۱۹۲۱ء کا زمانہ خلافت موومنٹ اور نان کوآپریشن تحریک کی شورشوں سے لبریز زمانہ تھا۔ پھر سلطنت عثمانیہ کے سقوط، ۱۹۲۵ء سے آریہ سماج کا شدھی سنگٹھن اور پھر ۱۹۳۰ء سے دوقومی نظریے میں آئی شدت اور قیام پاکستان کے تصورات نے ایسا ماحول پیدا کردیا تھا جس نے اسلامیان ہند کے دل ودماغ ہلا کر رکھ دیے تھے۔ ماحول کی ابتری اور دینی اور سیاسی قائدین کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں نے ذہنوں میں قنوطیت کی ایسی برف جما رکھی تھی کہ فکریں قریب قریب شل ہوچکی تھیں۔ رفتہ رفتہ حالات نے سنبھالا لیا اور برف پگھلنے لگی اور پھر امام احمد رضا کے حوالے سے اس جمود کے حصار سے جو ذات گرامی سب سے پہلے نکلی وہ منظور نگاہ اعلیٰ حضرت، حضرت ملک العلما کی ذات کریم تھی۔ آپ نے ہی سب سے پہلے کمر ہمت کسی اور اس ''ہفت خواں'' کو طے کرنے کی ٹھانی۔ اس راہ میں وابستگان رضا میں سے جاں نثار اعلیٰ حضرت، مولانا سید ایوب علی قادری رضوی نے آپ کا پورا پورا تعاون کیا بلکہ انہوں نے بے مثل ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے پاس موجود سارا سوانحی مواد حضرت ملک العلما کے حوالے کردیا۔ بارہ سال کی محنت کے بعد چار جلدوں میں یہ تصنیف مکمل ہوئی۔ ۱۹۵۵ء میں اس کا صرف پہلا حصہ شائع ہوا۔ دوسری جلد اب تک دستیاب نہ ہوسکی، تیسری اور چوتھی جلد پہلی جلد کے ہمراہ نصف صدی طے کرنے کے بعد اب شائع ہونے جارہی ہے۔ اس طور سے دیکھا جائے تو حضرت ملک العلما نے سوانحی ادب پر بھی خاصے علمی آثار چھوڑے ہیں۔

فقہ وتصوف:

"مَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ" (امام مالک)

''جس نے عالم شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ طرز صوفیا کی پیروی نہ کی، وہ بے عمل ٹھہرا اور جس نے صرف زہد اختیار کیا اور شریعت کے علم سے بے بہرہ رہا، اس کے ایمان کا بھی بھروسہ نہیں''۔ ۱۲ ساحل

اس ارشاد مالکی کی روشنی میں فقہ اور تصوف کا آپس میں گہرا ربط نظر آتا ہے بلکہ ابتدا میں دونوں ایک ہی دائرۂ علم میں آتے تھے۔

علامہ محب اللہ بہاری ''مسلم الثبوت'' میں تحریر فرماتے ہیں:

"ان الفقه فی الزمان القدیم کان متناولا لعلم الحقیقة وهی الالهیات من مباحث الذات

marfat.com

والصفات وعلم الطریقة وھی مباحث المنجیات والمھلکات وعلم الشریعة الظاھرة"

'زمانۂ قدیم میں علم فقہ، علم حقیقت کے مباحث پر مشتمل ہوتا تھا جسے علم الٰہیات کہتے ہیں اور جس میں خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات سے بحث ہوتی ہے۔ یونہی نجات بخش اور ہلاکت آمیز چیزوں کے علم، علم طریقت اور شریعت مطہرہ کے ظاہری علوم بھی اس علم کے دائرے میں آتے تھے" ۱۲-ساحل

بعد کے زمانوں میں تمدن کے پھیلاؤ نے جب علم کی شاخوں کو ضرب دینا شروع کیا تو فقہ اور تصوف دونوں نے اپنی الگ الگ ممتاز شناختیں بنالیں لیکن ہزار دوری کے باوجود قدیم رفاقت کا اثر تو رہنا ہی تھا۔ اسی لئے حضرت امام غزالی ایک فقیہ کو تصوف کے رنگ میں ہی رنگا دیکھنا چاہتے ہیں۔ فقیہانہ اوصاف کی یہ غزالی تشریح دیکھئے۔ فرماتے ہیں:

''فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو، طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر وحضر اور جلوت وخلوت میں ہر وقت دل پر خوفِ الٰہی کا غلبہ ہو۔'' (احیاء العلوم)

فقہ اور فقیہ کی ان تشریحات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں تو حضرت ملک العلما قدس سرہٗ ایک ممتاز فقیہ اور پرسوز صوفی نظر آتے ہیں۔ تصوف پر آپ کی کوئی باضابطہ تصنیف تو نہیں ملتی لیکن آپ کی جملہ فقہی اور دینی تصنیفات میں حضرات صوفیہ کی رواداری اور اخلاص کے جذبے رونق افروز ملتے ہیں۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کے شب وروز معمولات صوفیہ اور اذکار واشغال سے معمور دکھائی دیتے ہیں۔ تعصب اور تنگ نظری سے کوسوں دور، قلبی پاکیزگی اور طہارت باطن کا نگارخانہ تھی آپ کی ذات گرامی۔ معاند سے بھی کبھی آپ کو سوقیانہ کلام کرتے نہ دیکھا گیا۔ تحریروں کی شائستگی اور جذبوں کی سادگی کہتی ہے کہ یہ کسی مرد خدا کے بول لگتے ہیں۔ زیر نظر مجموعۂ فتاویٰ کے کتاب الحظر والاباحۃ میں کئی صوفیانہ فتاویٰ شامل ہیں۔ حضرت امام غزالی نے ایک فقیہ کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں، وہ سارے اوصاف حضرت ملک العلما کی پاکیزہ، تقویٰ شعار، خداترس اور سراپا اخلاص ذات گرامی میں موجود ملتے ہیں۔

حضرت کی فقیہانہ شان پر کچھ گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ وافتا کے تعلق سے بھی کچھ بنیادی معلومات اور ان کے مختلف مراحل کا اجمالی تعارف پیش کردیا جائے تاکہ قارئین، کتاب کے مندرجات اور خود صاحب کتاب کی شان کمال کا اندازہ کرسکیں۔

☆☆☆☆☆

انسان جستجو اور دریافت کا پیکر اور ایک دوسرے کے تعاون کا محتاج ہے۔ اس لئے ابتدائے آفرینش سے ہی اس کی جستجو کا سفر جاری ہے اور اس کے ساتھ متوازی طور پر باہمی مفاہمت کا عمل بھی۔ تحقیق وجستجو اور مفاہمت کے اسی سلسلے کو فقہ (یعنی فہم) وافتا (یعنی باہمی دریافت) کی معزز اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں۔ اس طور سے یہ دونوں

marfat.com

چیزیں ابتدائے تخلیق سے چلی آ رہی ہیں۔ قرآن حکیم، احادیث طیبہ میں بھی اس کی واضح ہدایات اور فضیلتیں وارد ہیں۔ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ "فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (النحل: ۴۳) (تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں) مفتی اور مستفتی دونوں کی اہمیت واضح فرما رہی ہے۔ سارے انبیاء ومرسلین، دُعاۃ ومبلغین اپنی امتوں اور ماتحتوں کو اسلامی احکام بتاتے چلے آئے اور ساری امتیں اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں سے شرعی احکام دریافت کرتی رہیں، اس لئے عمومی تناظر میں کبھی رہنما فقیہ اور مفتی اور سارے متبعین مستفتی نظر آتے ہیں۔ لیکن ہماری گفتگو امت محمدی کے مخصوص عرفی فقہاء تک محدود ہے، اس لئے ان الفاظ کے وہی معانی بیان ہوں گے جو ان کے معروف اصطلاحی مفہوم کے گرد گھومتے نظر آئیں۔

فقہ وافتا مفہوم کے اعتبار سے قریب قریب مساوی ہیں۔ البتہ افتا فقیہ کی ایک مخصوص اور ممتاز حیثیت ہوتی ہے۔ علامہ زمخشری فقیہ کی تعریف ان لفظوں میں کرتے ہیں:

" الفقیه : العالم الذی یشق الاحکام ویفتش عن حقائقها "

''فقیہ ایسے عالم دین کو کہتے ہیں جو احکام شریعت کی تہیں کھولتا اور ان کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے''۔

ابتدائی زمانہ میں یہ لفظ مجتہد مطلق کے تعلق سے استعمال کیا جاتا تھا لیکن اب ایسے ناقل فتویٰ کو مفتی اور فقیہ کہتے ہیں جو فقہائے کرام کے مختلف طبقات پر گہری نظر رکھتا ہو اور راجح اور مرجوح، مفتیٰ بہ میں امتیاز کی صلاحیت رکھتا ہو۔

حضرت علامہ سید محمد ابن عابدین شامی قدس سرہٗ "رد المحتار علی الدر المختار" میں تحریر فرماتے ہیں:

" المفتی هو المجتهد فاما غیر المجتهد ممن یحفظ اقوال المجتهد فلیس بمفت والواجب علیه إذا سئل ان یذکر قول المجتهد کالامام علیٰ وجه الحکایة فعرف ان ما یکون فی زماننا من فتویٰ الموجودین لیس بفتویٰ بل هو نقل کلام المفتی لیاخذ به المستفتی۔ (رد المحتار ۱/۴۷)

''مفتی تو مجتہد ہوتا ہے۔ جو شخص مجتہد نہ ہو، صرف کسی مجتہد کے اقوال کو یاد رکھتا ہو، وہ مفتی نہیں ہوتا۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ جب اس سے کچھ پوچھا جائے تو کسی مجتہد جیسے حضرت امام اعظم کا قول بطور حکایت بیان کردے۔ اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ ہمارے زمانے کے اصحاب فقہ کے فتاویٰ درحقیقت فتویٰ نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی حقیقی مفتی کے اقوال کی نقل ہوتی ہے تاکہ مستفتی اس کی روشنی میں حکم شریعت اخذ کر سکے''۔

اسی لئے لویس معلوف نے المنجد میں مفتی کی موجودہ تشریح یہ بیان کی ہے:

" المفتی: الفقیه الذی یعطی الفتویٰ ویجیب عما ألقی علیه من مسائل المتعلقة بالشریعة "

''مفتی ایسے اسلامی دانشور کو کہتے ہیں کہ جب اس کے سامنے شریعت سے متعلق مسائل پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان کے جواب دیتا ہے اور شرعی فیصلہ صادر کرتا ہے''۔ (المنجد ص ۹۸)

عبقری فقیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ رسالہ مبارکہ "اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً علیٰ قول الامام" (۱۳۳۴ھ) میں چند بنیادی مقدمات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

marfat.com

" الرابعة : الفتویٰ حقیقیة وعرفیة۔ فالحقیقیة هو الإفتاء عن معرفة الدلیل التفصیلی واولئك الذین یقال لهم اصحاب الفتویٰ ویقال " بهذا افتی الفقیه ابو جعفر والفقیه ابو اللیث واضرابهما رحمهما الله تعالیٰ ۔ والعرفیة: اخبار العالم باقوال الامام جاهلا عنها تقلیدا له من دون تلك المعرفة کما یقال فتاویٰ ابن نجیم والغزی والطوری والفتاویٰ الخیریة وهلم تنزلا زمانا ورتبة الی الفتاویٰ الرضویة جعلها الله تعالیٰ مرضیة مُرضیة۔ امین"۔

''چوتھا مقدمہ: فتویٰ کی دو قسمیں ہیں: عرفی اور حقیقی۔ حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصحاب فتویٰ کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں: یہی فتویٰ دیا ہے فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابواللیث اور ان کے امثال نے۔ اور عرفی فتویٰ یہ ہے کہ عالم لوگوں کو امام کے اقوال بتادے۔ وہ دلیل کو نہ جانتا ہو، محض تقلید کے طور پر ایسا کرے۔ جیسے کہا جاتا ہے: فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ غزی، فتاویٰ طوری اور فتاویٰ خیریہ وغیرہ اور بعد کے زمانہ میں فتاویٰ رضویہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پسندیدہ اور راضی کرنے والا بنادے۔ آمین!'' (الفتاویٰ الرضویۃ۔ مترجم۔ ۱/۱۰۹)

اس کا ذکر پہلے ہو چکا کہ افتا کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسان کی۔ شریعت محمدی کے نزول سے اس کا شاندار اور ممتاز دور شروع ہوتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن سے اسلامی تعلیمات کا دائرہ مکمل ہونا شروع ہوا۔ حضرات صحابہ وصحابیات بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلامی تعلیمات کا درس لیتے، درپیش آنے والے مسائل دریافت کرتے۔ استفتا اور افتا کا یہ سب سے مستند، قیمتی اور زریں دور ہے جو قیامت تک کے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے سرچشمۂ فیض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دور میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہر مسئلہ کا مکمل، مقدس اور تشفی بخش حل پیش کرتی۔ اس تقدس مآب دور اولین کے بعد اب تک فقہ وافتا کے چار شاندار دور گزر چکے ہیں۔

فقہ وافتا کا دوسرا دور: (۱۰ھ تا ۴۱ھ)

اس جہان رنگ وبو سے خورشید رسالت کا جب ظاہری رخ روپوش ہو گیا تو اکابر صحابہ کرام نے امت کی زمام قیادت سنبھالی۔ حضرات خلفائے راشدین نے اسلامی سلطنت کی سرحدیں وسیع کیں تو عجمی تمدن نے نت نئے مسائل در آمد کئے۔ جن کے اسلامی حل کے لئے گروہ صحابہ کے صاحبان تدبر اور والیان تفقہ نے کتاب وسنت کی روشنی میں اپنے تدبر اور تائید الٰہی کے سہارے فیصلے صادر فرمائے جو بعد کی نسلوں کے لئے استناد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس دور میں جو ۱۰ھ سے لے کر ۴۱ھ تک محیط ہے، حضرات خلفائے راشدین، حضرت عبد اللہ بن مسعود (م ۳۲ھ) حضرت ابو موسیٰ اشعری (م ۵۲ھ) حضرت معاذ بن جبل (م ۱۸ھ)، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (م ۵۷ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعنھم اجمعین کے فقیہانہ فیصلے اور فتاویٰ بہت شہرت رکھتے تھے۔

marfat.com

تیسرا دور :(۴۱ھ تا ۱۰۰ھ)

اکابر صحابہ کی صفیں خالی ہونے کے بعد اصاغر صحابہ کرام اور کبار تابعین نے امت کی قیادت سنبھالی۔اس دور میں اسلامی سلطنت کی وسعتیں شرق وغرب اور جنوب وشمال کی وسعتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ چکی تھیں۔تمدن کی وسعت،علم کی گرم بازاری،اور عرب وعجم کے اختلاط نے اجتہادی جذبوں میں بڑی تیز گامی پیدا کردی تھی۔مدینہ منورہ،مکہ معظمہ،کوفہ،بصرہ،شام،مصر اور یمن میں فقہائے مجتہدین کی کثیر صفیں آراستہ تھیں اور ہر ایک کے درس وافادہ کی اپنی ایک الگ ہی دھوم تھی۔چند اسمائے گرامی پیش ہوتے ہیں۔

۱-ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م ۵۷ھ)۔ ۲-حضرت عبداللہ بن عمر (م ۷۳ھ)۔۳-حضرت ابو ہریرہ (م ۵۸ھ)۔۴-حضرت سعید بن میسب مخزومی (م ۹۴ھ)۔۵-حضرت عروہ بن زبیر بن عوام اسدی (م ۹۴ھ)۔۶-حضرت ابو بکر بن عبد الرحمٰن (م ۹۴ھ)۔۷-حضرت امام زین العابدین علی بن حسین (م ۹۴ھ)۔۸-حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر (م ۱۰۶) ۹-حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر (م ۱۰۶ھ)۔۱۰-حضرت سلیمان بن یسار (م ۱۰۷ھ)۔۱۱-حضرت نافع (م ۱۱۷ھ)۔۱۲-حضرت ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ)۔۱۳-حضرت امام محمد باقر محمد بن علی بن حسین (م ۱۱۴ھ)۔۱۴-حضرت امام جعفر بن محمد بن علی بن حسین (م ۱۴۸ھ)۔۱۵-حضرت ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان (م ۱۳۱ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز تھے۔

۱۶-حضرت عبداللہ بن عباس (م ۶۸ھ)۔۱۷-حضرت مجاہد بن جبیر (م ۱۰۳ھ)۔۱۸-حضرت عکرمہ ابن عباس (م ۱۰۷ھ) مکہ معظمہ کے نامور فقیہ تھے۔

۱۹-حضرت علقمہ بن قیس (م ۶۲ھ)۔۲۰-حضرت مسروق بن اجدع (م ۶۳ھ)۔ ۲۱-حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی (م ۹۲ھ)۔۲۲-حضرت اسود بن یزید نخعی (م ۹۵ھ)۔۲۳-حضرت قاضی شریح بن حارث کندی (م ۹۵ھ)۔۲۴-حضرت سعید بن جبیر (م ۹۵ھ)۔۲۵-حضرت عمرو بن شرحبیل (م ۱۰۴ھ) کے فقہی افادات کی کوفہ میں دھوم تھی۔

۲۶-حضرت انس بن مالک (م ۹۳ھ)۔۲۷-حضرت ابو العالیہ رفیع بن مہران (م ۹۰ھ)۔۲۸-حضرت ابو الشعثاء جابر بن یزید (م ۹۳ھ)۔۲۹-امام التعبیر والرویا حضرت محمد بن سیرین (م ۱۳۱ھ) ۳۰-حضرت قتادہ بن دعامہ (م ۱۱۸ھ) کے جلوؤں سے بصرہ کی سرزمین جگمگا رہی تھی۔

۳۱-حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اشعری (م ۷۸ھ)۔۳۲-حضرت ابو ادریس خولانی (م ۸۰ھ)۔۳۳-حضرت قبیصہ بن ذویب (م ۸۱ھ)۔۳۴-حضرت رجاء بن حیوۃ کندی (م ۱۱۲ھ)۔۳۵-حضرت عمر بن عبد العزیز (م ۱۰۱ھ) ملک شام کے نامور فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔

۳۶-حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (م ۶۵ھ)۔۳۷-حضرت ابو الخیر مرشد بن عبداللہ (م ۹۰ھ) حضرت یزید بن ابی حبیب (م ۱۲۸ھ) نے مصر کے علمی ایوانوں میں اجالا کر رکھا تھا۔

rekhta.com

۳۹- حضرت طاؤس بن کیسان جندی (م ۱۰۶ھ)۔ ۴۰- حضرت وہب بن منبہ صنعانی (م ۱۱۴ھ)۔ ۴۱- حضرت یحییٰ بن کثیر نے یمن کی بزم علم میں برکتیں بکھیر رکھی تھیں۔

اس مختصر ترین فہرست سے ہی اندازہ کیجئے کہ اس دور میں اس فن نے کتنی وسعت اختیار کرلی تھی۔ اس کثیر پھیلاؤ کی باضابطہ شیرازہ بندی ہوتی ہے چوتھے دور میں۔

چوتھا دور :

اس دور کا دائرہ دوسری صدی ہجری کی ابتدا سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے وسط تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی دور میں سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی جلیل الشان ذات گرامی معجزۂ سرور کائنات کی صورت میں جلوہ گر ہوئی جنہوں نے اپنے چالیس برگزیدہ تلامذہ کے ساتھ مل کر اس فن کی باضابطہ شاندار تدوین فرمائی جو قیامت تک کے مسائل حیات حل کرنے کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرات محققین نے خوب فرمایا:

”فقہ کی کاشت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی، حضرت علقمہ نے اس کی آبیاری کی، حضرت ابراہیم نخعی نے اس کھیتی کو کاٹا، حضرت حماد نے اس کی بھوسی اتاری، حضرت امام اعظم نے اسے باریک پیسا، حضرت امام ابویوسف نے اسے گوندھا اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکائیں۔ اب ساری امت ان روٹیوں سے شکم سیر ہو رہی ہے“۔

اس دور میں امام الائمہ، سراج الامۃ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۸۰-۱۵۰ھ) کے علاوہ بہت سارے ائمہ کے فقہی مکاتب کی بنیاد پڑی۔ مدینہ طیبہ میں حضرت امام مالک بن انس (۹۳ھ-۱۷۹ھ)، مصر میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعی (۱۵۰ھ-۲۰۴ھ)، بغداد میں حضرت امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ-۲۴۱)، کوفہ میں حضرت سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) مصر میں امام لیث (م ۱۷۵ھ)، بغداد میں امام ابوثور (م ۲۴۰ھ)، اندلس اور دمشق میں امام عبدالرحمٰن بن عمر دمشقی اوزاعی (۸۸ھ-۱۵۷ھ) کے مذاہب پھیلے۔ لیکن چار مشہور فقہی مذاہب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کے سوا کسی دوسرے فقہی مکتب کو بقائے دوام نہ مل سکی۔

یہی وہ دور ہے جس میں فقہ کی باضابطہ اصولی تدوین ہوئی، مختلف مذاہب پھیلے، ہر مذہب کی ترجمان کثیر کتابیں لکھی گئیں، فقہی مباحثات کی روش عام ہوئی، یہاں تک کہ عالم میں صرف چار فقہی مذاہب کے اثرات ہی محفوظ رہ سکے۔ ان چاروں مذاہب میں جو عروج اور قبول عام، فقہ حنفی کو نصیب ہوا اسے محض فضل الٰہی، امام الائمہ، سراج الامۃ، کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طہارت باطن، فکری گہرائی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی مقبولیت کا ثمرہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ امام جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) کے بیان کے مطابق پوری امت کا دوتہائی حصہ حنفی ہے۔ (مرقات ۲/۲۴)۔ اپنے تو خیر اپنے ٹھہرے، غیروں نے بھی آپ کی عظمت، جلالت اور مقبول بارگاہ الٰہی ہونے کی شہادت دی ہے۔ سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کافی شہرت رکھتا ہے:

marfat.com

الناس فی الفقه عیال علی ابی حنیفة :لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے دست نگر ہیں۔

بہت ممتاز شافعی ہندی محدث اور فقیہ علامہ محمد طاہر فتنی (م۹۸۶ھ) صاحب ''مجمع البحار''، ''المغنی'' میں بہت سچی بات تحریر فرماتے ہیں:

فلو لم یکن لله سر خفی فیه لما جمع له شطر الاسلام او ما یقاربه علی تقلیده حتی عبد الله بفقهه وعمل برائه الی یومنا ما یقارب اربع مائة و خمسین سنة وفیه دلیل دلیل علیٰ صحته "۔ (المغنی ص ۸۰)

''اگر اس مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب مسلمان اس مذہب کے مقلد نہ ہوتے۔ ہمارے زمانے تک، جس کو امام صاحب سے تقریباً ساڑھے چار سو برس کا عرصہ ہوتا ہے، ان کی فقہ کے مطابق اللہ وحدہٗ کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے۔ یہ اس مذہب کے عنداللہ مقبول اور صحیح ہونے کی شاندار دلیل ہے۔'' (تاریخ علم فقہ۔ مفتی سید عمیم الاحسان، مطبوعہ مکتبہ برہان، دھلی۔ص ۷۷)

فقہ حنفی کی ایجاد کو بارہ سو سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے۔ اس طویل عرصے میں لاکھوں فقہا اور ارباب فتاویٰ پیدا ہوئے، ان کی لسانی اور قلمی یادگاریں تلامذہ اور تصانیف کی صورت میں منظر عام پر آتی رہیں۔ اسلام بحر و بر کی وسعتوں پر محیط ہو چکا ہے۔ کسے یارا ہے کہ ان کے اجمالی حالات بلکہ صرف اسمائے گرامی ہی شمار کر سکے۔ اس لئے مزید تفصیل میں نہ جا کر فقہائے احناف کے طبقات، فقہ حنفی کی مستند کتابوں کی درجہ بندیاں اور چند ممتاز ترین کتب فتاویٰ کی تفصیل پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ماہرین فقہ نے حضرات فقہا کو سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱- مجتہد فی الشرع/ مجتہد مطلق مستقل:

یہ فقہائے اسلام کا وہ طبقہ ہے جنہیں اصولی قواعد کی تاسیس، کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے فرعی احکام کے استنباط کی ذاتی سطح پر استعداد حاصل ہو اور وہ اصول و فروع میں کسی کی تقلید کے محتاج نہ ہوں۔ جیسے سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ (م۱۵۰ھ)، امام مالک (م۱۷۹ھ)، امام شافعی (م۲۰۴ھ)، امام احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ) وغیرہ۔

۲- مجتہد فی المذہب/ مجتہد مطلق غیر مستقل:

یہ ایسے فقہاء ہوتے ہیں جن میں مجتہد مطلق کی ساری صلاحتیں موجود ہوتی ہیں لیکن وہ خود کو اصول میں کسی مجتہد مطلق کا تابع رکھتے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی میں کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے مسائل کے استخراج کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یعنی اصول میں مقلد ہوتے ہیں اور فروع میں مجتہد۔ جیسے حضرت امام ابو یوسف (م۱۸۳ھ)، امام محمد (م۱۸۹ھ)، امام عبداللہ بن مبارک (م۱۸۱ھ) وغیرہ تلامذۂ امام اعظم قدست اسرارہم۔

۳- مجتہد فی المسائل/ مجتہد مقید:

ایسے فقہاء اس زمرے میں آتے ہیں جو اصول و فروع دونوں میں مجتہد مطلق کے تابع ہوں اور ان کے وضع

کردہ اصول وفروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کر سکتے ہوں جن کے بارے میں ائمہ مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔ جیسے امام ابوبکر خصاف (م ۲۶۱ھ)، امام ابوجعفر طحاوی (م ۳۳۱ھ)، امام ابوالحسن کرخی (م ۳۴۰ھ)، شمس الائمہ حلوانی (م ۴۵۶ھ)، شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ)، امام فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ)، امام فخر الدین قاضی خاں (م ۵۹۳ھ)۔

۴- اصحاب تخریج :

حضرات فقہاء کا یہ طبقہ اجتہاد واستنباط مستقل کی قدرت نہیں رکھتا، البتہ ائمۂ مذہب کے وضع کردہ سارے اصول وفروع پر گہری نگاہ ہوتی ہے، جس کی روشنی میں یہ مجمل کی تشریح، محتمل کی تعیین مثالوں کے حوالے سے کر سکتے ہیں۔ حضرت امام ابوبکر احمد بن علی رازی (م ۳۷۰ھ) اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

۵- اصحاب ترجیح :

یہ حضرات اصحاب تخریج سے کمتر فقاہت کے حامل ہوتے ہیں اور ائمۂ مذہب سے منقول روایات میں سے اصول وفروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے امام ابوالحسن قدوری (م ۴۲۸ھ)، صاحب ہدایہ امام ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ) وغیرہ۔

" ھذا اولیٰ ، ھذا اصح، ھذا اوضح، ھذا اوفق للقیاس " جیسے اقوال ان کی پہچان ہوتے ہیں۔

۶- اصحاب تمیز :

فقہاء کا یہ گروہ مذہب کے قوی اور ضعیف، مقبول اور مردود اقوال میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ظاہر الروایہ اور نادر روایات کے درمیان امتیاز کی قدرت ان میں موجود ہوتی ہے، جیسے اصحاب متون معتبرہ مثلاً صاحب مختار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ۔

۷- مقلد محض :

جن میں مذکورہ بالا کوئی صلاحیت موجود نہ ہو۔ ایسے حضرات کا ذاتی قول قابل عمل نہیں ہوتا۔ بس یہ ائمۂ مذہب کے اقوال نقل کر سکتے ہیں جیسے موجودہ دور کے صاحبان فقہ۔

حنفی فقہاء کی طرح کتب احناف کے بھی طبقات ہیں۔ علماء نے ان کے تین طبقے بیان کئے ہیں۔ ۱- کتب اصول۔ ۲- کتب نوادر۔ ۳- کتب واقعات۔

۱- کتب اصول:

کتب اصول ہی کو ظاہر الروایہ بھی کہتے ہیں۔ اس طبقے میں وہ کتابیں اور روایات شامل ہیں جو اصحاب مذہب سے منقول ہیں۔ حنفی ائمۂ ثلثہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام محمد کی مرویات اسی ذیل میں آتی

marfat.com

ہیں۔ان میں امام زفر، امام حسن بن زیاد وغیرہ تلامذۂ امام اعظم کی روایات کا بھی شمار ہوتا ہے۔لیکن عموماً ظاہر الروایۃ کا اطلاق حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان چھ تصانیف مبارکہ پر ہوتا ہے:

۱-مبسوط۔۲- جامع صغیر۔۳- جامع کبیر۔۴- سیر صغیر۔۵- سیر کبیر۔۶- زیادات۔یہ کتابیں ظاہر الروایۃ اس لئے کہلاتی ہیں کہ انہیں تواتر کے ساتھ ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے۔موجودہ دور میں مسائل اصول جن کتابوں میں جمع ہیں، ان میں حاکم شہید کی کتاب الکافی اور شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط نہایت معتمد ہیں۔

۲- کتب نوادر :

اس کے ذیل میں اصحاب مذہب کی وہ روایات آتی ہیں جو مذکورہ بالا چھ کتابوں میں نہ ہوں جیسے حضرت امام محمد کی کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات، زیادۃ الزیادات (امالی امام محمد بروایت ابن رستم) کے مسائل اور روایات۔حضرت امام ابو یوسف کی کتب الامالی، حضرت امام حسن بن زیادہ کی المحرر وغیرہا۔

۳- کتب واقعات :

ان میں وہ مسائل آتے ہیں جنہیں ائمہ ثلثہ کے بعد والے طبقے نے تصنیف یا روایت کیا ہو جیسے فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی کتاب النوازل، دیگر حضرات کی مجموع النوازل، واقعات الناطفی، واقعات صدر الشہید۔واقعات دراصل فتاویٰ یا قضایا کے مجموعے ہوتے ہیں۔اسی صنف سے زیر نظر کتاب کا خاص تعلق ہے۔

موجودہ دور میں فقہ حنفی کی ماخذ کے طور پر استعمال ہونے والی مستند کتابیں یہ ہیں:

۱-اصول بزدوی۔امام علی بن محمد بزدوی (م۴۸۲ھ)۔۲-المبسوط۔شمس الائمہ سرخسی (م۵۰۰ھ)۔۳-بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع شرح تحفۃ الفقہا۔ملک العلما امام ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانی (م۵۸۷ھ)۔۴-فتاویٰ قاضی خاں۔امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی معروف بہ قاضی خاں (م۵۹۲ھ)۔۵-الھدایۃ۔امام ابو الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م۵۹۳ھ)۔۶-البحر الرائق شرح کنز الدقائق، شیخ زین بن ابراہیم معروف بہ ابن نجیم صاحب الاشباہ والنظائر (م۹۷۰ھ)۔۷-درمختار شرح تنویر الابصار۔علامہ محمد علاء الدین بن علی حصکفی (م۱۰۸۸ھ)۔۸-ردالمحتار علی الدر المختار۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی (م۱۲۵۲ھ)۔۹-حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار۔علامہ سید احمد طحطاوی (م۱۳۰۲ھ)۔۱۰-طحطاوی علی مراقی الفلاح۔علامہ سید احمد طحطاوی۔۱۱-فتاویٰ عالمگیری۔مفتی نظام الدین وعلما کا بورڈ۔۱۲-العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی (م۱۳۴۰ھ) قدست اسرارہم۔

متوسطین فقہا نے کتب احناف کی ایک درجہ بندی اور کی ہے یعنی۔۱-متون۔۲-شروح۔اور۳- فتاویٰ۔سب سے مقدم اور اہم متون ہیں پھر شروح پھر فتاویٰ۔چند مستند متون، شروح اور فتاویٰ یہ ہیں۔

marfat.com

مستند متون :

۱-مختصر امام طحاوی ۔۲-مختصر امام کرخی ۔۳-مختصر امام قدوری ۔۴-کنز الدقائق ۔۵-وافی ۔۶-وقایہ ۔۷-نقایہ ۔۸-اصلاح ۔۹-مختار ۔۱۰-مجمع البحرین ۔۱۱-مواہب الرحمٰن ۔۱۲-ملتقیٰ ۔

مستند شروح :

۱-مذکورہ بالا مختصرات کی شرحیں ۔۲-کتب اصول ستہ (جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر بیر، سیر صغیر) کی شرحیں ۔۳-مبسوط امام سرخسی ۔۴-بدائع الصنائع ۔۵-تبیین الحقائق ۔۶-فتح القدیر ۔۷-عنایہ ۔۸-بنایہ ۔۹-غایۃ البیان ۔۱۰-درایہ ۔۱۱-کفایہ ۔۱۲-نہایہ ۔۱۳-حلیہ ۔۱۴-غنیۃ ۔۱۵-البحر الرائق ۔۱۶-النہر الفائق ۔۱۷-درر احکام ۔۱۸-درمختار ۔۱۹-جامع المضمرات ۔۲۰-جوہرہ نیرہ ۔۲۱-ایضاح، وغیرہ۔

امام احمد رضا کے نزدیک انہیں میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں جیسے غنیۂ شرنبلالی، حواشی خیر الدین رملی، رد المحتار، منحۃ الخالق، فتاویٰ خیریہ، العقود الدریہ للشامی، الفتاویٰ الرضویہ اور اس جیسی دوسری کتابیں۔ المجتبیٰ، جامع الرموز، شرح ابی المکارم، سراج وہاج، شرح ملا مسکین کا شمار شروح میں نہیں۔

مستند فتاویٰ :

۱-خانیہ ۔۲-خلاصہ ۔۳-بزازیہ ۔۴-خزانۃ المفتیین ۔۵-جواہر الفتاویٰ ۔۶-محیطات (محیط نام کی متعدد کتابیں) ۔۷-ذخیرہ ۔۸-واقعات ناطفی ۔۹-واقعات صدر الشہید ۔۱۰-نوازل فقیہ ۔۱۱-مجموع النوازل ۔۱۲-ولوالجیہ ۔۱۳-ظہیریہ ۔۱۴-عمدۃ ۔۱۵-کبریٰ ۔۱۶-صغریٰ ۔۱۷-تتمۃ الفتاویٰ ۔۱۸-صیرفیہ ۔۱۹-فصول عمادی ۔۲۰-فصول استروشنی ۔۲۱-جامع صغار ۔۲۲-تاتارخانیہ ۔۲۳-ہندیہ/فتاویٰ عالمگیری ۔۲۴-الاشباہ والنظائر ۔۲۵-منیہ، وغیرہ۔

قنیہ، رحمانیہ، خزانۃ الروایات، مجمع البرکات، برہان کا شمار فتاویٰ میں نہیں۔ فتاویٰ طوری، فتاویٰ محقق ابن نجیم ناقابل اعتماد ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ملخصاً متفرق جلدیں)

☆☆☆☆☆

اب ایک اجمالی نظر خاص صنف فتاویٰ کی تاریخ پر۔

تحفظ اور اطلاع کی راہ سے سب سے پہلا مجموعۂ فتاویٰ حضرت مولائے کائنات کا ہے جس کی نقلیں لوگوں نے محفوظ کیں۔ یوںہی حضرت زید بن ثابت کے فتاویٰ کے تحریری مجموعے کا بھی تذکرہ ملتا ہے (مقدمۂ فتاویٰ مظہریہ ص ۵۲)۔ عرب اپنی بے پناہ قوت حافظہ کی بنا پر باتیں ضبط تحریر میں لانے کو عار سمجھتے تھے اور اپنی قوت حفظ پر ہی زیادہ انحصار کرتے تھے۔ اس لئے فقہائے صحابہ کی کثرت کے باوجود ان کے فتاویٰ اور فیصلے ضبط تحریر میں نہ لائے جاسکے یا لائے گئے لیکن ان کی باضابطہ حفاظت اور تدوین کا اہتمام نہ ہوسکا۔ خود احادیث کریمہ کی باضابطہ تدوین تیسری صدی کے آغاز کی چیز ہے

marfat.com

تو پھر فتاویٰ اور قضایا جو وقتی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، ان کی تدوین نہ ہو سکی تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ اس ترقی یافتہ دور میں بھی سیکڑوں اصحاب فتاویٰ ایسے ملیں گے جن کے فتاویٰ محفوظ نہیں رہ پاتے اور رہے بھی تو ان کی ترتیب واشاعت کی نوبت نہیں آتی۔ پھر بھی بعد کی صدیوں میں دوسرے فنون کی کتابوں کی طرح مرتب فتاویٰ کی شرح بھی بڑھتی گئی۔ تدوین کی راہ میں سب سے پہلا مجموعۂ فتاویٰ حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندی کا ہے ''کتاب النوازل''۔

صدی کی ترتیب سے چند مشاہیر فتاویٰ ذکر کئے جاتے ہیں:

۱- فتاویٰ ابی بکر۔ ۲- فتاویٰ ابی القاسم (تیسری صدی ہجری)۔ ۳- فتاویٰ ابن قطان۔ ۴- فتاویٰ ابی اللیث۔ ۵- فتاویٰ ابن الحداد (چوتھی صدی)۔ ۶- فتاویٰ ابن الصباغ۔ ۷- فتاویٰ اسبیجابی۔ ۸- فتاویٰ خواہر زادہ۔ ۹- فتاویٰ نجندی (پانچویں صدی)۔ ۱۰- فتاویٰ تمرتاشی۔ ۱۱- فتاویٰ حسام الدین۔ ۱۲- فتاویٰ سراجیہ۔ ۱۳- فتاویٰ ظہیریہ۔ ۱۴- فتاویٰ قاضی خاں۔ ۱۵- فتاویٰ کبریٰ۔ ۱۶- فتاویٰ صغریٰ (چھٹی صدی)۔ ۱۷- فتاویٰ ابن رزین۔ ۱۸- فتاویٰ صوفیہ۔ ۱۹- فتاویٰ ولوالجیہ (ساتویں صدی)۔ ۲۰- فتاویٰ ابن عقیل۔ ۲۱- فتاویٰ زرکشی۔ ۲۲- فتاویٰ سبکی (آٹھویں صدی)۔ ۲۳- فتاویٰ قاری الہدایہ۔ ۲۴- فتاویٰ حمادیہ۔ ۲۵- فتاویٰ ابن شلبی۔ ۲۶- فتاویٰ ابی السعود۔ ۲۷- فتاویٰ زینیہ (دسویں صدی)۔ ۲۸- الفتاویٰ الخیریہ لنفع البریۃ۔ ۲۹- العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ (تالیف ۱۲۳۸ھ)۔ ۳۰- فتاویٰ جامع البرکات۔ ۳۱- فتاویٰ نقشبندیہ۔ یہ معدودے چند اسمائے فتاویٰ تھے جو کشف الظنون سے انتخاب کئے گئے۔

ہندوستانی فتاویٰ کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی ہندوستانی اسلام کی۔ ہند کی سرزمین مسلمانوں کے قدم سے عہد فاروقی میں ہی سرفراز ہو چکی تھی۔ جب سلاطین اسلام نے ہندوستان میں قدم جمائے اور اس کفرستان میں اسلام کی پرچم کشائی ہوئی تو اسلامی احکام کے نفاذ اور دریافت کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ خود سلاطین اسلام، اسلامی دانشور ہوا کرتے تھے اور فقہی معاملات سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ اس ذیل میں سلطان محمود غزنوی، ظہیر الدین محمد بابر، سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ محمود غزنوی نے خود فقہ پر شاندار کتاب تصنیف کی ''التفرید فی الفروع''۔ دیگر سلاطین نے بھی فتاویٰ کے مجموعے مرتب کرائے۔ اس ذیل میں فتاویٰ عالمگیری کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی جس کی تدوین پر اس زمانے میں دو لاکھ روپے صرف ہوئے۔ یہ کتاب عجب اخلاص اور دیانت کی پاکیزہ ٹھنڈی چھاؤں میں مرتب ہوئی کہ صدیوں کی گرد بھی اس کی مقبولیت اور افادیت پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہو سکی بلکہ آئے دن اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اب تک کئی بین الاقوامی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کے علاوہ ۲- فتاویٰ فیروز شاہی۔ ۳- فتاویٰ ابراہیم شاہی۔ ۴- فتاویٰ اکبر شاہی۔ ۵- فتاویٰ عادل شاہی۔ ۶- فتاویٰ تاتارخانی جیسے مجموعہ ہائے فتاویٰ بھی سلاطین اسلام کے دور کی یادگار ہیں۔

دستور اسلامی کی بنیادی زبان عربی تھی اور سلاطین ہند کی سرکاری زبان فارسی، اس لئے بیشتر فنون کی طرح فتاویٰ کی کتابیں بھی یا تو عربی زبان میں لکھی گئیں یا فارسی زبان میں۔ بارہویں صدی کے اخیر میں جب اس سرزمین پر اردو

marfat.com

نے قدم جمائے تو افغانی سلاطین ہند کے قدم اکھڑ رہے تھے اور انگریزوں کے تسلط کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس لئے اب عوام انفرادی سطح پر علمائے امت سے مسائل میں رجوع کرنے لگے اور اردو فتاویٰ کے قیمتی مجموعے بھی منظر عام پر آنے لگے۔ ان میں چند اہم مجموعہ ہائے فتاویٰ یہ ہیں:

۱- العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ (۱۳۱۰ھ)۔ عبقری فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ (م ۱۳۴۰ھ)۔ ۲- فتاویٰ ارشادیہ (مطبوعہ ۱۹۵۵ء)۔ علامہ ارشاد حسین رامپوری۔ ۳- فتاویٰ محبوبیہ (مطبوعہ ۱۳۱۶ھ)۔ مولانا احمد حسین خان۔ ۴- فتاویٰ امجدیہ۔ علامہ مفتی حکیم ابو العلا محمد امجد علی قادری رضوی۔ ۵- فتاویٰ مولانا عبدالحی فرنگی محلی۔ ۶- فتاویٰ قیام الملۃ والدین۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔ ۷- فتاویٰ نعیمیہ۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی۔ ۸- فتاویٰ نظامیہ۔ مفتی رکن الدین۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن۔ ۹- فتاویٰ صدارت العالیہ۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن (۱۳۵۴ھ)۔ ۱۰- فتاویٰ واحدی۔ علامہ عبدالواحد سیوستانی (مطبوعہ لاہور ۱۳۴۶ھ)۔ ۱۱- فتاویٰ مسعودی۔ علامہ محمد مسعود شاہ نقشبندی۔ ۱۲- مجموعہ فتاویٰ۔ مہر علی شاہ گولڑوی (قلمی) ۱۳- فتاویٰ ملک العلماء۔ ملک العلما مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی، وغیرہ وغیرہ۔

☆☆☆☆☆

فقہ و افتا کی تاریخ پر اجمالی نگاہ ڈالنے کے بعد آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ منصب افتا کے تقاضے کیا ہوتے ہیں؟۔

فقہ اسلامی کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔ سیاست و امارت، قوانین اور جرائم، انفرادیت اور اجتماعیت، عبادات و معاملات سبھی اس سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے مذہب سے لے کر معاشرت تک کے مسائل اور رب سے لے کر بندے تک کے حقوق اس کے دائرہ بحث میں شامل ہیں۔ انفرادی اور شخصی طور پر دیکھئے تو نکاح، طلاق، نسب، پرورش و پرداخت، نفقہ، میراث، ان سبھی معاملات کے مسائل زیر غور آتے ہیں جن سے عائلی اور خاندانی تنظیم میں مدد ملتی ہے۔ اجتماعی اور تمدنی معاملات میں خرید و فروخت، اجارات، رہن، کفالت، شرکت، قرض، وفائے عہد اور دیگر مسائل پر گفتگو ہوتی ہے۔ حقوق عباد میں والدین، اولاد، اہل خاندان، پاس پڑوس، شہر، ملک، قوم اور ملت کے مفادات کا تحفظ اسلامی نقطۂ نگاہ سے ملحوظ ہونا چاہئے۔ اسی لئے یہ سارے معاملات بھی فقہ اسلامی کے دائرے میں آتے ہیں۔ حقوق اللہ میں جملہ فرائض و واجبات، سنن و مستحبات سبھی شامل ہیں۔ غرض دنیا سے لے کر آخرت تک کے مسائل اس فن سے وابستہ ہیں۔ اس لئے فقیہ اور مفتی کا منصب بھی اپنے ساتھ بہت ساری نزاکتیں، ہمہ گیریاں اور اہمیتیں رکھتا ہے جن کے معیار پر پورا اترنے کے لئے مفتی کے اندر چند ممتاز خصائص کا ہونا ضروری ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ خصائص کیا ہیں؟۔

کسی مفتی اور فقیہ کے اندر ایک عامی سے بالاتر ذاتی اور علمی دونوں سطح پر کچھ امتیازی خصوصیتیں ہونی چاہئیں۔ ذاتی سطح پر وہ ربط خالق، ربط خلق اور ربط نفس تینوں کے تقاضے پورا کرتا ہو۔ وہ ایک خدا ترس، اطاعت شعار بندہ، رسول رحمت کا جاں نثار امتی، دیانت دار، صداقت شعار، روادار، پیکر اخلاص، دردمند طبیعت رکھنے والا فرد امت ہو، حق پسند، حق گو، ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر، حلیم اور بردبار، قول کا دھنی، عمل کی دولت سے مالا مال، دینی

marfat.com

تصلب سے آراستہ، شرافت وتہذیب کا پیکر اور شائستگی سے بھرپور ایک اچھا انسان ہو۔ جو فقیہ ان اوصاف سے آراستہ ہوگا وہی علم اور دین کے تقاضے پورا کر سکے گا۔

علمی سطح پر اس دور میں مقلد مفتی کے اندر درج ذیل خصوصیتیں ہونی چاہئیں:

(۱) مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے بنیادی مصادر سے واقف ہو خصوصاً کتاب وسنت، تفسیر وحدیث کے موجودہ ذخیرے پر وسیع نگاہ ہونی چاہئے تاکہ وہ پوری بصیرت کے ساتھ اپنے ائمۂ مذہب کے اقوال کی تفہیم اور تلقین کی ذمہ داری ادا کر سکے اور نت نئے مسائل کے جوابات کتاب وسنت کی جاں بخش ضیاؤں میں اصول ائمہ مذہب سے استفادہ کرتے ہوئے مدلل طریقے سے پیش کر سکے۔

(۲) مفتی جس امام کی تقلید کرتا ہے، اس مذہب کی کتابوں اور فقہاء کے علمی مراتب اور طبقات سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہو تاکہ اس ناقل مفتی کو اقوال ائمہ کی نقل وروایت میں دشواری پیش نہ آئے اور نہ وہ اس راہ میں تسامح کا شکار ہو بلکہ پوری بصیرت کے ساتھ افتا کی منصبی ذمہ داری پوری کر سکے۔

(۳) مفتی کو راجح اور مرجوح اقوال کا علم ہونا چاہئے تاکہ کہیں بے علمی میں قول مرجوح پر فتویٰ نہ دے بیٹھے جب کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا باطل ہے۔

(۴) مذہب احناف کی کتابوں کی متاخرین نے بالترتیب تین درجہ بندیاں کی ہیں۔ ۱- متون۔ ۲- شروح۔ ۳- فتاویٰ۔ ہر ایک درجے میں معتمد اور غیر معتمد دونوں طرح کی کتابیں موجود ہیں۔ مفتی کو اس کی واقفیت ہونی چاہئے کہ کون سی کتاب کس خانے میں آتی ہے اور آیا وہ معتمد ہے بھی یا نہیں؟۔

(۵) معتمد اور متداول کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ ہونا چاہئے اور ائمۂ مذہب کے اختلاف کی صورت میں رسم المفتی اور آداب الافتا کی دفعات کی پابندی کرنی چاہئے، یعنی روایت، درایت، ترجیح، تصحیح کے اعتبار سے مضبوط پہلو پر عمل ہو۔

(۶) مفتی کے لئے حالات زمانہ سے واقفیت اور حتی الوسع رعایت ضروری ہے ورنہ زبردست فساد کا اندیشہ ہے۔ "من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل" (جو حالات زمانہ سے واقف نہیں، وہ نادان ہے) مشہور فقیہانہ مقولہ ہے۔

(۷) فقہی اصطلاحات، مستند کتابوں کے انداز بیان اور مصنفین کے ترتیبی مزاج سے واقفیت بھی ضروری ہے تاکہ اقوال اخذ کرنے میں غلطی نہ ہونے پائے۔ بعض ائمہ سب سے پہلے قوی قول بیان کرتے ہیں پھر ضعیف، بعض کا انداز اس سے مختلف ہوتا ہے۔

(۸) حنفی مفتی کو کسی دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ حنفی مطلقاً امام اعظم کے مذہب پر عمل کرے گا اور حنفی مفتی ہمیشہ حضرت امام اعظم کے قول پر فتویٰ دے گا۔ اسی مستحکم اتباع کے سبب تو اسے حنفی کہتے ہیں۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) "طبع سلیم کے لئے قابل قبول انصاف کی بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے مفتی کا کام یہی ہے کہ مشائخ نے جو فتویٰ دیا ہے، اسے نقل کر دے۔ اسی بات پر علامہ ابن شلبی اپنے فتاویٰ میں گامزن ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

marfat.com

''اصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر عمل کیا جائے۔ اسی لئے مشائخ اکثر انہی کی دلیل کو ان کے مخالف اصحاب کی دلیل پر ترجیح دیتے ہیں اور مخالف کے استدلال کا جواب بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ عمل قول امام پر ہوگا اگرچہ ایسی جگہ حضرات مشائخ نے یہ صراحت نہ فرمائی ہو کہ فتویٰ قول امام پر ہے۔ اس لئے کہ ترجیح خود صراحتاً تصحیح کا حکم رکھتی ہے کیونکہ مرجوح راجح کے مقابلے میں بے ثبات ہوتا ہے''۔

جب معاملہ یہ ہے تو قاضی اور مفتی کو قول امام سے انحراف کی گنجائش نہیں مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ صراحت فرمائی ہو کہ فتویٰ امام کے سوا کسی اور کے قول پر ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ، مترجم جلد اول ص ۱۰۰-۱۰۱)

لیکن کسی بھی امام کا قول دو طرح کا ہوتا ہے۔ ۱-قول صوری۔ ۲-قول ضروری۔

اس کی توضیح عبقری الشرق، بے مثل حنفی فقیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔ آپ اپنے جلیل الشان رسالہ " اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قوم الامام "میں تحریر فرماتے ہیں:

'' الخامسة ''اقول وبالله التوفيق: " القول قولان۔ صوری وضروری۔ فالصوری هو المقول المنقول والضروری مالم يقله القائل نصا بالخصوص لكنه قائل به فی ضمن العموم الحاكم ضرورة بان لو تكلم فی هذا الخصوص لتكلم كذا وربما يخالف الحكم الضروری الحكم الصوری وح ی قضی عليه الضروری حتى ان الاخذ بالصوری يعد مخالفة للقائل والعدول عنه إلى الضروری موافقة او اتباعا له كأن كان زيد صالحا فامر عمرو خدامه باكرامه نصا جهارا وكرر ذلك عليهم مرارا وقد كان قال لهم " اياكم ان تكرموا فاسقا ابدا"۔ فبعد زمان فسق زيد علانية فان اكرمه بعده خدامه عملا بنصه المكرر المقرر لكانوا عاصين وان تركوا اكرامه كانوا مطيعين ومثل ذلك يقع فی اقوال الائمة ۔ (الفتاویٰ الرضوية ۱/۱۰۹ لاهور)

''پانچواں مقدمہ'' میں اللہ کی توفیق کے سہارے عرض کرتا ہوں کہ قول کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ۱-قول صوری اور ۲-قول ضروری۔

قول صوری وہ ہے جو کسی نے صراحتاً کہا اور اس سے نقل ہوا۔ اور قول ضروری وہ قول ہے جسے قائل نے صراحتاً اور خاص طور پر نہ کہا ہو مگر وہ کسی ایسے عموم کے ضمن میں اس کا قائل ہو جس سے ضروری طور پر یہ حکم برآمد ہوتا ہے کہ اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسا ہی ہوتا۔

کبھی حکم ضروری، حکم صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں حکم صوری کے خلاف حکم ضروری راجح اور فیصلہ کن ہوتا ہے، یہاں تک کہ اب قول صوری پر عمل کرنا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے اور حکم صوری کو چھوڑ کر حکم ضروری کی طرف رجوع کو قائل کی موافقت یا اس کی پیروی کہا جاتا ہے۔ مثلاً زید نیک اور صالح انسان تھا۔ اس لئے عمرو نے اپنے خادموں کو کھلے لفظوں میں صراحتاً حکم دیا کہ وہ زید کی تعظیم کیا کریں۔ اس نے اس حکم کا بار بار اعادہ کیا لیکن اس سے پہلے وہ خدام کو یہ حکم عام بھی دے چکا تھا کہ کسی فاسق کی تعظیم ہرگز نہ کریں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ زید فاسق معلن ہوگیا۔ اب اگر عمرو کے خدام اس کے مکرر ثابت شدہ صریح حکم پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عمرو کے نافرمان شمار ہوں گے

اور اگر اس کی تعظیم ترک کردیں تو اطاعت گذار ٹھہریں گے۔ ایسا ہی معاملہ اقوال ائمہ میں بھی پایا جاتا ہے‘‘۔

اس توضیح کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ ائمۂ احناف بعض اوقات حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے قول ظاہر سے انحراف کرتے ہوئے دیگر پہلو پر کیوں عمل کرتے ہیں اور اس کے باوجود حنفی کیوں کہلاتے ہیں؟۔ لیکن قول امام سے عدول ہر جگہ روا نہیں بلکہ مخصوص حالات میں خاص اسباب کے تحت اس کی اجازت ہوتی ہے۔ وہ خاص اسباب کون سے ہوتے ہیں، اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ’’ائمہ مذہب کے قول صوری کے خلاف حکم ضروری پر عمل ہوتا ہے۔ اس کے درج ذیل چھ اسباب ہوتے ہیں:

۱-ضرورت۔ ۲-حرج۔ ۳-عرف۔ ۴-تعامل۔ ۵-کوئی اہم مصلحت جس کی تحصیل مطلوب ہو۔ ۶-کوئی بڑا مفسدہ جس کا ازالہ مطلوب ہو۔

ان اسباب کی بنا پر قول ضروری پر عمل اس لئے ہوتا ہے کہ ضرورتوں کا استثناء، حرج کا دفعیہ، ایسی دینی مصلحتوں کی پاسداری جو اپنے سے زیادہ فساد سے خالی ہوں، مفاسد کو دور کرنا، عرف کا لحاظ کرنا اور تعامل پر کاربند ہونا، یہ سب ایسے قواعد کلیہ ہیں جو شریعت سے معلوم ہیں۔ سارے ائمہ ان کی جانب مائل، ان کی پاسداری کے قائل اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ اب اگر کسی مسئلے میں امام کا کوئی صریح حکم موجود ہو پھر حکم تبدیل کرنے والے مذکورہ امور میں سے کوئی ایک پیدا ہو تو ہمیں یہ قطعی یقین ہوگا کہ اگر یہ صورت حال خود ائمہ مذہب کے زمانے میں پیدا ہوتی تو ان کا قول اس کے تقاضے کے مطابق ہوتا۔ ان حالات سے آنکھیں موند کر اس کے برعکس وہ ائمہ بھی حکم نہ دیتے۔ ایسی صورت میں ان ائمہ سے غیر منقول قول ضروری پر عمل کرنا ہی دراصل ان کے قول پر عمل ہے۔ اب ان کے سابقہ منقول اقوال صوری پر جم جانا، ان کی پیروی نہ کہلائے گی‘‘۔ (فتاویٰ رضویہ ۱/۱۱۰)

اس کی بہت سی نظیریں فقہائے احناف نے پیش کی ہیں بلکہ خود نص شارع میں اس کی واضح مثال مساجد میں عورتوں کی حاضری ہے جو زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں روا تھی بلکہ خود حدیث میں اس کا حکم ہے لیکن بعد میں خود حضرات صحابہ نے عورتوں کو مساجد میں آنے سے بہ سختی روک دیا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول خود مسند امام احمد اور صحیحین میں منقول ہے:

’’لو ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم رای من النساء ما رأینا لمنعهن من المسجد کما منعت بنو اسرائیل نساءها‘‘

’’اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کی موجودہ حالت ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجد میں آنے سے روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو مسجد کی حاضری سے روک دیا‘‘۔

(۸) اصحاب ترجیح فقہا نے جس قول کو ترجیح دے دی، مفتی کو اس کے خلاف فتویٰ دینا ہرگز روا نہیں۔ اگر کسی مسئلے

marfat.com

میں مختلف اقوال مصححہ پائے جائیں تو ان میں سے جو زیادہ موکد اور راجح ہوں، اسی پر فتویٰ دیا جائے۔

اس ترجیح کے لازم العمل اسباب، عبقری فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے بیان فرمائے ہیں۔ میں اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتا ہوں:

۱- تصحیح کا زیادہ موکد ہونا۔ ۲- تصحیح کا متون میں اور دوسرے کا شروح میں ہونا۔ ۳- تصحیح کا شروح میں اور دوسرے کا فتاویٰ میں ہونا۔ ۴- فقہا نے اس تصحیح کی علت بیان فرمائی اور دوسرے کی کوئی علت اور دلیل نہ پیش کی۔ ۵- تصحیح کا استحسان ہونا۔ ۶- ظاہر الروایۃ ہونا۔ ۷- وقف کے لئے زیادہ نفع بخش ہونا۔ ۸- قول اکثر ہونا۔ ۹- اہل زمانہ کے لئے زیادہ سازگار اور موافق ہونا۔ ۱۰- اوجہ اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ واضح ہونا۔ ۱۱- احوط ہونا۔ ۱۲- ارفق (زیادہ سہل العمل) ہونا۔ ۱۳- معمول بہ ہونا۔ ۱۴- مذہب امام ہونا۔ (مترجم فتاویٰ رضویہ ملخصا جلد اول ص ۱۶۹ تا ۱۷۱)

(۹) مفتی کو جواب دینے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ جواب معلوم ہونے کے باوجود غور وخوض، تلاش وجستجو سے جب جواب کی صحت کا یقین حاصل ہو جائے تب جا کر جواب سپرد قلم کرے۔ ورنہ بسا اوقات سوال کی جزئیات کے مختلف ہونے سے جواب کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے۔ اگر باریک بینی اور غور وخوض سے کام نہیں لیا گیا تو معاملہ کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔

(۱۰) خوف خدا کے سائے میں جواب صاف ستھرے اسلوب میں وضاحت کے ساتھ تحریر کرے۔ شق درشق کی پیچ داریوں سے خود بھی بچے اور سائل کو بھی اس میں الجھنے سے بچائے۔ اگر صورت جواب مختلف النوع ہو تو سائل سے سوال قائم کر کے اس کی نوعیت متعین کر لے پھر متعین رخ پر تحقیقی جواب تحریر کرے۔ لفاظی اور صنائع سے بالکل احتراز کرے، دوٹوک لفظوں میں جواب دے۔ ہاں سلاست اسلوب کی روش مستحسن رہے گی۔

☆☆☆☆☆

فقہ وافتا اور ان کے لوازمات کے اس قدرے تفصیلی جائزے کے بعد جب ہم حضرت ملک العلما کی فقہی نگارشات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ایک ممتاز فقیہ، متبحر مفتی اور تجربہ کار اسلامی دانشور نظر آتے ہیں۔ آپ نے چون سال تک افتا نگاری فرمائی، کثیر فقہی موضوعات پر رسالے تحریر فرمائے اور نجی محفلوں میں ہزاروں لاکھوں مسائل بیان فرمائے۔

۱- مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۳ھ)۔ ۲- اعلام الساجد بصرف جلود الاُضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ)۔ ۳- التعلیق علیٰ القدوری (۱۳۲۵ھ)۔ ۴- بسط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ (۱۳۲۶ھ)۔ ۵- الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (۱۳۲۶ھ)۔ ۶- رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ)۔ ۷- القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ)۔ ۸- تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (۱۳۳۶ھ)۔ ۹- نہایۃ المنتہی فی شرح ہدایۃ المبتدی (۱۳۴۳ھ)۔ ۱۰- تسہیل الوصول الیٰ علم الاصول (۱۳۴۸ھ)۔ ۱۱- نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (۱۳۴۹ھ)۔ ۱۲- نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)۔ ۱۳- جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (۱۳۵۷ھ)۔ ۱۴- عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)۔ ۱۵- تنویر المصباح للقیام عند حی علیٰ الفلاح (۱۳۷۱ھ) جیسی آپ کی قیمتی تحریریں فقہ وافتا کے موضوع

marfat.com

سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔
مفتی اور فقیہ کا جو معیار حضرت امام غزالی نے پیش کیا تھا، اس کی روشنی میں احقر نے منصب افتا کے ذمہ دار کے لئے خصائص کے دو خانے ذکر کئے تھے جن میں سے ایک کا تعلق اس کی ذاتی سطح سے تھا اور دوسرے کا علمی سطح سے۔ دونوں سطحوں کا معیار، ان کے لوازمات اور تقاضوں پر گذشتہ اوراق میں گفتگو ہو چکی۔ ان کے تناظر میں ہم جب حضرت ملک العلما کے اوراق حیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ان دونوں معیار پر کھرے اترتے دکھائی دیتے ہیں۔
آپ کا اخلاقی معیار اتنا روشن ہے کہ بس دیکھا کیجئے۔ احقر نے حضرت کی خود نوشت یادداشتیں، قلمی سرمائے، خطوط کے ذخیرے اور مختلف گرانقدر اوراق کی زیارت کی ہے۔ کسی مبالغہ اور تردد کے بغیر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے ہر قدم پر مخلص امت، مصلح امت، پرسوز داعی، خداترس، بندۂ طاعت شعار، دردمند طبیعت اور سوز دروں سے لبریز ایک اچھے انسان نظر آئے۔ آپ کے یہاں حرص وآز کا گذر نہیں، قناعت پسندی شیوۂ فطرت تھی، تنگ دستی کے باوجود ہر کار خیر میں سبقت فرماتے۔ کثیر مدارس، خانقاہوں اور مکتبوں کی اپنی جیب خاص سے مدد فرماتے۔ ملت کے مفادات پر ذاتی مفاد کو بے دریغ قربان کر دیتے، ہر آڑے وقت پر کام آتے۔ آپ کے ساتھ جس نے بھی احسان کیا، اسے ہمیشہ یاد رکھا بلکہ اس کا حق احسان ادا کرنے کی کوشش کی۔ فتنوں سے بےزار اور ہمدردیوں سے ہمیشہ قریب رہے۔ ان باتوں کی قدرے تائید دیکھنی ہو تو اسی مجموعۂ فتاویٰ میں شامل رسالہ مبارکہ ''تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب'' کا مطالعہ کیجئے۔ اسی طرح ''ہادی الھداۃ لترک الموالات (۱۳۳۹ھ) اور ''سد الفرار لمہاجری بہار'' (۱۳۶۶ھ) جیسی تحریروں میں بھی آپ نے بہت سوز دل کے ساتھ ملت کی صحیح راہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔
میں یہاں کتاب السیر کے ایک فتوے کا اقتباس پیش کرتا ہوں جس سے حضرت کے سوز دروں اور خیر خواہیٔ امت کا قدرے اندازہ ہو جائے گا۔ ہنود کی دل آزاری کے پیش نظر گائے کی قربانی ترک کرنے پر تنبیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:
''لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا'' کی تصدیق دیکھئے کہ ہاتھ ملاتے ہی قربانی پر نظر شفقت پھیری۔ بظاہر ترک اضحیہ بقر کی خواستگاری ہے مگر اہل اسلام کی مذہبی حالت، احکام خدا کی تعمیل میں توانی (سستی) ومساہلت، ہر ایک کے پیش نظر ہے۔ آج جب روپے، ڈیڑھ روپے میں واجب اضحیہ ادا ہو جاتا ہے، جب تو یہ حالت ہے کہ سیکڑے تیس، جن پر قربانی واجب ہے، نہیں کرتے۔ پھر جب چھ سات روپے صرف ہونے لگیں گے، سیکڑے ستر اسّی اس ثواب سے محروم رہا کریں گے۔ بقیہ کا کرنا بھی اس صورت پر موقوف ہے کہ برادران وطن سچے دل سے اس کی اجازت دیں۔ ورنہ دل آزاری کا وہ نایاب نسخہ ہاتھ لگا ہے کہ نہ صرف قربانی بلکہ اذان، تکبیر، جمعہ، جماعت، وعظ، نصیحت، جس کام کو چاہیں گے، بند کرا دیں گے اور پھر دوست کے دوست۔
مسٹر گاندھی وغیرہ لیڈران ہنود کا مسلمانوں سے اتفاق واتحاد ظاہر کرنا، خلافت خلافت چلانا، صرف اپنا الو سیدھا کرنے، گاؤکشی ترک کرانے کے لئے ہے۔ اخباروں کے کالم ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ اخبار حقیقت لکھنؤ ۳۰

جنوری ۱۹۲۰ء کا مضمون جس کی سرخی ''انسداد گاؤ کشی پر مسلمانوں کا شکوہ'' ہے، ملاحظہ کرنے سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ انسداد گاؤ کشی میں مسٹر گاندھی نے سب سے پہلے ابتدا کی ہے۔ انہوں نے اپنی دلی محبت سے مسلمانوں سے اتحاد عمل کر لیا ہے اور اس طرح وہ گایوں کی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ غرض ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آنا اور ابتدائے اسلام سے اس وقت تک مسلمانوں پر جو جو مظالم ہوتے آئے ہیں، خصوصاً حال کے واقعات شاہ آباد و کٹار پور وغیرہ کو اس قدر جلد بھلا دینا، مسلمانوں کی سخت نادانی اور غلطی ہے۔''

علمی سطح پر حضرت ملک العلما کی جامعیت کا ایک زمانہ شاہد ہے۔ رائج دینی علوم کا کون سے ایسا گوشہ ہے جو آپ کی نگاہ میں نہ تھا۔ اس وسیع النظری پر قدرے گفتگو پہلے بھی ہو چکی ہے۔ فقہی زاویے سے چند شواہد یہاں بھی پیش ہوتے ہیں۔

وسعت نگاہ:

حضرت ملک العلما جملہ اسلامی اور فلکیاتی علوم میں اتھارٹی تھے۔ ان کی تصانیف کی فہرست سے ہی ان کی علمی وسعت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ زیر نظر مختصر مجموعۂ فتاویٰ میں بھی آپ کی علمی گہرائی اور فکری گیرائی کے شواہد بکھرے پڑے ہیں۔ میں یہاں اس کے چند اشارے دیتا ہوں۔

احقر نے جب حضرت ملک العلما کے موجودہ فتاویٰ کے مآخذ کتب کی فہرست تیار کی تو یہ کتابیں تین سو سے اوپر جا پہنچیں۔ ان میں تقریباً تیس کتابیں فن تفسیر سے متعلق ہیں، ستر سے زائد کتب حدیث اور تقریباً ڈیڑھ سو فقہی کتابیں ہیں۔

فتاویٰ کے دوران جب آپ تفسیر و حدیث اور فقہی کتابوں کے حوالے پیش کرنے پر آتے ہیں تو مستند حوالوں کے انبار لگا دیتے ہیں۔ کتاب الصوم کے آغاز میں آیت کریمہ " فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ " کی تفسیر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ'' کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ چند اقوال جو اس وقت نظر فقیر میں ہیں، قلمبند ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، درمنثور، تفسیر واحدی، تفسیر حسینی، معالم التنزیل، تنویر المقیاس، روح المعانی، بحر المحیط، النہر، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان قنوجی، میں ہے: واللفظ للاول "فمن حضر فی الشهر ولم یکن مسافرا فلیصمه'' یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر المحیط میں ہے: واللفظ للبیضاوی "فمن شهد منکم هلال شهر فلیصمه'' یعنی جو شخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

marfat.com

روح المعانی میں اتنا اور بڑھایا "و تیقن به" یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے تیقن ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ بحر المحیط میں یہ معنی لکھ کر محاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا کہ محاورہ شھدت الھلال نہیں کہتے بلکہ شاہدت۔

کتب حدیث اور طرق حدیث کے ذخیروں پر بھی وسیع نگاہ تھی۔ ستر سے زائد کتابوں کے حوالے تو اسی مجموعے میں ملتے ہیں۔ ایک مضمون کی دسیوں حدیث پیش کر دیتے ہیں۔ ایک حدیث کے دسیوں طرق بیان کر جاتے ہیں۔ تعمیر مسجد کے فضائل پر مختلف رواۃ کی چودہ حدیثیں بیان فرمائیں۔ اسی ذیل کی دوسری حدیث بیان فرمائی تو گیارہ ائمہ حدیث کی نو صحابہ کرام سے مرویات بیان کر دیں اور لطف یہ کہ متن کے مختلف اضافے بھی ذکر فرمائے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"دوسری حدیث میں ہے: من یبنی للہ مسجدا! جو شخص خدا کے لئے مسجد بنائے وفی روایة ولو کمفحص قطاة اگرچہ قطاۃ کے گھونسلے جیسی وفی روایة او اصغر یا اس سے بھی چھوٹی وفی روایة یذکر الله عز وجل فیه تاکہ اس میں ذکر خدا ہوئے (نہ کہ مسجد ضرار کہ تفریق بین المسلمین و تقلیل جماعت کی غرض سے بنائی جائے) بنی الله له بیتا فی الجنة اللہ اس کے لئے گھر جنت میں بنائے گا فی روایة من درر و یاقوت موتی اور یاقوت کے رواہ ابن ماجه وابن حبان وسیدنا ابو حنیفة وابن خزیمة والبزار فی مسنده والطبرانی فی الصغیر والترمذی وھو فی الکبیر والاوسط وابن عدی والنسائی عن سیدنا عثمان وعمرو جابر بن عبد الله وابی ذر وانس بن مالك وابی امامة وابی هریرة واسماء بنت الصدیق وعمرو بن عبسة رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین"۔

حضرت ملک العلما کے فتاویٰ میں فقہی مراجع بھی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں جو آپ کے علم اور مطالعہ کی وسعت کا روشن ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اس مجموعۂ فتاویٰ میں شامل فقہی رسالے "تنویر المصباح" "نصرۃ الاصحاب" "اعلام الساجد" میں کثیر در کثیر فقہی کتب کے حوالے دیکھے جا سکتے ہیں۔ جمعہ کی اذان ثانی کے بارے میں ایک مختصر سے فتوے میں بائیس کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔

تفسیر، حدیث اور فقہی مراجع کی اس قدر کثرت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے علمی فیضان کی برکت ہی کہی جا سکتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ اس تنوع، کثرت اور ہمہ جہتی میں بہت ممتاز ہے۔

آداب افتا کی رعایت:

مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فقہا اور کتب فقہ کے مراتب اور رسم المفتی سے مکمل واقفیت رکھتا ہو اور اس کی روشنی میں فتویٰ دیتا ہو۔ حضرت ملک العلما آداب افتا پر بصیرانہ عبور رکھتے تھے اور اپنے فتاویٰ میں ان کا پورا پورا خیال رکھتے بلکہ اوروں کو جب ان کی حدود پھلانگتے دیکھتے تو ان کا بھرپور تعاقب کرتے اور انہیں ان کی ذمہ داریاں یاد

marfat.com

دلاتے۔اس کی بہت سی نظیریں اس مجموعے میں مل جائیں گی۔میں یہاں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

سوال تھا: امام کی جائے قیام عام مقتدیوں کی جگہ سے پانچ انگل بلند ہے یا امام دہلیز میں کھڑا ہے تو نماز میں کچھ قباحت تو نہیں؟۔امام احمد رضا نے جواب مرحمت فرمایا: ''یہ صورت مکروہ ہے'' حوالے پیش فرمائے، وجہ بتائی پھر اس کا مناسب حل پیش فرمایا۔یہی استفتا ایک اور صاحب افتا کے پاس بھیجا گیا، ان کا جواب تھا: ''پانچ انگل بلند ہو تو کچھ حرج نہیں'' انہوں نے بھی حوالے پیش کئے، علت بیان کی۔

مستفتی نے وہ سوال اور یہ دونوں جوابات حضرت ملک العلما کی خدمت میں پیش کئے۔حضرت ملک العلما نے آداب افتا سے غافل مفتی کا بھرپور تعاقب کیا۔میں حوالوں کی عبارات حذف کر کے اس جواب کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔آپ تحریر فرماتے ہیں:

''جواب سید مولوی ابراہیم رشیدی محض غلط ہے اور دعویٰ محض بے دلیل... فتاوی عالمگیریہ سے مقدار ارتفاع قامہ اور ذراع جو لکھا ہے، یہ دونوں بوجہ مخالفت ظاہر الروایۃ غیر معتبر ہیں۔ظاہر الروایۃ (جس پر عمل وافتا متعین اور اس کے خلاف پر فتویٰ دینا جہل وخرق اجماع ہے) وہی ہے جو حضرت مجیب اول متع اللہ المسلمین بطول بقائہ نے اختیار فرمائی ہے۔...

شرح عقود بلکہ باوجود وضوح وشیوع اس کے آپ جیسے تیز فہم کے لئے علما نے تصریح فرمادی کہ جب بھی فتویٰ لکھنے بیٹھنا تو ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا۔کیونکہ اس کے خلاف پر افتا جہالت ونادانی وخرق اجماع ہے۔

ثانیاً: یہ امر مسلم ہے کہ اتباع اس روایت کا کیا جائے گا جس کے موافق درایت ہو اور احادیث ابی داؤد وحاکم وابن حبان وغیرہم کی اس باب میں مطلق ہیں اور ظاہر الروایۃ قدر ممتاز ہے۔پھر اس سے عدول فقاہت سے دور بلکہ کار جہول ہے۔

ثالثاً: تصحیح اور فتویٰ جب مختلف ہو تو عمل میں اعتبار، موافقت اطلاق متون کا ہوتا ہے۔اور متون سارے کے سارے یک زبان یہی کہہ رہے ہیں: یکرہ ان یقوم فی مکان اعلیٰ من مقام القوم اذا لم یکن بعض القوم معہ۔تو اس سے عدول محض جہالت ونادانی ہے۔

رابعاً: بحر الرائق میں ثابت کہ مخالف ظاہر الروایۃ کا، مرجوع عنہ ہوتا ہے اور وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا پھر باوجود ایماء حنفیت امام کے خلاف فتویٰ دینا، سواء مستثنیات خاصہ مصرحہ فتح وشامی وغیرہما کے، خلاف دیانت وعقل ہے۔

خامساً: آپ کا فرمانا اذا تعارضا اماما ان الخ۔محرر صاحب! اولاً تو یہ مسئلہ ہی اختلافی ہے۔جس درمختار سے آپ سند لائے، اس میں ہی مرقوم ہے:......

''یعنی علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوی خیریہ لنفع البریہ میں فرمایا کہ علامات افتا کے بعض الفاظ بعض سے اقویٰ ہوتے ہیں جیسے اصح کہ اقویٰ ہے صحیح سے، تو یہ صحیح پر مقدم کیا جائے گا''۔

سادساً: ذرا یہ تو ارشاد ہو کہ یہاں صحیح اور اصح میں اختلاف کہاں؟ بلکہ اسی روایت کو بعض علماء نے اوجہ لکھا کما فی الدر۔محقق علی الاطلاق ابن ہمام نے فتح القدیر میں وجیہ فرمایا، فافہم۔صاحب! یہاں تو ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ

میں اختلاف ہے۔ جہاں ظاہر الروایۃ ہی پر افتا متعین، جسے آپ نے پس پشت ڈال کر یا اپنے پرانے کی نقل بنا کر جہل اور خرق اجماع کی راہ لی۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جب آپ انتقادیات میں اہل سنت کیا بلکہ اہل اسلام کے مخالف ہیں۔ اس شخص کے، جس کے گلے میں علماء عرب وعجم نے تکفیر کی طوق ڈالی ہو، مرید مستفید تو پھر آپ کو ان مسائل میں جو فقہیہ ہیں، جو مابین ہمارے علماء کے مختلف فیہ ہو، قیل وقال کی کس عقلمند نے راہ بتائی؟ اگر اپنے زعم میں فقیہ ہو، کچھ تحریر کرنا چاہتے ہو، تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ کلمہ پڑھو، علمائے حرمین محترمین کے موافق اپنے عقاید بناؤ، تب ان باتوں میں پڑنا ورنہ ایسی ہی خرافات پر جمے رہو۔ ان اختلافی فرعیات میں بحث کرنا تو احمق نمبر ۲ بننا ہے۔ جیسے کوئی قادیانی یا ہندو کسی سنی حنفی سے مناظر ہو اور کہے کہ آمین بالجہر کہنا چاہئے یا بالاخفاء؟ تو ہر ادنیٰ عقل والا بھی کہے گا کہ ارے او مسخرے! پہلے اسلام لا، سنی بن پھر ان باتوں میں منھ کھولنا۔ اللہ تعالیٰ اصدق الصادقین کی تکذیب کریں، حضور اقدس افضل الناس واعلم الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کریں، ابلیس لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائیں اور فقہیات میں خامہ فرسائی کریں؟ اپنے کو پانچویں سواروں میں بتلائیں؟۔ ع شرم بادت از خدا واز رسول۔

ایسے جاہل مطلق جو آداب مفتی سے محض جاہل اور اس پر طرہ تحریر کا شوق کرے، تو اس سے فتاویٰ عالمگیریہ، اذا تعارض اماماں، در المختار، حررہ العبد محمد ابراہیم سنی حنفی چشتی رشیدی، لکھنے کی کیا شکایت؟ ان سب میں الف تو ہضم ہوا ہی تھا لام تو ٹیڑھی کھیر تھا مگر حافظ جی اسے بھی چٹ کر بیٹھے۔ بالجملہ جواب اول صحیح ہے اور تحریر ثانی غلط صریح، جہل قبیح ہے"۔

یہ اقتباس جہاں حضرت کی آداب افتا سے پوری واقفیت، تفقہ اور دقیقہ رسی کو واضح کر رہا ہے، وہیں آپ کی ظرافت ملیح اور تیکھی تنقید کے دلچسپ اسلوب کا بھی آئینہ دار ہے۔

تفقہ:

مقامات دین کے فہم اور اصول دین کی بصیرت کو تفقہ کہتے ہیں۔ یہ ملک العلما کے مربی اور مرشد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا خاص رنگ تھا جو ان کے پورے علمی وجود پر چھایا ہوا تھا۔ حضرت ملک العلما نے بھی اس بارگاہ فیض سے حصہ لیا ہے، اس لئے آپ کے یہاں بھی گہری فقاہت ملتی ہے۔ گو آپ کو شہرت ایک محدث، ایک مصنف، ایک مناظر، ہیئت وتوقیت کے ماہر اور جفاکش مدرس کی حیثیت سے ملی لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ آپ کے یہاں فقاہت کا جوہر بھی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس دعوے کی تصدیق کے لئے اسی مجموعے سے اخذ کر کے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

سنی حنفی المذہب کی بنائی ہوئی مسجد میں ایک غیر مقلد صاحب امامت کا شوق رکھتے ہیں۔ مسئلہ پیش ہوتا ہے ملک العلما کی بارگاہ میں۔ یہ سوال تو دستیاب نہ ہو سکا لیکن جواب کی تفصیلات بتاتی ہیں کہ سوال میں بہت ساری جزئیات

نافع البشر فی فتاویٰ ظفر

[۱۳۴۹ھ]

فتاویٰ ملک العلما

ملک العلما شاہ محمد ظفرالدین قادری رضوی قدس سرہٗ

مرتب اعزازی

نبیرۂ ملک العلما ڈاکٹر طارق مختار

شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ترتیب و تقدیم

علامہ ساحل شہسرامی (علیگ)

marfat.com

ثبوت کے لئے فریقین کی بکثرت کتابیں کہ چھپ کر شائع ہو چکیں، کافی ہیں۔ بلکہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں تم ہمیں گمراہ کہتے ہو اور ہم تمہیں۔ اور اگر تم اس وقت مصلحۃً نہ کہو تو ہمارا فریق تو ضرور تمہیں گمراہ و بد دین کہتا اور لکھتا اور چھاپتا ہے۔ اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو تم فی الواقع گمراہ ہو تو مطلب حاصل۔ یا واقع میں تم ہدایت پر ہو؟۔ تو جو فریق ہدایت کو ضلالت جانے، وہ گمراہ ہے۔ اب یا تو تم ہمیں، ہمارے جمیع اعتقادیات میں حق پر جانتے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے بعض اعتقاد تمہارے نزدیک حق نہیں۔ اور اگر ہاں، تو ہمارے اعتقادیات سے ایک یہ بھی ہے کہ تم گمراہ و بد دین ہو، یہ بھی حق ہوا۔ بہر حال دونوں تقدیر پر ایک ضرور گمراہی پر ہے۔ اور شرع مطہر کا اہل حق کو حکم ہے کہ گمراہوں سے میل جول نہ کریں۔ ان سے دور بھاگیں، ان کی نماز میں نہ شریک ہوں، اور وہ بیمار پڑیں تو عیادت کو نہ جائیں، وہ مر جائیں تو جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔ اب اگر معاذ اللہ ہم گمراہ ہیں تو تم کو حکم ہے کہ ہم سے دور رہو، ہماری نماز میں شرکت نہ کرو۔ اور اگر تم اہل بدعت ہو تو ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی نماز میں تمہیں شریک نہ ہونے دیں۔

ان اقتباسات سے حضرت کے ذہن عالی کی برّاقی اور جزئیات نگاری پر گرفت پوری طرح نمایاں ہے۔ اسی طرح کتاب النکاح میں ایک فتوے کی تردید اور اصلاح میں آپ کی جودت طبع اور روشن دماغ نے جو جولانی دکھائی ہے، وہ دیکھنے کی چیز ہے۔ آپ نے جواب اول کی فاش غلطیاں ایسی ورق آشکار کی ہیں کہ بخیئے ادھیڑ دیئے ہیں۔ (پورا فتویٰ ص...... پر موجود ہے) یونہی ''کھڑکی کا فیصلہ'' میں آپ نے جس دیدہ ریزی سے فیصلے کی پوری مسل کا فقیہانہ جائزہ لے کر اس کی خامیاں طشت از بام کی ہیں اور درست شرعی فیصلے کی جانب جیسی مدبرانہ راہنمائی فرمائی ہے، وہ آپ کی تدبر آشنا فکر اور فقیہانہ بصیرت کا کھلا ثبوت ہے۔ (پورا رسالہ کتاب القضا میں دیکھئے)

حضرت کا رسالہ مبارکہ ''اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد'' میں بالکل امام احمد رضا کا فقہی رنگ دمکتا نظر آتا ہے۔ وہی جزئیات نگاری، وہی دقیقہ رسی، وہی کثیر در کثیر حوالجات، وہی استنباطی رنگ۔ مکمل رسالہ ص...... پر ملاحظہ فرمائیں۔ میں یہاں صرف ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔

سوال تھا: قربانی کی کھال بیچ کر اس کی رقم سے مسجد کی تعمیر کی جا سکتی ہے یا نہیں؟۔ جواب اثبات میں ہے۔ عالمگیری کی ایک عبارت پیش کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''عبارت ہذا، تحریر بالا کی روشن دلیل ہے۔ اور اس سے ہر ذکی، متفطن، سلیم الطبع، جزئیات مسائل متعلقہ پوست اضحیہ، ادنیٰ تامل سے نکال سکتا ہے۔ مگر تعمیم نفع کے لئے ایک ضابطہ و قاعدہ کلیہ لکھا جاتا ہے جو قلب فقیر پر ارواح طیبہ اساتذہ کرام و مشائخ عظام حصھم اللہ العلام باللطف العام سے فائض ہوا۔ جس سے ہر عاقل فہیم تمام جزئیات بہ آسانی نکال سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ وھو حسبی ونعم الوکیل۔

ظاہر ہے کہ پوست، گوشت اضحیہ دونوں منتفع بہ ہیں اور شریعت مطہرہ نے بعد اراقت دم اس سے انتفاع کا حکم دیا۔ کما قدمنا عن الھندیۃ عن المحیط۔ اور انتفاع دو حال سے خالی نہیں۔ دینی ہو گا یا دنیاوی۔ اول ہر طرح جائز ہے عین اسے ہو یا بدل سے...... لما مر من قولہ ویتصدق بجلدھا وقولہ ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز

marfat.com

لانہ قربة کالتصدق۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا بعینہ ہوگا یا بدلہ۔ اول مطلقاً جائز ہے۔ لما فی غرر الاحکام "او یجعله آلة کجراب وخف وفرو" اہ وفی الخانیة: "ولا باس بان یتخذ من جلد الاضحیة فروا او بساطا او متکئا یجلس علیه" اہ وفی الکافی والهدایة: "او یعمل منه آلة تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوها" اہ کالدلو والسفرة والقرب عینی۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں یا بدل ثمن ہوگا یا نہیں۔ اول ناجائز ہے۔ تکملہ بحرالرائق وتبیین وخلاصہ میں ہے: "ولا یبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علی نفسه وعیاله"

ثانی یعنی بدل ثمن نہ ہو بلکہ مثمن ہو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں، یا مستہلک ہوگا یا غیر مستہلک، اول ناجائز ہے۔ لما فی الهدایة والتبیین والکافی والطحاوی وخزانة المفتیین: "ولا یشتری به مالا ینتفع به الا بعد استهلاکه کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراهم والمعنی فیه انه تصرف علی قصد التمول۔

ثانی جائز ہے۔ لما فی الهدایة وشرح الکنز لملا مسکین والکافی والتبیین والطحاوی وخزانة المفتیین: "ولا باس بان یشتری به ما ینتفع بعینه فی البیت مع بقائه استحسانا"۔

یا یوں خیال کیا جائے کہ قربانی کرنے والا گوشت اضحیہ کو اپنے صرف میں لائے گا یا غیر کے۔ عام ازیں کہ کوئی شخص معین ہو یا غیر معین جیسے رفاہ عام۔ ثانی ہر طرح جائز ہے۔ اور اپنے صرف میں لانے کی چار صورتیں ہیں۔ دو جائز، دو ناجائز (۱) اس کی کوئی چیز بنائے (۲) اس سے کوئی غیر مستہلک چیز بدلے تو جائز ہے اور (۳) اگر روپیوں سے بیچا (۴) کوئی مستہلک چیز خریدی تو ناجائز وممنوع۔ وقد مضت الادلة آنفاً۔"

تصوف:

حضرت ملک العلما خشک فقیہ نہیں تھے بلکہ سوز عشق اور نفس سوختہ سے معمور ایک خوش طبع درویش فقیہ تھے۔ یہی سبب ہے کہ آپ کی تحریروں میں ملّا نہ خشکی نہیں ملتی بلکہ صوفیانہ لطافت پیرتی محسوس ہوتی ہے۔ دل آزاری سے گریز، تنقید میں بھی شائستگی کا برتاؤ، سوقیانہ پن سے اجتناب، اخلاص کی خوشبو، ہمدردانہ جذبے، غمگسارانہ لہجے کیا ہیں؟۔ صوفیانہ خصائل ہی تو ہیں جن کا رچاؤ ہر جگہ نظر آتا ہے، لیکن عام صوفیانہ روش سے ہٹ کر خاص صوفیانہ مسائل پر بھی آپ نے خامہ فرسائی کی ہے۔ کتاب الحظر والاباحۃ میں اس طرز کے کئی ایک فتاویٰ شامل ہیں۔

ص...... پر سوال ہے کہ کیا زید اپنے والد کی مرضی کے بغیر اشغال صوفیہ میں منہمک ہو سکتا ہے؟۔ اس کا جواب بہت ژرف نگاہی کے ساتھ دیا گیا۔ اطاعت والدین کے فضائل پر مشتمل کثیر احادیث کریمہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں

"پس صورت مستفسرہ میں جب کہ باپ اس کا شیخ کے یہاں جانے، حلقے میں شامل ہونے سے روکتا اور کہتا

marfat.com

ہے کہ اس میں میری سخت ناراضگی ہوگی، ہرگز اس شخص کو اجازت نہیں کہ والدین کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہو۔

(حدیث مبارک ذکر کر کے) جب بے اجازت والدین جہاد کی اجازت نہ ہوئی .... تو باپ کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہونے کی کیوں کر اجازت دی جائے گی؟ اس شخص کو چاہئے کہ شیطان کے دھوکہ سے باز آئے، والد کی فرمانبرداری کرے، ان کو ایذا نہ دے، عاق نہ بنے، والدین کی رضا بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرے۔

(دوسری جانب باپ کو تلقین کرتے ہیں) اگر اس کا باپ اسے روکنے میں کوئی مصلحت شرعیہ دیکھتا ہے یا اسے اپنے ایذا کا خیال ہے کہ اسے تنہا چھوڑ کر وہ اپنا کام نہ کر سکے گا، تو کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کا کوئی حرج نہیں تو ذکر و فکر، شغل و اذکار سے وہ اپنے بیٹے کو نہ روکے، کیونکہ اس کو اجازت نہیں کہ وہ کام کرے جو اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہو''۔

توجہ تشبیہی کے جواز کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''توجہ لینا اپنے پیر و مرشد سے اور مرشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔ کتاب الترغیب والترھیب حافظ ذکی الدین عبد العظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۳۰۱ س ۹ پر ہے: وعن یعلیٰ ابن شداد قال حدثنی ابی شداد ابن اویس وعبادۃ بن الصامت حاضر یصدّقه قال کنا عند النبی صلی الله علیه وسلم فقال هل فیکم غریب یعنی اهل الکتاب قلنا لا یا رسول الله! فامر بغلق الباب وقال ارفعوا ایدیکم وقولوا لا اله الا الله۔ فرفعنا ایدینا ساعة ثم قال الحمد لله اللهم انك بعثتنی بهذه الکلمة ووعدتنی علیها الجنة وانت لا تخلف المیعاد ثم قال ابشروا فان الله قد غفر لکم۔

یعنی مروی ہے یعلیٰ بن شداد سے، کہا مجھ سے بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن اویس نے اور حضرت عبادۃ بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے۔ کہا، تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی یہودی یا نصرانی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا الہ الا اللہ کہو تو ایک ساعت تک ہم لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر حضور نے دعا فرمائی کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ابھی تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلاف نہیں فرماتا۔ پھر فرمایا کہ خوش ہو کہ عزوجل نے تم کو بخش دیا۔ رواہ الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرهما

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزئیہ ہے ورنہ لا الہ الا اللہ کی تعلیم کو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کی طرف بھیجے گئے۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ هل فیکم غریب تم میں کوئی اجنبی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے ہی پر بس نہ فرمایا بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا کہ غیر کا دخل نہ ہو؟ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص تلقین لا الہ الا اللہ تھی جس میں خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے۔ اور یہ وہی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ وللہ الحمد والله تعالیٰ اعلم۔''

marfat.com

حضرت کے اس استدلال نے یہ معاملہ بھی طے فرمادیا کہ حضرات صوفیہ کے معمولات، کتاب وسنت کے اسرار باطنی سے ماخوذ ہیں، یونانیوں اور ویدوں کی تعلیمات کا ملغوبہ نہیں۔

بیعت کی شرائط بیان کرتے ہوئے خالص صوفیانہ طرز کا جواب سپرد قلم کرتے ہیں:

''پیر میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

اول یہ کہ وہ صاحب اجازت، خلیفہ اپنے شیخ کا ہو اور وہ اپنے شیخ کا وعلیٰ ھذا القیاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اس کا مسلسل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسائل شرعیہ ضروریہ سے واقف اور اس کا عامل ہو اور ادائے حقوق شرع میں قاصر ومتہاون نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عقیدۂ اہل سنت والجماعت ہو، بدمذہب نہ ہو۔ جاہل سے بیعت درست نہیں کہ بے علم نتواں خدارا شناخت۔ جو شخص خود خدا کو نہیں پہچانتا دوسرے کو کیا پہنچوائے گا۔

او خویشتن گم ست کرا رہبری کند۔ مشہور مقولہ ہے ''جاہل پیر شیطان کا ٹٹو ہے''

ابریز میں ہے: اذا لم یکن علم لدیہ بظاھر ولا باطن فاضرب بہ لجج البحر قال الشیخ رضی اللہ عنہ مرادہ بعلم الظاھر علم الفقہ والتوحید ای القدر الواجب منھما علی المکلف ومرادہ بعلم الباطن معرفۃ اللہ تعالیٰ۔

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ پیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی مدرسہ سے دستار فضیلت پائے ہوئے ہو بلکہ اس کو علم باللہ اور علم باحکام اللہ ہو۔ مسائل اعتقادیہ وعملیہ فقہ وقلبیہ تصوف سے بے بہرہ وبے علم نہ ہو۔ حضرات سادات کرام کی فضیلت سید ہونے کی وجہ سے سر اور آنکھوں پر ہے۔ مگر یہاں نسبی بزرگی کی ضرورت نہیں بلکہ مرید ایسے شخص سے ہونا چاہئے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے تربیت مرید کے لئے اعلیٰ وافضل ہے، ورنہ اس کو بیعت نہ کرنی چاہئے۔

ابریز فی علم سیدنا عبدالعزیز میں ہے:

لا تقدمن قبل اعتقادك انه مربٍ ولا اولی بها منه فی العصر (ای) ولا تقدمن علی شیخ بقصد الدخول فی صحبته حتی تعتقد انه من اهل التربیة وانه لا احق منه بها فی زمنه۔

''یعنی مرید ہونے کے لئے کسی کی خدمت میں اقدام نہ کرو اور اس کی صحبت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرو جب تک یہ اعتقاد نہ کرلو کہ یہ شخص تربیت کا اہل ہے اور اس زمانہ میں اس سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے قابل نہیں''۔

تو اگر کسی غیر سید کے ساتھ اس کو اس طرح وابستگی ہے تو اسی کے ہاتھ پر مرید ہونا چاہئے اور سید صاحب کے ساتھ ہے تو اس کے ہاتھ پر ہو۔ غرض یہ معاملہ معشوق بنانے کا ہے۔ کسی عاشق سے پوچھئے کہ سید پر عاشق ہونا چاہئے یا غیر سید پر؟ جو جواب اس کا ہے، وہی جواب اس کا سمجھئے۔

marfat.com

ہمہ شہر پر زخوباں، منم و خیال ما ہے چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے

تنقید:

حضرت ملک العلما کو نقد و نظر کی بھی ایک خاص قسم کی استعداد عطا کی گئی تھی۔ آپ حریف کو اسی کے ہتھیار سے زیر کرنے کے قائل تھے۔ اس طرز کی تحریریں آپ کے مناظراتی رسائل میں خاص طور سے ملتی ہیں۔ زیر نظر مجموعۂ فتاویٰ میں بھی بہت سارے تنقیدی جوابات ملتے ہیں جن میں طرز انشا کی خوشگوار تیکھی تنقید اور دلچسپ ہجو ملیح کے نمونے بھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔ میں یہاں آپ کے ایک مفصل فتوے کے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

فاتحہ کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں تحریری معرکہ آرائی چل رہی تھی۔ نقد و نظر کے لئے فریقین کی تحریریں استفتا کی صورت میں ملک العلما کے حضور پیش کی گئیں۔ آپ نے ان تحریروں کا بڑا فاضلانہ محاسبہ کیا اور تنقید کا حق ادا کر دیا۔ یہ پورا فتویٰ بارہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ میں اس کے چند دلچسپ اقتباس پیش کرتا ہوں جو ہیں تو قدرے طویل لیکن افادیت سے لبریز ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں:

''علمائے اہل سنت کی تصریحات کے تو دریا امڈ رہے ہیں۔ کہاں تک کوئی لکھے۔ اب دو فتویٰ وہابیہ حال کے معتمد الکل فی الکل مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اگرچہ وہ وسعتِ علم وفسحتِ ذکاء و فہم سے اپنی تحریر کو بھی نہ سمجھیں اور اصل اشیاء میں اباحت ہونے کو پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی کہتے جائیں۔

چونتیسویں سوال ''رنگین کپڑے پہننا، نیلا تہمد باندھنا، موٹی تسبیح رکھنا، بال سر کے بڑھانا اس خیال سے کہ اگلے پیشواؤں کا معمول ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت ہے یا نہیں؟'' کے جواب میں ہے ''ان ہیئات میں کوئی معصیت نہیں۔ بری نیت سے برا، بھلی نیت سے بھلا ہے۔ فقط''۔ یہ جواب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تو بے کھٹکے بول اٹھے کہ کوئی معصیت نہیں۔ مولوی اصغر حسین صاحب دیوبندی کی طرح (جیسے انہوں نے فاتحہ کے لئے کہا) یہ نہ کہا کہ ''فقہ کی کتاب میں ان ہیئات کا کہیں نام ونشان نہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بے اصل ہے''۔ نہ محشی صاحب کی طرح یہ کہا کہ ''بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے۔ تو جب تک اس کا جواز ادلۂ فقہیہ سے نہ ثابت ہو ممنوع و ناجائز رہے گا''۔ نہ مجتہد صاحب کی طرح یہ کہا کہ ''اصل اشیاء میں اباحت پرانا مغالطہ ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیں، یہ تمام اشیاء بانفرادہا جائز ہیں تو جو امور بانفرادہا جائز ہوں ان کو مجموعہ کر کے یہ ہیئت بنا لینا دھوکے کی ٹٹی ہے''۔ نہ ٹکے کی پانچ والی دو ورقی کے مشتہر کی طرح یہ لکھا کہ ''یہ فعل حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمۂ مجتہدین سے منقول نہیں (ص ۳ س ۲۶) اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو، بدعت جانیں۔ (ص ۱ س ۱۱) نہ یہ کہا کہ ''یہ ہیئت کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک ان ہیئات کا منقول ہونا یا اس کو کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ کریں گے، تب تک یہ ہیئات بدعت سیئہ رہیں گے اور جو برائی بدعتیوں کی اوپر قریب ہی بیان ہوئی یعنی جس نے اس کی

marfat.com

توقیر کی گویا اس نے مدد کی اسلام کے ڈھانے پر یا ایسے شخص اور جو اسے جگہ دے، اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی، سب کی اور قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے نفل اور نہ فرض وغیرہ ذلک من الاحکام، وہ سب اس ہیئت والے پر ثابت ہوگی" ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم"۔

رہا محشی روداد اور "صاحبِ فاتحہ مروجہ کا فیصلہ" کا عبارتِ درمختار سے دھوکا کھانا اور اصل اشیاء میں توقف بتانا، اباحت کو رائے معتزلہ کہنا، اصل اشیاء میں اباحت کے قائل کو معتزلیت کا مقر بنانا محض "با در ہوا" اور "رو در قفا" اور بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ جس کا کشف بعونہٖ عزوجل فقیر نے اپنے رسالہ "مواہب ارواح القدس" میں بروجہ تام و مالا کلام کر دیا ہے فلتطالع۔ صاحب "دافع التلبیسات" نے اسی مضمون کے متعلق زیرِ قول دوم وسوم، صادق مجیب تحریر محمد عبدالرحیم کو لکھا: "ناقل کی اعلیٰ درجہ کی حماقت وجہالت ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ خدا عبارت کا ترجمہ بھی نہ سمجھا، حق تحریف خوب ادا کیا وغیر ذلک"۔

راقم الحروف ان پاکیزہ الفاظ کے جواب میں صرف المرء یقیس علی نفسہ کی شہرت پر اکتفا کر کے اس بات کا جواب دینا مناسب جانتا ہے کہ فرماتے ہیں: الاصل فی الاشیاء الاباحۃ حنفیہ کا متفق علیہ قاعدہ نہیں الخ، عقلمند عالم! عبارت سمجھنے والے! تحریر میں یہ رقم ہے کہ جمہور حنفیہ کا مختار یہ ہے۔ اس میں کیا حماقت وجہالت ہوئی؟ عبارتِ تحریر ابن ہمام والی یہ ہے "المختار الاباحۃ عند جمہور الحنفیۃ والشافعیۃ" اس عبارت کا ترجمہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو مجیب یہ سمجھا سکے۔ انصاف سے کہئے! یہ تینوں گرامی اوصاف آپ کے ہوئے یا مجیب کے؟ ع چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر مزید آگے لکھتے ہیں:

مصباح الضحیٰ میں لکھا کہ "معانقہ غیر قدوم سفر کا باجماع حنفیہ وشافعیہ کے مکروہ ہے"۔ حالانکہ ان کے اقراری امام، محقق وفقیہ ومحدث جلیل شیخ محقق قدس سرہٗ شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں: "فقہاء را در جواز معانقہ وکراہت آں اختلافے وتفصیلے ست وصحیح جوازِ اوست اگرچہ در غیر قدوم سفر نیز باشد"۔ نہ معلوم ڈپٹی صاحب کے نزدیک اجماع کس چڑیا کا نام ہے؟ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں مصنف کچھ فرمائے، آپ کچھ اس کے سر تھوپ رہے ہیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ صرف اپنے مطلب کے دو لفظ لے لئے، باقی سے آنکھیں میچ لیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ دعویٰ بے دلیل کر دیا، جو منھ میں آیا کہہ بیٹھے۔ دیکھئے اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو مولوی بشیر قنوجی نے کی۔ "تفہیم المسائل" ص ۲۷ پر انکارِ استمداد کے لئے "مطالب المومنین" سے نقل کیا "یکرہ الانتفاع بالقبر" اور اس کا مطلب یہ لکھا کہ "قبور سے مدد مانگنا جائز نہیں"۔ حالانکہ اصل عبارت اس کی یہ ہے: "یکرہ التمتع بالمقبرۃ وان لم یبق آثارہ" قبرستان سے فائدہ لینا مکروہ ہے اگرچہ اس کے آثار باقی نہ رہیں۔

آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں زمین مقبرہ سے تمتع اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے۔ اسی لئے "اگرچہ" کہہ کر ترقی کرتے ہیں کہ قبر کا نشان نہ رہنے کے بعد جوازِ انتفاع کا گمان ہو، لہٰذا تصریح کر دی کہ گو اثر نہ رہے تاہم انتفاع روا نہیں۔ قنوجی صاحب! وہ لفظ جو بالکل ان کے خلاف مطلب بلکہ صریح رد تھا، اڑا گئے اور

marfat.com

براہِ دانشمندی مقبرہ کو قبر بنالیا؟ ۔ کہئے یہ تحریف ہوئی یا نہیں ؟ کہو ہوئی !''

ایسی ہی ظریفانہ اور شستہ نثر سے آپ کی ساری تنقیدی تحریریں آراستہ و پیراستہ نظر آتی ہیں ۔ احقر زیر نظر مجموعۂ فتاویٰ کے اتنے ہی فنی تعارف پر اکتفا کرتا ہے ۔ اب کچھ باتیں ترتیبی مراحل کے تعلق سے ۔

☆☆☆☆☆

حضرت ملک العلما علامہ شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ سے ان کی سادگی ، رواداری ، علم وفضل بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی نسبت خاص کی وجہ سے احقر کو بے حد عقیدت ہے ۔ حضرت کے وصال کو تقریباً نصف صدی ہوتی ہے لیکن چند مضامین کے سوا نہ حضرت پر کوئی کام ہو سکا اور نہ حضرت کی نگارشات کو ہی منظر عام پر لانے کی باضابطہ کوشش ہو سکی ۔ تنویر المصباح ، نصرۃ الاصحاب ، مبارک پور ، گھوسی ، لاہور اور ہزاری باغ سے شائع ہوئیں ۔ '' تنویر السراج فی ذکر المعراج '' اور صحیح البہاری کی کچھ قسطیں پاکستان سے شائع ہوئیں ۔ چند مضامین بھی لکھے گئے جن میں مولانا محمد محمود رفاقتی مصنف تذکرۂ علمائے اہل سنت کا مضمون '' ملک العلما اور علم حدیث '' قدرے مفصل ہے جو تین قسطوں میں ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور سے شائع ہوا ۔ لیکن

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

اب جمود ٹوٹ چکا ہے ۔ حضرت پر تحقیقی کاموں کی پیش رفت ہو چکی ہے ۔ برادر محترم مولانا ملک الظفر شہسرامی ایڈیٹر الکوثر (سہ ماہی) سے جب اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو انہوں نے ناچیز کی رائے کو شرف قبول عطا کرتے ہوئے اپنے سہ ماہی رسالہ الکوثر شہسرام کا '' ملک العلما نمبر '' نکالنے کا پختہ عزم کر لیا اور ان کی دو سالہ جانفشانہ کاوش کے بعد پانچ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل گرانقدر نمبر مرحلۂ اشاعت کے قریب آن پہنچا ہے ۔ حضرت کی گرانقدر تصنیف '' جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری '' کی جلد اول (عقائد) پر لاہور کی رضا فاؤنڈیشن کام کر رہی ہے ۔ احقر نے بھی مختلف جہت سے حضرت ملک العلما کے حضور قلمی نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے ۔

۱ - '' ملک العلما اور علمائے شہسرام '' (مطبوعہ ماہنامہ جہان رضا جون ۱۹۹۹ء) ۔ ۲ - علم توقیت میں ملک العلما کے ایک ممتاز شاگرد ، علامہ عبد الرؤف بلیاوی ، نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور (مطبوعہ سہ ماہی افکار رضا ممبئی ۔ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء) ۔ ۳ - '' تاج العلما اور سید العلما کے گرامی مکاتیب بنام ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین قادری برکاتی قدست اسرارہم (مطبوعہ جہان رضا ، لاہور ۔ فروری ۲۰۰۳ء) ۔ آج سے چار سال پہلے بہت کاوش کے ساتھ حضرت کا رسالہ '' سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون '' کو جدید انداز میں '' اسلامی نظریہ موت '' کے نام سے ایڈٹ کر کے اس پر تقدیم لکھی ، کتابت کے مراحل سے گذارا ۔ یہ کتاب المجمع العلمی ہزاری باغ سے شائع ہو چکی ہے ۔

حضرت ملک العلما کے فتاویٰ کی ترتیب کے بارے میں احقر نے آج سے تین سال پہلے نبیرۂ ملک العلما محترمی ڈاکٹر طارق مختار صاحب سے تذکرہ کیا تھا ۔ موصوف نے بطیب خاطر پورا تعاون دینے کا وعدہ کیا ۔ مختلف مرحلوں

marfat.com

میں پیہم اصرار کے بعد اس کی نقول حاصل ہوئیں بالآخر ناچیز نے ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ میں اس کی ترتیب کا آغاز کردیا۔ بیشتر مسودات بہت ژولیدہ خط تھے اور بعض کے اوراق تو اس قدر بوسیدہ تھے کہ ان کی سیاہ زیراکس کا پیاں پڑھنا بھی کارے دارد۔ بہر حال! احقر نے اپنے مولیٰ کے بھروسے پر حضرت ملک العلما قدس سرہٗ کی روحانیت سے استعانت کرتے ہوئے اس ناصاف مسودے کی زیراکس کاپیاں دیکھنی شروع کیں۔ ناقل نے کتابت میں اتنی زیادہ غلطیاں کی تھیں کہ اسے پڑھنے اور درست کرنے میں کئی ہفتے بیت گئے۔ بہت سے اوراق کرم خوردہ تھے یا ان کی سطریں وقفے وقفے سے مسلسل نہ تھیں۔ انہیں ملانے اور وہاں مناسب الفاظ جوڑنے میں جو زحمت اٹھانی پڑی، اس کا کیا ذکر کروں۔ اس تجربے سے فتاویٰ رضویہ کے مجاہد مرتبین کی جانکاہیوں کا قدرے اندازہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں پوری ملت کی جانب سے جزائے خیر دے اور ان کی تربتیں شاداب رکھے۔ آمین!۔ بعض ناقص عبارات کی تلاش اور درستگی میں کئی دن لگ گئے۔ مہینوں کے بعد یہ مسودہ ٹائپسٹ کے حوالے ہوا۔ جناب مولانا احسن نیازی صاحب جو حلقۂ دیوبند سے تعلق رکھنے کے باوجود کافی روادار ثابت ہوئے ہیں، انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے یہ ناقص اور بدخط مسودہ پڑھ کر ٹائپ کیا اور بہت حد تک صحت کتابت کا خیال رکھا۔ میں ان کا بے حد ممنون ہوں کہ اگر وہ نہ ملتے تو مجھے پورا مسودہ اپنے قلم سے صاف کرنا پڑتا جو میرے لئے کافی صبر آزما اور وقت صرف مرحلہ تھا۔ بہرکیف! ان مسلسل جانکاہیوں کے بعد چار مہینے کے عرصے میں حضرت ملک العلما قدس سرہٗ کے اس قلمی سرمائے کو منظر عام پر لانے کے قابل کیا جاسکا۔

اس مجموعۂ فتاویٰ میں ایک سو چوبیس فتاویٰ شامل ہیں جن میں کئی ایک بہت مبسوط، مفصل اور بڑے قیمتی ہیں۔ انہیں میں یہ چھ رسائل بھی ہیں:

۱- تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (۱۳۳۰ھ) اقامت میں کس وقت کھڑا ہونا چاہئے۔

۲- عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)۔ رویت ہلال کے مسائل۔

۳- تحفت الاحباب فی فتح الکوّۃ والباب (۱۳۳۶ھ)۔ کھڑکی کا فیصلہ

۴- اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ)
قربانی کی کھال بیچ کر اس کی رقم سے تعمیر مسجد کا حکم۔

۵- نصرۃ الاصحاب بقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ) ایصال ثواب کے شرعی طریقے۔

۶- مواھب لرواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۴ھ)۔ عرس کے جواز کا ثبوت۔

یہ وہ رسائل ہیں جو کسی استفتا کے جواب میں معرض تحریر میں لائے گئے۔ اس لئے دراصل یہ فتاویٰ ہیں، گو اپنے حجم کی وسعت اور ضخامت کے سبب انہوں نے مستقل تصنیف کی صورت اختیار کر لی ہے۔ ایک قیمتی رسالہ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے فتاویٰ کی صفوں میں شامل ہونے سے رہ گیا: القول الاظھر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ)۔ یہ رسالہ جمعہ کی اذان ثانی کے موضوع پر تھا۔

یہ پورا مجموعہ گیارہ ابواب پر تقسیم ہے جن میں ایک سو چوبیس فتاویٰ شامل ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

marfat.com

(۱) کتاب الصلوٰۃ ۔۳۴۔ (۲) کتاب الزکوٰۃ ۔۵۔ (۳) کتاب الصوم ۔۶۔ (۴) کتاب النکاح ۔۲۱۔ (۵) کتاب الطلاق ۔۹۔ (۶) کتاب السیر ۔۵۔ (۷) کتاب الوقف ۔۴۔ (۸) کتاب القضا ۔۱۔ (۹) کتاب الاضحیۃ ۔۸۔ (۱۰) کتاب الحظر والاباحۃ ۔۲۶۔ (۱۱) کتاب الفرائض ۔۶ = ۱۲۴۔

یہ سارا سرمایہ دو رجسٹروں میں محفوظ تھا۔ ایک رجسٹر صحیح حالت میں تھا اور دوسرا خستہ۔ ان کے علاوہ کچھ بوسیدہ اوراق پریشان بھی تھے۔ اس مجموعے کے بیشتر فتاویٰ ۱۳۲۳ھ تا ۱۳۲۵ھ کے دوران کے ہیں جس زمانے میں ملک العلما بریلی شریف میں قیام فرماتے تھے۔ مسودات کے آغاز میں حضرت علاّم رقم طراز ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"الحمد للہ وبہ نستعین وبحمدہ ورضاہ ظفر الدین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین عالم علوم الاولین والآخرین وعلیٰ الہ وصحبہ وعلمائہ وحزبہ لا سیما الامام الاعظم والغوث الاعظم وسائر الاولیاء والعلماء۔ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدھم ومولاھم وعلیھم وبارک وسلم۔ امین!

امابعد! فقیر بارگاہ رضوی محمد ظفر الدین بہاری میجروی قادری برکاتی غفر لہ ما مضیٰ وما سیاتی، ملتمس کہ یہ چند استفتا مع جوابات ہیں جو بزمانہ قیام بریلی شریف میں سائلوں کے جواب میں لکھے گئے۔ عام مسلمانوں کے فائدے کے لئے کتابی شکل میں ایک جگہ جمع کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کی توفیق بخشے اور اس سے مسلمانوں خصوصاً حنفی بھائیوں کو فائدہ پہنچائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز وھو حسبی ونعم الوکیل"۔

یہ تحریریں سو سال پہلے کی ہیں اس لئے طرز املا آج سے بہت مختلف تھا۔ احقر نے اسے دور حاضر کے طرز املا کے مطابق ٹائپ کرایا ہے۔ پیراگرافنگ بھی میری ہے۔ آیات قرآنی کی تخریج کردی گئی ہے اور جہاں ترجمہ نہیں تھا، وہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے شاہکار ترجمۂ قرآن کنزالایمان سے ترجمے کا اضافہ بھی کردیا گیا ہے۔ فقہی عبارات میں حوالوں کی تخریج کرنے کا ارادہ تھا لیکن یہ کام کافی دشوار گذار ثابت ہوا۔ بعض بعض عبارتوں نے کئی کئی گھنٹے لے لئے۔ اس لئے پھر اس کا خیال کئی وجہ سے ترک کردیا۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اس کا فائدہ خواص اٹھا سکتے ہیں، عوام کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور جو حضرات فقہ وافتا سے شغف رکھتے ہیں، ان کی نگاہ خود ہی ضروری مراجع پر ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ کتابوں کے ایڈیشن بدلتے رہتے ہیں، اس لئے یہ حوالے خواص کے لئے بھی زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتے۔ تیسری سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ حضرت مصنف نے جن کثیر در کثیر فقہی مآخذ کا استعمال کیا ہے، وہ ساری کتابیں تو کیا ان کا نصف بھی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسے مہتم بالشان ادارے میں موجود نہیں۔ دراصل یہ دارالافتا کی چیزیں ہیں، شاید اسی لئے ان کی فراہمی کی جانب پوری توجہ نہیں کی گئی۔ مکمل فراہمی کتب کی ناکامی کے سبب تشنہ کامی تو بہر صورت رہتی، اس لئے میں نے باقی کتب کی تخریج کا خیال چھوڑ دیا۔ البتہ جہاں جہاں آسانی کے ساتھ حوالے مل سکے، انہیں شامل کرلیا گیا ہے، اس لئے معاملہ بالکل سوکھا بھی نہیں ہے۔

ترتیب کے بعد تقدیم، فہرست مضامین اور فہرست مآخذ تیار کرنے کا مرحلہ تھا۔ تقدیم خاصی طویل ہوگئی اور

marfat.com

اس نے قریب قریب ایک مہینے کا وقت لے لیا۔ اس کی تیاری میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کرتے رہے:

۱- شرح عقود رسم المفتی۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی
۲- مقدمۂ رد المحتار علی الدر المختار۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی
۳- العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویۃ (مترجم) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری۔ رضا اکیڈمی ممبئی۔
۴- تاریخ التشریع الاسلامی۔ محمد خضری بک/مترجمہ عبد السلام ندوی۔ دار المصنفین۔ اعظم گڈھ
۵- الفقہ الاسلامی وادلتہ۔ الدکتور وھبۃ الزحیلی۔ دار الفکر۔ دمشق
۶- مقدمہ عمدۃ الرعایۃ حاشیۂ شرح وقایہ۔ علامہ ابو الحسنات عبد الحی فرنگی محلی۔ فاروقیہ بکڈپو۔ دہلی
۷- فتاویٰ مظہریہ۔ علامہ مفتی مظہر اللہ نقشبندی۔ مرتبہ پروفیسر محمد مسعود احمد۔ ادارۂ مسعودیہ۔ کراچی۔
۸- آداب الافتا۔ مولانا سید ظہیر احمد قادری رضوی۔ بیت السادات، دودھ پور۔ علی گڑھ
۹- تاریخ علم فقہ۔ مفتی سید عمیم الاحسان۔ مکتبہ برہان۔ دھلی
۱۰- مقدمہ فقہی پہیلیاں۔ علامہ ارشد القادری۔ کتب خانہ امجدیہ۔ دہلی
۱۱- حیات اعلیٰ حضرت۔ ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری۔ قادری بکڈپو، نو محلہ۔ بریلی
۱۲- حیات ملک العلما۔ پروفیسر مختار الدین احمد۔ ادارۂ نعمانیہ۔ لاہور
۱۳- ماہنامہ جہان رضا۔ جون ۱۹۹۹ء۔ مدیر پیرزادہ اقبال احمد فاروقی۔ مرکزی مجلس رضا۔ ممبئی۔

ان مآخذ کے علاوہ میرے مربی اور مشفق استاذ، فقیہ اعظم ہند شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں گذارے ہوئے وہ آٹھ سالہ لمحات بھی اس راہ میں میرے رہنما رہے جن کے دوران میں نے حضرت کی خدمت بابرکت میں رہ کر فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور تقریباً ایک ہزار فتاویٰ لکھنے کی سعادت میسر آئی۔

فہرست مضامین میں پہلے ارادہ تھا کہ فتاویٰ رضویہ کے جدید ایڈیشن کے طرز پر مضامین اور ضمنی مسائل کی الگ الگ فہرست تیار کی جائے لیکن بعد میں کچھ سوچ کر اس کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس کی دو وجہ میرے سامنے تھی:

۱- حضرت ملک العلما کا یہ ذخیرہ فتاویٰ چند سال کی کاوشوں پر محیط اور مختصر ہے اس لئے اس میں تفصیل کی ضرورت نہیں۔

۲- دوسری وجہ یہ ہے کہ اس ذخیرے میں وہ تنوع بھی نہیں جو امام احمد رضا کا حصہ تھا۔ امام احمد رضا کے یہاں تو علوم کا سمندر موج مارتا نظر آتا ہے۔ وہ صرف علوم اسلامیہ سے ہی اپنے فتاویٰ میں استفادہ نہیں کرتے بلکہ معقولات، ارضیات اور فلکیات کی جملہ شاخیں ان کے وسیع ذہن میں سمٹی ہوئی تھیں۔ اس نے وہ سب سے اپنے موقف کی تائیدیں پیش کرتے اور سوالات کے گوشے اجاگر کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے وہاں ضروری ہے کہ ضمنی غیر متعلق افادات کی بھی الگ سے فہرست دی جائے تاکہ قاری آسانی کے ساتھ بھرپور استفادہ کر سکے۔ فتاویٰ ملک العلما میں بھی فیض رضا کی تجلیاں پھیلی ہوئی ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر رسائل کی فہرست میں ☆ دے کر اہم ضمنی مسائل کی جانب اشارے کر دیئے گئے ہیں۔

marfat.com

مآ خذ کی فہرست میں پورا ذخیرہ کھنگالنے کے بعد کتابوں کو چار خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ۱-تفسیر-۲-حدیث۔ ۳-عقائد، اصول، فقہ-۴-سیرت، تصوف وغیرہ۔ ہرایک خانے کی کتابیں الفبائی ترتیب میں رکھی گئی ہیں۔ان کے مصنفین کے اسمائے گرامی بقیدسن وفات بھی درج کئے گئے ہیں۔اس ذیل میں فتاویٰ رضویہ کے جدید لاہوری ایڈیشن سے کافی مدد ملی۔مولیٰ تعالیٰ مفتی عبدالقیوم ہزاروی مدظلہٗ کو پوری ملت اسلامیہ کی جانب سے جزائے خیر دے جنہوں نے یہ گرانقدر سنہرا سلسلہ ترتیب واشاعت شروع کررکھا ہے۔اب تک کی اطلاع کے مطابق اس کی چھبیس جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

فتاویٰ رضویہ کے علاوہ مولانا آزاد لائبریری اے ایم یو علی گڑھ کی فہرست کتب، مولانا عبدالحئی لکھنوی کی ''اسلامی علوم فنون ہندوستان میں''، راغب طباخ کی ''تاریخ افکار وعلوم اسلامی'' اوراپنے پاس موجود دیگر کتابوں سے بھی استفادے رہے۔پھر بھی کہیں کہیں مصنف کا نام یاسن وصال دریافت نہ ہوسکا اس لئے کافی مشقت خیزی کے باوجود تشنگی باقی رہ گئی۔

اب اخیر میں ان کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں جن کے تعاون اور کرم فرمائیوں کے سہارے یہ مرحلۂ سعادت اپنی تکمیل کو پہنچا۔اس خصوص میں مخدوم گرامی تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری دامت برکاتہم القدسیہ قائم مقام مفتی اعظم ہند، بین الاقوامی شہرت یافتہ بزرگ محقق پروفیسر مختار الدین احمد سابق صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، استاذ گرامی حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی دام ظلہ صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اپنے کلمات کریمہ سے اس ناچیز کی ہمت افزائی فرمائی اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔گرامی قدر مرتب اعزازی، نبیرۂ ملک العلما محترمی ڈاکٹر طارق مختار صاحب زیدکرمہ خصوصی شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے ہر ہر قدم پر احقر کا تعاون فرمایا اوراپنی شفقتوں کے سائے میں یہ مراحل طے کرائے۔محب گرامی مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی خلیفہ تاج الشریعہ کا بھی دلی شکریہ کہ انہوں نے اپنے کلمات خیر سے ناچیز کو یاد کیا۔جناب احسن نیازی صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے بہت اپنائیت اور محنت کے ساتھ اسے کتابت کے مرحلے سے گذارا، یہ انہیں کا حصہ تھا ورنہ اس ناقص مسودے کو دوسرا ہاتھ بھی نہ لگاتا۔

ترتیب وکتابت میں ہرممکن کوشش کی گئی ہے کہ خامیاں دور دور ہی رہیں لیکن بتقاضائے بشریت سہو ممکن ہے۔اہل نظر اپنی مخلصانہ ہدایات سے نوازیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تلافی کی جاسکے۔

مولیٰ تعالیٰ میری یہ مختصر سی فقہی خدمت قبول فرمائے، اس گناہگار کے لئے سامان آخرت کرے اوراپنے محبوب بندے حضرت ملک العلما قدس سرہٗ کی روحانی توجہ ارزانی کا سبب بھی۔وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ محمد والہ وصحبہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین.

محمد ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی

۲۱ر ربیع النور شریف ۱۴۲۴ھ/ ۲۴ر مئی ۲۰۰۳ء بروز شنبہ، ایک بجے دن

marfat.com

ملک العلما - ماہ وسال کے آئینے میں

نبیرۂ ملک العلما، ڈاکٹر طارق مختار
[redacted] شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۱۳۰۳ھ : ولادت، ۱۰رمحرم الحرام

۱۳۰۷ھ : بسملہ خوانی

۱۳۱۲ھ : مدرسہ غوثیہ حنفیہ، موضع بین، پٹنہ میں داخلہ لیا اور متوسطات کی تعلیم حاصل کی

۱۳۲۰ھ : ۲۵رجمادی الآخرۃ کو مدرسہ حنفیہ پٹنہ میں داخلہ لیا اور حضرت محدث سورتی (م۱۳۳۴ھ) سے مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف وغیرہ کی تعلیم حاصل کی

۱۳۲۰ھ : مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی، کانپور میں حاضر ہوئے۔ اسی دوران اس ادارے کے علاوہ احسن المدارس، کانپور اور ایک اور دار العلوم کے اہل علم سے بھی استفادہ کرتے رہے پھر پیلی بھیت آگئے

۱۳۲۱ھ : مدرسہ مصباح التھذیب، بانس بریلی میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے

۱۳۲۱ھ : امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حاضری

۱۳۲۲ھ : ملک العلما کی خواہش اور کوشش سے بدست اعلیٰ حضرت دار العلوم منظر اسلام کا قیام

۱۳۲۲ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں بخاری شریف کا درس اور فتویٰ نویسی کی مشق کا آغاز

۱۳۲۲ھ : ۸ررمضان المبارک کو پہلا فتویٰ تحریر فرمایا

۱۳۲۳ھ : الحسام المسلول علیٰ منکر علم الرسول (عقائد و مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۳ھ : مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (فقہ) کی تصنیف

۱۳۲۳ھ : ظفر الدین الجید (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۴ھ : شرح کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ (سیرت) کی تصنیف کا آغاز

۱۳۲۴ھ : مبین الھدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (عقائد) کی تصنیف

۱۳۲۵ھ : دستار فضیلت اور سند درس و افتا سے سرفرازی

۱۳۲۵ھ : وسط شعبان المعظم میں اعلیٰ حضرت نے اپنی اجازت و خلافت عطا فرمائی اور فاضل بہار کا لقب عطا کیا

۱۳۲۵ھ : التعلیق علی القدوری (فقہ) کی تصنیف

۱۳۲۵ھ : اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (فقہ) کی تصنیف

marfat.com

۱۳۲۶ھ : دار العلوم منظر اسلام میں درس و افتا کا آغاز

۱۳۲۶ھ : بسط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ (فقہ واصول) کی تصنیف

۱۳۲۶ھ : الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (فقہ واصول) کی تصنیف

۱۳۲۶ھ : شکست سفاہت (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۷ھ : المجمل المعدد لتالیف المجدد (تاریخ) کی تصنیف

۱۳۲۷ھ : ظفر الدین الطیب (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۸ھ : سجم الکنز علی الکلاب الممطرہ (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۹ھ : سال کے آغاز میں معززین شملہ کی پُر اصرار طلب پر شملہ تشریف لے گئے

۱۳۲۹ھ : النبراس لدفع ظلام المنہاس (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ایما پر مدرسہ حنفیہ ضلع آرہ (بہار) تشریف لے گئے

۱۳۳۰ھ : الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت (توقیت وہیئت) کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : التحقیق المبین لکلمات التوبین، کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : اطیب الاکسیر فی علم التکسیر، کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : سال کے اخیر میں سشن جج مسٹر سید نور الہدیٰ کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔

۱۳۳۱ھ : التعلیق علی شروح المغنی (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۲ھ : عقد مسنون ہمراہ رابعہ خاتون بنت منشی محمد واعظ الحق استھانوی (پٹنہ)

۳۳۲ھ : رفع الخلاف من بین الاحناف (فقہ) کی تصنیف

۱۳۳۲ھ : صاحبزادی زرینہ خاتون کی ولادت

۱۳۳۳ھ : خیر السلوک فی نسب الملوک (تاریخ وانساب) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : نزول السکینۃ باسانید الاجازات المتینۃ (حدیث) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (فقہ) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان (مناقب) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : صاحبزادی ولیہ خاتون کی ولادت

۱۳۳۴ھ : سال کے اخیر میں خانقاہ کبیریہ سہسرام کے سجادہ نشین شاہ ملیح الدین صاحب کی فرمائش پر صدر مدرس کی

marfat.com

حیثیت سے شہرام تشریف لے گئے۔

۱۳۳۴ھ : کشف الستور عن مناظرۃ رامپور، کی تصنیف

۱۳۳۴ھ : گنجینۂ مناظرہ (کلکتہ کے مناظرے کی روداد) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : آغاز سال میں ایک صاحبزادے تولد ہوئے لیکن عالم شیر خوارگی میں انتقال ہوگیا

۱۳۳۵ھ : تقریب (منطق) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : تذہیب (فلسفہ) کی تصنیف

۳۳۵ھ : وافیہ (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : بدر السلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام (توقیت) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : مؤذن الاوقات (دس شہروں کے اوقات صوم وصلوٰۃ کی تخریج)

۱۳۳۵ھ : عافیہ (صرف) کی تصنیف

۱۳۳۶ھ : تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (کھڑکی کا فیصلہ) (فقہ) کی تصنیف

۱۳۳۶ھ : صاحب زادہ مختار الدین احمد کی ولادت

۱۳۳۷ھ : نظم المبانی فی حروف المعانی (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : تحفۃ الاحبار فی اخبار الاخیار (مناقب) کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : الاکسیر فی علم التکسیر، کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : صحیح البہاری کی تصنیف کا آغاز

۱۳۳۸ھ : سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون (اخلاق) لی تصنیف

۱۳۳۸ھ : ندوۃ العلما (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۳۸ھ : صاحبزادی ریحانہ خاتون کی ولادت [ربیعہ خاتون]

۱۳۳۸ھ : جب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ، حکومت بہار کے زیر انتظام آگیا تو ذمہ داروں کی طلب پر آپ پھر سینئیر مدرس کی حیثیت سے پٹنہ تشریف لے گئے

۱۳۳۹ھ : ہادی الہداۃ لترک الموالاۃ (سیاست) کی تصنیف

۱۳۴۰ھ : توضیح الافلاک معروف بہ سلّم السماء (ہیئت) کی تصنیف

۱۳۴۱ھ : اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (تاریخ) کی تصنیف

marfat.com

۱۳۴۲ھ : صاحبزادی صفیہ خاتون کی ولادت

۱۳۴۳ھ : نہایۃ المنتھی فی شرح ہدایۃ المبتدی (فقہ) کی تصنیف

۱۳۴۴ھ : الافادات الرضویہ (اصول حدیث) کی تصنیف

۱۳۴۴ھ : صاحبزادی شمیمہ خاتون کی ولادت

۱۳۴۵ھ : جامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری جلداول (کتاب العقائد) کی تصنیف

۱۳۴۶ھ : صاحبزادی نعیمہ خاتون کی ولادت

۱۳۴۷ھ : دلچسپ مکالمہ (نصائح) کی تصنیف

۱۳۴۷ھ : جامع الرضوی (جلد دوم) کے چاروں حصوں کی تکمیل ہوئی

۱۳۴۸ھ : تسہیل الوصول الیٰ علم الاصول (فقہ واصول) کی تصنیف

۱۳۴۹ھ : نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (فقہ)

۱۳۵۳ھ : تنویر السراج فی ذکر المعراج (سیرت) کی تصنیف

۱۳۵۴ھ : نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (فقہ) کی تصنیف

۱۳۵۷ھ : الانوار اللامعہ من الشمس البازغہ (فلسفہ) کی تصنیف

۱۳۵۷ھ : الفوائد التامہ فی اجوبۃ الامور العامہ (عقائد وکلام) کی تصنیف

۱۳۵۷ھ : جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (فقہ) کی تصنیف

۱۳۵۸ھ : مشرقی اور سمت قبلہ (ہیئت) کی تصنیف

۱۳۶۰ھ : مولود رضوی (سیرت) کی تصنیف

۱۳۶۵ھ : تحفۃ العظما فی فضل العلما (فضائل) کی تصنیف

۱۳۶۶ھ : سدّ الفرار لمہاجری بہار (نصائح/سیاست) کی تصنیف

۱۳۶۷ھ : چودہویں صدی کے مجدد (مناقب) کی تصنیف

۱۳۶۹ھ : حیات اعلیٰ حضرت، چار جلد (مناقب) کی تصنیف

۱۹۴۸ء : مدرسہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل ہوئے

۱۹۵۰ء : مدرسہ شمس الہدیٰ سے ریٹائرمنٹ لیا۔ اس کے بعد ظفر منزل، پٹنہ میں مخصوص افراد کو درس دیتے اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہتے

۱۳۷۰ھ : عید کا چاند (فقہ) کی تصنیف

۱۳۷۱ھ : تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (فقہ) کی تصنیف

marfat.com

۱۳۷۱ھ : شاہ شاہد حسین درگاہی میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق میتن گھاٹ، پٹنہ کی استدعا پر پورنیہ (بہار) تشریف لے گئے جہاں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا

۱۳۸۰ھ : کٹیہار سے ظفر منزل تشریف لائے

۱۳۸۲ھ : وصال سے پہلے ''النور والضیا فی سلاسل الاولیا'' تصنیف فرمایا

۱۳۸۲ھ : ۱۹؍ جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸؍ نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر بالجہر کرتے ہوئے رب کریم کے حضور حاضر ہو گئے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور متعلقین و معتقدین کو ان کے فیوض و برکات سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

marfat.com

پیش لفظ

مولانا مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی
مرکزی دارالافتا، ۸۲ر سوداگران، بریلی شریف

اعلیٰ حضرت کے تلامذہ میں ملک العلما حضرت علامہ مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کی شخصیت بے مثل، ممتاز اور منفرد نظر آتی ہے خصوصاً فنونِ نادرہ ہیأت وتوقیت، ہندسہ وریاضی، جبر وتکسیر، اوفاق واعداد میں آپ کی شخصیت یکتائے روزگار تھی۔ کہتے ہیں کہ آپ سولہ خانوں کے نقوش گیارہ سو طریقوں سے بھر لیتے تھے جبکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو سولہ سو طریقوں سے یہ نقوش بھرنے کی مہارت حاصل تھی۔

یوں تو آپ کی شخصیت ایک ہیأت داں اور محدث کی حیثیت سے زیادہ معروف ہے لیکن جب آپ کے فتاویٰ پر نظر جاتی ہے تو آپ فقہ واصول میں بھی بے مثل و بے نظیر نظر آتے ہیں بلکہ فقہیات کے میدان میں بھی آپ پورے طور سے امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کی نیابت فرماتے دکھائی دیتے ہیں:

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی لکھتے ہیں:

''مقامات دین کے فہم اور اصول دین کی بصیرت کو تفقہ کہتے ہیں۔ یہ ملک العلما کے مربی اور مرشد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا خاص رنگ تھا جو اُن کے پورے علمی وجود پر چھایا ہوا تھا۔ ملک العلما نے بھی اسی بارگاہ فیض سے حصہ لیا ہے، اس لیے آپ کے یہاں بھی گہری فقاہت ملتی ہے، گو آپ کو شہرت ایک محدث، ایک مصنف، ایک مناظر، ہیأت وتوقیت کے ماہر اور جفاکش مدرس کی حیثیت سے ملی لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ آپ کے یہاں فقاہت کا جوہر بھی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔'' [فتاویٰ ملک العلما ص ۳۹]

حضرت ملک العلما کی فقہی نگارشات کا مطالعہ کرنے کے بعد بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ آداب افتا اور جزئیات فقہیہ پر گہری نظر رکھنے والے ایک ممتاز فقیہ اور مفتی ہیں۔ آپ نے تقریباً ۵۴ر سال فتویٰ نویسی فرمائی اور فقہی موضوعات پر کثیر رسالے تحریر فرمائے۔ چنانچہ خود فاضل مرتب نے اپنی تقدیم میں حضرت کے ۱۵ر فقہی رسائل کا تذکرہ کیا ہے۔

فتاویٰ ملک العلما کے فاضل مرتب علامہ ساحل شہسرامی زید مجدہٗ نے ملک العلما کے فقہی شہ پارے کی ترتیب کا تذکرہ ۲۰۰۳ء کے وسط میں مجھ ناچیز سے کیا تھا۔ پھر جب موصوف اپنا مرتب کردہ یہ قیمتی مجموعۂ فتاویٰ لے کر بریلی شریف آئے تو میں اس گراں قدر مجموعے کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ساحل صاحب نے نہ صرف یہ کہ حضرت ملک العلما کے بہت ہی ژولیدہ خط فقہی شہ پاروں کی نہایت سلیقے سے شیرازہ بندی کی ہے بلکہ اپنی تقدیم میں وہ جواہر پارے بکھیرے ہیں جن کی قدر و قیمت کو اہل نظر بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ انھوں نے تقریباً ایک ماہ کے عرصے میں تیار کی گئی اس تقدیم میں حضرت ملک العلما کی

حیات طیبہ، ان کے علم وفضل کا تعارف، مختلف علوم میں عبقریت، ادبی سلاست اور فقہی مہارت کے گلشن ہزار رنگ کی ایسی سیر کرائی ہے کہ دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ خصوصاً فقہ وافتا کی تشریح، ان کی عہد بہ عہد تاریخ، مستند حنفی فقہا اور کتابوں کی تفصیل، فتویٰ نگاری کی تاریخ اور اس منصب عظیم کے تقاضے پر جیسی گفتگو کی ہے وہ مختصر ہونے کے باوجود بہت جامعیت رکھتی ہے۔

علامہ ساحل منصب افتا کے تقاضے کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''کسی مفتی اور فقیہ کے اندر ایک عامی سے بالاتر ذاتی اور علمی دونوں سطح پر کچھ امتیازی خصوصیتیں ہونی چاہئیں۔ ذاتی سطح پر وہ ربط خالق، ربط خلق اور ربط نفس تینوں کے تقاضے پورا کرتا ہو۔ وہ ایک خدا ترس، اطاعت شعار بندہ، رسول رحمت کا جاں نثار امتی، دیانت دار، صداقت شعار، روادار، پیکر اخلاص، دردمند طبیعت رکھنے والا فرد امت ہو، حق پسند، حق گو، ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر، حلیم اور بردبار، قول کا دھنی، عمل کی دولت سے مالا مال، دینی تصلب سے آراستہ، شرافت وتہذیب کا پیکر اور شائستگی سے بھرپور ایک اچھا انسان ہو۔ جو فقیہ ان اوصاف سے آراستہ ہوگا وہی علم اور دین کے تقاضے پورا کر سکے گا۔'' [فتاویٰ ملک العلما، ص ۳۰]

فقیہ کے ذاتی اوصاف کے اس جامع تعارف کے بعد علمی سطح کی خصوصیتوں کا تذکرہ دس نکات کی صورت میں پیش کیا ہے جو بزرگوں کی مختلف کتابوں میں پھیلے ہوئے سیکڑوں صفحات کا خلاصہ ہے۔ یہ نکات ہر مبتدی شائق فقہ کے لیے راہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ تقدیم نگار نے اس جامع تلخیص کے سلسلے میں خاص فیض اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ سے اٹھایا ہے۔ اس کے بعد انھیں اصول کی روشنی میں حضرت ملک العلما کی فقہی بصیرت پر بھرپور گفتگو ملتی ہے۔ وسعت نگاہ، آداب افتا کی رعایت، تفقہ، تصوف، تنقید کے ذیلی عنوانات سے ملک العلما کی فقاہت ایسی آشکار کی ہے کہ ہر قاری ملک العلما کی فقاہت کا اعتراف کرتا نظر آئے گا۔

اس کتاب کی گراں قدری اور مرتب کی پرخلوص محنت کا اثر ہے کہ سیدی وسندی واستاذی حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری بریلوی دامت برکاتہم القدسیہ نے بطیب خاطر اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی اور المجمع الرضوی کے بانی شہزادۂ حضور تاج الشریعہ حضرت مولانا محمد عسجد رضا خان قادری بریلوی مدظلہ العالی اور ادارے کے نگراں حضرت مولانا مفتی محمد شعیب رضا نعیمی نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ اس سلسلے میں محب گرامی حضرت مولانا مفتی محمد یونس رضا اویسی اور حضرت مولانا مفتی محمد حامد رضا قادری صاحبان کا تعاون بھی شامل رہا۔

اراکین ادارہ اس گراں قدر اشاعت پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے توقع رکھتے ہیں کہ حضرت ملک العلما کے اس فن پارے کی اہل سنت بالخصوص صاحبان افتا کے حلقے میں خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مصنف، مرتب اور ادارے کے اراکین وجملہ معانین کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت کرتے رہنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

احقر محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

marfat.com

ساحل شہسرامی - ایک تعارف

☆ قلمی نام : ساحل شہسرامی (علیگ)

☆ نام : ارشاد احمد رضوی

☆ ولدیت : جناب اشفاق احمد برکاتی ولد وصی احمد حبیبی

☆ تاریخ پیدائش : ۱۹ ر ستمبر ۱۹۷۳ء

☆ مستقل پتہ : کاشانۂ برکات رضا۔ وصی منزل محلہ مدار دروازہ، شہسرام 821115

☆ موجودہ پتہ : پروفیسر سید محمد امین قادری، ماشاء اللہ ہاؤس، کبیر کالونی، جمال پور، علی گڑھ

☆ تعلیمی نسبتیں : ضیائی، مصباحی، علیگ

☆ تعلیمی اسناد : عالمیت، فضیلت، تخصص فی الفقہ الحنفی (جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) ایم اے، عربی (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) الٰہ آباد عربی فارسی بورڈ، بہار مدرسہ بورڈ اور جامعہ اردو کی جملہ اسناد

☆ **مقالات**: دینی، علمی اور ادبی موضوعات پر چالیس سے زائد مقالات

☆ **فتاویٰ** : تقریباً ایک ہزار فتاویٰ جو فقیہ اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی تصدیقات سے مزین ہیں۔

☆ **تصانیف و تراجم:**

تصانیف:

(۱) خاندانِ برکات کی علمی اور ادبی خدمات — مطبوعہ

(۲) تبرکات خاندان برکات — مطبوعہ

(۳) تصانیف خاندان برکات — مطبوعہ

(۴) شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیر قرآن - ایک تنقیدی و تحقیقی جائزہ — مطبوعہ

یہ کتاب امین ملت پروفیسر سید محمد امین قادری برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ کی سرپرستی اور شراکت میں تصنیف ہوئی۔

(۵) مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی - حیات اور شاعری — مطبوعہ

(٦) تاریخ ولادت نبوی — غیر مطبوعہ

(۷) حضرات محدثین کے اخلاق کریمانہ — غیر مطبوعہ

marfat.com

(۸) خواجۂ ہند کی صوفیانہ شاعری — غیر مطبوعہ

(۹) مخدوم سمنانی کے علمی آثار — غیر مطبوعہ

(۱۰) قطب الاقطاب دیوان محمد رشید مصطفیٰ عثمانی - حیات وافکار — غیر مطبوعہ

(۱۱) امام احمد رضا اور شہر ام — غیر مطبوعہ

(۱۲) مفتی اعظم — غیر مطبوعہ

(۱۳) صدر الشریعہ — غیر مطبوعہ

(۱۴) ملک العلما — غیر مطبوعہ

(۱۵) شدھی تحریک اور حضرت صدر الافاضل — غیر مطبوعہ

(۱۶) حافظ ملت — غیر مطبوعہ

(۱۷) شارح بخاری — غیر مطبوعہ

(۱۸) حضرت صادق شہر امی - حیات اور شاعری — زیر طبع

(۱۹) حکیم الاسلام مفتی مظفر احمد قادری برکاتی - حیات وخدمات — زیر طبع

تراجم:

(۱) کاشف الاستار شریف - اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی مارہروی — زیر طبع

(۲) النور والبہا لاسانید الحدیث وسلاسل الاولیا - سراج العارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری — زیر طبع

(۳) وجود العاشقین - خواجہ سید محمد بندہ گیسو دراز — غیر مطبوعہ

(۴) ایم اے عربی (اے ایم یو) کی نصابی نظموں کا ترجمہ — زیر طبع

مرتبات:

(۱) مقالات شارح بخاری (تقریبا چودہ سو صفحات) — زیر طبع

(۲) اسلامی نظریۂ موت - ملک العلما علامہ ظفر الدین رضوی — مطبوعہ

(۳) فتاویٰ ملک العلما — مطبوعہ

☆☆☆☆☆

marfat.com

فہرستِ مضامین

۱- شرف انتساب ۳

۲- تقریظ جلیل تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری ۴

۳- کلمات تکریم پروفیسر مختار الدین احمد ۵

۴- تقریب مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی ۷

۵- تقدیم علامہ ساحل شہسرامی ۱۰

☆ حیات ملک العلما ۱۰

☆ علوم حدیث میں عبقریت ۱۳

☆ مناظرانہ مہارت ۱۴

☆ ہیئت توقیت میں درجہ امتیاز ۱۵

☆ سوانحی ادب پر عبور ۱۷

☆ تصوف سے والہانہ لگاؤ ۱۹

☆ فقہ وافتا کی تعریف ۲۰

☆ فقہ وافتا کی تاریخ ۲۲

☆ فقہا کے طبقات ۲۵

☆ کتب احناف کے طبقات ۲۶

☆ مستند متون، شروح اور فتاویٰ ۲۸

☆ فتاویٰ کی تاریخ ۲۸

☆ منصب افتا کے تقاضے ۳۰

☆ مفتی کو اپنے امام کی پیروی لازم ہے۔ ۳۱

☆ حضرت ملک العلما کی فقاہت ۳۴

☆ کچھ ترتیب کے متعلق ۴۸

۶- ملک العلما ماہ وسال کے آئینے میں- ڈاکٹر طارق مختار ۵۳

۷- پیش لفظ مفتی محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی ۵۸

۸- علامہ ساحل شہسرامی- ایک تعارف ۶۰

marfat.com

فتاویٰ ملک العلما

کتاب الطہارۃ - ۱

۱- نجاست سے آلودہ روئی کے کپڑے کو کیسے پاک کریں؟ ۷۷
۲- کیا کتا نجس العین ہے اور حضرت امام اعظم کے یہاں اسے بغل میں لے کر نماز پڑھنا جائز ہے؟ ۷۷
۳- کیا ڈھیلے سے استنجا بدعت ہے؟ ۷۸
۴- عمامہ پر مسح کرنا کیسا ہے؟ ۷۹

کتاب الصلوٰۃ - ۲

۵- کیا اقامت بیٹھ کر سننی چاہئے؟ [تنویر المصباح للقیام عند حی علیٰ الفلاح، ۱۳۳۰ھ]
☆ وقت تکبیر قیام سے متعلق چھ شکلیں ہیں:
☆ (۱) ایک ہی شخص امام و مکبر دونوں ہو اور اس نے مسجد میں آکر تکبیر شروع کی ہو۔ ۸۱
☆ (۲) ایک ہی شخص امام و مکبر ہے اور اس نے مسجد میں پہونچنے سے قبل تکبیر شروع کر دی۔ ۸۲
☆ (۳) امام و مؤذن دو شخص ہیں، وقت تکبیر امام مسجد میں نہیں اور مسجد میں اس کی آمد جانب قبلہ سے ہو رہی ہے۔ ۸۳
☆ (۴) امام و مؤذن دو شخص ہیں، وقت تکبیر امام مسجد میں نہیں اور مسجد میں اس کی آمد خلافِ جانب قبلہ سے ہو رہی ہے۔ ۸۵
☆ (۵) امام مسجد میں قریب محراب موجود ہے۔ مقتدی بھی موجود ہیں، تکبیر شروع ہو گئی، اس وقت بعض مقتدی مسجد میں داخل ہوئے۔ ۸۶
☆ (۶) امام و مقتدی مسجد میں موجود ہیں اور مؤذن غیر امام ہے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔ اس میں مجتہدین کے پانچ قول ہیں: ۸۸
☆ قول اول: امام و مقتدی سب ختم تکبیر کے بعد کھڑے ہوں (امام شافعی وغیرہ) ۸۸
☆ قول دوم: سب قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں۔ (امام احمد بن حنبل) ۸۹
☆ قول سوم: پہلے قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں۔ دوسرے پر نماز شروع کر دیں۔ ۹۰
☆ قول چہارم: امام مالک وقت کی تحدید نہ کی۔ مگر اکثر مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ ختم کے بعد سب کھڑے ہوں۔ ۹۱

marfat.com

☆ قول پنجم: سب حی علی الصلوٰۃ کے اختتام اور حی علی الفلاح کی ابتدا پر کھڑے ہوں (امام اعظم)
اس پر پچاس کتب دینیہ کی تصریحات۔ ۹۳
☆ مخالفین کے شبہات وخیالات کے جوابات ۹۸
۶- سجدے میں جانے کا طریقہ کیا ہے؟ ۱۰۵
۷- امام جہاں کھڑا ہوتا ہے، وہ جگہ عام صف سے چار انگل بلند ہے تو اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟ دہلیز اور محراب کا کیا حکم ہے؟ ۱۰۷
۸- امام نے قرأت شروع کردی تو کیا اب مقتدی ثنا پڑھ سکتا ہے؟ ۱۱۰
۹- دو وقت کی نمازیں ایک ساتھ ملا کر پڑھنا کیسا ہے؟ ۱۱۱
۱۰- جمعہ کی نماز میں امام پہلی صف کے اندر بیچ میں کھڑا ہوتا ہے تو اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟ ۱۱۲
۱۱- مسافر امام نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو مقتدی باقی دو رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھے یا نہیں اور مسافر امام کے پیچھے کوئی شخص التحیات میں شریک ہوا تو وہ اپنی نماز کس طرح ادا کرے؟ ۱۱۳
۱۲- ایک امام بہرا اور مکروہ آواز ہے اور دوسرا صحیح سنتا ہے اور اچھی آواز رکھتا ہے تو ان میں کس کی امامت بہتر ہے؟ ۱۱۴
۱۳- ولد الحرام کی امامت کیسی ہے؟ ۱۱۴
۱۴- جو شخص ضاد کو اپنے مخرج سے ادا کرتا ہے، رفع یدین اور آمین بالجہر کہتا ہے، اس کی امامت کیسی ہے؟ ۱۱۷
۱۵- زید کا خویش قادیانی ہوگیا، زید کی لڑکی اب بھی اس قادیانی کے یہاں ہے۔ زید نے اپنے داماد سے بول چال بند کردی ہے لیکن اپنی بچی اور اس کے بچوں سے ملتا جلتا ہے۔ اس صورت میں زید کی اقتدا میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟ ۱۱۸
۱۶- غیر مقلد، سنی مسجد کا امام نہیں ہوسکتا۔ (بہت نفیس بحث) ۱۱۹
۱۷- زید کے بواسیری مسّوں سے رطوبت جاری رہتی ہے۔ اس صورت میں وہ ایک ہی وضو سے عشاء اور تراویح کی نمازیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں اور اگر یہ امامت کرے تو کیا حکم ہے؟ ۱۲۷
۱۸- زید نے کانپور میں اقامت اختیار کی، شادی بیاہ کیا، ذاتی مکان بنایا، اولاد ہوئی پھر بچے جوان ہوئے تو آیا کانپور زید اور اس کے بچوں کا وطن اصلی ہوا یا نہیں؟ ۱۲۸
۱۹- جمعہ کی اذان ثانی کہاں ہونی چاہئے، اس کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ ۱۳۰
۲۰- عمرو کہتا ہے کہ اذان خطبہ اذان ہی نہیں، اسے تغلیباً اذان کہہ دیتے ہیں۔ اس لئے اسے اقامت کی طرح مسجد کے اندر خطیب کے سامنے ہونا چاہئے۔ اصل حکم شرعی کیا ہے؟ ۱۳۱
۲۱- خطبہ پڑھنا اور سننا سنت ہے یا فرض؟ ۱۳۲
۲۲- دیہات میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ۱۳۳

marfat.com

۲۳- دیہات میں جمعہ ادا کرنا کیسا ہے؟ ۱۳۵
۲۴- ظہر احتیاطی کی اصل کیا ہے اور اسے کس طرح ادا کریں؟ (فارسی) ۱۳۷
۲۵- جو دیہاتی جمعہ نہ پڑھے، اس کا کیا حکم ہے؟ ۱۳۹
۲۶- کیا جمعہ کی صحت ادا کے لئے سلطان یا اس کے نائب کی موجودگی شرط ہے؟ ۱۳۹
۲۷- دیہات میں نماز عیدین جائز یا نہیں؟ ۱۴۰
۲۸- بمبئی سے آئے ہوئے لوگوں کی شہادت پر شاہجہاں پور میں عید قرباں کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ۱۴۱
۲۹- نمازِ جنازہ میں جو چیزیں امام پڑھتا ہے، کیا مقتدی بھی وہی پڑھیں؟ ۱۴۱
۳۰- ایک مسجد آبادی کے شمالی کنارے پر ہے۔ مسجد دور ہونے اور راستہ ناہموار ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ پنج وقت نمازیں با جماعت ادا کرنے سے رہ جاتے ہیں۔ اس صورت میں آبادی کے جنوبی کنارے پر نئی مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ ۱۴۲
۳۱- حلال اور حرام دونوں قسم کی رقم مخلوط ہے اس سے مسجد بنوانا کیسا ہے؟ ۱۴۴
۳۲- ایک مسجد کے نیچے دکان ہے۔ اسے کرایہ پر اٹھانا کیسا ہے؟ ۱۴۵
۳۳- مسجد میں خرچہ دینا کیسا ہے اور اس سے روکنے والے کا کیا حکم ہے؟ ۱۴۶
۳۴- ☆ پرانی مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا کیسا ہے؟ (فارسی)
☆ زیارتِ قبور کا جواز قرآنِ حکیم سے ثابت ہے یا حدیث شریف سے؟
☆ بے نمازی کی نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
☆ ضیافت میت کا شرعی حکم کیا ہے؟
☆ بے نمازی کی قبر پر جانا کیسا ہے؟
☆ گائے کی قربانی کا جواز قرآن حکیم سے ثابت ہے یا حدیث شریف سے؟ ۱۴۷

کتاب الزکوٰۃ ۳

۳۵- زید کی پونجی ایک ہزار تھی۔ ایک سال تجارت کے بعد دو سو روپے کا اسے منافع ہوا۔ زکوٰۃ کس پر فرض ہوگی؟ اصل پونجی پر، صرف منافع پر یا دونوں پر؟ ۱۴۹
۳۶- گھاس کے پولوں عشر واجب ہے یا نہیں اور اس کے مصارف کیا ہے؟ ۱۴۹
۳۷- نانا، نانی، چچا کو زکوٰۃ دینا اور لینا جائز یا نہیں؟ ۱۵۰
۳۸- حضراتِ سادات کو زکوٰۃ دینا جائز یا نہیں؟ ۱۵۰
۳۹- قرض دار سید زادے کا قرض، زکوٰۃ کے مال سے ادا کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ۱۵۲

marfat.com

کتاب الصوم ۴

۴۰- کیا روزہ رکن اسلام ہے؟ اور آیۂ کریمہ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ" میں "شَهِدَ" سے کیا مراد ہے؟ ۱۵۴
۴۱- رسالۂ مبارکہ "عید کا چاند" (۱۳۷۰ھ) (ریڈیو، ٹیلیفون وغیرہ کی خبر پر عید منانا یا روزہ رکھنا کیسا ہے؟) ۱۵۵
☆ کس وقت روزہ رکھنا فرض اور عید کرنا واجب ہے؟ ۱۵۶
☆ چاند دیکھنے سے کیا مراد ہے؟ آیا ہر جگہ والے خود دیکھ کر روزہ اور عید منائیں یا دوسری جگہ کی رویت بھی کفایت کرے گی؟ ۱۶۰
☆ اختلاف اقوال ائمہ کی صورت میں کس پر عمل کرنا چاہئے؟ ۱۶۵
☆ اس ترقی یافتہ سائنسی دور میں کیا لندن میں چاند کی رویت کی خبر سے ہندوستان والے عید وغیرہ منا سکتے ہیں؟ ۱۶۹
☆ جدید اطلاعی ایجادات ریڈیو، تار، ٹیلیفون وغیرہ اس سلسلے میں شرعاً معتبر ہیں یا نہیں؟ ۱۷۱
☆ کیا جمعیت العلما نے فتویٰ دے دیا ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ ثبوت ہلال کی خبر دی جاسکتی ہے، کیا یہ فتویٰ شرعاً درست ہے؟ ۱۷۵
۴۲- روافض کہتے ہیں کہ روزہ رات میں افطار کرنا چاہئے۔ اسلامی حکم کیا ہے؟ ۱۸۰
۴۳- افطار کی دعا میں سب ماضی کے صیغے ہیں۔ ان سے معنی مستقبل مراد لئے جائیں گے یا ماضی؟ ۱۸۱
۴۴- نماز اور روزے کا کفارہ کس طرح ادا کیا جائے؟ ۱۸۱
۴۵- نماز اور روزے کا فدیہ کس طرح ادا کریں؟ (فارسی) ۱۸۳

کتاب النکاح ۵

۴۶- ایجاب وقبول کے دوران اگر کسی نے قبول میں صرف الحمدللہ کہا تو نکاح ہوگا یا نہیں؟ ۱۸۴
۴۷- چوری چھپے نکاح درست ہے یا نہیں؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس عورت سے تعلق زوجیت مشہور نہ ہو۔ ۱۸۴
۴۸- عمرو کے نکاح میں پھوپھی زاد بھائی اور ماموں زاد بھائی کی لڑکی آسکتی ہے یا نہیں؟ ۱۸۵
۴۹- عمرو کی وفات کے بعد اس کی بیوہ سے زید کی شادی جائز یا نہیں؟ ۱۸۶
۵۰- ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ اس عورت کی، پہلے شوہر سے سات برس کی لڑکی تھی اور اس شخص کا پہلی بیوی سے دس برس کا لڑکا تھا ان دونوں کے مذکورہ بیٹا بیٹی کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ۱۸۶
۵۱- سگی بھتیجی بہو بیوہ سے نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ ۱۸۶
۵۲- ایک غیر مسلم طوائف نے بغیر اسلام لائے ایک مسلمان سے نکاح کیا، اس کے ساتھ کچھ دن رہ کر اسلام لائی اور پھر بکر کے ساتھ نکاح کیا۔ کون سا نکاح صحیح ہوا؟ ۱۸۷

marfat.com

۵۳- ایک شخص نے ایک نوجوان کو اس وعدے پر اپنے گھر میں رکھا میں تمہیں اپنا داماد بناؤں گا، تم میرے گھر کا خیال رکھو۔ مجوزہ داماد بہت قرض دار تھا اس شخص نے اس کا قرض ادا کیا اور مجوزہ داماد نے اس سے شادی کا تقاضہ کیا تو اس نے کہا کچھ رقم ہو جائے تو شادی کر دوں۔ پھر وہ نوجوان اور اس کی لڑکی فرار ہو گئے۔ مقدمہ دائر ہوا اور دونوں پکڑے گئے اب یہ شخص اپنی لڑکی کا نکاح اس قلاش سے نہ کر کے دوسرے سے کرنا چاہتا ہے۔ دریافت کرنے پر لڑکی بھی پہلے نکاح ہونے سے انکاری ہے لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان دونوں نے فرار ہو کر نکاح کر لیا تھا۔ لڑکی بالغہ ہے۔ اس صورت میں نکاح ہوا یا نہیں؟ ١٨٧

۵۴- زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی۔ پھر حلالہ کرنے کے لئے عمرو کو مقرر کیا کہ وہ نکاح کر کے صحبت کرے اور دو تین دن کے بعد طلاق دیدے۔ عمر کا اس طور سے نکاح درست ہے یا نہیں، اور وہ عورت شوہر اول زید کے لئے حلال ہوگی یا نہیں؟ (فارسی) ١٩٠

۵۵- نابالغ کا نکاح باپ کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا ماں اسے روک سکتی ہے اور ولی کون ہے؟ ١٩١

۵۶- ولی غیر جابر نے نابالغہ بچی کا نکاح زید سے کیا۔ بلوغ کے بعد اسے فسخ نکاح کا حق حاصل یا نہیں اور کیا فسخ نکاح کے لئے قضائے قاضی شرط ہے؟ (فارسی) ١٩١

۵۷- بالغہ ہندہ کا نکاح اس کی مرضی اور اطلاع کے بغیر اس کے بھائی نے زید سے کر دیا اور ایک حیلہ سے اسے زید کے یہاں لے کر پہنچا۔ ہندہ کو جب اس رشتہ کی اطلاع ہوئی وہ فوراً زید کے یہاں سے چلی آئی۔ آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ ١٩٢

۵۸- زید نے نابالغہ ہندہ کی شادی اپنی ولایت میں کی۔ ہندہ کے ماں باپ حیات نہیں، نانا، نانی نے اس کی پرورش کی۔ ہندہ نے بالغ ہونے کے بعد بھی سسرال آمدورفت کا سلسلہ جاری رکھا، یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ ١٩٣

۵۹- زید فضولی نے ہندہ بالغہ باکرہ کا نکاح اس کے باپ کی اجازت سے خالد کے ساتھ ایک مجمع عام میں کر دیا۔ گواہ متعین نہ کئے۔ زید یا ہندہ کے باپ نے ہندہ سے نکاح کے پہلے اجازت لی تھی یا نکاح کے بعد اطلاع دی مگر ہندہ کو اتنی خبر تھی کہ آج خالد کے ساتھ میرا نکاح ہے۔ دوسروں نے جب اسے نکاح کی خبر دی تو ہندہ چپ رہی اور خلوت صحیحہ بھی ہوگئی اس صورت میں نکاح ہو گیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ (چند مفتیان کرام کے جوابات اور اخیر میں حضرت ملک العلما کا مفصل اصلاحی جواب) ١٩٤

۶۰- اگر والدین سید لڑکیوں کا نکاح پٹھان لڑکوں سے کرادیں تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہوگا یا نہیں اور کفائت کا کیا مطلب ہے؟ ٢٠٣

۶۱- ☆ بالغہ ہندہ نے ولی کی اجازت کے بغیر زید غیر کفو کے ساتھ نکاح کیا۔ یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ ٢٠٤

☆ زید کی منکوحہ ہند: کا نکاح بالجبر عمرو کے ساتھ کرانا کیسا ہے اور اس میں شریک افراد کا کیا حکم ہے؟ ٢٠٥

۶۲- ☆ عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت کے بغیر کفو میں نکاح کیا۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

maarfat.com

☆ عاقلہ بالغہ نے بذریعہ تحریر زید کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا زید نے اپنی وکالت میں اس کا نکاح عمرو سے کر کے اسے مطلع کر دیا۔ یہ نکاح شرعاً ہوا یا نہیں؟ ۲۰۶

۶۳- زید نے اپنی مطلقہ بیوی ہندہ کو کچھ زمین دَین مہر میں زبانی دیدی تھی، جس پر ہندہ قابض بھی ہے۔ لیکن زید اب رجسٹری سے انکار کرتا ہے۔ وہ زمین اب کس کی ہے اور زید کا انکار کیسا؟ ۲۰۷

۶۴- زید حنفی نے اپنی حنفیہ بیوی سے ایک ہزار مہر پر نکاح کیا۔ بعد میں بیوی کی اطاعت سے خوش ہو کر اس نے مہر تین ہزار کر دیا۔ یہ اضافہ جائز ہے یا نہیں؟ ۲۰۷

۶۵- ہندہ نے شیر خوار بچہ چھوڑا۔ اس کی پرورش کا حق کسے ہے جب کہ اس کا باپ، دادا، دادی، نانا، نانی موجود ہیں؟ متوفیہ کا جہیز کس کی ملکیت ٹھہرے گا اور بچے کے مال کا ولی کون ہے؟ ۲۰۸

۶۶- شادی کے وقت یا شادی کے بعد عورت کو شوہر یا سسر یا اس کے ماں باپ جو زیورات اور ظروف دیتے ہیں، وہ کس کی ملکیت سمجھے جائیں گے؟ ۲۰۹

۶۷- پتوہ کو سسر نے عاریتاً زیور دیا، اب اس کا مالک کون ہے؟ ۲۱۰

کتاب الطلاق ۶

۶۸- زید نے تحریر کے ذریعہ معلق طلاقِ رجعی اور طلاق بائن دی تو کیا حکم ہے؟ ۲۱۱

۶۹- زید نے کچھ روپیہ لے کر ہندہ کی علیحدگی پر کورٹ میں اپنی رضامندی داخل کر دی اس صورت میں ہندہ کا نکاح بکر سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ۲۱۲

۷۰- زید نے نکاح ثانی کے ولی سے کہا ''میں اپنی پہلی بیوی کو خفیہ طلاق دے سکتا ہوں'' پھر ولی کو ایک علیحدگی جگہ لے گیا اور کہا: آپ کسی پر یہ طلاق دینا ظاہر نہ کیجئے۔ لیکن اس نے وکیل سے کہہ دیا۔ ولی اور وکیل نے زید سے پوچھا: کام ہو گیا؟ اس نے کہا ہاں! کام ہو گیا الخ۔ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ ۲۱۳

۷۱- اگر شوہر بیوی سے کہے ''تو میری ماں میں تیرا بیٹا'' تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ ۲۱۴

۷۲- زید نے اپنی بیوی سے کہا ''تجھ کو رکھو تو اپنی ماں کو رکھوں'' ظہار ہوا یا نہیں؟ ۲۱۵

۷۳- کوئی شخص اجنبی عورت سے کہے ''اگر تو نکاح کرے تو تو ماں ہے'' اس سے نکاح کے بعد ظہار ہوگا یا نہیں؟ ۲۱۶

۷۴- اگر شوہر کا عنین ہونا تحقیق سے معلوم ہو تو نکاح فسخ کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ (فارسی) ۲۱۷

۷۵- کنوارے مرد اور عورت نے زنا کیا تو ان کی سزا کیا ہے؟ حرام اور زنا میں کیا فرق ہے؟ ۲۱۷

کتاب السیر ۷

۷۶- ایمان اور کفر کی حقیقت کیا ہے، کفر کی کتنی صورتیں ہیں، کوئی مسلمان کافر کب ہوتا ہے؟ ۲۱۹

۷۷- دار الحرب اور دار الاسلام کسے کہتے ہیں اور ہندوستان دار الاسلام ہے یا دار الحرب ۲۲۱

۷۸- زید نے کہا "تمہارے خدا کا ثبوت کہاں سے ہے"؟ اس کا کیا حکم ہے؟ ۲۲۲
۷۹- ہندوؤں کے ساتھ موالات اور ان کی خاطر گائے کی قربانی ترک کرنا کیسا ہے؟ ۲۲۴
۸۰- ☆ وہابی کسے کہتے ہیں، وہ شرعاً کافر ہیں یا بے دین؟ ۲۲۸
☆ وہابیوں سے میل جول رکھنا کیسا ہے وغیرہ وغیرہ؟ ۲۲۹
۸۱- ترکِ موالات اس وقت مسلمانوں پر فرض ہے یا نہیں اور حرمین طیبین کو انگریزوں کے ناپاک وجود سے پاک کرنا ضروری ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ؟ ۲۳۱

کتاب الوقف ۸

۸۲- ہندو زمیندار کی زمین پر اس کی اجازت سے بنائی گئی مسجد، مسجد ہے یا نہیں؟ ۲۳۵
۸۳- طوائف عورتوں کی بنوائی ہوئی مسجدیں شرعاً مسجد ہیں یا نہیں؟ ۲۳۶
۸۴- ایک جگہ، قبرستان کے لئے وقف ہے لیکن اب وہاں تدفین نہیں ہوتی۔ وہاں مکان بنانا جائز ہے یا نہیں؟ ۲۳۷
۸۵- چار بھائیوں نے اپنی موروثی جائداد والدین کے فاتحہ، قرآن خوانی اور مفلس رشتہ داروں کی امداد کے لئے وقف کر دی۔ بعد میں کورٹ میں مقدمہ کیا کہ چونکہ اس میں مفلس عزیزوں کی تنخواہ کا بھی معاملہ ہے لہٰذا یہ وقف نہیں۔ تو ایسی جائداد شرعاً وقف سمجھی جائے گی یا نہیں؟ ۲۳۸

کتاب القضا ۹

۸۶- رسالہ مبارکہ "تحفة الاحباب فی فتح الکوة والباب" (۱۳۳۶ھ) ۲۳۹

کتاب الاضحیة ۱۰

۸۷- ☆ بندوق سے "بسم الله الله اکبر" کہہ کر شکار کیا۔ ذبح کرنے سے پہلے شکار مر گیا، اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟ ۲۷۲
☆ کھٹک ہندو بکری کا گوشت بیچتا ہے۔ مذبح میں ایک مسلمان ذبح کرنے والا مقرر ہے۔ کھٹک وہیں سے لے جا کر گوشت فروخت کرتا ہے ایسی صورت میں اس سے گوشت خرید کر کھانا درست ہے یا نہیں؟ ۲۷۲
☆ زید زمین یا تخت پر نماز پڑھ سکتا ہے لیکن پھر بھی بلا عذر اپنے پلنگ پر نماز پڑھتا ہے۔ اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ ۲۷۳
۸۸- اگر کوئی مسلمان بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دے تو اس کا گوشت کھانا حلال ہے یا نہیں؟ (فارسی) ۲۷۳
۸۹- ☆ بتوں پر چھوڑے جانور کو خرید کر قربانی کرنا یا اس کا گوشت مسلمان کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟
☆ کسی مسلمان نے دوسرے کو اپنا جانور یہ کہہ کر دیا کہ اسے لے جاؤ اور اپنے نام سے قربانی کر لو تو اس کا ثواب کس کو ملے گا، قربانی کرنے والے کو یا جانور دینے والے کو بھی؟
☆ عقیقہ کی مدت کس عمر تک ہے؟ جوانی میں کسی کا عقیقہ ہو تو کیا اس کے سر کے بال بھی اتارے جائیں گے؟ ۲۷۵
۹۰- ☆ نمازی اگر غیر نمازی کے ساتھ مل کر قربانی کرائے تو نمازی کے ثواب میں کوئی کمی تو نہ ہوگی؟

marfat.com

☆ حضور نے ایک چتکبرا مینڈھا ساری امت کی جانب سے قربانی کیا تو پھر چند امتی ایک خصی میں حصہ دار کیوں نہیں بن سکتے؟ ☆ ختنہ وغیرہ کی دعوت میں شرکت کیسی ہے؟ ☆ قاضی کو نکاح خوانی کا نذرانہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ ☆ اجنبی شخص جس نے دلہن کو دیکھا بھی نہیں اور نہ اس کی آواز پہچانتا ہے، اس کی شہادت پر نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ۲۸۶
۹۱- قربانی کی کھال کی قیمت سے عین مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ ۲۸۸
۹۲- قربانی کی کھال کی قیمت سے مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں اور "یتصدق بجلدها" میں صدقۂ واجبہ مراد ہے یا صدقۂ نافلہ؟ [اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیة فی المساجد، ۱۳۲۵ھ] ۲۸۹
۹۳- قربانی کی کھال بیچ کر مدارس کے مصارف میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ۲۹۰
۹۴- ☆ زکوٰۃ اور صدقہ فطر کی رقم مدارس میں براہِ راست صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟
☆ قربانی کی کھال کی قیمت مسجد میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟
☆ ہندہ کا زید سے ناجائز تعلق ہوا اور حرام حمل بھی ٹھہر گیا، اسی حالت میں ان دونوں کا نکاح کرا دیا گیا۔ یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ ۲۹۱

کتاب الحظر والاباحة ۱۱

۹۴- حدیث شریف "لولاك لما خلقت الافلاك" کس کتاب میں ہے؟ ۲۹۳
۹۵- کیا سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ غیب حاصل تھا اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا نہیں؟ ۲۹۶
۹۶- کیا حضور کو علمِ غیب ہونا قرآن حکیم سے ثابت ہے؟ ۲۹۸
۹۷- حضور کے علم کو ازلی یا ابدی کہنا درست ہے یا نہیں؟ ۲۹۹
۹۸- اگر حضور کو علمِ غیب تھا تو حدیث جبریل میں "ماالمسئول عنها اعلم من السائل" کا کیا مطلب ہے؟ ۲۹۹
۹۹- کیا ایک دن میں کئی ختم قرآن کر سکتے ہیں؟ ۳۰۱
۱۰۰- ذکر بالجہر جائز ہے یا نہیں؟ ۳۰۱
۱۰۱- حقوق اللہ، حقوق العباد پر مقدم ہیں یا نہیں اور باپ کو ناراض کر کے منازل سلوک طے کرنا کیسا ہے؟ باپ کا اس کو اذکار و اشغال سے روکنا خطا ہے یا نہیں؟ ۳۰۳
۱۰۲- جو ہندو مسلمان ہونے کے ارادے سے قرآن حکیم پڑھنا چاہتا ہے، اسے قرآن پڑھانا کیسا ہے؟ ۳۰۹
۱۰۳- محمد، احمد دونوں اسمِ گرامی کی اسلامی فضیلت کیا ہے؟ ۳۱۰
۱۰۴- عالمِ خواب میں بیعت ہونا کیسا ہے؟ ۳۱۱
۱۰۵- مرشد سے توجہ لینا، ہاتھ پیر چومنا، مکاشفہ کا قائل ہونا، اجرت پر وعظ کہنا، میلاد شریف پڑھنا کیسا ہے؟ ۳۱۲
۱۰۶- بدا... سلسلہ میں بیعت ہونا کیسا ہے اور کیا یہ سلسلہ متصل ہے؟ جاہل سے بیعت کیسی ہے اور کیا سید

maarfat.com

سے بیعت ہونا افضل ہے؟ ۳۱۷
۱۰۷- فاتحۂ مروجہ جائز ہے یا نہیں؟ ۴۸۶
۱۰۸- ایصال ثواب کا شرعی طریقہ کیا ہے اور کیا یہ طریقے زمانۂ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں رائج تھے؟
[رسالۂ مبارکہ "نصرة الاصحاب باقسام ایصال الثواب" ۱۳۵۴ھ] ۳۲۰
☆ جوابِ سوال اول: قرآنِ حکیم، احادیث کریمہ اور اقوال ائمہ کی روشنی میں ایصال ثواب کا ثبوت۔ ۳۲۱
☆ قرآنِ حکیم میں ایصال ثواب کے طریقے: ۳۲۷
☆ اول: مغفرت کی دعا کرنا ۳۲۷
☆ دوم: ماں باپ کے لئے خدائے تعالیٰ سے رحم وکرم چاہنا۔ ۳۳۰
☆ سوم: میت کے لئے نماز جنازہ پڑھنا۔ ۳۳۲
☆ چہارم: مسلمان میت کی قبر کی زیارت کرنا اور وہاں ٹھہر کر اس کے لئے دعائے خیر کرنا۔ ۳۳۴
☆ دعا کرتے وقت چند چیزوں کا اہتمام کریں: ۳۳۵
☆ اول: قرآن شریف کی کچھ سورتیں یا آیتیں پڑھیں۔ ۳۳۵
☆ دوم: اول آخر درود شریف پڑھیں۔ ۳۳۸
☆ سوم: دعا سے پہلے کوئی عمل خیر کریں تا کہ رحمت الٰہی متوجہ ہو۔ ۳۴۰
☆ جوابِ سوال دوم: احادیث کریمہ اور اقوال ائمہ کی روشنی میں ایصال ثواب کے پچیس طریقے: ۳۴۰
☆ پہلا طریقہ: سورہ یٰسں شریف پڑھنا۔ ۳۴۱
☆ دوسر طریقہ: میت کو بوسہ دینا۔ ۳۴۱
☆ تیسرا طریقہ: کسی بزرگ کے پہنے ہوئے متبرک کپڑے میں کفن دینا۔ ۳۴۷
☆ چوتھا طریقہ: کفن پر کوئی آیت یا دعا لکھنا۔ ۳۵۱
☆ پانچواں طریقہ: جنازہ کو دیکھ کر تعریف کرنا اور میت خوبیاں بیان کرنا۔ ۳۵۴
☆ چھٹا طریقہ: نماز جنازہ پڑھنا۔ ۳۵۵
☆ ساتواں طریقہ: مقدس جگہ اور صالحین کے پڑوس میں دفن کرنا۔ ۳۵۶
☆ آٹھواں طریقہ: قبر تیار ہو جائے تو کوئی پرہیز گار شخص قبر میں تھوڑی دیر بیٹھ کر کوئی آیت یا دعا پڑھے۔ ۳۵۹
☆ نواں طریقہ: قبر پر پانی چھڑکنا۔ ۳۶۱
☆ دسواں طریقہ: بعد دفن میت کو تلقین کرنا۔ ۳۶۳
☆ گیارہواں طریقہ: نکیرین کے سوال کے وقت میت ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا۔ ۳۶۵
☆ بارہواں طریقہ: بعد دفن قبر پر اذان دینا۔ ۳۶۷
☆ تیرہواں طریقہ: قبر پر کھجور کی شاخ یا کوئی سبز چیز رکھنا۔ ۳۶۹

marfat.com

☆ چودھواں طریقہ: دفن کے بعد سرہانے سورہ بقرہ کا پہلا رکوع اور پائینتی آخر رکوع پڑھنا۔ ۳۷۹
☆ پندرہواں طریقہ: قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرنا کہ اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکے۔ ۳۸۰
☆ سولہواں طریقہ: زیارت قبور کرنا کہ اس سے میت انس حاصل ہوتا ہے۔ ۳۸۱
☆ سترہواں طریقہ: رات کے آخری حصہ میں قبرستان جاکر مردوں کے لئے دعا کرنا۔ ۳۸۳
☆ اٹھارہواں طریقہ: جمعرات، جمعہ کے دن خاص طور سے والدین اور بزرگوں کی قبروں کی زیارت کرنا۔ ۳۸۵
☆ انیسواں طریقہ: سال بہ سال متعین دن میں قبروں کی زیارت کو جانا۔ ۳۸۷
☆ بیسواں طریقہ: ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مردے کو بخشنا۔ ۳۸۹
☆ اکیسواں طریقہ: قرآن حکیم پڑھ کر اس کا ثواب بخشنا۔ ۳۹۱
☆ بائیسواں طریقہ: نماز روزہ کا ثواب میت کو بخشنا۔ ۳۹۴
☆ تیئسواں طریقہ: کنواں کھودوا کر میت کی طرف سے وقف کرنا۔ ۳۹۶
☆ چوبیسواں طریقہ: میت کی طرف سے صدقہ کرنا۔ ۳۹۷
☆ پچیسواں طریقہ: میت کی طرف سے قربانی کرنا۔ ۴۰۰
☆ جوابِ سوال سوم: حضرات صحابہ نے ایصالِ ثواب کے کون سے طریقہ اختیار کئے؟ ۴۰۲
☆ جواب سوال چہارم: فقہ حنفی میں ایصال ثواب کا طریقہ۔ امام اعظم کی وصیت ۴۱۲
☆ ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے۔ ۴۱۳
۱۰۹۔ عرس کا شرعی حکم کیا ہے؟ [مواھب ارواح القدس لکشف حکم العرس، ۱۳۲۴ھ] ۴۲۱
☆ سند اول و دوم: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے آغاز میں شہدائے بدر کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور ان کے لئے دعائے خیر فرماتے۔ ۴۲۳
☆ اس حدیث پر مولوی اسحاق صاحب کے شبہے کا مفصل اور مسکت جواب۔ ۴۲۴
☆ سند سوم: تعیین اور تخصیص دو طرح کی ہوتی ہے: شرعی اور عادی۔ ۴۳۱
☆ سند چہارم: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور صلحائے امت بھی امور خیر کے لئے مخصوص دن مقرر فرماتے آئے ہیں۔ صوم دوشنبہ، جہاد اور وعظ کے لئے پنج شنبہ، درس کے آغاز کے لئے چہار شنبہ کی تعیین ملتی ہے۔ ۴۳۲
☆ سند پنجم: اصل اشیا میں اباحت ہے۔ ۴۳۴
☆ مولوی اسحاق کی عبارت ''مقرر کردن روز عرس جائز نیست'' کا علمی محاسبہ۔ ۴۳۶
☆ سند ششم: عرس کو سواد اعظم مستحسن سمجھتا ہے۔ ۴۳۸
☆ سند ہفتم: مخالفین کے مستند اصحاب علم کی عبارتوں سے عرس کے جواز کی تائید۔ ۴۳۸
☆ سند ہشتم: حرمین شرفین کے علما کا تعامل اس کا موئد ہے۔ ۴۳۹
☆ سند نہم: ''احب الاعمال الی اللہ ادومھا'' سے استناد۔ ۴۴۰

marfat.com

☆ سند دہم: عرس کا انعقاد عامۂ اہل اسلام کا عرف ہے جو شرعا ایک قوی دلیل ہے۔ ۴۴۱
☆ تاثیر عرف کی متعدد نظیریں۔ (تلفظ نیت، تثویب، خطبے میں خلفائے راشدین وغیرہ کا ذکر، سلطان اسلام کے لئے دعا، اذان کے بعد تسلیم، نماز عصر کے بعد مصافحہ، قرآن حکیم کی تزیین، مسجد کی آرائش، ختم تراویح میں دعا اور تین بار سورہ اخلاص کی قراءت، میلاد شریف کی مروجہ محفلیں، قیام وسلام، تقلید شخصی) ۴۴۳
☆ عرس میں منہیات شرعیہ بہر صورت حرام ہیں۔ اسے بقدر استطاعت روکنا واجب۔ ۴۴۹
☆ زیارت قبور شرعا مستحب ہے۔ ۴۵۲
۱۱۰- جواز فاتحہ کے دلائل اور ایک تحریر کا رد۔ ۴۵۴
۱۱۱- تعزیہ بنانا، اس پر مہندی، مالیدہ، کھچڑا وغیرہ چڑھانا اور مرثیہ پڑھنا کیسا ہے؟ ۴۶۳
۱۱۲- ☆ تعزیہ مروجہ بنانا اور مرثیہ خوانی کرنا کیسا ہے؟ ۴۶۳
☆ تندرست وتوانا شخص جو صاحبِ نصاب بھی ہے، گداگری کرتا ہے۔ اس کی امامت کیسی ہے؟ ۴۶۶
☆ محفلِ وعظ ختم ہونے کے بعد سامعین کا عالمِ دین سے مصافحہ کرنا مسنون ہے یا بدعت؟ ۴۶۸
☆ جہاں طاعون کی وبا پھیلی ہو وہاں دوسروں کا جانا یا وہاں موجود لوگوں کا کہیں اور بھاگنا کیسا ہے نیز اس کے چھوت کی بیماری ہونے پر اعتقاد رکھنے کا کیا حکم ہے؟ ۴۷۱
۱۱۳- طاعون کی جگہ جانا یا وہاں سے بھاگنا کیسا ہے؟ ۴۷۱
۱۱۴- مزاراتِ اولیا کی توہین گناہ ہے یا نہیں؟ ۴۷۲
۱۱۵- ☆ کسی زیارت پر چادر چڑھانا اور سجدہ کرنا کیسا ہے؟ ☆ میلاد شریف پڑھنا اور کھڑے ہو کر سلام پڑھنا کیسا ہے؟ ☆ سہرا باندھنا کیسا ہے؟ ☆ شیخ سدو کا بکرا پالنا اور کھانا کیسا ہے؟ ۴۷۳
۱۱۶- فرنچ کٹ داڑھی رکھنے والا فاسق ہے یا نہیں؟ ۴۷۵
۱۱۷- حنفی کو شافعی یا مالکی مذہب اختیار کرنا کیسا ہے؟ ۴۷۶
۱۱۸- ہندوؤں کو سلام کرنا اور ان کے یہاں کھانا کھانا کیسا ہے؟ ۴۷۶
۱۱۹- روافض کے گھر کھانا پینا کیسا ہے؟ ۴۷۷
۱۲۰- کیا آیت کریمہ میں ایک حرف کو دوسرے حرف کے ساتھ ملا کر بے قاعدگی سے پڑھنے سے شیطان کا نام آجاتا ہے؟ ۴۷۷
۱۲۱- باب افعال کا ہمزہ قطعی ہے تو قد افلح میں الف کیوں ساقط ہو سکتا ہے؟ ۴۷۸

کتاب الفرائض ۱۲

۱۲۲- کیا متوفیہ ہندہ کی تجہیز وتکفین اور فاتحہ سوم وچہلم کے مصارف اس کی متروکہ جائداد سے ادا کئے جائیں گے؟ ۴۸۱
۱۲۳- ہندہ نے مرنے سے پہلے مکان اپنے بیٹے زید کو ہبہ کر دیا تو اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ ۴۸۱

۱۲۴- زید نے اپنے ورثہ میں دو لڑکے، ایک لڑکی اور ایک بیوی کو چھوڑا۔ اس کی جائداد کس طرح تقسیم ہوگی؟ ۴۸۳
۱۲۵- حکیم نظام الدین نے چار لڑکے ایک لڑکی اور ایک بیوی کو چھوڑا ان کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟ ۴۸۴
۱۲۶- متوفیٰ زید سنی کے ورثہ شیعہ ہیں۔ تو زید کا ترکہ اس کے شیعہ وارثین کو بھی ملے گا یا نہیں؟ ۴۸۵
۱۲۷- زید نے اپنے حقیقی بھائی وارثِ شرعی کو محروم کرنے کے لئے بینک میں جمع شدہ رقم ایک غیر وارث کے نام ہبہ کردی اور اس کی دستاویز بھی لکھ دی لیکن وہ رقم موہوب لہ کو وصول نہ ہوئی۔ اب اسے بھائی کی حق تلفی کا خیال آیا تو وہ یہ ہبہ فسخ کر سکتا ہے، یا نہیں؟ ۴۸۸

ضمیمہ

۱۲۸- فرائض ونوافل میں سورۂ فاتحہ یا کسی سورت کے دوبار پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ ۴۹۰
۱۲۹- حضور کے وصال کے بعد کیا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ تشریف لا کر حسنین کریمین کے اصرار پر اذان دی؟ اور آپ کا وصال کہاں ہوا؟ ۴۹۲
۱۳۰- مسجد کی کمزور عمارت کو شہید کر کے نئی عمارت بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ ۴۹۳
۱۳۱- ☆ شوہر نے بیوی سے کہا: تم میرا کہنا مانو، نہ مانو گی تو تمہیں طلاق دیتا ہوں، پھر کہا دیکھو مانو نہیں تو طلاق دیتا ہوں پھر زوجہ کی سخت کلامی پر کہا تم پر طلاق ہے، تو کتنی طلاق واقع ہوئی؟
☆ قربانی کی کھال وغیرہ کی قیمت مسجد میں نذر کر سکتے ہیں؟
☆ قربانی کا جانور قرض کی رقم میں محسوب کر کے خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ ۴۹۳
☆ کیا قصاب کی اجرت قربانی سے پہلے ہی متعین کر لینی چاہیے؟

کتابیات

marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نافع البشر فی فتاویٰ ظفر

[۱۳۴۹ھ]

فتاویٰ ملک العلما

ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی قدس سرہٗ

marfat.com

کتاب الطھارۃ ۱

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالکریم صاحب از اعظم گڑھ ۱۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ
روئی کا کپڑا نجاست سے ناپاک ہو جائے تو کس طرح پاک ہو سکتا ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

اللھم ارنا الحق حقا و الباطل باطلا۔ جس طرح بے روئی کا نجس کپڑا نجاست سے پاک کیا جاتا ہے ویسے ہی روئی کا کپڑا بھی نجاست سے پاک کیا جاتا ہے۔ یعنی اگر لائق نچوڑنے کے ہو تو تین مرتبہ دھوئے اور ہر بار اتنا نچوڑنے سے کہ قطرہ نہ ٹپکے، پاک ہو جائے گا اگر نجاست مرئیہ نہ ہو۔

شرح وقایہ میں ہے: "وعما لم یر اثرہ بغسلہ ثلثا وعصرہ فی کل مرۃ۔"

عالمگیریہ میں ہے: "وان کانت غیر مرئیۃ یغسلھا ثلث مرات کذا فی المحیط۔" اور اگر نجاست مرئیہ ہو تو زوال عین سے پاک ہو جائے گا۔

وقایہ میں ہے: "عن نجس مرئی بزوال عینہ ھکذا فی الغلمگیریۃ۔"

اور اگر نچوڑنے کے لائق نہ ہو تو ہر بار خشک ہو جانے کے بعد دوبارہ دھوئیں۔

ہندیہ میں ہے: "وما لا ینعصر یطھر بالغسل ثلث مرات والتجفیف فی کل مرۃ لان للتجفیف اثرا فی استخراج النجاسۃ وحد التجفیف ان یخلیہ حتی ینقطع التقاطر ولا یشترط فیہ الیبس ھکذا فی التبیین" ۱۲ مختصرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

ایک صاحب کتے کو نجس العین بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ درمختار میں حضرت امام اعظم نے کتیا کے پلّے کو بغل میں دبا کر نماز پڑھنا جائز لکھا ہے؟

الجواب

یہ اس شخص کا افتراء محض ہے۔ نہ درمختار امام اعظم کی تصنیف ہے، نہ اس قائل کو جواز فعل وصحت عمل مع عدم جواز الفعل میں تمیز ہے۔ جواز بمعنی صحت وبمعنی اباحت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اول ہرگز مستلزم ثانی نہیں۔ بہت افعال کہ مکروہ تنزیہی بلکہ تحریمی بلکہ حرام ہیں، منافی صحت نماز نہیں ہوتے۔ تو نماز ان افعال کے ساتھ جائز ہوگی یعنی صحیح ومسقط فرض۔ مگر وہ فعل جائز مباح نہ ہوگا بلکہ حرام یا گناہ یا ناپسند۔ ہمارے علماء کہ محل کلب وغیرہ سباع سوائے خنزیر کے ساتھ نماز جائز جانتے ہیں جواز بمعنی صحت میں کلام فرمارہے ہیں۔ معاذ اللہ یہ نہیں فرماتے کہ بے ضرورت شرعیہ ایسا فعل مکروہ وناپسند نہیں۔ غیر مقلدین وہابیہ کا اس مسئلہ کو مطاعن ائمہ عظام حنفیہ کرام حصہم اللہ باللطف العام میں شمار کرنا محض سفاہت وبے عقلی ہے۔ حضرات صاحبین اوران کے موافقین رحمھم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو کتا نجس العین ہے۔ اور طاہر ماننے والوں سے بھی ایک جماعت عظیم مطلقاً ان صورتوں میں نماز فاسد بتاتے ہیں۔ رہے قائلین طہارت، وہ بھی اسائت وکراہت کی تصریح کرتے ہیں۔ ان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی ضرورت وحاجت خواہ اپنی نادانی وجہالت سے ایسا کیا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اس میں معاذ اللہ کیا طعن ہے؟ ہاں اگر فرماتے کہ ایسا کرنا چاہئے یا کرے تو کوئی ناپسندیدہ نہیں تو ایک بات تھی۔ مگر جانتا ہوں وہ اس تہمت سے پاک ومنزہ ہیں وللہ الحمد۔

بالجملہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب میں یہ جانور، سائر سباع کے مانند ہے کہ لعاب نجس اور عین طاہر۔ یہی مذہب صحیح ومعتمد ومؤید بدلائل قرآن وحدیث ومختار وماخوذ للفتوی عند جمہور مشائخ القدیم والحدیث ہے۔

امام ابوالبرکات محمود نسفی کافی میں فرماتے ہیں: الکلب لیس بنجس العین۔

حلیہ میں ہے:'' کون الکلب لیس بنجس العین وھو المرجح فی المختصر والھدایۃ والوقایۃ والنقایۃ والمختار والکنز والوافی والاصلاح ونور الایضاح والملتقیٰ والتنویر۔ کل اھاب دبغ فقد طھر الا جلد الخنزیر والادمی فمقتضیٰ ھذہ الکلیۃ طھارۃ جلد الکلب بالدباغ۔ ھکذا فی مجمع الانھر ومتنہ ملتقیٰ الابحر وجامع الرموز ومراقی الفلاح والتیسیر والبزازیۃ والدر المختار وغیر ذلک من معتمدات الاسفار۔'' واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از میرٹھ مقام اکلہ رسول پور مرسلہ حافظ عبدالحکیم صاحب ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ

کیا ارشاد ہے علما کا اس مسئلہ میں کہ غیر مقلدین جو بعد پیشاب، مدام پانی سے استنجا پاک کیا کرتے ہیں اور ڈھیلے سے بدعت بتاتے ہیں، یہ قول وفعل ان کا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

marfat.com

الجواب

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی عادت مختلف تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں ثابت ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

''مرن ازواجکن ان یستطیبوا بالماء فانی استحییهم فان رسول الله صلی الله علیه و سلم کان یفعله۔''

تم اپنے شوہروں سے کہو کہ پانی سے استنجا کیا کریں پس میں ان سے کہنے سے شرماتی ہوں۔ پس تحقیق کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کے بعد استنجا پانی سے فرمایا کرتے۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی۔

ابوداؤد، ابن ماجہ میں انہیں سے مروی: '' قالت بال رسول الله صلی الله علیه وسلم فقام عمر خلفه بکوز من ماء فقال ما هذا یا عمر؟ فقال ماء تتوضؤ به قال ما امرت کلما بلت ان اتوضأ ولو فعلت لکان سنة۔''

ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پانی لے کر کھڑے ہوئے۔ فرمایا: اے عمر کیا ہے؟ عرض کیا کہ استنجاء کے لئے پانی ہے۔ فرمایا مجھ پر واجب نہیں کیا گیا ہے کہ طہارت کروں ہر پیشاب کے بعد پانی سے اور اگر ایسا کروں تو بلاشبہ سنت ہو جاوے۔ المراد بالوضوء ههنا الاستنجاء بالماء کما ذکره النووی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ڈھیلے سے استنجاء کرتے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پانی سے استنجا فرماتے۔ محض پانی سے استنجا کرنے میں حرج نہیں البتہ ڈھیلے سے استنجا کرنے کو بدعت بتانا غلط ہے اور سفاہت ہے اور افضل یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرے۔ ہندیہ میں ہے: '' الافضل ان یجمع بینهما'' ۔ والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ ثانیہ از میرٹھ مرسلہ جناب مذکور الصدر صاحب

غیر مقلدین وضو میں بلا عذر اگر مسح سر کیا کرتے ہیں عمامہ پر اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں ثابت ہے۔ کیا رسول خدا نے گاہے کسی عذر سے ایک دو بار یا بلا عذر، اکثر فعل ہذا بنوع مسطورہ ادا کیا ہے؟ اور یہ حدیث کس پائے میں ہے؟ اور نیز مذکور ہذا حدیث کس کتاب میں ہے اور حنفی کرام کو اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟

الجواب

غیر مقلدین کا محض عمامہ پر مسح کرنا محض جہالت ہے۔ ہر گز ہر گز مسح کرنا جائز نہیں۔ اگر کرے گا وضو نہ ہوگا۔ نماز مشروط بشرط وضو ہے۔ جب وضو ہی نہیں ہوا، نماز بھی نہیں ہوگی۔

خلاصہ پھر فتاوی عالمگیریہ میں ہے:'' ولا یجوز المسح علی القلنسوة والعمامة و کذا لو مسحت

marfat.com

المرأة على الخمار الا انه اذا كان الماء متقاطرا بحيث يصل الماء الىٰ الشعر فح يجوز ذلك عن الشعر۔"

خزانۃ المفتیین میں ہے:"والمرأة اذا مسحت علىٰ اخمارها لا يجوز الا اذا كان دقيقا ينفذ الماء فيه فبلغ ربع راسه كذا فى السراجية والغنية والخانية۔"

اقول اور پر ظاہر کہ آدمی کس طرح عمامہ پر مسح کرے؟ سر میں تری تک محسوس نہیں ہو سکتی فضلا ان يبلغ ربع راسه۔

رہی حدیث، جو مروی ہے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے:" قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح علىٰ عمامته وخفيه۔" سو اس کے یہ معنی ہیں کہ سر پر تحت عمامہ کے مسح فرما کر عمامہ پر ہاتھ گذرانا۔

قسطلانی میں ہے:" يمسح علىٰ عمامة بعد مسح الناصية ويدل عليه حديث ابى داؤد عن انس رضى الله عنه قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ وعليه عمامة قطرية فادخل يده من تحت العمامة فمسح مقدم راسه۔"

علاوہ بریں اولاً حدیث مسح عمامہ کی محتمل اور نہیں چھوڑا جاتا متیقن بوجہ محتمل کے۔

ثانیاً اللہ تعالیٰ نے حکم مسح سر کا دیا ہے نہ مسح عمامہ کا۔ اور حدیث مسح عمامہ کی آحاد ہے۔ جس سے زیادتی کتاب پر جائز نہیں اور نہ وہ اس کا ناسخ ہو سکے۔ كما هو مبرهن فى فن الاصول اور یہی مذہب ائمہ وعلماء کا ہے اور یہی قول سفیان ثوری و مالک بن انس و ابن مبارک و امام شافعی و حضرت امام الائمہ، سراج الامۃ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

marfat.com

کتاب الصلوٰۃ ۲

تنویر المصباح للقیام عندحی الفلاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جماعت کی نماز میں امام اور مقتدیوں کو کس وقت کھڑا ہونا چاہئے؟ مذہب احناف کیا ہے۔ مدلل ارشاد ہو۔

(محمد سلیمان قادری)

الجواب

اس مسئلہ کی متعدد صورتیں ہیں اور سب کا حکم جدا ہے۔ اس لئے بالتفصیل جواب دینا مناسب ہے۔ فاقول وباللہ التوفیق۔

شکل اول: امام اور مکبر دونوں ایک ہی شخص ہے اور امام نے مسجد میں آکر تکبیر شروع کی تو جب تک تکبیر پوری ختم نہ ہو جائے مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں، کوئی کھڑا نہ ہو۔

(۱) درمختار میں ہے:"اذااقام الامام بنفسہ فی مسجد فلا یقفو احتی یتم اقامتہ ظھیریۃ"۔"فتاوی ظہیریہ میں ہے کہ امام جب بذات خاص مسجد میں اقامت کہے تو مقتدی نہ کھڑے ہوں یہاں تک کہ اقامت ختم کر لے"۔

(۲) فتاوی عالمگیریہ میں ہے:"وان کان المؤذن والامام واحدا فان اقام فی المسجد فالقوم لایقومون مالم یفرغ من الاقامۃ"۔"اگر امام اور موذن ایک ہی شخص ہو تو اگر اقامت مسجد میں شروع کی تو مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام اقامت سے فارغ نہ ہو جائے"۔

(۳) فتح اللہ المعین حاشیہ کنز ملا مسکین میں ہے:"ھذا اذا کان المؤذن غیر الامام وان اتحدواقام فی المسجد اجمعوا ان القوم لایقومون مالم یفرغ من الاقامۃ"۔" (حی علی الفلاح) پر کھڑا ہونا اس وقت

ہے جب امام اور موذن دو شخص ہوں اور اگر امام اور موذن ایک ہی شخص ہو تو اجماع ہے کہ مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے۔

اس تصریح سے ان لوگوں کی بھی غلطی ظاہر ہو گئی جو کہتے ہیں کہ ہم امام و مکبر کی اتباع میں کھڑے ہوتے ہیں کہ تکبیر کہنے والا امام اور مکبر تو کھڑا ہو اور ہم بیٹھے رہیں، یہ خلاف تعظیم مکبر ہے اس لئے ہم مکبر کی تعظیم کو کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ جدت اور اجتہاد محض تصریحات فقہائے کرام کے بالکل خلاف ہے۔

(۴) جامع الرموز میں ہے، ''لو کان الامام موذناً لم یقم القوم الاعند الفراغ وھذا اذا اقام فی المسجد''۔ ''اگر امام خود مکبر ہو تو جب مسجد میں آکر تکبیر کہنی شروع کرے تو قوم اس وقت تک کھڑی نہ ہو جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے۔

(۵) بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے: ''ھذا کلہ اذا کان الموذن غیر الامام فان کان واحد او اقام فی المسجد فالقوم لایقومون حتیٰ یفرغ من الاقامۃ''۔ ''یہ (حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا) اس وقت ہے جب موذن امام کے سوا دوسرا شخص ہو اور اگر امام اور موذن ایک ہی شخص ہو اور اقامت مسجد میں کہہ رہا ہے تو جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے، مقتدی کھڑے نہ ہوں''۔

(۶) ملتقی الابحر اور اس کی شرح (۸) مجمع الانہر میں ہے: ''وفی القھستانی نقلا عن المحیط۔ ''لو کان الامام موذناً لم یقم القوم الا عندالفراغ''۔ ''اگر امام ہی مکبر ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے مقتدی کھڑے نہ ہوں''۔ واللہ اعلم۔

شکل دوم: امام اور مکبر ایک ہی شخص ہے اور امام نے مسجد میں پہنچنے سے قبل ہی تکبیر شروع کر دی تو تمام مشائخ حنفیہ کا اتفاق ہے کہ مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں، کوئی کھڑا نہ ہو، جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو۔

(۱) جامع الرموز میں ہے: ''والافقد قاموا اذا دخلہ کما فی المحیط''۔

''اور اگر امام نے اقامت مسجد میں آکر نہیں شروع کی بلکہ مسجد میں داخل ہونے سے قبل ہی شروع کر دی تھی تو جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو کوئی بھی کھڑا نہ ہو۔ جب امام مسجد میں داخل ہو جائے تو لوگ کھڑے ہوں اور ایسا ہی محیط میں ہے''۔

marfat.com

(۳) فتح اللہ المعین میں ہے: ”وان خارجه قام کل صف ینتهی الیه الامام“۔ ”اگر امام اور موذن دونوں ایک ہی شخص ہو اور امام نے مسجد سے باہر ہی تکبیر شروع کر دی تو جس جس صف کے سامنے امام گزرتا جائے وہ لوگ کھڑے ہو جائیں“۔

(۴) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ”و ان اقام خارج المسجد فمشائخنا اتفقوا علیٰ انهم لا یقومون مالم ید خل الامام فی المسجد“۔ ”اگر امام و موذن دونوں ایک ہی شخص ہو اور امام نے مسجد سے باہر ہی تکبیر کہنی شروع کر دی تو مقتدی اس وقت تک کھڑے نہ ہوں جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو“۔

(۵) درمختار میں ہے: ”وان خارجه قام کل صف ینتهی الیه، بحر“۔ ”اگر امام نے تکبیر خارج مسجد ہی سے شروع کر دی تو جیسے جیسے صفوں کے سامنے امام آتا جائے وہ لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔ یہ بحر الرائق میں ہے“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شکل سوم: امام اور موذن دو شخص ہیں اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود نہیں، باہر ہے اور جانب قبلہ سے مسجد میں آ رہا ہے تو نہ تکبیر شروع ہوتے ہی مقتدی کھڑے ہو جائیں، نہ جب موذن حی علی الفلاح کہے بلکہ جب مقتدی امام کو دیکھ لیں اس وقت کھڑے ہوں۔

(۱) شرح بخاری و فتح الباری شرح بخاری میں ہے: ”و اذا لم یکن الامام فی المسجد فذهب الجمهور الی انهم لا یقومون حتی یروه“۔ ”تکبیر شروع ہوئی اور امام مسجد میں نہیں تو جمہور علما اس طرف گئے ہیں کہ مقتدی جس وقت تک امام کو دیکھ نہ لیں کھڑے نہ ہوں“۔

اور یہی حدیث بخاری و مسلم شریف سے ثابت ہے: ”عن ابی قتادة قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا اقیمت الصلوٰة فلاتقوموا حتی ترونی“۔ ”جب اقامت کہی جائے (اور میں مسجد میں موجود نہ ہوں) تو تم لوگ کھڑے نہ ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔ یہ مذہب متفق علیہ تمام ائمہ و علما کا ہے“۔

(۵) التعلیق الممجد میں ہے: ”وقال ابو حنیفة و اصحابه اذالم یکن معهم الامام فی المسجد فانهم لایقومون حتیٰ یروا الامام لحدیث ابی قتادة عن النبی صلی الله علیه وسلم اذااقیمت الصلوٰة فلا تقوموا حتی ترونی وهو قول الشافعی و داؤد“۔ ”امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں نے

marfat.com

فرمایا کہ جب مقتدی کے ساتھ امام مسجد میں نہ ہو تو مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام کو دیکھ نہ لیں بوجہ حدیث حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب اقامت کہی جائے تو تم کھڑے نہ ہو، یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھ لو اور یہی قول شافعی اور داؤد کا ہے''۔

(۶) درمختار میں ہے: ''وان دخل من قدام قاموا حین یقع بصرھم علیہ''۔ ''تکبیر کے وقت امام مسجد میں نہیں ہے، باہر سے آگے کی طرف سے آرہا ہے تو جس وقت لوگوں کی نگاہ امام پر پڑے اس وقت کھڑے ہوں''۔

(۷) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: وان کان الامام دخل المسجد من قدامھم یقومون کما رأو الامام''۔ ''اور اگر امام مسجد میں آگے کی طرف سے داخل ہوا تو جیسے لوگ امام کو دیکھیں کھڑے ہو جائیں''۔

(۸) بدائع الصنائع میں ہے: ''فان کان خارج المسجد لایقومون مالم یحضر لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ''لاتقوموا فی الصف حتی ترونی خرجت'' وروی عن علی رضی اللہ عنہ '' انہ دخل المسجد فرأیٰ الناس قیاماً ینتظر ونہ فقال مالی اراکم سامدین ای واقفین متحیرین'' ولان القیام لاجل الصلوٰۃ ولا یمکن اداء ھابدون الامام فلم یکن القیام مفید اثم ان دخل الامام من قدام الصفوف فکمارا وہ قامو الانہ کما دخل المسجد قام مقام الامامۃ''۔ ''پھر اگر امام مسجد سے باہر ہو تو جب تک امام حاضر نہ ہو اس وقت تک مقتدی کھڑے نہ ہوں بوجہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے: مت کھڑے ہو صف میں یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھ لو کہ میں نماز کے لئے نکلا ہوں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو لوگوں کو کھڑے ہوئے انتظار کرتے پایا تو فرمایا کہ کیا بات ہے کہ میں تم لوگوں کو متحیر پاتا ہوں''۔

اس لئے بھی کہ کھڑا ہونا نماز کے لئے ہے اور نماز کا ادا کرنا بغیر امام کے نہیں ہو سکتا تو کھڑا ہونا مفید نہ ہوگا۔ پھر اگر امام صفوں کے آگے سے مسجد میں داخل ہو تو جیسے ہی لوگ امام کو دیکھیں کھڑے ہو جائیں۔ اس لئے کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوگا امامت کی جگہ کھڑا ہوگا۔

(۹) تبیین الحقائق وشرنبلا یہ میں ہے: ''دخل من قدام وقفوا حین یقع بصر ھم علیہ''۔ ''اگر امام مسجد میں آگے کی جانب سے داخل ہو تو جس وقت مقتدیوں کی نگاہ امام پر پڑے لوگ کھڑے ہو جائیں''۔ ھکذا فی فتح اللہ المعین والخلاصۃ والطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

marfat.com

شکل چہارم: امام و موذن دو شخص ہیں اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود نہیں اور مسجد میں پورب کی طرف (خلاف جانب قبلہ) سے آ رہا ہے تو جس جس صف کے آگے گزرے گا، وہ لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔ تکبیر شروع ہوتے ہی یا حی علی الفلاح پر پہنچنے کے وقت سب کو کھڑا ہونے کا حکم نہیں۔

(۱) درمختار میں ہے: ''والا فیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام علی الاظھر''۔ ''ورنہ ظاہر تر یہ ہے کہ جس جس صف تک امام پہنچتا جائے اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں''۔

(۲) ردالمحتار میں علامہ شامی فرماتے ہیں: ''قولہ والا ای وان لم یکن الامام بقرب المحراب بان کان فی موضع آخر من المسجد او خارجہ و دخل من خلف''۔ ح۔ ''اور اگر امام محراب کے قریب نہ ہو یعنی مسجد ہی میں کسی دوسری جگہ ہے یا مسجد سے خارج ہے اور غیر قبلہ کی جانب سے آ رہا ہے تو جس جس صف کے آگے امام گزرتا جائے گا وہ صف کھڑی ہوگی''۔

(۳) ایسا ہی علامہ حلبی شارح درمختار نے تحریر فرمایا ہے۔

(۴) فتاوی ہندیہ میں ہے: ''فاما اذا کان الامام خارج المسجد فان دخل من قبل الصفوف فکما جاوز صفا قام ذالک الصف والیہ مال شمس الائمہ الحلوائی والسرخسی و خواھر زادہ''۔ لیکن امام جب مسجد کے باہر ہو تو وہ اگر صفوں کی جانب سے اندر آئے تو جس صف سے گزرے، اس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ اسی کی طرف شمس الائمہ حلوائی، سرخسی، اور خواہر زادہ کا میلان ہے''۔

(۵) بدائع الصنائع میں ہے: ''وان دخل من وراء الصفوف فالصحیح انہ کلما جاوز صفاقام ذالک الصف لانہ صار بحال لو اقتد وابہ جاز فصار فی حقھم کانہ اخذ مکانہ''۔ ''اور اگر مسجد میں صفوں کی جانب سے امام داخل ہو تو قول صحیح یہی ہے کہ جس جس صف کے آگے بڑھے گا وہ صف کھڑی ہوتی جائے گی۔ کیوں کہ امام اس صف کے لئے ایسی حالت میں ہے کہ اگر وہ لوگ اس کی اقتدا کریں تو جائز ہے تو ان کے حق میں ایسا ہوا کہ وہ اپنی جگہ یعنی محراب میں پہنچ گیا''۔

(۶) تبیین الحقائق میں ہے: ''وان لم یکن الامام حاضراً لا یقومون حتیٰ یصل الیھم و یقف مکانہ فی روایۃ وفی اخری اذا اختلط بھم وقیل یقوم کل صف ینتھی الیہ الامام وھو

marfat.com

الاظھر"۔ "اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو جب تک وہ پہنچ نہ لے اور اپنی جگہ کھڑا نہ ہو جائے، مقتدی سب بیٹھے رہیں کوئی کھڑا نہ ہو۔ ایک روایت یہ ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ جب باہر سے آکر مقتدیوں میں مل جائے تو لوگ کھڑے ہو جائیں، اور تیسرا قول یہ ہے کہ جس جس صف تک امام پہنچتا جائے وہ صف کھڑی ہوتی جائے اور یہی زیادہ ظاہر ہے"۔

(۷) شرنبلالیہ میں ہے: "والا فیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام علی الاظھر"۔ "اگر امام مسجد میں نہ ہو اور صف کی طرف سے امامت کے لئے آرہا ہے تو زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جس جس صف سے آگے بڑھے وہ صف کھڑی ہو جائے"۔

(۸) فتح اللہ المعین میں ہے: "فان لم یکن وقف کل صف انتھیٰ الیہ الامام علیٰ الاصح خلاصہ وفی الزیلعی وھو الاظھر"۔ "پس اگر امام مسجد میں نہ ہو اور صف کی طرف سے آرہا ہے تو جس جس صف تک پہنچے وہ صف کھڑی ہو جائے، یہی اصح قول ہے۔ یہ خلاصہ میں ہے اور زیلعی میں ہے کہ یہ اظہر ہے"۔

(۱۱) بحر الرائق میں ہے: "والا فیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام علی الاظھر"۔ "اگر امام مسجد میں نہ ہو تو جس صف تک امام پہنچے وہ صف کھڑی ہو جائے یہی اظہر ہے"۔

(۱۲) طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح: "قولہ یقوم کل صف الخ وفی عبارۃ بعضھم فکلما جاوز صفا قام ذلک الصف"۔ "بعض فقہا کی عبارت یہ ہے کہ جس صف سے امام آگے بڑھے، وہ صف کھڑی ہو جائے"۔ واللہ اعلم۔

شکل پنجم: امام محراب کے قریب مسجد میں موجود ہے، مقتدی بھی موجود ہیں۔ تکبیر شروع ہو چلی، بعض مقتدی مسجد میں اس وقت داخل ہوئے تو ان کو حکم ہے کہ بیٹھ جائیں اور جب مکبر حی علیٰ الفلاح پر پہونچے تب کھڑے ہوں۔ اس لئے کہ کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔

(۱) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "واذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ الموذن حی علیٰ الفلاح کذا فی (۲) المضمرات"۔ "ایک شخص اقامت کے وقت مسجد میں آیا تو اس کو کھڑے رہ کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔ اس کو چاہئے کہ بیٹھ جائے پھر جب موذن حی الفلاح پر پہونچے تب وہ

marfat.com

کھڑا ہو۔ اسی طرح مضمرات میں ہے"۔

(۳) درمختار میں ہے:"دخل المسجد والموذن يقيم قعد الیٰ قيام الامام فی مصلاه"۔"ایک شخص مسجد میں ایسے وقت آیا کہ مکبر تکبیر کہہ رہا ہے تو وہ بیٹھ جائے جب تک امام اپنے مصلی پر کھڑا نہ ہو، یہ بھی کھڑا نہ ہو"۔

(۴) ردالمحتار میں ہے:"ويكره له الانتظار قائما ولكن يقعد ثم يقوم اذابلغ الموذن حی علیٰ الفلاح"۔"اس کے لئے نماز کا کھڑے کھڑے انتظار کرنا مکروہ ہے لیکن وہ بیٹھ جائے پھر جب موذن حی علی الفلاح پر پہونچے اس وقت کھڑا ہو"۔

(۵) طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں ہے:"واذااخذ الموذن فی الاقامة ودخل رجل فی المسجد فانه يقعد ولا ينتظر قائما فانه مكروه كمافی المضمرات (٦) قهستانی ويفهم منه كراهة القيام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون"۔"علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں فرماتے ہیں: اور جب موذن نے تکبیر شروع کی اور ایک شخص مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے کھڑے نماز کا انتظار نہ کرے، یہ مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے یہ قہستانی نے کہا اور اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ شروع تکبیر سے کھڑا ہو جانا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں"۔

(۷) وقایہ و (۸) جامع الرموز میں ہے:"وفی الكلام ايماء الیٰ انه لو دخل المسجد احد عندالاقامة يقعد لكراهة القيام والانتظار كما فی المضمرات"۔"اور اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص تکبیر کہنے کے وقت مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے۔ اس لئے کہ کھڑا رہنا اور انتظار کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے"۔

(۹) فتاوی بزازیہ میں ہے:"دخل المسجد وهويقيم يقعد ولا يقف قائما"۔"کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور موذن تکبیر کہہ رہا ہے تو یہ آنے والا شخص بیٹھ جائے اور کھڑا نہ رہے"۔

(۱۰) عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے:"ويقوم الامام والقوم ای من مواضعهم الیٰ الصف وفيه اشارة الى انه اذادخل المسجد يكره له الانتظار قائما بل يجلس فی موضع ثم يقوم عندحی علیٰ الفلاح وبه صرح فی جامع المضمرات"۔"امام اور قوم اپنی جگہ سے صف میں کھڑے ہوں۔ اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کو کھڑے کھڑے نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ کسی

marfat.com

جگہ بیٹھ جائے پھر حی الفلاح کہنے کے وقت کھڑا ہو'' ۔ واللہ اعلم۔

شکل ششم: امام و مقتدی مسجد میں موجود ہیں اور موذن غیر امام ہے جو صورت عام طور پر ہوا کرتی ہے تو اس مسئلہ میں ائمہ و مجتہدین کے پانچ قول ہیں:

قول اوّل: امام شافعی، امام ابو یوسف اور ایک جماعتِ علما کا یہ ہے کہ اس صورت میں امام و مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں۔ صرف مکبر (تکبیر کہنے والا) کھڑا ہو اور تکبیر کہے۔ جب تکبیر سے فارغ ہو جائے تو تکبیر ختم ہونے کے بعد امام و مقتدی سب کھڑے ہوں۔

(۱) عینی شرح بخاری میں ہے: ''وقد اختلف السلف متیٰ یقوم الناس الیٰ الصلوٰۃ (الیٰ ان قال) ومذهب الشافعی وطائفة انه یستحب ان لایقوم حتی یفرغ الموذن من الاقامة وهوقول ابی یوسف'' ۔ ''اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے کہ کس وقت لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوں تو امام شافعی اور ایک جماعت علما کا مذہب یہ ہے کہ مستحب یہ ہے کہ امام اور مقتدی کوئی بھی نہ کھڑا ہو جب تک موذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے اور یہی قول امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے''۔

(۲) قسطلانی شرح بخاری میں ہے: ''واختلف فی وقت القیام الیٰ الصلوٰۃ فقال الشافعی والجمهور عندالفراغ من الاقامة وهوقول ابی یوسف'' ۔ ''اور اختلاف کیا گیا ہے نماز میں کھڑے ہونے کے وقت میں تو امام شافعی اور جمہور علما نے فرمایا کہ اقامت سے فارغ ہونے کے بعد امام و مقتدی کھڑے ہوں اور یہ قول امام ابی یوسف کا ہے''۔

(۳) نووی شرح مسلم میں ہے: ''واختلف العلماء من السلف فمن بعد هم متی یقوم الناس الصلوٰۃ ومتنی یکبرالامام فمذهب الشافعی وطائفة أنه یستحب ان لایقوم احد حتی یفرغ المؤذن من الاقامة'' ۔ ''علمائے سلف اور ان کے بعد علما نے اختلاف کیا ہے کہ لوگ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں اور امام کس وقت تکبیر کہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت علما کا مذہب یہ ہے کہ مستحب ہے امام و مقتدی کوئی بھی کھڑا نہ ہو جب تک موذن تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے''۔

(۴) التعلیق الممجد میں ہے: ''قوله انه یقوم الیٰ الصلوٰۃ اختلفوا فیه فقال الشافعی

marfat.com

والجمهور يقومون عندالفراغ من الاقامة وهو قول ابى يوسف"۔ یعنی علما نے نماز میں کھڑے ہونے کے وقت میں اختلاف کیا ہے تو امام شافعی اور جمہور کا قول یہ ہے کہ جب موذن تکبیر سے فارغ ہو جائے تب امام و مقتدی کھڑے ہوں۔ یہی قول امام ابی یوسف کا ہے''۔

اس قول کی تائید حدیث فعلی حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوتی ہے۔

(۵) مبسوط میں ہے: ''وابو يوسف احتج بحديث عمر رضى الله عنه فانه بعد فراغ المؤذن من الاقامة كان يقوم فى المحراب"۔ ''امام ابو یوسف نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ وہ موذن کے تکبیر سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قول دوم: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ جس وقت مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے، اس وقت سب کو کھڑا ہونا چاہئے اور اسی کی تائید حدیث فعلی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوتی ہے۔ ہر علم والا جانتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو نہ صرف دو چار دن بلکہ پورے دس سال خدمت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں رہے اور حضور کے ہر فعل، ہر قول کو بہت نزدیک سے غائر نگاہ سے دیکھا۔

(۱) نووی شرح مسلم میں ہے: ''وكان انس رضى الله عنه يقوم اذا قال المؤذن قدقامت الصلوٰة وبه قال احمد"۔ ''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور یہ قول امام احمد کا ہے''۔

(۲) عینی شرح بخاری میں ہے: ''وقال احمد اذاقال المؤذن قدقامت الصلوٰة يقوم"۔ ''امام احمد نے فرمایا کہ جب موذن قد قامت الصلوٰۃ کہے اس وقت سب کھڑے ہوں''۔

(۳) اسی میں ہے: ''وكان انس رضى الله تعالى عنه يقوم اذا قال المؤذن قدقامت الصلوٰة وكبر الامام وحكاه ابن ابى شيبة عن سويد بن غفلة وكذا قيس بن حازم وحماد"۔ ''انس رضی اللہ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب موذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور امام تکبیر تحریمہ کہتا۔ محدث ابن ابی شیبہ نے سوید بن غفلہ اور قیس بن حازم اور حماد سے اس کو حکایت کیا''۔

(۴) فتح الباری شرح بخاری میں ہے: ''وعن انس انه كان يقوم اذاقال المؤذن قدقامت الصلوٰة رواه

marfat.com

(۵) ابن المنذر و کذ ارواه (٦) سعید بن منصور من طریق ابی اسحاق عن اصحاب عبدالله"۔ ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا۔ اس حدیث کو ابن المنذر وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اسی طرح سعید بن منصور نے بطریق ابو اسحاق عبداللہ سے روایت کیا''۔

(۷) مصنف میں ہے: ہشام یعنی ابن عروہ بھی قد قامت الصلوٰۃ کہنے کے قبل کھڑے ہونے کو مکروہ جانتے تھے۔

(۸) عینی میں ہے: ''کوہ هشام یعنی ابن عروۃ ان یقوم حتیٰ یقول المؤذن قدقامت الصلوٰۃ"۔ ''مصنّف میں ہے کہ ہشام یعنی ابن عروہ نے مکروہ جانا کہ کوئی شخص کھڑا ہو یہاں تک کہ مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قول سوم: اسی کے قریب قریب امام زفر وحسن ابن زیادہ کا قول ہے کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو نماز شروع کر دیں۔

(۱) عینی شرح بخاری میں ہے: ''وقال زفراذاقال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ مرۃ قاموا واذاقال ثانیا افتتحوا"۔ ''امام زفر نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو نماز شروع کر دیں''۔

(۲) بدائع الصنائع میں ہے: ''وعندزفرو حسن ابن زیادیقومون عند قوله قد قامت الصلوٰۃ فی المرۃ الاولیٰ ویکبرون عند الثانیۃ"۔ ''امام زفر وحسن ابن زیاد کے نزدیک پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہنے کے وقت لوگ کھڑے ہو جائیں اور دوسری مرتبہ کہنے کے وقت تکبیر کہیں''۔

(۳) ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے: ''وقال الحسن بن زیاد یقومون عند قوله قدقامت الصلوٰۃ قاموا الی الصف واذاقال ثانیا کبروا"۔ ''امام حسن بن زیاد نے فرمایا کہ جب موذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں صف میں اور جب دوسرے مرتبہ کہے تو تکبیر تحریمہ کہیں''۔

(۵) جامع الرموز میں ہے: ''وقال الحسن زفراذ اقال قد قامت الصلوٰۃ مرۃ (٦) کما فی المحیط"۔ ''امام حسن وزفر نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے اس وقت کھڑے ہوں جیسا کہ محیط میں ہے''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

marfat.com

قول چہارم: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے: ان کے نزدیک کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تحدید کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس لئے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ ہر شخص کو اختیار ہے، چاہے جب کھڑا ہو۔ اس لئے کہ بعض لوگ ہلکے پھلکے ہوتے ہیں اور بعض بھاری بھرکم تو سب کو ایک وقت کھڑے ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن اکثر مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک مؤذن تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں۔ (یعنی جو مذہب امام شافعی اور جمہور علما اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے)

(۱) عون المعبود شرح ابوداؤد (۲) وفتح الباری شرح بخاری میں ہے: ''وقال مالك فی الموطالم اسمع فی قیام الناس حین تقام الصلوٰۃ بحد محدود الانی اریٰ ذالك علیٰ طاقة الناس فان فیهم الثقیل والخفیف و ذهب الاکثرون الیٰ انهم اذا کان الامام معهم فی المسجد لم یقوموا حتی یفرغ من الاقامة''۔ ''امام مالک نے مؤطا میں فرمایا کہ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں، اس کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی لیکن میں اس کو لوگوں کی قوت اور طاقت پر خیال کرتا ہوں کیونکہ نمازیوں میں بعض بوجھل ہوتے ہیں اور بعض ہلکے پھلکے اور اکثر اس طرف گئے ہیں کہ جب امام ان کے ساتھ مسجد میں ہو تو جب تک اقامت ختم نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں''۔

(۳) عینی شرح بخاری میں ہے: ''وقد اختلف السلف متیٰ یقوم الناس الیٰ الصلوٰۃ فذهب مالك وجهور العلماء الیٰ أنه لیس لقیامهم حد''۔ ''سلف صالحین نے اختلاف کیا ہے کہ لوگ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں؟ تو امام اور جمہور علمائے مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ ان کے کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں''۔

اسی میں ہے: ''ولکن استحب عامتهم القیام اذا اخذ المؤذن فی الاقامة''۔

لیکن عام علمائے مالکیہ نے مستحب سمجھا کہ جس وقت موذن تکبیر شروع کرے، اسی وقت لوگ کھڑے ہو جائیں اور ایک روایت امام مالک سے ہی اسی قسم کی منقول ہے جسے امام قاضی عیاض نے ان سے نقل کیا ہے۔

(۴) نووی شرح مسلم میں ہے: ''ونقل القاضی عیاض عن مالك رحمه الله و عامة العلماء انه یستحب ان یقوموا اذا اخذ المؤذن فی الاقامة''۔ ''امام قاضی عیاض نے امام مالک اور علما عامہ سے ایک روایت نقل کی کہ مستحب ہے کہ لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن تکبیر شروع کرے''۔

(۵) التعلیق الممجد شرح مؤطا امام محمد میں ہے: ''و عن مالك یقومون عند اولها وفی

marfat.com

الموطا انه یری ذالك علیٰ طاقة الناس فان فیهم الثقیل والخفیف کذ اذکر القسطلانی"۔ ''اور ایک روایت امام مالک سے ہے کہ لوگ اول اقامت کے وقت کھڑے ہوں اور مؤطا میں ہے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ لوگوں کی طاقت پر ہے۔ اس لئے کہ نمازیوں میں بعض ثقیل ہوتے ہیں اور بعض خفیف تو سب کا حکم ایک نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں ذکر کیا''۔

(۶) علامہ زرقانی مالکی شرح مؤطا میں تحریر فرماتے ہیں: ''ومن ثم اختلف السلف فی ذالك فقال مالك رحمة الله علیه انی اریٰ ذالك علیٰ قدر طاقة الناس فان منهم الثقیل الخفیف ولا یستطیعون ان یکونوا کرجل واحد وذهب الاکثر الیٰ انهم اذا کان الامام معهم فی المسجد لم یقوموا حتی تفرغ الامامة واذا لم یکن فی المسجد لم یقوموا حتی یروه"۔ ''نماز میں کس وقت کھڑا ہونا چاہئے، چوں کہ اس کے متعلق کسی حدیث میں صاف حکم نہیں ہے۔ اسی لئے ائمہ سلف نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا۔ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اس کو لوگوں کی طاقت پر رکھتا ہوں۔ اس لئے کہ نمازیوں میں بعض بوجھل اور بعض ہلکے ہوتے ہیں تو وہ سب ایک شخص کی طرح نہیں ہو سکتے (سب کو ایک حکم نہیں دیا جا سکتا) اور اکثر علمائے لکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے اس وقت تک لوگ کھڑے نہ ہوں اور جب مسجد میں نہ ہو تو جب تک امام کو دیکھ نہ لیں کھڑے نہ ہوں''۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ امام مالک اور مالکیہ کے تین قول ہیں:

(۱) اصل مذہب اور قول امام مالک کا یہ ہے کہ اس بارے میں انہوں نے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس لئے ان کی ذاتی رائے ہے کہ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ ضعف وقوت کے اعتبار سے ہر ایک کو کھڑے ہونے کا اختیار ہے۔

(۲) ایک روایت امام مالک سے یہ ہے کہ ابتدائے اقامت ہی سے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ عام علمائے مالکیہ بموجب اسی ایک روایت کے اسی طرف گئے ہیں۔

(۳) اور اکثر علمائے مالکیہ کا یہ قول ہے کہ تکبیر ختم ہو جانے پر لوگ کھڑے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ: ائمہ مجتہدین کے چار قول اوپر گزرے اور پانچواں قول امام الائمہ، مالک الازمہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کے متبعین عام مسلمان ہند و پاکستان اور دنیا کے مسلمانوں میں تین حصے ہیں اور جن کے

marfat.com

مقلدین ہم سب لوگ ہیں، آئندہ مفصل ومدلل آتا ہے۔ لیکن شراح بخاری نے ایک روایت سعید بن المسیب اور عمر بن عبدالعزیز سے ذکر کی ہے اسے ذکر کردیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ: جب مؤذن اللہ اکبر کہے لوگ کھڑے ہو جائیں، اور جب حی علی الصلوٰۃ کہے صفوں کو برابر کریں اور جب لا الہ اللہ کہے تو امام تکبیر شروع کرے۔

عمدۃ القاری وفتح الباری شروح بخاری میں ہے: ''واللفظ للاول و عن سعید بن المسیب وعمر بن عبدالعزیز ''انه اذاقال المؤذن الله اکبر وجب القیام و اذقال حی علیٰ الصلوٰۃ اعتدلت الصفوف، واذاقال لااله الاالله کبرالامام''۔

لیکن ظاہر ہے کہ سعید بن المسیب یا عمر بن عبدالعزیز کوئی امام مجتہد صاحب مذہب نہیں کہ لوگ ان کے مقلد ہوں اور نہ اس قول کی تائید کسی حدیث سے ذکر کی۔ اس لئے اسکی حیثیت محض ایک ذاتی رائے کی ہے تو ائمہ کے اقوال، احادیث کے ارشاد کو چھوڑ کر اس کی آڑ پکڑ نا صرف اپنی بات کی پچ ہوگی۔ اسی وجہ سے علامہ عینی نے اس کو ذکر کر کے صاف فرمایا ہے۔

''وذهب عامة العلماء الیٰ انه یکبر حتیٰ یفرغ المؤذن من الاقامة''۔ ''اکثر علما کا مذہب یہ ہے کہ جب تک مؤذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے اللہ اکبر نہ کہے ۱۲م''۔

آخر مضمون کی تائید وتوکید، تصدیق وتوثیق علمائے عامہ کے قول سے فرمادی اور اللہ اکبر کہنے کے وقت قیام کرنا محض ان کی ذاتی رائے تھی۔ اس لئے اس کی تصدیق کسی عالم کے قول سے نہ فرمائی۔

قول پنجم: امام الائمہ، مالک الازمہ، امام اعظم، ہمام اقدم، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ کا ہے: جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت امام ومقتدی سب کھڑے ہوں۔

(۱) عینی شرح بخاری میں ہے: ''وقال ابو حنیفة و محمد یقومون فی الصف اذاقال حی علیٰ الصلوٰۃ''۔ ''امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے فرمایا کہ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت سب لوصف میں کھڑے ہو جائیں''۔

اور ایک روایت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ جب مؤذن ''حی علی الفلاح'' کہے، اس وقت کھڑے ہوں۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری میں ہے: ''عن ابی حنیفة یقومون اذاقال حی علیٰ الفلاح''۔ ''امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ جب مکبر حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں''۔

بعض علمانے قول اول کو راجح بتایا ہے اور بعض نے قول ثانی کو۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی

marfat.com

قدس سرہ العزیز نے ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق دی کہ دراصل یہ دو قول متعارض و متخالف نہیں ہیں۔ اس لئے چاہئے کہ حی علیٰ الصلوٰۃ کے اختتام اور حی علیٰ الفلاح کی ابتدا کے وقت کھڑے ہوں۔ تو ایک جماعت نے انتہا کا وقت بیان کیا اور دوسری جماعت نے ابتدا کا۔

(۳) فتاویٰ رضویہ میں ہے: ''ولا تعارض عندی بین قول الوقایة واتباعها یقومون عند حی علیٰ الصلوٰة والمحیط والمضمرات ومن معهما عند حی علیٰ الفلاح فانا اذا حملنا الاول علیٰ الانتهاء والآخر علیٰ الابتداء اتحد القولان ای یقومون حین یتم المؤذن "حی علیٰ الصلوٰة" ویاتی حی علیٰ الفلاح''۔ ''میرے نزدیک وقایہ اور ان کے متبعین کے قول ''یقومون عند حی علیٰ الصلوٰة''۔ '' (حی علیٰ الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں) اور محیط اور مضمرات اور ان دونوں کے ہم خیالوں کے قول عندحی الفلاح میں کوئی تعارض نہیں۔ اس لئے کہ ہم اول یعنی حی علیٰ الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہونے کو انتہا پر حمل کریں۔ یعنی جب حی علیٰ الصلوٰۃ کہہ لے اور دوسرے قول یعنی حی علیٰ الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہونے کو ابتدا پر محمول کریں تو دونوں قول متحد ہو جائیں''۔

آگے فرماتے ہیں: ''هذا مایعطیه قول المضمرات یقوم اذا بلغ المؤذن حی علیٰ الفلاح''۔ ''یہ تطبیق قول مضمرات سے سمجھی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا کھڑا ہو جب مؤذن حی علیٰ الفلاح پر پہونچے''۔

(۴) نووی شرح مسلم شریف میں ہے: ''قال ابو حنیفة رضی الله عنه والکوفیون یقومون فی الصف اذا قال حی علیٰ الصلوٰة''۔ ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور علمائے کوفہ نے فرمایا کہ مؤذن جب حی علیٰ الصلوٰۃ کہے اس وقت سب لوگ کھڑے ہوں''۔

(۵) قسطلانی میں ہے: ''و عن ابی حنیفه انه یقوم فی الصف عند حی علیٰ الصلوٰة''۔ ''امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ امام صف میں حی علیٰ الصلوہ کہنے کے وقت کھڑا ہو''۔

(۶) عون المعبود شرح ابوداؤد میں ہے: ''و عن ابی حنیفة یقومون اذا قال حی علیٰ الفلاح''۔ ''امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ سب لوگ حی اعلی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں''۔

(۷) بدائع الصنائع میں ہے: ''والجملة فیه ان المؤذن اذاقال حی علیٰ الفلاح فان کان معهم

فی المسجد یستحب للقوم ان یقوموا فی الصف"۔ "اس مسئلے میں مجمل کلام یہ ہے کہ مؤذن جس وقت حی علی الفلاح کہے اگر امام ان کے ساتھ مسجد میں موجود ہے تو قوم کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس وقت صف میں کھڑے ہوں"۔

(۸) تنویر الابصار میں ہے: "والقیام لامام وموتم حین قیل حی علیٰ الفلاح ان کان الامام بقرب المحراب"۔ "اگر امام محراب کے قریب موجود ہو تو امام اور مقتدیوں کے لئے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے جب حی الفلاح کہا جائے"۔

(۹) ردالمحتار میں علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "قوله حین قیل حی علیٰ الفلاح کذافی (۱۰) الکنز و (۱۱) نورالایضاح و (۱۲) الاصلاح و (۱۳) الظهیریة و (۱٤) البدائع وغیرها والذی فی الدرر متنا و (۱۵) شرحا عند الهیعلة الاولیٰ حین یقال حی علیٰ الصلوٰة ۔اه و عزاه الشیخ اسماعیل فی شرحه الیٰ (۱٦) عیون المذاهب و (۱۷) الفیض (۱۸) والوقایة و (۱۹) النقایه و (۲۰) الحاوی و (۲۱) المختار اه قلت واعتمدهٗ فی (۲۲) الملتقیٰ وحکیٰ الاول بقیل لکن نقل (۲۳) ابن الکمال تصحیح الاول ونص عبارته قال فی (۲٤) الذخیرة یقوم الامام والقوم اذاقال المؤذن حی علیٰ الفلاح عند علمائنا الثلثه"۔ "ماتن کا یہ قول کہ امام ومقتدی حی علیٰ الفلاح پر کھڑے ہوں۔ ایسا ہی کنز، نورالایضاح، اصلاح، ظہیریہ اور بدائع وغیرہ میں ہے۔ غرر اور اس کی شرح درر میں ہے کہ امام ومقتدی حی علیٰ الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں اور شیخ اسمٰعیل نے اس کو شرح میں عیون المذاہب، فیض، وقایہ، نقایہ حاوی اور مختار کی طرف منسوب کیا۔ میں کہتا ہوں اور اس پر متن ملتقیٰ میں اعتماد کیا اور اول کو قیل سے تعبیر کیا۔ لیکن علامہ ابن کمال نے پہلے قول کی تصحیح کی اور ان کی عبارت یہ ہے کہ ذخیرہ میں کہا: امام اور قوم حی علیٰ الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں۔ ہمارے تینوں امام، امام اعظم، امام ابویوسف، امام محمد کے نزدیک۔

(۲۵) مراقی الفلاح میں ہے: "ومن الادب (القیام) ای قیام القوم والامام ان کان حاضراً بقرب المحراب (حین قیل) ای وقت قول المقیم (حی علیٰ الفلاح) لانهٗ أمر به فیجاب"۔ "آداب ومستحبات نماز سے کھڑا ہونا امام اور قوم کا ہے، اگر امام محراب کے قریب موجود ہو جس وقت اقامت کہنے والا حی علیٰ الفلاح کہے، اس لئے کہ اس نے حکم کیا تو اس کی تعمیل کی جائے"۔

marfat.com

(۲۶) طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: ''و اذااخذالموذن فی الاقامۃ و دخل رجل فی المسجد فانہٗ یقعدو لاینتظر قائماً فانہ مکروہ کما فی (۲۷) المضمرات (۲۸) قہستانی، ویفھم منہ کراھۃ القیامہ ابتداء الاقامۃ و الناس عنہ غافلون''۔ ''جب مؤذن نے تکبیر شروع کی اور کوئی آدمی اس وقت مسجد میں آیا تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے کھڑے نماز کا انتظار نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے۔ قہستانی اور اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں''۔ یعنی مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے یا جان بوجھ کر بھی محض رسم ورواج کی وجہ سے ابتداہی سے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

(۲۹) ایضاح میں ہے: ''یقوم الامام والقوم عند حی علیٰ الفلاح''۔ ''امام اور مقتدی حی علیٰ الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں''۔

(۳۰) تبیین الحقائق میں ہے: ''قولہ والقیام حین قیل حی علیٰ الفلاح لانہ امربہ فیستحب المسارعۃ الیہ''۔ ''مستحب ہے کھڑا ہونا جس وقت مکبر حی علیٰ الفلاح کہے۔ اس لئے کہ مکبر نے اس کا حکم کیا تو اس کی طرف جلدی کرنا مستحب ہے''۔

(۳۱) فتح اللہ المعین حاشیہ شرح کنز ملامسکین میں ہے: ''(قولہ والقیام حین قیل حی علیٰ الفلاح) مسارعۃ لامتثال الامرھذا اذاکان الامام بقرب المحراب''۔ ''جبکہ مؤذن حی علیٰ الفلاح یہ کہے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے، امتثال امر کی جلدی کے لئے یہ حکم اس وقت ہے جب کہ امام محراب کے قریب موجود ہو''۔

(۳۲) بحرالرائق میں ہے: ''لانہٗ امربہ فیستحب المسارعۃ الیہ اطلقہٗ فشمل الامام و الماموم ان کان الامام بقرب المحراب''۔ ''جب مکبر حی علیٰ الفلاح کہے اس وقت امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا اس لئے مستحب ہے کہ مکبر نے اس کا حکم دیا تو اس کی تعمیل میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ اور ماتن نے اس کو مطلق رکھا تو امام اور مقتدی دونوں کو شامل ہے یہ حکم اس وقت ہے جب امام محراب کے قریب موجود ہو''۔

(۳۳) علامہ شرنبلالی حاشیہ دُررالحکام شرح غررالاحکام میں فرماتے ہیں: ''(قولہ والقیام عند الحیعلۃ الاولیٰ) اطلقہ فشمل الامام و لاماموم''۔ ''جب مؤذن حی علیٰ الصلوٰۃ کہے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے۔ ماتن نے اس کو مطلق رکھا تو یہ حکم امام ومقتدی دونوں کو شامل ہے''۔

marfat.com

(۳۴) مجمع الانہر میں ہے: ''واذاقال الموذن فی الاقامة حی علیٰ الصلوٰة قام الامام والجماعة عند علمائنا الثلثة'' ۔ ''جس وقت مؤذن تکبیر میں حی علیٰ الصلوٰۃ کہے، اس وقت ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک امام اور سب مقتدیوں کو کھڑا ہونا چاہئے''۔

(۳۵) محیط و (۳۶) ہندیہ میں ہے: ''یقوم الامام والقوم اذاقال الموذن حی علیٰ الفلاح عند علمائنا الثلثة وهوا الصحیح'' ۔ ''کھڑے ہوں امام اور سب مقتدی جب موذن حی علیٰ الفلاح کہے ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک اور یہی صحیح ہے''۔

(۳۷) جامع الرموز میں ہے: ''یقوم الامام والقوم عند حی علیٰ الصلوٰة ای قبیله لکن فی (۳۸) الاختیار اذاقال حی علیٰ الصلوٰة و فی (۳۹) الاصل وغیره: '' الاحب ان یقوموا فی الصف اذاقاله المؤذن'' ۔ ''اور امام ومقتدی حی علیٰ الصلوۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں یعنی اس سے کچھ پہلے لیکن اختیار میں ہے کہ جب حی علیٰ الصلوۃ کہے اور اصل وغیرہ میں ہے: محبوب ترین یہ ہے کہ لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حی علیٰ الصلوۃ کہے''۔

(۴۰) فتاویٰ بزازیہ میں ہے: ''دخل المسجد وهو یقیم یقعد ولا یقف قائماً'' ۔ ''کوئی شخص مسجد میں آیا اس حال میں کہ موذن تکبیر کہہ رہا ہے تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑا نہ ہو''۔

اس عبارت اور طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح کی عبارت سے (جو نمبر ۲۶ میں گذری) ہر ادنیٰ عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ آنے والا شخص جو کھڑا ہے، اس کو جائز نہیں کہ کھڑا کھڑا تکبیر سنے بلکہ اس کو حکم ہے کہ بیٹھ جائے اور حی علیٰ الفلاح پر کھڑا ہو تو بیٹھنے والے کو کب جائز ہوسکتا ہے کہ کھڑا ہو جائے اور کھڑے ہو کر تکبیر سنے مگر ہٹ اور ضد کا علاج شیخ الرئیس کے پاس بھی نہیں۔

(۴۱) علامہ شیخ شلبی حاشیہ تبیین الحقائق میں (۴۲) وجیز امام کردری سے اور وہ (۴۳) مبتغی سے نقل کرتے ہیں: ''قوله فی المتن والقیام ای قیام الامام والقوم قال فی الوجیز والسنة ان یقوم الامام والقوم اذاقال الموذن حی علیٰ الفلاح اه ومثله فی المبتغی'' ۔ ''متن میں جو والقیام فرمایا اس کے معنی امام اور قوم کا کھڑا ہونا ہے۔ وجیز میں میں فرمایا: سنت یہ ہے کہ امام اور قوم سب اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علیٰ الفلاح کہے ایسا ہی مبتغی میں ہے''۔

marfat.com

(۴۴) الدرر المنتقی شرح الملتقیٰ میں ہے: ’’اذا قال المقیم حی علیٰ الصلوٰۃ سیجی مافیہ قام الامام ان کان بقرب المحراب والجماعۃ مسارعۃ لامرہ‘‘ ۔’’جب مکبر حی علیٰ الصلوٰۃ کہے قریب ہے آئے گا جو کلام اس میں ہے تو اگر امام محراب کے قریب موجود ہو تو وہ اور سب مقتدی کھڑے ہوں، اس کے حکم تعمیل میں جلدی کریں‘‘۔

(۴۵) عینی شرح کنز میں ہے: ’’والخامس القیام ای قیام الامام والقوم حین قیل ای حین یقول المؤذن حی علیٰ الفلاح‘‘ ۔’’مستحبات میں سے پانچواں مستحب امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا ہے جس وقت موذن حی علیٰ الفلاح کہے‘‘۔

(۴۶) شرح الیاس میں ہے: ’’یقوم الامام والقوم للصلوٰۃ اذا قال الموذن حی علیٰ الفلاح‘‘ ۔’’امام ومقتدی نماز کے لئے اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علیٰ الفلاح کہے‘‘۔

(۴۷) مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے: ’’قال ائمتنا ویقوم الامام والقوم عندحی علیٰ الصلوٰۃ‘‘ ۔’’ہمارے اماموں نے فرمایا کہ امام اور سب مقتدی حی علیٰ الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں‘‘۔

(۴۸) مبسوط امام سرخسی میں ہے: ’’فان کان الامام مع القوم فی المسجد فانی احب الھم ان یقوموافی الصف اذاقال المؤذن حی علیٰ الفلاح‘‘ ۔’’پس اگر امام قوم کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں مستحب جانتا ہوں ان کے لئے کہ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علیٰ الفلاح کہے‘‘۔

(۴۹) موطا امام محمد باب تسویۃ الصف میں ہے: ’’قال محمد ینبغی للقوم اذاقال الموذن حی علیٰ الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰۃ فیصفوا ویسووا الصفوف ویحاذوا بین المناکب فاذااقام الموذن الصلوٰۃ کبرالامام وھوقول ابی حنیفۃ‘‘ ۔’’امام محمد نے فرمایا مقتدیوں کو چاہئے کہ جس وقت موذن حی علیٰ الفلاح کہے، نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں تو صف باندھیں اور صفوں کو درست کریں۔ مونڈھے سے مونڈھے ملا کر کھڑے ہوں اور موذن جب اقامت کہہ لے تو امام تکبیر کہے اور یہی قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے‘‘۔

یہیں سے معلوم ہوا کہ جو لوگ تسویہ صفوف کا بے معنی عذر کرتے ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ہی اس کا فیصلہ فرما دیا اور بتا دیا کہ حی علیٰ الفلاح کے وقت کھڑا ہونا تسویہ صفوف کے منافی نہیں۔ آخر مغرب، عشا، ظہر، عصر کی نمازوں میں دوسری رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کیا پھر صف درست کرنے کی ضرورت ہوتی

marfat.com

ہے۔ ہرگز نہیں اسی طرح اگر نمازی حضرات آتے ہی صف درست کر کے بیٹھیں تو جس وقت کھڑے ہوں گے صف درست رہے گی۔ مسجدوں میں جانماز (صفیں) اسی لئے بچھائی جاتی ہیں کہ جیسے جیسے نمازی آتے جائیں ٹھکانے سے بیٹھتے جائیں تاکہ جب کھڑے ہوں صف درست شدہ رہے۔ اردو محاورہ میں گھاس کی جاءنماز کو اس لئے صف کہا کرتے ہیں کہ اس سے صف کی درستی کا کام لیا جاتا ہے۔ اب اگر لوگ آکر باقاعدہ نہ بیٹھا کریں تو اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، نہ کہ اس حیلے سے دوسرے مستحب کام کو جس کو بعض علمانے سنت بھی فرمایا ہے کما مرّعن الوجیز، اس کو ترک کر کے مرتکب کراہت کے ہوں۔ ولو فرضنا صفیں درست نہیں ہوتیں تو امام محمد نے صاف تصریح فرمادی کہ جب مکبر حی علی الفلاح کہے اس وقت سب کھڑے ہوں اور صفیں درست کرلیں اور یہ نہ صرف ان کا قول ہے بلکہ فرماتے ہیں ''وھو قول ابی حنیفة'' اسی طرح صاف اور صریح روایت کتاب الآثار میں بھی ہے۔

''قال اخبرنا ابو حنیفة قال حدثنا طلحة بن مطرف عن ابراھیم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ینبغی للقوم ان یقوموا فیصفوا اقاا، محمد وبہ ناخذ وھو قول ابی حنیفة''۔ ''امام محمد فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابوحنیفہ نے خبر دی۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے طلحہ بن مطرف نے حدیث بیان کی، وہ ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ جب موذن حی علی الفلاح کہے تو لوگوں کو چاہئے کہ کھڑے ہوجائیں پس صف درست کریں۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے''۔

امام محمد کے الفاظ دونوں حدیثوں میں ینبغی ہیں اور ہر علم والا جانتا ہے کہ لفظ ینبغی متاخرین کے محاورہ وعرف میں مندوبات میں زیادہ استعمال ہوتا ہے اور متقدمین کے محاورہ وعرف میں اس کا استعمال عام ہے جو واجب تک کو شامل ہے۔

ردالمحتار، حواشی اشباہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: ''لفظ ینبغی فی عرف المتاخرین غلب استعمالہٗ فی المندوبات واما فی عرف القدماء فاستعمالہٗ فی عام حتی یشمل الواجب ایضا''۔ ''(متاخرین کے عرف میں لفظ ینبغی (چاہئے، مناسب ہے) کا استعمال زیادہ تر مندوب اور پسندیدہ کاموں کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن متقدمین کے عرف میں اس لفظ کا استعمال اس سے عام معنی کے لئے ہے یہاں تک کہ یہ واجب کو بھی شامل ہے ۱۲م)''۔

marfat.com

بالجملہ پچاس کتب دینیہ کی روشن تصریحات سے یہ مسئلہ ثابت ومدلل ہوگیا کہ جس وقت امام مسجد میں محراب کے قریب موجود ہو اور مکبر غیر امام ہو، اس وقت امام ومقتدی سب کو چاہئے کہ جس وقت مکبر حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں۔ یہی مسئلہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کا ہے۔ پس حنفیوں کو چاہئے کہ اسی پر عمل کریں اور جو شخص اس مسئلہ میں اختلاف کرے تو اگر وہ خود عالم ہے تو اس کو چاہئے کہ پچاس کتابوں کے مقابلہ میں سو ورنہ ساٹھ ہی کتب فقہ سے ایسا ہی واضح طور پر ثابت کردے کہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک موذن جس وقت تکبیر شروع کرے، اسی وقت امام اور مقتدی سب کو کھڑا ہونا چاہئے یا جس وقت مؤذن تکبیر شروع کرے، اس وقت امام ومقتدی کو بیٹھا رہنا مکروہ ہے۔ اور اگر مخالفت کرنے والا عامی ہے تو اس کو بمضمون ع ایاز قدر خود بشناس، دینی مسئلہ میں ٹانگ اڑانے سے بچنا چاہئے اور اگر رسم ورواج اسے مخالفت پر مجبور کرتے ہیں تو اس کو چاہئے کہ پہلے ہندوستان وپاکستان یا سارے جہان سے جہاں سے ہوسکے، مستند علمائے دین کے فتاویٰ منگالے جن میں کم از کم پچاس ہی کتابوں سے حنفیہ کے نزدیک تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہونے کا حکم ہو یا بیٹھے رہنے کی کراہت مدلل ہو اور اسی کو ائمہ ثلاثہ کا مذہب بتایا ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کرسکتے اور ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ ہرگز کوئی ایسا فتویٰ نہیں پیش کرسکتا تو دینی مسئلہ کے مقابل نفسانیت اور ہٹ دھرمی دکھانا دین دار مسلمان کا کام نہیں۔

(۲) بعض حضرات اپنی بات بنانے کو کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ لوگوں نے نیا نکالا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی صحابی یا تابعی سے ضرور منقول ہوتا۔ تو جو مسئلہ ائمہ کرام ثلاثہ امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد سے منقول ہو وہ نیا مسئلہ کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد اگر تبع تابعین سے ہیں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تابعی ہونے میں تو کوئی کلام نہیں۔ کتاب الآثار میں یہ حدیث بسند متصل حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ امام محمد نے مؤطا شریف میں فرمایا "بہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ" پھر یہ مسئلہ نیا ہوا یا حنفی ہوکر ائمہ ثلاثہ کے خلاف کرنا نئی بات ہے؟ امام صاحب کے علاوہ ہشام بن عروہ جو جلیل القدر تابعی ہیں، وہ بھی شروع تکبیر سے قیام کو مکروہ جانتے ہیں کما مر عن المصنف۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی تو حی علی الفلاح کے بھی بعد قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوتے تھے۔ کما مر عن العینی وفتح الباری۔ بلکہ امام سرخسی نے مبسوط میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی جو دلیل بیان کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ختم تکبیر پر کھڑے ہوتے تھے۔

marfat.com

''ونص عبارته هكذا'' وابويوسف احتج بحديث عمر رضى الله عنه فانه بعد فراغ المؤذن من الاقامة كان يقوم فى المحراب''۔ ''امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ وہ موذن کی اقامت سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے''۔

(۳) بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ ازروئے حدیث شریف امام مالک رحمہ اللہ اور عام علما کے مسلک کو ترجیح ہے۔ یہ ان کا خیال ہی خیال ہے۔ اگراس دورِ آزادی میں کہ ہندوستان آزاد ہو چکا ہے، ہر شخص کو آزادی ہے جو چاہے خیال رکھے۔ لیکن یہ تو ''مدعی ست گواہ چست'' کی مثل ہے۔ امام مالک خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی۔ كما مرّ عن عون المعبود وفتح البارى قال مالك فى الموطا: لم اسمع فى قيام الناس حين تقام الصلوة بحد محدود۔ ''امام مالک نے مؤطا میں فرمایا کہ نماز میں لوگ کس وقت کھڑے ہوں، اس کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی''۔ اس لئے وہ اپنی ذاتی رائے یہ لکھتے ہیں: ''الا انى ارىٰ ذالك علىٰ طاقة الناس''۔ ''لیکن میری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ لوگوں کی طاقت پر ہے''۔

اور یہی وجہ ہے کہ ائمۂ مالکیہ میں اختلاف ہوا۔ اکثر علمائے مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہولے، لوگ کھڑے نہ ہوں اور عام علمائے مالکیہ امام مالک سے ایک روایت کے مطابق ابتدائے اقامت سے کھڑے ہونے کو مستحب جانتے ہیں۔ لیکن اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں کہ ''عن'' کرکے مذہب بیان نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے لئے قال یاذهب یامذهب فلان یاعند فلان کے الفاظ لاتے ہیں اور اگر کوئی ایک روایت ہو تو اس کو عن سے تعبیر کرتے ہیں۔

مقدمہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: ''الفرق بين 'عنده' وعنه ان الاول دال علىٰ المذهب والثانى علىٰ الرواية۔ فاذاقالوا ''هذاعندا بى حنيفة'' دل ذلك علىٰ انه مذهبه واذاقالوا ''وعنه كذا'' دل علىٰ انه رواية عنه''۔ ''عندہٗ اور عنہ میں فرق یہ ہے کہ عندہ مذہب پر دلالت کرتا ہے اور عنہ ایک روایت پر تو جس وقت علما کہیں ''هذا عن ابى حنيفة'' اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ ان کا مذہب ہے اور جب کہیں 'وعنہ کذا' تو معلوم ہوگا کہ ان سے یہ ایک روایت ہے''۔

تو ایسی حالت میں اولاً یہ خیال کرنا کہ ازروئے حدیث شریف امام مالک رحمہ اللہ اور مام علما کے مسلک کو

marfat.com

ترجیح ہے' محض غلط ہے۔

ثانیاً عام علما کے مسلک کو امام مالک کا مسلک بتانا بھی غلط۔

ثالثاً اس کو از روئے حدیث شریف مرجح ماننا بھی غلط۔

رابعاً ایسا کہنا ''مدعی ست گوہ چست'' کا مصداق بنتا ہے۔

خامساً اپنے کو امام مالک سے بھی اعلم بالحدیث ہونے کا اشعار ہے۔ اگرچہ امام مالک فرماتے ہیں مجھے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں معلوم، لیکن مجھ کو حدیث معلوم ہے، اس کے رو سے امام مالک کے مذہب کو ترجیح ہے۔

سادساً بخاری شریف کی حدیث ''لاتقوموا حتیٰ ترونی'' سے استدلال کرنا اور لکھنا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اقامت شروع ہونے کے بعد کھڑا ہونے سے ممانعت کی وجہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (امام) کی مسجد میں عدم موجودگی ہے۔ پس اگر ابتدائے اقامت کے وقت آپ موجود ہوں تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں ہے۔ یہ بھی نرا اجتہاد ہی اجتہاد اور ائمۂ مجتہدین فقہا و محدثین سب کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ مجتہدین کا اختلاف اسی صورت میں ہے کہ امام مسجد میں موجود ہو اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو اس کا مفصل حکم شکل سوم و چہارم میں گزرا۔ اس میں اختلاف ہی نہیں۔

عینی شرح بخاری میں ہے: ''قال ابو حنیفة ومحمد یقومون فی الصف اذاقال حی علیٰ الصلوٰۃ فاذاقال قد قامت الصلوٰۃ کبّر الامام لانهٗ امین الشرع وقد اخبر بقیامها فیجب تصدیقهٗ واذالم یکن الامام فی المسجد فذهب الجمهور الیٰ انهم لا یقومون حتیٰ یروه''۔ ''امام اعظم اور امام محمد نے فرمایا کہ سب لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علیٰ الصلوٰۃ کہے اور جب قد قامت الصلوٰۃ کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہے۔ اس لئے کہ وہ شرع کا امانت دار ہے اور اس نے قیام نماز کی خبر دی تو اس کی تصدیق ضروری ہے اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو جمہور علما اس طرف گئے ہیں کہ لوگ نہ کھڑے ہوں جب تک امام کو دیکھ نہ لیں''۔

اسی کو بدائع میں فرمایا: ''والجملة فیه ان الموذن اذاقال حی علیٰ الفلاح فان کان الامام معهم فی المسجد یستحب للقوم ان یقوموا فی الصف''۔ ''اور خلاصۂ کلام اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جب مؤذن ''حی علیٰ الفلاح'' کہے تو اگر امام ان کے ساتھ مسجد میں موجود ہو تو قوم کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس وقت کھڑے ہوں''۔

marfat.com

تنویر الابصار وغیرہ کی عبارت اوپر گزری: ''والقیام لامام ومؤتم حین قبل حی علی الفلاح ان کان الامام بقرب المحراب''۔ ''مستحب ہے امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا جب ''حی علی الفلاح'' کہا جائے اگر امام محراب کے قریب موجود ہو''۔

عون المعبود وفتح الباری میں ہے: ''وذہب الاکثرون الیٰ انہم اذا کان الامام معہم فی المسجد لم یقوموا حتی تفرغ الاقامۃ''۔ ''اکثر علما اس امر کی طرف گئے ہیں کہ اگر امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہو تو مقتدی سب نہیں کھڑے ہوں گے جب تک اقامت سے فراغت نہ ہو جائے۔

للہ انصاف! کیسی کھلی ہوئی تصریح ہے کہ امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہے تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں اور آپ فرماتے ہیں ''اگر ابتدائے اقامت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم (امام) موجود ہوں، تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں ہے۔

سابعاً امام کی موجودگی کی صورت میں ابتدائے اقامت سے مقتدیوں کے کھڑے ہو جانے کی دلیل میں اس کو پیش کرنا کہ اگر امام موجود ہو تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں، یہ بھی غلط۔ مانع نہیں تو دلیل نہیں۔ اصل ضرورت اس وقت قیام کی محرک اور مثبت کی ہے۔ نفی تو دلیل نہیں ہو سکتی۔

ثامناً یہ خیال کہ کوئی امر مانع نہیں، یہ بھی غلط ہے۔ مانع ہے اور زبردست مانع ہے۔

بدائع میں ہے: ''انا نمنعہم عن القیام کیلا یلغو قولہٗ حی علی الفلاح لان من وجدت منہ المبادرۃ الیٰ شیٔ فدعائہ الیہ بعد تحصیلہ ایاہ لغو من الکلام''۔ ''ہم حی علی الفلاح کہنے کے قبل کھڑے ہونے سے اس لئے منع کرتے ہیں کہ جس شخص سے کسی امر کی طرف مبادرت ومسابقت ہو چکی ہو، اب اس کو اس شیٔ کی طرف بلانا ایک لغو کلام ہے''۔

مکبر حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کہہ کر نمازیوں کو بلاتا ہے کہ آؤ طرف نماز کے، آؤ طرف فلاح وبہبود کے تو چاہئے کہ اس کی تعمیل میں لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اگر وہ لوگ پہلے ہی سے کھڑے ہو چکے ہوں تو یہ کہنا بالکل لغو اور بے معنی ہوگا۔ تو کیا لغو کام سے بچانا زبردست مانع نہیں؟

تاسعاً اس کو دوسری حدیث مسلم شریف ''عن ابی ھریرۃ ان الصلوٰۃ کانت تقام لرسول اللہ صلی

marfat.com

الله علیه و سلم فیاخذ الناس مصافهم قبل ان یقوم رسول الله صلی الله علیه و سلم مقامه" سے بالکل عیاں ماننا طرفہ تماشا ہے۔

امام نووی، امام عینی، امام ابن حجر، شرح مسلم، عمدۃ القاری، فتح الباری میں فرماتے ہیں:"و قولهٗ فی روایة ابی هریرة رضی الله عنه فیاخذ الناس مصافهم قبل خروجه لعله کان مرة اومرتین و نحو هما لبیان الجواز اولعذر ولعل قوله صلی الله علیه و سلم فلا تقوموا حتی ترونی کان بعد ذلك"۔"حضرت ابو ہریرہ کا یہ فرمانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور اپنی جگہ پر کھڑے ہو جانے سے پہلے ہی صحابہ کرام اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے لیتے تھے (تو یہ حدیث بظاہر حدیث ابوقتادہ کے مخالف معلوم ہوتی ہے تو یہ سب ائمہ محدثین، شراح بخاری و مسلم اس کا جواب دیتے ہیں کہ) شاید ایک یا دو مرتبہ کبھی ایسا ہوا ہو، وہ بھی صرف بیان جواز کے لئے (یعنی اگر ایسا بھی کوئی کرلے تو جائز ہے اور دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ) لوگ پہلے ایسا کرتے تھے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کو اس سے منع فرمادیا کہ میرے آنے سے قبل مت کھڑے ہو جایا کرو"۔ تیسرا جواب اس کا یہ ہے کہ ایسا بھی کسی عذر کی وجہ سے ہوا ہوگا۔

چوتھا جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث میں"یاخذ الناس مصافهم" ہے یعنی صحابہ کرام اپنی اپنی جگہ لے لیتے تھے یعنی اپنی اپنی جگہ جا کر بیٹھ جاتے تھے۔ حدیث"فیقوم الناس مصافهم" تو ہے نہیں، جس سے استدلال کیا جا سکے اور بالکل عیاں کہا جا سکے۔

عاشراً یہ خیال کہ سب سے زیادہ واضح طور پر اس مضمون"ابتدائے اقامت کے وقت کھڑا ہونا" کی تائید ابن شہاب کی حدیث سے ہوتی ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر نہیں آتے جب تک صفیں درست نہ ہو جاتیں، صریح دھوکہ ہے۔ یہ تو ابن شہاب زہری سے ایک روایت ہے۔ ابن شہاب کون ہیں، اہل علم سے مخفی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو تو صحابہ بیان کر سکتے ہیں، نہ کہ تابعی اور وہ بھی صغیر۔ تو یہ حدیث منقطع ہوئی، اور اگر تابعی کے قول سے سند لینا ہے تو ہشام ابن عروہ جو جلیل القدر تابعی ہیں، ان کی بات کیوں پس پشت ڈالی جائے۔ حضرت ابراہیم نخعی سے کیوں نہ استدلال کیا جائے اور جب تابعی سے سند لانا ہے تو صحابہ کرام تو ان سے اہم واقدم ہیں اور وہ بھی صرف زیارت کر کے گھر چلے

marfat.com

جانے والے یا دو چار دن خدمت اقدس میں رہنے والے نہیں بلکہ پورے دس سال خدمت اقدس میں بسر کرنے والے، سفر وحضر میں ہر وقت ساتھ رہنے والے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کیوں نہ استدلال کیا جائے جن کا عمل قول دوم بیانِ مذہب امام احمد میں نووی، عینی، فتح الباری سے گزرا: ''و کان انس رضی اللہ عنہ یقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ وبہ قال احمد''۔ ''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور امام احمد اسی کے قائل ہیں''۔

بلکہ ان سے بھی بڑھ کر اشداء علی الکفار رحماء بینھم، قوت وشوکت اسلام خلیفۂ دوم حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو کیوں ساقط النظر ٹھہرایا جائے جن کا عمل مبارک علامہ سرخسی نے مبسوط میں ضمن دلیل امام ابو یوسف رحمہ اللہ بیان فرمایا: ''وابو یوسف احتج بحدیث عمر رضی اللہ عنہ فانہ بعد فراغ المؤذن من الاقامۃ کان یقوم المحراب''۔ ''امام ابو یوسف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل لائے کہ وہ مؤذن کی اقامت سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے''۔

غرض کتب حدیث وشروح حدیث وکتب متون وشروح وحواشی وفتاوی فقہیہ سے روز روشن کی طرح یہ مسئلہ واضح ہے کہ جماعت کی نماز میں امام ومقتدی سب کو اس وقت کھڑا ہونا چاہئے جب مؤذن تکبیر میں حی علی الفلاح کہے۔ واللہ الھادی وھو الموفق واللہ تعالی اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ ثانیہ از میرٹھ

سجدہ میں جاتے وقت پیشتر ہاتھ زمین پر ٹیکنا چاہئے یا گھٹنے پر؟ اور سجدہ سے اٹھتے وقت اول گھٹنا اٹھانا چاہئے یا ہاتھ۔؟ غیر مقلدین سجدہ میں پیشتر قیام سے جاتے ہوئے زمین پر ہاتھ لگاتے ہیں پھر گھٹنے۔ اور سجدہ سے اٹھتے وقت اول گھٹنے اٹھاتے ہیں از اں بعد ہاتھ۔ اور اپنے پیروں کے درمیان کشادہ رکھتے ہیں اور جانبین داہنے بائیں مقتدیان کا باہمی یکے بعد دیگرے پیر سے ملانا کس طرح آیا ہے؟ پس ہم گذارش رکھ کر امر واضح ہونے کے طالب ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اپنے ہر دو پائے مبارک نماز میں کس قدر فاصلہ سے رکھتے تھے اور صحابہ کرام کا جماعت میں مونڈھے سے مونڈھا ملانا ثابت ہے یا پیر سے پیر؟ اور نماز میں داہنے پیر کا انگوٹھا ہلا جانا وغیرہ۔ حرکات محررہ بالا اگر کوئی حنفی اختیار کرے تو اس کی نماز کیسی رہے گی؟ غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ آیا مقلد کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

marfat.com

الجواب

سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے پھر ہاتھ بعدہٗ ناک اس کے بعد پیشانی زمین پر رکھے اور اٹھتے وقت برعکس اس کے یعنی پیشانی اٹھائے اس کے بعد ناک بعدہٗ ہاتھ پھر گھٹنے۔

مسند امام الائمہ سراج الامۃ میں ہے: "ابو حنیفة عن عاصم عن ابیه عن وائل بن حجر رضی الله تعالیٰ عنه قال کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا سجد وضع رکبتیه قبل یدیه واذا قام برفع یدیه قبل رُکبتیه۔"

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو پہلے ہاتھ پھر گھٹنے زمین پر رکھتے اور جب اٹھتے تو پہلے ہاتھ پھر گھٹنے اٹھالیتے"۔ اخرجه الطحاوی والاربعة وقال الترمذی حدیث حسن وصححه ابن خزیمة وابن حبان۔

اصلاح ومنیہ وکنز الدقائق میں ہے: "ویسجد فیضع رکبتیه اولا ثم یدیه ثم وجهه بین کفیه ویدیه حذاء اذنیه ویرفع راسه اولا ثم یدیه ثم رکبتیه هکذا فی الصغیری والغنیة شرح المنیة وتبیین الحقائق۔"

پھر ہندیہ میں ہے: "قالوا اذا اراد السجود یضع اولا ما کان اقرب الی الارض فیضع رکبتیه اولا ثم یدیه ثم انفه ثم جبهته واذا اراد الرفع یرفع اولا جبهته ثم انفه ثم یدیه ثم رکبتیه هکذا فی الطحطاوی والدر المختار وغیرهما من معتمدات الاسفار۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذا سجد احدکم فلیبدء برکبتیه ولا یبرك بروك الفحل۔"

"تم میں کوئی شخص سجدہ کرے تو چاہئے کہ پہلے گھٹنے کو رکھے اور اونٹ کی نشست نہ بیٹھے"۔

امام ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کے بارے میں سوال ہوا، جو سجدے میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھے پھر پاؤں؟۔ فرمایا" او یصنع ذٰلك الا احمق ومجنون۔ کیا ایسا کوئی کرتا ہے سوا بے وقوف اور پاگل کے۔

نماز کے اندر پاؤں میں فاصلہ چار انگل ہونا چاہئے۔ خلاصہ میں ہے: "وینبغی ان یکون بین قدمیه قدر اربع اصابع فی قیامه۔ هکذا فی مراقی الفلاح۔"

نماز میں حکم مونڈھے ملانے کا ہے نہ پاؤں ملانے کا۔ سجدہ میں اگر پاؤں بالکل اٹھے ہیں تو مفسد نماز ہے:

غنیہ پھر عالمگیری میں ہے: ولو سجد ولم یضع قدمیه علی الارض لا یجوز۔"

ہدایہ میں فرمایا: "واما وضع القدمین فقد ذکر القدوری انه فریضة فی السجود کذا فی مجمع الانهر معزیا الی التبیین واختاره الفقیه ابو اللیث وصححه فی العیون کما فی البحر۔"

ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رصوا صفوفکم وقاربوا بینهما وحاذوا بالاعناق۔ "گھنی کرو اپنی صفوف کو کہ باہم دو شخصوں میں فاصلہ نہ رہے اور صفیں نزدیک نزدیک باندھو کہ دو صفوں میں حاجت سے زیادہ فاصلہ نہ ہو اور محاذات میں رکھو گردنوں کو"۔

ابوداؤد اور نسائی حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

marfat.com

"رصوا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل۔"
محض انگوٹھا ہل جانا یا انگلیوں کو حرکت دینا مفسد نماز نہیں، مکروہ ہے۔

فتاویٰ اسعدیہ سیدنا اسعد المدنی الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے: "(سوال) رجل هو فى الصلوٰة يصلى ويرفع احدىٰ رجليه وتارة يرفع اصابع رجليه هل يجوز الاقتداء به ام لا افتونا؟ (جواب) اذا رفع رجله ثلث مرات متتابعات تفسد صلاته وصلاة القوم والا فلا واما حركة الاصابع مع اثبات الرجل فلا تفسد به الصلوٰة واما الكراهة فظاهرة والحالة هذه اه۔" غیر مقلدوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، فرض سر پر رہتا ہے۔ وقد فصله مجدد المائة الحاضرة فى "النهى الاكيد عن الصلوٰة وراء عدى التقليد۔" واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی محلہ خواجہ قطب مرسلہ فخر الدین محصل مداری دروازہ ۲۵ جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں جہاں امام نماز کھڑا ہو کر پڑھتا ہے اگر وہ پانچ انگل بلند ہو تو نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر اس پر نماز جائز نہیں تو اس کے نیچے کھڑا ہو اور اس پر سجدہ کرے تو کچھ قباحت ہے یا نہیں؟ اور دہلیز کا کیا حکم ہے؟ آیا دہلیز کا حکم محراب کا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ صورت مکروہ ہے۔ لمشابهة اليهود فانهم يجعلون لامامهم دكانا والاصح ان لا تقدير بل كلما يقع به الامتياز يكره كما فى الدر۔

اور اگر اسے دور کریں تو امام اگر در میں کھڑا ہو تو یہ بھی مکروہ ہے۔ بقول امامنا رضى الله عنه انى اكره للامام ان يقوم بين الساريتين كما فى المعراج۔

اور اگر صحن میں کھڑا ہو کر بلندی پر سجدہ کرے تو سخت مکروہ ہے یہاں تک کہ اگر بالشت بھر ہو تو نماز ہی نہ ہوگی کما فی الدر المختار وغیرہ۔

صحن میں صفوں کے لئے زیادہ وسعت چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ در کی کرسی بقدر سجدہ کھود کر طاق کے مثل بنائیں اور اتنا ٹکڑہ صحن سے ہموار کریں۔ امام صحن میں کھڑا ہو کر اس طاق پر سجدہ کرے، اب کوئی کراہت نہیں اور دہلیز میں کھڑا ہو کر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا القادری عفی عنہ بمحمد المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم۔

الجواب: پانچ انگل بلند ہو تو کچھ حرج نہیں۔ اس لئے کہ کراہت جب ہے کہ امام اکیلا دکان پر کھڑا ہو اور دکان کی مقدار ارتفاع میں مختلف اقوال ہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "ثم قدر الارتفاع قامة لا باس بما دونها ذكره الطحاوى وقيل انه مقدر بما يقع به الامتياز وقيل بمقدار الذراع اعتبارا بالسترة وعليه الاعتماد

کذا فی التبیین وفی غایة البیان ھو الصحیح کذا فی البحر الرائق انتھیٰ۔"
بلندی کا اندازہ قد ہے۔اس سے کم میں کچھ حرج نہیں۔امام طحاوی نے یوں کہا کہ جس انداز سے امتیاز ہو (اس قول کو مجیب نے نقل کیا)۔بعض یہ فرماتے ہیں کہ تین گز شرعی مقدار ہے جیسا کہ سترہ۔یہی معتبر ہے اور اس آخر قول پر اعتماد ہے۔یہ تبیین میں ہے اور غایۃ البیان میں ہے کہ یہ صحیح ہے۔ کذا فی البحر الرائق۔
اسی میں اور درمختار میں ہے: "اذا تعارض امامان معتبران غیر احدھما بالصحیح والآخر بالاصح فالاخذ بالصحیح اولیٰ" والله تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمد ابراھیم سنی حنفی چشتی رشیدی عفا الله عنہ بجاہ نبیہ صلی الله علیہ وسلم۔

جواب ثانی: جواب سید مولوی ابراہیم رشیدی محض غلط ہے اور دعویٰ محض بے دلیل اور عوام کے دھوکہ دہی کے لئے۔جو"اس لئے الخ" لکھا بھی،سو دعویٰ سے محض بے لگاؤ ہے۔فتاوی عالمگیریہ سے مقدار ارتفاع قامہ اور ذراع جو لکھا ہے یہ دونوں بوجہ مخالفت ظاہر الروایۃ غیر معتبر ہیں۔ظاہر الروایۃ (جس پر عمل وافتا متعین اور اس کے خلاف پر فتویٰ دینا جہل وخرق اجماع ہے) وہی ہے جو حضرت مجیب اول متع الله المسلمین بطول بقائه نے اختیار فرمائی ہے۔
ردالمحتار میں ہے: "قوله وقیل ما یقع به الامتیاز ھو ظاھر الروایة کما فی البدائع۔اقول ھکذا فی الطحطاوی والبحر الرائق۔"
طحطاوی میں ہے: "والروایة قد اختلفت فی المقدار والاخذ بظاھر الروایة اولیٰ۔"
بحرالرائق میں ہے: "فالحاصل ان التصحیح قد اختلفت فالاولیٰ العمل بظاھر الروایة واطلاق الحدیث۔"
اسی میں ہے: "الفتویٰ اذا اختلف كان الترجیح بظاھر الروایة۔"
بلکہ اس میں صاف تصریح فرمادی کہ ایسے موقع پر ظاہر الروایۃ کو ڈھونڈنا،اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے:"اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن الظاھر الروایة والرجوع الیھا بلکہ انفع الوسائل میں علامہ طرطوسی فرماتے ہیں: "المقلد لا یجوز له ان یحکم الا بما ھو ظاھر الروایة۔"
شرح عقود بلکہ باوجود وضوح وشیوع اس کے آپ جیسے تیزفہم کے لئے علما نے تصریح فرمادی کہ جب کبھی فتویٰ لکھنے بیٹھنا تو ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا۔کیونکہ اس کے خلاف پر افتا جہالت ونادانی وخرق اجماع ہے۔
بحرالرائق میں ہے:"ما خرج عن ظاھر الروایة فھو مرفوع عنه۔"
درمختار میں فرمایا: "وان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع فثبت ان الحکم والفتیا علی ما خرج عن ظاھر الروایة جھل وخرق للاجماع ولکن الوھابیة قوم لا یعقلون۔"
ثانیاً یہ امر مسلم ہے کہ اتباع اس روایت کا کیا جائے گا جس کے موافق درایت ہو۔اور احادیث ابی داؤد وحاکم

marfat.com

وابن حبان وغیرہم کی اس باب میں مطلق ہیں اور ظاہر الروایۃ قدر ممتاز ہے۔ پھر اس سے عدول فقاہت سے دور بلکہ کار جہول ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "لا ینبغی ان یعدل عن الدرایۃ ای الدلیل اذا وافقتها روایۃ اھ۔"

ثالثاً تصحیح اور فتویٰ جب مختلف ہو تو عمل میں اعتبار موافقت اطلاق متون کا ہوتا ہے اور متون سارے کے سارے یک زبان یہی کہہ رہے ہیں: "یکرہ ان یقوم فی مکان اعلیٰ من مقام القوم اذا لم یکن بعض القوم معہ۔" تو اس سے عدول محض جہالت ونادانی ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "اختلف التصحیح والفتویٰ کما رایت والعمل بما وافق اطلاق المتون الخ اہ" بلکہ بہت علما نے خلاف اطلاق بعض ترجیحات وافتا کو بھی نہ مانا۔

ردالمحتار باب فی البیر میں ہے: "مخالف لاطلاق المتون قاطبۃ فلا یعبئو بہ وان النی بہ ایضا کذا فی المحیط ھو الصحیح واخرہ البحر والمنح وتبعہ التنویر والدر لکن لا یعول علیہ لخلافہ اطلاق المتون الخ۔"

رابعاً بحر الرائق میں ثابت کہ مخالف ظاہر الروایۃ کا، مرجوع عنہ ہوتا ہے اور وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا کما فی الرد عن البحر ان ما خرج عن ظاہر الروایۃ فھو مرجوع عنہ وان المرجوع عنہ لیس قولا لہ۔

پھر باوجود ایماء حنفیت امام کے خلاف فتویٰ دینا، سواء مستثنیات خاصہ مصرحہ فتح وشامی وغیرہما کے، خلاف دیانت وعقل ہے۔ کما صرح فی التوشیح اذ ا رجع عنہ المجتہد لا یجوز الاخذ بہ۔

خامساً آپ کا فرمانا اذا تعارض اماما ن الخ۔ محرر صاحب! اولاً تو یہ مسئلہ ہی اختلافی ہے۔ جس درمختار سے آپ سند لائے، اس میں ہی مرقوم ہے: "وقال شیخنا الرملی فی فتاویہ وبعض اللفظ اکد من بعض (الیٰ ان قال) والاصح اکد من الصحیح۔"

ردالمحتار میں ہے: "قولہ اکد من بعض ای اقویٰ فتقدم علی غیرھا" "یعنی علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوی خیریہ لنفع البریہ میں فرمایا کہ علامات افتا کے بعض الفاظ بعض سے اقویٰ ہوتے ہیں جیسے اصح کہ اقویٰ ہے صحیح سے تو یہ صحیح پر مقدم کیا جائے گا"۔

شرح عقود میں علامہ شامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں: "وکذا لو صرح فی احداھما بالاصح وفی الاخریٰ بالصحیح فان الاولیٰ آکد من الصحیح اہ قد بینا معنی الآکد من الطحاوی۔"

سادساً ذرا یہ تو ارشاد ہو کہ یہاں صحیح اور اصح میں اختلاف کہاں؟ بلکہ اسی روایت کو بعض علماء نے اوجہ لکھا کما فی الدر۔ محقق علی الاطلاق ابن ہمام نے فتح القدیر میں وجیہ فرمایا، فافھم۔ صاحب یہاں تو ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ میں اختلاف ہے۔ جہاں ظاہر الروایۃ ہی پر افتا متعین جسے آپ نے پس پشت ڈال کر یا اپنے پرانے کی نقل بنا کر جہل اور خرق اجماع کی راہ لی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

marfat.com

جب آپ اعتقادیات میں اہل سنت کیا بلکہ اہل اسلام کے مخالف ہیں۔ اس شخص کے جس کے گلے میں علماء عرب وعجم نے تکفیر کی طوق ڈالی ہو، مرید مستفید تو پھر آپ کو ان مسائل میں جو فقہیہ ہیں، جو مابین ہمارے علماء کے مختلف فیہ ہو، قیل وقال کی کس عقلمند نے راہ بتائی؟ اگر اپنے زعم میں فقیہ ہو، کچھ تحریر کرنا چاہتے ہو، تو چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ کلمہ پڑھو، علمائے حرمین محترمین کے موافق اپنے عقاید بناؤ، تب ان باتوں میں پڑنا ورنہ ایسی ہی خرافات پر جمے رہو۔ ان اختلافی فرعیات میں بحث کرنا تو احمق نمبر۲ بننا ہے۔ جیسے کوئی قادیانی یا ہندو کسی سنی حنفی سے مناظر ہو اور کہے کہ آمین بالجہر کہنا چاہئے یا بالاخفاء؟ تو ہر ادنیٰ عقل والا بھی کہے گا کہ ارے او مسخرے! پہلے اسلام لا، سنی بن، پھر ان باتوں میں منہ کھولنا۔ اللہ تعالیٰ اصدق الصادقین کی تکذیب کریں، حضور اقدس افضل الناس واعلم الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کریں، ابلیس لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائیں اور فقہیات میں خامہ فرسائی کریں؟ اپنے کو پانچویں سواروں میں بتلائیں؟۔ ع شرم بادت از خدا و از رسول۔

ایسے جاہل مطلق جو آداب مفتی سے محض جاہل اور اس پر طرہ تحریر کا شوق کرے، تو اس سے فتاویٰ عالمگیریہ، اذا تعارض اماماں، در المختار، حررہ العبد محمد ابراهیم سنی حنفی چشتی رشیدی، لکھنے کی کیا شکایت؟ ان سب میں الف تو ہضم ہوا ہی تھا لام تو ٹیڑھی کھیر تھا مگر حافظ جی اسے بھی چٹ کر بیٹھے۔ بالجملہ جواب اول صحیح ہے اور تحریر ثانی غلط صریح، جہل قبیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کتبہ عبدہ العاصی الفقیر ظفر الدین احمد عفی عنہ بمحمد المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ نبی بخش صاحب محصل چندہ مدرسہ اشاعت العلوم بریلی ۱۲ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بعد تکبیر اولیٰ کے جماعت میں شریک ہوا اور امام نے قراءت شروع کر دی تو اس شخص کو سبحان (ثنا) پڑھنا چاہئے یا نہیں اور اگر پڑھے تو کس وقت پڑھے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

صلوٰۃ جہریہ میں جب امام نے قراءت شروع کر دی تو مقتدی ثنا نہ پڑھے بلکہ چپکا سنے۔ لان الاشتغال به يفوت عليه الاستماع والانصات وكلاهما فرض والثنا سنة فترك السنة هو المتعين دون ترك الفرض۔

منیہ میں ہے: "اذا ادرك الامام وهو يجهر يستمع وينصت" جب امام کو قراءت جہریہ کرتا ہوا پائے تو چپکا سنتا رہے۔

غنیۃ میں ہے: "لا ياتي به مطلقا لاطلاق النص" یعنی جب امام کو فاتحہ پڑھتا ہوا پائے تو مطلقاً ثنا نہ پڑھے بوجہ مطلق ہونے نص کے۔ "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔" (الاعراف: ۲۰۴) "اور جب قرآن پڑھا

marfat.com

جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو" (کنز الایمان)۔

حلیہ میں امام شمس الدین حلوائی سے ہے: "لا یاتی بالثناء فیما اذا ادرکہ فی حالۃ القیام فی الرکعۃ الاولیٰ" "ثنا نہ پڑھے جبکہ امام کو پہلی رکعت کے قیام میں پڑھتے پائے"۔

خزانۃ المفتیین میں ہے: "المسبوق اذا ادرک الامام فی القراءۃ التی یجھر بھا لا یاتی بالثناء وقد مر۔"

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "اذا ادرک الامام فی القرائۃ فی الرکعۃ التی یجھر بھا لا یاتی بالثناء کذا فی التبیین ھو الصحیح کذا فی التجنیس وھو الاصح ھکذا فی الوجیز للکردری۔" واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالحکیم صاحب مقام اکلہ رسول پور میرٹھ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں شکوک لاحقہ و مسائل مسئولہ ادامھم اللہ تعالیٰ فی اقام الدین و الشریعۃ غیر مقلدین وہابیہ سفر و حضر میں مدام نماز دو دو وقت میں ملا کر پڑھتے ہیں یعنی نماز ظہر دو بجے پڑھی تو اس کے ساتھ ہی نماز عصر پڑھتے ہیں وعلیٰ ہذا مغرب کے ساتھ ہی عشاء پڑھتے ہیں۔ آیا یہ کیسا ہے اور پیغمبر خدا نے عذراً یا بلا عذر، اول اسلام یا آخر عمر میں ایک بار یا ہمیشہ یہ عمل رکھا؟

الجواب

ظہرین عرفہ و عشائین مزدلفہ کے سوا دو نمازوں کا قصداً ایک وقت میں جمع کرنا سفراً و حضراً ہرگز کسی طرح جائز نہیں۔ قرآن عظیم اور احادیث صحاح حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ممانعت پر شاہد عدل ہیں۔ اور یہی مذہب صحابہ کرام سے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ و حضرت سعد بن ابی وقاص و حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت عبداللہ بن عمر فاروق و حضرت سیدتنا ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین سے خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز و امام سالم بن عبداللہ بن عمر و علقمہ بن قیس و اسود بن یزید و حسن بصری و ابن سیرین و ابراہیم نخعی و امام مکحول و جابر بن زید و عمرو بن دینار و حماد بن ابی سلیمٰن و امام اجل سراج الملۃ والدین امامنا الاعظم ابوحنیفہ اور یہی مذہب قاضی ابو یوسف و امام ابوعبداللہ محمد شیبانی و امام زفر و امام حسن بن زیاد و غیرھم تبع تابعین و ائمہ دین رحمۃ اللہ علیھم اجمعین کا ہے۔ ان لوگوں کا نماز ظہر دو بجے پڑھنا اور اس کے ساتھ ہی نماز عصر ملا دینا، کسی طرح جائز نہیں۔ اور اس صورت میں نماز عصر ضائع و ناکارہ رہ جائے گی۔ جیسے کوئی آدھی رات سے صبح کی نماز، پہروں چڑھے سے ظہر پڑھ رکھے، قطعاً نہ ہوگی۔ یونہی ظہر کے وقت عصر یا مغرب کے وقت عشا نبٹا لینے سے بھی نہ ہونا واجب۔ احادیث میں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے جمع منقول، اس میں صراحۃً جمع صوری (یعنی واقع میں ہر نماز اپنے وقت میں واقع ہو مگر ادا میں مل جائیں جیسے ظہر آخر وقت میں پڑھی کہ اس کے ختم پر وقت عصر آ گیا، اب ظہر آخر وقت، عصر اول وقت میں پڑھ لی تو دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت

marfat.com

یں ہوئیں اور فعلاً وصورۃً مل گئیں تو ایسا ملانا بعذر مرض وضرورت سفر بلاشبہ جائز ہے۔) مذکور یا مجمل ومحتمل جو اسی صریح مفصل، پر محمول۔ بالجملہ جمع بین الصلاتین یعنی دو نمازیں ملا کر پڑھنا، دو قسم ہے۔ صوری ومعنوی۔ اور ثانی بھی دو صورت پر مشتمل۔ جمع تقدیم کہ وقت کی نماز مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اس کے ساتھ ہی متصلا بلا فصل پچھلے وقت کی نماز عصر یا عشا پیشگی پڑھ لیں۔ اور جمع تاخیر کہ پہلی نماز مثلاً ظہر یا مغرب کو باوصف قدرت واختیار قصداً اٹھا رکھیں کہ جب اس کا وقت نکل جائے تب دوسری نماز کے ساتھ جمع کرکے پڑھیں۔ پچھلی صورت بحالت اختیار صرف حجاج کو صرف عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ میں جائز ہے۔ اول میں جمع تقدیم دوم میں جمع تاخیر۔ اور اول یعنی ہر نماز اپنے اپنے وقت پر ہو فقط صورتاً جمع ہو کہ پہلی اپنے وقت کے آخر اور دوسری اپنے وقت کے اول میں ہو، یہ بلاشبہ جائز ہے اور اب بھی مرض وسفر میں اس کی اجازت ہے۔

ردالمحتار میں ہے: ''للمسافر والمریض تاخیر المغرب للجمع بینهما وبین العشاء فعلا کما فی الحلیة وغیرها ان تصلی فی اخر وقتها والعشاء فی اول وقتها اه وهکذا تاخیر الظهر الی العصر بل هو اولی کما صرح به فی البحر الرائق۔''

کتاب الحج میں ہے: ''قال ابو حنیفة رحمه الله تعالیٰ الجمع بین الصلاتین فی السفر فی الظهر فی العصر والمغرب والعشاء سواء یوخر الظهر الیٰ اخر وقتها ثم یصلی ویعجل العصر فی اول وقتها فیصلی فی اول وقتها وکذلك المغرب والعشاء ویوخر المغرب الی اخر وقتها فیصلی قبل ان یغیب الشمس وذلك آخر وقتها ویصلی العشاء فی اول وقتها حین تغیب الشمس فهذا الجمع بینهما۔'' وقد فصل هذه المسئلة عالم اهل السنة مجدد المائة الحاضرة فی کتاب مستقل سماها "حاجز البحرین الواقی عن الجمع بین الصلوٰتین" فمن اراد الاطلاع علی ما فیها من الفوائد فلیطالعها والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از موضع کبھر یا ضلع پیلی بھیت مرسلہ فضل حسین ۲۵ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین محمدی اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ نماز جمعہ میں ہمیشہ امام اپنے برابر ایک صف جماعت کھڑی کرتا ہے۔ اور باوجود ہونے جگہ کے مسجد میں ہمیشہ برابر امام کے دونوں جانب یعنی داہنے بائیں صف کھڑا کرتا ہے اور اسی کو صف اول کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ یہ نماز ادا ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو کس طرح ہوئی؟۔ بینوا توجروا۔

راقم فضل حسین زمیندار۔

الجواب

صورت مسئولہ میں نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہے۔ کیونکہ مقتدی جب دو سے زیادہ ہوں تو امام کو آگے بڑھنا واجب ہے اور ترک واجب مکروہ تحریمی۔ اور جو نماز کہ کراہۃ تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے، اس کا لوٹانا واجب ہے۔

درمختار میں ہے:'' وکذا کل صلوٰۃ ادیت مع کراهة التحریم تجب اعادتها۔ اسی میں ہے: (

marfat.com

والزوائد) یصف (خلفه) فلو توسط اثنین کره تنزیها و تحریما او اکثر وصرح به الهدایة والکافی والبدایة والتبیین والفتح ومجمع الانهرو المستخلص وابو السعود" جتنی نمازیں اس طرح پر پڑھی ہیں، سب دہرائی جائیں اور اس کے بدلے چار رکعت ظہر ادا کی جائے۔ والمسئلة فی الدر المختار ورد المحتار وغیرهما من معتمدات الاسفار۔ والله تعالی اعلم وعلمه اتم واحکم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ نبی بخش سرائے خادم بریلی ۷ ربیع الثانی از تلہر ضلع شاہجہان پور ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ اگر امام نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، باقی دو رکعتوں میں مقتدیوں کو سورہ فاتحہ کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی آخر کی دو رکعتوں میں پڑھے، درمیان شرع شریف کے اور مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ہوگی یا نہیں؟ اور اگر امام مسافر کے پیچھے کوئی شخص التحیات میں شریک ہو تو وہ اپنی نماز کس طرح ادا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں موافق مذہب اصح، باقی دو رکعتوں میں فاتحہ نہ پڑھیں۔ صرف اتنی دیر خاموش کھڑے رہیں اور کسی نے پڑھی تو نماز ہو جائے گی، نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ بعض کا یہی مذہب ہے اگرچہ ضعیف ہے۔

ملتقی الابحر میں ہے: "واقتداء المقیم به (ای المسافر) صحیح فیهما ویقصر هو ویتم المقیم بلا قراءة فی الاصح۔" مقیم کی اقتداء مسافر کے لئے وقت، غیر وقت دونوں میں صحیح ہیں۔ مسافر قصر کرے اور مقیم بلا قرأت اپنی نماز تمام کرے۔

تنویر الابصار میں ہے: "وصح اقتداء المقیم بمسافر فی الوقت وبعده فاذا قام (المقیم) الی الاتمام لا یقرء فی الاصح۔"

غنیۃ شرح منیہ میں ہے: "ولو اقتدیٰ المقیم بالمسافر صح سواء کان فی الوقت او خارجه لعدم المانع فاذا صلیٰ المسافر رکعتین سلم ویقوم المقیم فیتم صلاته بغیر قراءة فی الاصح وقیل یتم بقراءة لانه منفرد۔"

فتاوی عالمگیریہ میں ہے: "وان صلیٰ المسافر بالمقیمین رکعتین سلم واتم المقیمون صلاتهم کذا فی الهدایة وصاروا منفردین المسبوق الا انهم لا یقرؤن فی الاصح هکذا فی الصغیری والتبیین والبحر وملا مسکین۔"

اور اگر امام مسافر کے پیچھے التحیات میں شریک ہو تو بعد سلام امام مثل سائر مسبوقین لاحق اپنی نماز ادا کرے۔ یعنی بعد سلام امام کھڑا ہو کر دو رکعتیں بلا قرأت بقدر فاتحہ محض سکوت کے ساتھ ادا کرے اور ان پر قعدہ کر کے دو رکعتیں مع قرأت پڑھے، جن میں تیسری کو سبحنك اللهم سے شروع کرے اور اگر عکس کیا یعنی بعد سلام امام پہلی دو رکعت با قراء

marfat.com

ت ادا کی پھر دو بسکوت تو مذہب مفتیٰ بہ پر نماز ہو جائے گی مگر گنہگار ہوگا۔

درمختار میں ہے: ”اللاحق من فاتته الركعات كلها او بعضها لكن بعد اقتدائه كمقيم ائتم بمسافر وحكمه كمؤتم فلا ياتي بقراءة ولا سهو ويبدء بقضاء ما فاته عكس المسبوق ثم ما سبق به بها ان كان مسبوقا ايضا ولو عكس صح واثم لترك الترتيب۔“

ردالمحتار میں ہے: ”قوله ما سبق به بها ثم صلى اللاحق ما سبق به بقراءة ان كان مسبوقا ايضا بان اقتدىٰ فى اثناء صلاة الامام ثم نام مثلاً وهذا بيان للقسم الرابع وهذا المسبوق اللاحق وحكمه ان يصلى اذا استيقظ مثلا ما نام فيه ثم يقضى ما فاته فلو عكس بان يبتدء بما سبق بما نام صح واثم اه ملتقطا“ (الدر المختار ملخصا على هامش رد المحتار ج ص ٥٩٤ الىٰ ٥٩٦۔) والله اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ گورکھپور متصل جامع مسجد مرسلہ مولوی عبدالقیوم صاحب ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص بہرا ہے اور کریہ الصوت اور دوسرا شخص بہرا نہیں یعنی حواس خمسہ اس کے صحیح ہیں اور نہ کریہ الصوت ہے بلکہ اس دوسرے شخص کی قراءت وتجوید بہ نسبت بہرے کے بہتر ہے تو بحالت مساوی اعلم ہونے کے ان دونوں آدمیوں میں شرعاً مرجح ولائق امامت کون ہو سکتا ہے؟

بينوا بالبراهين والكتاب توجروا يوم الحساب۔

الـــــجـــــواب

اگر اور باتوں میں وہ مساوی ہوں تو شخص ثانی احق بالامامۃ ہے۔

ہندیہ میں ہے: كل من كان اكمل فهو افضل لان المقصود كثرة الجماعة ورتبة الناس فيه اكثر هكذا فى التبيين۔ بالجملۃ غرض شارع کی تکثیر جماعت ہے تو چاہئے کہ احسن الصوت، کریہ الصوت پر مقدم کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحيح اور ایک وجہ فضیلت اسے اس پر یہ ہے کہ اگر امام سے غلطی واقع ہو اور مقتدی اس کی اصلاح کرے تو بہرے کو سننا مشکل ہوگا مگر دیگر امور اہم مثل صحت عقیدہ وغیرہ میں مساوات کے بعد اسے دیکھیں گے، كما اشار اليه المجيب سلمه الله تعالىٰ والله تعالىٰ اعلم۔ فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

☆☆☆☆☆

مسئلہ از موضع .... ڈاکخانہ کرتھا، ضلع گیا۔ ۲۱ رشوال ۱۳۳۱ھ

جناب مولانا! جواب سوالات ذیل بہ سند صحیح کتاب معتبر حنفی المذہب قول مفتیٰ بہ آگاہ فرمائیے۔

(۱) امامت ولد الحرام مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ نماز اس کے پیچھے جائز یا ناجائز اور امامت صحیح یا غیر صحیح؟

marfat.com

(۲) صحیح النسلوں میں ولد الحرام افقہ ہے، امامت کے لئے کون افضل ہوگا؟

(۳) امام نے ارکان نماز فرائض، واجبات وغیرہ بلا مفسدات مقام پر ادا کیا۔ جماعت میں مقتدی دو قسم کے ہیں۔ بعض اس کی امامت سے رضامند اور بعض ناخوش و بے زار۔ ان میں سے کس طبقے کی نماز صحیح ہوگی، امام کی نماز کی کیا حالت ہوگی بوجہ بیزاری قوم؟

(۴) حدیث ابوداؤد ''ولا یقبل اللہ صلوۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون'' کا کیا مطلب ہے؟ یہ حدیث صحیحین میں ہے یا نہیں؟ محل توارد حدیث، اصول جانچ و پرتال حدیث سے جس میں درآمد بھی داخل ہے، کیا حکم رکھتی ہے؟ قسم و مدارج حدیث قوی وضعیف عمل درآمد علمائے حنفی المذہب کا اس پر اعادہ امامت، رواۃ ورجال حدیث کے کل ثقہ و محفوظ ہیں یا بعض مجروح و مخدوش؟ یہ حدیث تہدیداً یا حکماً امام کے حق میں ہے یا اور کے؟ اور ''من تقدم قوما'' سے کیا مطلب؟ آیا امام نماز مراد ہے یا اور؟ اور ''کارھون'' سے کیا مطلب؟ کس چیز سے ناخوشی و کراہت؟

الجواب

(۱) امامت ولد الزنا جائز و صحیح، مکروہ بہ کراہت تنزیہی ہے۔

حدیث میں ہے: ''صلو اخلف کل برّو فاجر''۔

درمختار میں ہے: ''ویکرہ تنزیھا امامۃ عبد (الیٰ ان قال) وولدالزنا''۔

منحۃ الخالق حاشیۂ بحرالرائق شامی میں ہے: ''قال الرملی: ذکر الحلبی فی شرح منیۃ المصلی ان کراھۃ تقدیم الفاسق والمبتدع کراھۃ التحریم واماالعبدالاعرابی وولدالزنا والاعمیٰ فالکراھۃ فیھم دون الکراھۃ فیھما''۔

ہدایہ میں ہے: ''ویکرہ تقدیم العبد (الی ان قال) وولدالزنا وان تقدموا جازاہ مختصراً۔

مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں ہے: ''وکرہ امامۃ العبد والاعمیٰ والاعرابی وولدالزنا الجاھل فقط''۔

(۲) ولد الحرام جو افقہ ہو، اگر وہ محتقر میں نہیں، وہی امامت کے لئے افضل ہے۔ کیونکہ کراہت اس کی بے علمی عادی یا علیٰ اختلاف الاقوال نفرت حضار کی وجہ سے ہے۔

مراقی الفلاح میں بعد عبارت مسطورہ لکھا: ''الذی لاعلم عندہ ولا تقویٰ فلذا قیدہ مع ماقبلہ بقولہ: ''الجاھل'' اذ لو کان عالما تقیا لا تکرہ امامتہ لان الکراھۃ للنقائص''۔

حاشیۂ طحطاویہ میں ہے: ''فلو کان عندہ علم لاکراھۃ''۔

marfat.com

بحرالرائق میں ہے: ''وولدالزنا اذا کان افضل القوم فلا کراهة اذالم یکونا محتقرین بین الناس لعدم الکراهة'' فقط۔

(۳) نماز امام وہر دو قسم کے مقتدیوں کی صحیح ہے۔ البتہ کارہین کی کراہت امام کی کسی خرابی یا مقتدیوں کے احق بالامامت ہونے کی وجہ سے ہے تو ایسے شخص کو خود امام بننا مکروہ تحریمی ہے اور اگر وہ احق بالامامت ہے تو اصلاً کراہت نہیں بلکہ ایسے شخص کی امامت سے کراہت کرنا خود ہی مکروہ ہے۔

درمختار میں ہے: ولو ام قوما وهم کارهون ان الکراهة لفساد فیه او لانهم احق بالامامة منه کره له ذلك تحریما لحدیث ابی داؤد: " لایقبل الله صلوة من تقدم قوماً وهم له کارهون''، وان هو احق لا والکراهة علیهم''۔

(۴) یہ حدیث صحیحین میں حقیر کی نظر سے نہیں گذری بلکہ انہیں لفظوں سے سنن ابی داؤد وابن ماجہ میں حضرت عبداللہ عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند ضعیف مروی ہے۔ نیز ترمذی شریف میں ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے مروی ہے: ''فلانه لاتجاوز صلاتهم اذانهم العبد الآبق حتیٰ یرجع وامرأة بانت وزوجها علیها ساخط وامام قوم وهم له کارهون''۔ امام ترمذی نے فرمایا: ''حسن غریب''۔

نیز طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ان لفظوں سے روایت کیا: ''ایما رجل ام قوماً وهم له کارهون لم تجز صلاته''۔

نیز طبرانی شریف میں حضرت جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے مروی ہے: ''من ام قوما وهم له کارهون فان صلاته لا تتجاوز ترقوته''۔

نیز جمع الجوامع پھر کنزالعمال میں بروایت ابوعبید، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی: ''انه اتاه قوم برجل قالوا ان هذا یؤمنا ونحن له کارهون فقال له لخروط۔ أتؤم قوماً وهم لك کارهون''۔

نیز اس حدیث کو بیہقی وعراقی نے حضرت علی ابن ابی طالب اور اسود بن ہلال سے معنیً روایت کیا ہے۔ پس حدیث ابوداؤد اگرچہ ضعیف ہے مگر بوجہ تعدد طرق، جبر نقصان ہو کر لااقل حسن ٹھہرے گی۔ حدیث مذکور اگرچہ بظاہر تحریم ونفی قبول نماز پر دال ہے مگر علما سے بعض ظاہر پر حمل کر کے حرمت کی طرف گئے ہیں اور بعضوں نے تہدید پر حمل کر کے کراہت کا فتویٰ دیا ہے۔ مگر یہ کراہت اسی صورت میں ہے جب کراہت ونفرت کسی امر دینی وسبب شرعی کی وجہ سے ہو اور دنیوی خصومت یا نفسانیت کی وجہ سے کراہت کا اصلاً اعتبار نہیں بلکہ ایسا خیال خود ہی مذموم ہے، کما مر عن الدرالمختار۔

marfat.com

شرح جامع صغیر میں حدیث ترمذی نقل کر کے لکھا: "وھم لہ کارھون لمعنی مذموم عنہ شرعا لان الامامۃ شفاعت ولا یستشفع العبد الا من یحبہ"۔ "تقدم قوما" سے امام بننا اور نماز پڑھانے کو آگے بڑھنا مراد ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ملک پنجاب ضلع گجرانوالا مرسلہ محمد حیدر صاحب یکم جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔ اما بعد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جناب کے پاس ایک استفتا بہ نشان ذیل آیا ہوگا: "ضلع گجرانوالا تحصیل وزیرآباد موضع پیہرو کی ملک پنجاب"۔ وہ میرے واسطے ہی لکھا ہے۔ مجھ کو ہی کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز درست نہیں، یہ آمین بالجہر کرتا ہے ورفع یدین کرتا ہے وغیرہ وغیرہ اور ضاد کو مشابہ دال کے نہیں پڑھتا ہے۔ خالصاً لوجہ اللہ ونصحا لخلق اللہ ٹھیک لکھ دیجئے گا۔ مجھ کو ان لوگوں نے تنگ کر رکھا ہے۔ میرے پیچھے نماز جنازہ بھی نہیں پڑھتے۔ اگر استفتا نہیں آیا ہو تو براہ مہربانی اس کارڈ پر لکھ دیجئے گا کہ آیا جو شخص ضاد کو اپنے مخرج سے نکالے اور وہ مشابہ دال نہ پڑھے اور رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ کرے آیا ایسے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ جزاکم اللہ تعالیٰ عنا خیر الجزاء علاوہ اور علوم کے علم حدیث مولانا نذیر حسین صاحب سے پڑھی ہے۔ مفصل فتوئی ہو اور میرے حال پر رحم کیجئے گا۔ اطلاعاً گذارش کردی ہے۔

العاجز المدعو محمد حیدر علی عفی عنہ۔

الجواب

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ علی اھلھا فالسلام علی من اتبع الھدیٰ۔ ایک استفتا ضلع گجرانوالا سے ضرور آیا ہوا ہے۔ جس کا جواب بوجہ کثرت کار ومشاغل افکار اس وقت تک معرض تعویق میں رہا۔ آمین بالجہر ورفع یدین منکر تقلید سے ضرور آیت بدمذہبی ہے۔ جس کے کرنے والوں کو بسبب انکار تقلید ودیگر عقاید فاسدہ کے ہرگز حق امامت حاصل نہیں بلکہ اس کے پیچھے نماز ناجائز وگناہ اور اگر پڑھ لی تو واجب الاعادہ کہ مکروہ تحریمی ہوئی کہ ایسا شخص فاسق بالاعتقاد ہے اور امام بنانا تعظیم۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام

بلکہ بہتیرے وجوہ سے نماز محض باطل کما حققہ حضرۃ مجدد المائۃ الحاضرۃ فی الرسالۃ المبارکۃ "النھی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید۔" نیز مسئلہ ضاد کی تحقیق بھی اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے رسالہ "الجام الصاد عن سنن الضاد" میں فرمائی ہے، جس کے مطالعہ سے حق ظاہر ہو جائے گا۔ مولوی نذیر حسین صاحب بھی انہیں غیر مقلدین میں سے تھے۔ اگر آپ ان کے ہم عقیدہ ہیں تو ہرگز آپ کے پیچھے نماز درست نہیں۔ اور اگر آپ کو خاص ان مسائل میں اشتباہ ہے تو کتب فقہیہ کا مطالعہ کیجئے یا بندہ کے پاس تشریف لے آیئے۔ اور باوجود انکار تقلید شافعیت کی آڑ

marfat.com

تجر الیٰ غائۃ البوار و نہایۃ الخسار ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر مرسلہ .... ۱۲ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زید مسلمان دیندار اہلسنت و جماعت سے ہے۔ اس کا خویش کہ پہلے اہلسنت سے تھا، بالفعل صحبت مریدان قادیان سے قادیانی ہو گیا۔ حالانکہ مرزا قادیان کو دیکھا بھی نہیں ہے۔ اعتقاد فاسد ہو گیا اور اس کی زوجہ یعنی زید مذکور بالا کی دختر ہنوز دین اہلسنت پر قائم ہے۔ اس واسطے زید مذکور نے اپنے خویش قادیانی سے ملنا اور بولنا ترک کر دیا ہے اور اپنی دختر سے ملتا ہے اور اس کے بچوں نابالغ کو دیتا لیتا ہے۔ اس صورت میں زید مذکور بالا کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا بالصواب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

قادیانی کہ اپنے لئے رسالت و نبوت کا مدعی اور انبیاء اور خصوصا عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھلی گالیاں دینے والا ہے قطعاً یقیناً اجماعاً سخت مرتد و سخت عدو اللہ، سخت دشمن اسلام ہے۔ اس کا مرید ہونا تو نہایت عظیم آفت ہے۔ جو اس کے کفری عقائد پر مطلع ہو کر اسے مسلمان جانے، وہ ہرگز مسلمان نہیں۔ جو شخص اس کا مرید ہو، اس کی عورت فوراً اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے۔ اس کے ساتھ صحبت، زنائے محض ہوتی ہے۔ خواہ عورت دین اسلام پر قائم رہے یا وہ بھی اسی کے ساتھ ہو جائے۔ ہر طرح زنائے محض ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: "(ومنها ای من الوجوہ الاربعة) ما هو باطل بالاتفاق نحو النكاح فلا يجوز له ان يتزوج امرءة مسلمة ولا كتابية ولا ذمية ولا حرة ولا مملوكة۔"

پس ایسی صورت میں اگر عورت بھی اسی مذہب پر ہو جائے، جب تو ظاہر کہ باپ پر فرض ہے کہ اسے چھوڑ دے۔ اور اگر عورت دین حق پر قائم بھی رہے تو باپ پر فرض ہے کہ اگر قدرت رکھتا ہو، اسے زنا سے بچائے اور قدرت نہ رکھتا ہو تو عورت کو تفہیم کرے کہ اسے چھوڑ دے۔ ان احکام میں سے جس کی تعمیل نہ کرے گا، گنہگار ہوگا۔ پہلی دو صورتوں میں تو صریح فاسق، شدید مرتکب کبیرہ ہے۔ اس کے پیچھے نماز ممنوع و گناہ اور صورت آخرہ میں کراہت سے خالی نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔ (الأنعام: ۶۸) "اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (کنز الایمان) حلبی اور صغیری اور کبیری میں ہے: "وفيه اشارة الى ان انهم لو قدموا فاسقا یاثمون علیٰ ان کراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بامور دينه و تساهله فى الاتيان بلوازمه"۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

marfat.com

(سوال دستیاب نہ ہوسکا ۱۲ ساحل)

بسم الله الرحمن الرحیم نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم

(۱) استحقاق امامت کا دعویٰ محض باطل ہے۔ مسجد سنی حنفی المذہب کی بنائی ہوئی ہے۔ بانی کی اولاد سنی حنفی موجود ہے۔ امام ومؤذن مقرر کرنا، بانی مسجد اور اس کے بعد اس کی اولاد کا حق ہے۔

عالمگیری جلد اول ص ۲، فتاوی قاضیخان جلد اول ص ۳۳ پر ہے: "رجل بنیٰ مسجدا وجعله لله تعالیٰ فهو احق الناس بمرمته وعمارته وبسط البواری والحصر والقنادیل والاذان والاقامة والامامة ان کان اهلا لذلك فان لم یکن فالرأی فی ذلك الیه" (الاشباه والنظائر مع غمز العیون ص ۱۸۵) البانی اولیٰ بنصب الامام والمؤذن وولد البانی وعشیرته اولیٰ من غیرهم

(۲) عام اہل محلہ سنی حنفی ہیں۔ اور خود اہل محلہ میں اگر اختلاف ہو، بعض ایک امام کو چاہیں اور اکثر دوسرے کو، تو اکثر ہی کی رائے معتبر ہے۔ اگرچہ جسے بعض قلیل چاہتے ہیں، وہ اس سے قراءت میں افضل ہو۔

عالمگیری جلد اول ص ۳۰ پر ہے۔ اذا اختار بعضهم الاقرء واختار بعضهم غیره فالعبرة للاکثر کذا فی السراج الوهاج۔

(۳) مسجد جامع میں اقامت جمعہ اہل محلہ کے لئے ہے اور اس کا امام وخطیب مقرر موجود ہے، دوسرے کو اصلا اس میں حق نہیں۔ اگر سوا ان کے خطبہ پڑھے یا امامت کرے، ہرگز جائز نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۵۲ و ردالمحتار میں ہے: "خطب بلا اذن الامام والامام حاضر لم یجز۔"

فتاویٰ سراجیہ جلد اول ص ۲۹ میں ہے: "لو صلیٰ احد بغیر اذن الامام لا تجوز الا اذا اقتدیٰ به من له ولایة الجمعة۔"

(۴) غیر مقلدین اہل سنت سے خارج اور مبتدع ہیں۔

طحطاوی علی الدر المختار جلد ۴ ص ۱۵۳ میں ہے: "من کان خارجا عن هذه الاربعة فهو من اهل البدعة والنار۔" اور مبتدع کی امامت مکروہ وممنوع ہے۔

ردالمحتار جلد اول ص ۵۸۵ پر ہے: "المبتدع تکره امامته بکل حال۔"

طحطاوی مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۴۴ پر ہے: "الکراهة فیه تحریمیة علی ما سبق۔"

صغیری ص ۲۷۰ پر ہے: یکره تقدیم الفاسق کراهة تحریم وعند مالك لا یجوز تقدیمه وهو روایة عن احمد وکذا المبتدع۔

(۵) امام بنانا، تعظیم وتوقیر ہے اور امر دین میں مبتدع کی توقیر حرام ہے۔

مشکوٰۃ شریف مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۱ پر ہے: "عن ابراهیم بن میسرة قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه

marfat.com

وسلم من وقّر صاحب بدعة فقد اعان علیٰ ھدم الاسلام۔" "جس نے کسی مبتدع کی توقیر کی اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی"۔

(۶) فاسق معلن کی امامت مکروہ وممنوع۔ غنیّۃ ص ۵۱۳ پر ہے: "لو قدموا فاسقا یاثمون۔" اور بدمذہبی ہر فسق سے بدتر فسق ہے۔

غنیّۃ ص ۵۱۴ پر ہے: "یکرہ تقدیم المبتدع ایضا لانہ فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل۔"

ابوالسعود حاشیۂ کنز جلد اول ص ۲۰۸ پر ہے: "علل الزیلعی الکراھة فی الفاسق بان فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علینا اھانته شرعا فمفادہ کون الکراھة تحریمیة"۔

سنن ابن ماجہ ص ۷۲ا پر ہے: "عن جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقال یاایھا الناس (فذکر الحدیث الیٰ ان قال) ولا یؤم فاسق مؤمنا الا ان یقھرہ سلطان یخاف سیفه وسوطه۔" "یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے میں بیان فرمایا: فاسق کسی مسلمان کی امامت نہ کرے۔ مگر یہ کہ اس کو اپنی سلطنت کے زور سے مجبور کرے کہ اسے اس کی تلوار اور تازیانے کا ڈر ہو۔

یہاں غیر مقلدین کی سلطنت نہیں تو وہ محض ناجائز دباؤ ڈال کر ہماری مسجد میں استحقاق امامت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

(۷) غیر مقلدین کی بدعت لزوم کفر تک پہنچی ہوئی ہے جس کا مفصل بیان مع ثبوت "کوکبہ شہابیہ" میں ہے اور ایسے اہل بدعت کے پیچھے نماز محض ناجائز ہے۔

فتح القدیر شرح ہدایہ مطبوعہ لکھنؤ جلد اول ص ۱۴۶ پر ہے: "روی محمد عن ابی حنیفة وابی یوسف ان الصلوٰۃ خلف اھل الاھواء لا تجوز۔"

شرح فقہ اکبر امام اعظم ابوحنیفہ ص ۵ پر ہے: "لا تجوز خلف المبتدع۔"

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص ۵۱۹ پر ہے: "ان بدعتھم لما اشتدت الیٰ ان وصلت قریبا الیٰ الکفر اورثت شبھة فی ایمانھم فتمنع من الاقتداء بھم وحکم بفساد صلاۃ من اقتدیٰ بھم۔"

شرح فقہ اکبر ص ۱۸۷ پر ہے: "خیر منھم ببطلان الصلاۃ خلفھم احتیاطا"

(۸) حدیث نماز اہل نجران اگر صحیح وثابت ہو تو وہ کافر مستامن تھے، امان لے کر حاضر ہوئے تھے اور ایسے کفار سے تعرض منع ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد میں نماز سے نہ روکنے دیا، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے روکنا چاہا تھا۔

مواہب لدنیہ وشرح مواہب زرقانی مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۱۴۷ پر ہے: "(قاموا یصلون فیه فاراد الناس منعھم) لما فیه من اظھار دینھم الباطل بحضرة المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وفی مسجدہ

(فقال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم دعوهم) تالیفا لهم ورجاء اسلامهم ولدخولهم بامان فاقرهم علیٰ کفرهم ومنع من تعرض لهم فلیس فیه اقرار علیٰ الباطل۔"

امان لے کر آنے والے کفار پر مدعیان اسلام کا قیاس نہیں ہوسکتا۔ جن مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستامن کفار کے لئے یہ منقول ہے، انہیں نے مسلمانان تارک قربانی کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا۔

ابن ماجہ ص ۵۸ پر ہے: "عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال من کان له سعة ولم یضح فلا یقربن مصلانا۔"

انہیں نے کچا لہسن پیاز کھانے والے کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا اور بقیع تک نکلوا دیا۔

صحیح بخاری شریف مطبع احمدی جلد اول ص ۱۱۸ پر ہے: "عن جابر بن عبد الله قال قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من اکل هذه الشجرة یرید الثوم فلا یغشانا فی مسجدنا۔ عن انس بن مالك قال قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من اکل هذه الشجرة فلا یقربن ولا یصلین معنا۔"

صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۹ پر ہے: "عن ابن عمر ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال فی غزوة خیبر من اکل من هذه الشجرة یعنی الثوم فلا یاتین المساجد۔"

ایضاً ص ۲۰۱ پر ہے: "ان عمر ابن الخطاب خطب یوم الجمعة فذکر انکم ایها الناس تاکلون شجرتین لا اراهما الا خبیثتین هذا البصل والثوم ولقد رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا وجد ریحهما من الرجل فی المسجد امر به فاخرج الیٰ البقیع۔"

کلمہ گو منافقین جمعہ کے مجمع میں ایک ایک کا نام لے کر مسجد سے نکلوا دیئے گئے۔

عمدۃ القاری شرح بخاری مطبوعہ قسطنطنیہ جلد ۴ ص ۲۲۱ پر ہے: "عن ابن عباس قال خطب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یوم الجمعة فقال اخرج یا فلان فانك منافق واخرج یا فلان فانك منافق۔"

غیر مقلدین اگر حدیث نجران سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی کلمہ گوئی سے انکار کریں اور یہ ہی کافی نہیں بلکہ اپنے کافر اصلی ہونے کا ثبوت دیں۔ پھر سلطنت اسلام میں امان لے کر جائیں۔ سلطان اگر مناسب جانے گا تو انہیں بھی کفار نجران کی طرح چند روز امان دے گا اور اتنے دنوں اپنی مسجدوں میں نماز سے نہ روکے گا۔

(۹) غیر مقلدین کے نزدیک اگر وقف کا استحقاق ایسا عام ہے تو کیا وہ نوشتہ دے سکتے ہیں کہ ان کی مسجدوں میں ہنود ونصاریٰ ویہود ومجوس وروافض وغیرہم جو فرقہ چاہے جائے اور اپنے طور پر عبادت کرے۔ ناقوس پھونکیں، گھنٹے بجائیں، آگ جلائیں، چلیپا قائم کریں، انہیں کچھ انکار نہ ہوگا۔

(۱۰) انہیں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ صرف کلمہ گو ہونے یا اپنے آپ کو مسلمان کہنے بلکہ مطلقاً مسلمان ہونے سے بھی مسجد میں آنے تک کا حق ثابت نہیں ہوتا۔ جماعت وامامت تو خاص بات ہے کہ آخر وہ منافق بھی کلمہ گو تھے، اپنے آپ کو غیر

marfat.com

مقلدین کی طرح مسلمان ہی کہتے۔ اور قربانی نہ کرنے یا لہسن پیاز کھانے والے تو ضرور مسلمان ہیں۔ پھر بھی انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد میں آنے سے روکا اور نکلوا دیا۔

(۱۱) ہر شخص اپنے فریق کے لئے عبادت خانہ بناتا ہے۔ اور شرع نے مساجد میں انہیں کا حق مقدم رکھا ہے، جن کے لئے بانی نے مسجدیں بنائیں ولہذا اہل محلہ اپنی حاجت مقدم رکھنے کے لئے غیر اہل محلہ کو مسجد میں نماز سے منع کر سکتے ہیں۔

درمختار ہاشمی ص ۷۷ پر ہے: ''لاهل المحلة منع من ليس منهم عن الصلوٰة فيه۔''

سنیوں حنفیوں کی بنائی ہوئی مسجدوں میں غیر مقلدین کا دعویٰ مساوات حق، جس کی بنا پر مزاحمت کر سکیں، بالکل بے بنیاد ہے۔

(۱۲) سنیوں حنفیوں نے مسجد بنائی اور اس کے نمازی ہیں اور ان ہی کا حق مقدم ہے۔ اور انہیں غیر مقلدین کے آنے سے ایذا پہنچتی ہے۔ ان کے خیالات منتشر ہوتے ہیں، ان کی نماز خراب ہوتی ہے۔ اور غیر مقلدین کی اپنی مسجد موجود ہے اور اس میں ان کی نماز ہو سکتی ہے اور ان کے نزدیک بھی حنفیوں کی مسجد میں پڑھنا، کچھ ان پر فرض، واجب نہیں تو اپنی عبادت اپنے معبد میں ہو سکتے ہوئے دوسروں کی مساجد پر جدید قبضہ چاہنا اور ان کا دل دکھانا اور ان کے حق مقدم میں دست اندازی کرنا، صریح مداخلت بیجا و آزار رسانی اور صاف بدنیتی پر مبنی ہے۔

(۱۳) غیر مقلدین، ہمارے ائمہ کو بُرا کہتے ہیں اور ان کی توہین کرتے ہیں۔ ہمیں مشرک بتاتے ہیں تو ہماری بنائی مسجدوں پر ان کا قبضہ کرنا، ہماری امامت کرنا، ہماری جماعت میں مل کر اپنی آوازوں اور حرکتوں سے اپنا غیر مقلد اور ہمارے اماموں کا دشمن، ہمارا مخالف ہونا، عین نماز میں جتانا، ضرور ناحق ایذا و آزار رسانی ہے۔ اور بحکم شرع ہماری مسجدوں میں ہمارا حق مقدم ہے۔ اور حدیث وفقہ کا حکم ہے کہ ایذا رساں کے لئے مسجد میں آنے کا حق نہیں اور یہ کہ مسجد سے نکال دیا جاوے۔

صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۹ پر ہے: "عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من اكل من هذه الشجرة فلا يقربن مسجدنا ولا يوذينا بريح الثوم"۔ اس کے اخراج کی حدیث ابھی گزری۔

درمختار ص ۱۷۷ پر ہے: ''يكره دخول اكل نحو ثوم ويمنع وكذا كل موذ ولو بلسانه۔''

الاشباہ مع غمز العیون ص ۳۸۱ پر ہے: '' يكره لمن اكل ذا ريح كريهة ويمنع منه وكذا كل موذ فيه ولو بلسانه۔''

ردالمحتار جلد اول ص ۶۹۱ پر ہے: "قال الامام العينى فى شرحه علىٰ البخارى: علة النهى اذىٰ الملئكة واذىٰ المسلمين ولا يختص بمسجده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والحق بالحديث كل من اذى الناس بلسانه وبه افتىٰ ابن عمر وهو اصل فى نفى كل من يتاذىٰ به اه مختصرا۔"

(۱۴) مسجدیں اہل سنت حنفیہ بنائیں، وہی اس کے نمازی ہیں اور انہیں کا حق مقدم ہے۔ اور غیر مقلدین کا ان پر قبضہ

marfat.com

ہونا یقیناً، ان کی نفرت کا موجب ہے۔ اور شرع کا حکم ہے کہ جس شخص کے مسجد میں آنے سے اس کے نمازیوں کو نفرت ہو، وہ مسجد میں جانے کا حق نہیں رکھتا۔ وہ مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ اس لئے جذامی و مبروص کو مسجد میں جانے سے منع فرمایا ہے حالانکہ بیماری میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں۔

ردالمحتار جلد اول ص ۲۹۲ پر ہے: "یلحق بما نص علیه فی الحدیث کل ما له رائحة کریهة ماکولا او غیره والقصاب والسماك والمجذوم والابرص اولیٰ بالالحاق وقال سحنون لا اریٰ الجمعة علیهما۔" (۶۶۱/۱ مطلب فی الغرس فی المسجد)

(۱۵) مسجدیں ہر فریق کی جدا ہیں اور ہر ایک اپنی مسجد میں اپنے طور سے عبادت کر سکتا ہے۔ کسی فریق کے نزدیک اپنی مسجد ہوتے ہوئے دوسرے کی مسجد میں پڑھنے کے لئے شرع کا کوئی حکم نہیں۔ ہم ان کی مسجد پر دعویٰ نہیں کرتے، وہ ہماری مسجد پر بالجبر قبضہ چاہتے ہیں۔ اور یہ امر حنفیہ کو ضرور اپنے مذہبی رو سے سخت آزاردہ ہے۔ اور غیر مقلدین کی وہ ایذائیں کہ بعض اوپر بیان ہوئیں، علاوہ ہیں۔ یہ امور باعثِ اشتعال فریقین ہوتے ہیں۔ جس کے سبب ملک میں بکثرت مقدمات ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ تو ان میں جو فریق اپنی مسجد ہوتے ہوئے دوسرے کی مسجد پر قبضہ چاہے، وہ ضرور فتنہ پھیلاتا اور اشتعال طبع دلاتا ہے۔ تو اس کو روکنا شرعاً و قانوناً ہر طرح لازم ہے۔ اگر کوئی مسجد میں کشت و خون کرنے جائے تو وہ ضرور شرعاً و قانوناً دخول مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ اور اس وقت صرف اپنے مسلمان ہونے کو استحقاق دخول کی دستاویز نہیں بن سکتا۔ لیکن ہمارے رب عزّ وجلّ نے قرآن عظیم میں فرمایا ہے: "وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" (البقرة: ۱۹۱) فتنہ قتل سے بھی سخت تر ہے۔ تو ایک فریق کے دوسرے کی مساجد میں جانے سے جب فتنہ اٹھے، جس کی نظیریں ملک میں بکثرت موجود ہیں۔ تو وہ اس ارادۂ قتل والے سے زیادہ مستحق باز رکھے جانے کا ہے۔ اور ہرگز شرعاً و قانوناً اسے ان مساجد میں جانے کا حق حاصل نہیں۔

(۱۶) غیر مقلدین اگر حنفیہ کی مسجدوں میں نہ آئیں تو یہ مساجد ویران نہ ہوں گی کہ ان کے بانی، ان کے نمازی، سنی حنفی، ان کے آباد کرنے والے کثیر و وافر ہیں۔ لیکن انہیں اگر حنفیہ کی مساجد پر قبضہ دیا جائے تو رعایا و ملک کے بڑے حصے کو دو سخت ضرروں میں سے ایک ضرر ضرور پہنچے گا۔

۱- یا تو وہ اپنی نہ چھوڑیں اور غیر مقلدین کی مداخلت و اقوال و افعال دل شکنی کے باعث فتنے اٹھیں اور مسجدیں ویران ہو کر جیل آباد ہوں۔

۲- یا حنفیہ اپنی عزت، اپنی عافیت عزیز رکھ کر اپنی مسجدیں چھوڑ بیٹھیں۔ ہر طرح غیر مقلدین کا قبضہ ان مساجد کی ویرانی کا سبب ہے۔ اور بحکم قرآن عظیم، جس کے آنے سے مسجدیں ویران ہوں، وہی ظالم ہے۔ اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں، وہ اس آیت کا مصداق ہے، اللہ سبحانہ فرماتا ہے: "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ" (البقرة: ۱۱۴) "اس سے بڑھ کر ظالم

کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نامِ خدا لئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے؟ انہیں روا نہیں تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر خوف کھاتے۔

(۱۷) شارع عام اور اسی طرح سرِ راہ افتادہ غیر مملوک زمینوں میں قانوناً تمام رعایا کا حق بلا تفاوت یکساں ہے۔ سڑکیں، راہیں یا وہ زمینیں ہنود کی بنائی ہوئی ہیں، نہ مسلمانوں کی، نہ ان میں کوئی ان کا مالک یا کسی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔ باایں ہمہ قانوناً مسلمانوں کو وہاں قربانی کی ممانعت ہے۔ یہ قانون غیر مقلدین کو ہماری مسجدوں میں سے ممانعت کی ایک اعلیٰ نظیر قائم کرتا ہے۔ غیر مقلدوں کی نماز اگر ان کا امر مذہبی ہے، تو قربانی کیا ہمارا امر مذہبی نہیں؟ بفرض غلط اگر غیر مقلدین حنفیہ کی مساجد میں آ کر فتنہ نہیں اٹھاتے بلکہ حنفیہ ہی کو اشتعال طبع ہو کر فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ تو مسلمان بھی سڑکوں پر قربانی کرنے میں ہرگز خود لڑائی کی ابتدا نہ کریں گے بلکہ ہنود ہی کو اشتعال طبع ہو کر فساد ہوگا۔ مسلمانوں کو اگر شارع عام پر قربانی کرنا ضرور نہیں بلکہ اپنے گھروں یا قرار دادہ مذبحوں میں ادا کر سکتے ہیں۔ تو غیر مقلدین کو بھی شرعاً حنفیہ کی مساجد ہی میں نماز پڑھنا ضرور نہیں۔ اپنی مسجد میں بلا تکلف پڑھ سکتے ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ مسلمان شارع عام سے منع کئے جائیں، جس میں وہ حق مساوی رکھتے ہیں اور غیر مقلدین، حنفیہ کی مساجد سے نہ روکے جائیں، جن میں انہیں ہرگز حق مساوی بھی نہیں شارع عام در کنار مسلمان ایسے گھروں، اپنی خاص مملوک زمینوں میں قربانی سے باز رکھے جائیں، معدود مواضع مقرر دیئے جائیں، حالانکہ گھروں میں قربانی ہنود کے پیش نظر بھی نہ ہوگی۔ ایک قوم کا اشتعال طبع کہ سنی کی بناء پر فرض کر لیا جائے، دوسری قوم کو اپنا امر مذہبی خاص اپنے ملک میں بجا لانے سے باز رکھے۔ اور غیر مقلدین کے آنے سے اشتعال طبع کہ خاص نظر کے سامنے اور وہ بھی ان مساجد میں جو حنفیہ کی بنائی ہوئی ہیں اور انہیں کا حق ان میں مقدم ہے، غیر مقلدوں کو ان مساجد سے منع نہ کرے؟ یہ انصاف سے بہت دور ہے۔

(۱۸) ہمارے اور غیر مقلدوں کے مذہب میں بہت اختلاف ہے۔ جس کی رو سے ہمارے مذہب میں ان کی نماز محض باطل و فاسد ہوتی ہے۔ وہ جب اپنے طرز کی نماز میں بھی ہمارے نزدیک خارج ہیں، فضول بے معنی حرکات کر رہے ہیں۔ ازاں جملہ غیر مقلدوں نے خون اور مردار اور شراب کو ناپاک نہ جانا۔ جیسا کہ ان کی مذہبی کتاب روضۂ ندیہ کے ص ۱۲ پر ہے۔ تو اگر غیر مقلد کے دامن میں سیر بھر گوشت مردار کا بندھا ہو اور خون نے ناک سے نکل کر تمام داڑھی اور سینے کو رنگ دیا ہو اور سارے چہرے پر شراب کا غازہ ملا ہو بلکہ شراب کے مٹکے میں غوطہ کھالیا ہو، نماز ہو جائے گی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ نماز نہیں اور اشیائے مذکورہ سب ناپاک ہیں۔

عالمگیری جلد ا ص ۱۷ پر ہے: ’’الخمر والدم والمیتۃ نجس نجاسۃ غلیظۃ ھکذا فی فتاوی قاضی خان۔‘‘ نیز غیر مقلدوں کا مسئلہ ہے کہ پانی کتنا ہی کم ہو، نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک رنگ یا مزا یا بو نہ بدل جائے۔ یہ مسئلہ بھی ان کی کتاب طریقۂ محمدیہ ترجمہ درر بہیہ مطبع فاروقی دھلی کے ص ۷۶ اور انہی کی دوسری کتاب فتح المغیث مطبع صدیقی لاہور کے ص ۵ پر موجود ہے۔ تو خون تو بڑی چیز ہے۔ اگر پاؤ بھر پانی میں دو چار ماشے اپنا یا کتے کا

marfat.com

پیشاب پڑ جائے، غیر مقلدوں کے نزدیک پاک رہے گا اور اس سے وضو نماز صحیح ہے۔ لیکن ہمارے مذہب میں اگر کسی عظیم الشان کنویں میں بھی ایک بوند نجاست پڑ جائے، سارا پانی ناپاک ہو جائے گا۔

عالمگیری ص ۸ جلد ا پر ہے: "فارة تفسخت فی الجب ثم صب قطرة من ذلك الماء فی البئر ینزح جمیعا كذا فی خزانة المفتیین"۔

نیز اسی فتح المغیث کے ص ۶ پر ہے: "کافی ہے مسح کرنا پگڑی پر" لیکن ہمارے مذہب میں پگڑی کا دھونا بھی کافی نہیں، سر کا مسح فرض ہے کہ قرآن عظیم میں فرمایا "وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ" (المائدہ: ۶) "اور سروں کا مسح کرو" (کنز الایمان) اسی طرح بہت مسائل ہیں۔ تو اختلافِ مذہب کی حالت میں انہیں کیونکر ہماری امامت کا استحقاق ہو سکتا ہے؟ بلکہ ایسی حالت میں اگر وہ ہماری صف میں کہیں آ کر شامل ہوں تو ہمارے مذہب میں اصلاً جائز نہیں۔ کہ جب وہ نماز سے خارج ہیں تو یہ ایسا ہوا کہ نماز کی صف بندھی اور بیچ میں ایک شخص بے نیت نماز حائل ہے۔ یہ قطع صف ہوا جو حرام ہے۔

سنن نسائی ص ۱۳۷ پر ہے: "عن عبد الله بن عمر ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله"۔

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو صف کو وصل کرے، اللہ تعالیٰ اسے صلہ عطا فرمائے اور جو صف کو قطع کرے، اللہ تعالیٰ اسے قطع کر دے۔

تو غیر مقلدین کا ہمیں ان کے پیچھے نماز پڑھنے یا اپنی نماز میں انہیں شریک کرنے پر مجبور کرنا، صراحۃً ہمارے مذہب میں دست اندازی ہے۔ جس کا حق انہیں شرعاً و قانوناً کسی طرح حاصل نہیں۔

(۱۹) قانون ہمیں ہرگز مجبور نہیں کرتا کہ ہم اپنے مذہبی خیالات سے باز رہیں یا ان کی مخالفت پر مجبور کئے جائیں۔ ہمارے مذہب میں غیر مقلدین، مبتدع بد دین ہیں۔ جس کا ایک ثبوت اوپر طحطاوی علی الدر المختار سے گذرا۔ اور اس بارے میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک کے علمائے کرام کے فتاویٰ موجود ہیں۔ اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اهل البدع شر الخلق و الخليقة۔ "بد مذہب سارے جہان سے بدتر، بہائم سے بدتر ہیں۔

مسند امام احمد مطبوعہ مصر ہامش جلد اول ص ۱۱۰ پر ہے، نیز حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اصحاب البدع كلاب النار"، بد مذہب لوگ دوزخیوں کے کتے ہیں۔ ایضا کتاب مذکور ص ۱۱۰۔

جب ہم شرعاً و قانوناً ہرگز مجبور نہیں کہ کتے کو اپنی نماز کی صفوں میں کھڑا کریں یا اپنی مسجدوں میں آنے دیں۔ تو جو ہمارے مذہب میں بحکم حدیث اس سے بدتر ہیں، انہیں اپنی نماز میں شریک کرنے پر ہمیں مجبور کرنا، ضرور ہمیں مذہبی نقصان پہنچانا ہے، جو کسی طرح قرین انصاف نہیں۔

(۲۰) ان کی کتابیں شاہد ہیں کہ وہ ہمیں مشرک جانتے ہیں اور مشرکوں کی بنائی ہوئی مسجدیں شرعاً مسجد نہیں۔ قرآن مجید میں ہے: "مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ

marfat.com

وَفِی النَّارِ هُمْ خَالِدُوْنَ ٥ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ" (التوبة :۱۷-۱۸) "مشرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں خود اپنے کفر کی گواہی دے کر، ان کا تو سب کیا دھرا اکارت ہے اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔ اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔" (کنز الایمان)

تو غیر مقلدین حقیقۃً ہماری مسجدوں کو مسجد ہی نہیں جانتے۔ دھوکا دینے کے لئے اسے مسجد کہنا اور یہ ادعائی اسلام، اپنا حق ان میں مساوی ہونے کا دعویٰ کرنا، خود ان کے اپنے مذہب کے خلاف اور محض ایذا دہی و آزار رسانی و بدنیتی ہے۔ کوئی استحقاق، کوئی دعویٰ انہیں ہماری مساجد پر نہیں ہوسکتا۔ یہ بعینہ ایسا ہے کہ چند ہنود ہماری مساجد پر دعویٰ کریں کہ یہ ہمارے مذہب کے مقدس تیرتھ ہیں۔ ہمیں ان میں پو با پاٹ کی اجازت ملے۔ حالانکہ یہ دعویٰ صراحۃً فریب اور خود ان کے برخلاف مذہب ہوگا۔ مذہبی معاملے میں خود اپنے مذہب کے خلاف ایک بات کا دعویٰ دوسروں کے حق پر قبضہ پانے کے لئے کرنا، سوائے بدنیتی و آزار رسانی کے کیا ہوسکتا ہے؟ ایسے ناجائز و فاسد المبنیٰ دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوتے۔ لہٰذا حنفیہ کی مساجد کو فریق مخالف کے دست تعرض سے محفوظ رکھنا ہی قرین انصاف ہے۔

(۲۱) اس سے تنزل کرتے ہیں کہ غیر مقلدین مبتدع نہیں، مگر اس قدر تو یقیناً معلوم، جس سے کسی فریق کو انکار کی گنجائش نہیں کہ ہمارا ان کا اختلاف عقائد میں ایسا ہے کہ دونوں فریق سے ایک ضرور بدمذہب و گمراہ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: " وَاِنَّا اَوْ اِیَّاکُمْ لَعَلٰی هُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ" (سبا : ۲٤) "اور بے شک ہم یا تم یا تو ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں" (کنز الایمان) اس کے ثبوت کے لئے فریقین کی بکثرت کتابیں کہ چھپ کر شائع ہوچکیں، کافی ہیں۔ بلکہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں تم ہمیں گمراہ کہتے ہو اور ہم تمہیں اور اگر تم اس وقت مصلحۃً نہ کہو تو ہمارا فریق تو ضرور تمہیں گمراہ و بددین کہتا اور لکھتا اور چھاپتا ہے۔ اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تم فی الواقع گمراہ ہو تو مطلب حاصل۔ یا واقع میں تم ہدایت پر ہو تو جو فریق ہدایت کو ضلالت جانے، وہ گمراہ ہے۔ اب یا تو تم ہمیں، ہمارے جمیع اعتقادیات میں حق پر جانتے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے بعض اعتقاد تمہارے نزدیک حق نہیں۔ اور اگر ہاں، تو ہمارے اعتقادیات سے ایک یہ بھی ہے کہ تم گمراہ و بددین ہو، یہ بھی حق ہوا۔ بہر حال دونوں تقدیر پر ایک ضرور گمراہی پر ہے۔ اور شرع مطہر کا اہل حق کو حکم ہے کہ گمراہوں سے میل جول نہ کریں۔ ان سے دور بھاگیں، ان کی نماز میں نہ شریک ہوں، اور وہ بیمار پڑیں تو عیادت کو نہ جائیں، وہ مرجائیں تو جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔ اب اگر معاذ اللہ ہم گمراہ ہیں تو تم کو حکم ہے کہ ہم سے دور رہو، ہماری نماز میں شرکت نہ کرو۔ اور اگر تم اہل بدعت ہو تو ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی نماز میں تمہیں شریک نہ ہونے دیں۔

بہر حال! حاصل حکم یہ ہے کہ تم ہماری مساجد میں نہ آؤ۔ ایسا حکم کہ شرع کا متفق علیہ ہے، اسے چھوڑ کر بے بنیاد دعویٰ پیش کرنا، کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ اب قرآن کی آیت سنئے۔

اللہ عزوجل وعلا قرآن عظیم میں فرماتا ہے: "وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ

marfat.com

الظّٰلِمِینَ ۔"(الأنعام : ٦٨) "اور جو تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر پاس نہ بیٹھو"۔

تفسیر احمدی مطبوعہ بمبئی ص ۳۸۷ پر ہے: "ان القوم الظلمین یعم المبتدع والفاسق والکافر والقعود مع کلهم ممتنع۔" "یعنی ظالم لوگ مبتدع اور فاسق اور کافر ہیں۔ اور ان سب کے پاس بیٹھنا منع ہے۔"

ارشاد الساری شرح بخاری جلد ۹ ص ۳۹ پر ہے: "ان هجرة اهل الهواء والبدع دائمة على ممر الاوقات ما لم تظهر التوبة والرجوع الى الحق "یعنی بدمذہبوں سے جدائی ہمیشہ ہے چاہے کتنا زمانہ گزرے، جب تک ان سے توبہ اور حق کی طرف رجوع ظاہر نہ ہو۔

کنز العمال ہامش مسند امام احمد جلد اول ص ۱۱۲ پر ہے: "عن انس قال قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "اذا رأيتم صاحب بدعة فاكفهروا فى وجهه فان الله تعالىٰ يبغض كل مبتدع۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی بدعتی، بدمذہب کو دیکھو اس کے ساتھ ترشروئی کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر مبتدع کو دشمن رکھتا ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۴۹ پر ہے: "مجالسة الاغيار تجر الىٰ غاية البوار ونهاية الخسار"۔ "یعنی غیروں کے پاس بیٹھنا، بربادی اور کمال تباہی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔

شفا شریف امام قاضی عیاض مطبع صدیقی بریلی ص ۱۹۷ پر ہے: "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا يومن احدكم حتى اكون احب اليه من ولده ووالده والناس اجمعين وقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لن يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من نفسه" ص ۲۰۰ پر ہے: "فالصادق فى محبة النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من تظهر علامات ذلك عليه"۔ ص ۲۰۱ پر ہے: "ومنها مجانبة من خالف سنته وابتدع فى دينه"۔

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کوئی مسلمان نہ ہوگا جب تک میں اس کی اولاد اور ماں باپ اور سب آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز تم میں کوئی مومن نہیں جب تک میں اسے خود اس کی جان سے زیادہ عزیز نہ ہوں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں سچا وہ ہے، جس پر محبت کی علامتیں ظاہر ہوں۔ ان علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مخالفوں اور مبتدعوں سے دوری اختیار کرے۔

شفا شریف میں ہے: "ومنها بغض من ابغض الله ورسوله ومعاداة من عاداه ومجانبة من خالف سنته وابتدع فى دينه۔"(۲/۲۲) ۔والله تعالىٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ احمد حسن صاحب ۶ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے بواسیری مسوں سے رطوبت ہر وقت

marfat.com

جاری رہتی ہے۔ تو اس صورت میں ایک وضو سے نماز عشا اور تراویح زید پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ درصورت دیہات میں نہ ہونے کسی شخص خواندہ کے، زید نماز جماعت سے فرض عشاء اور تراویح پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جب بواسیری مسوں سے رطوبت جاری ہو یعنی نماز کا کوئی پورا وقت شروع سے ختم تک ایسا گذر گیا ہو کہ اس کو وضو کر کے فرض پڑھنے کی مہلت نہ ملی ہو اور جب سے اب تک پانچوں وقت نماز کے ہر وقت میں بلاناغہ آ رہی ہو اگرچہ ہر وقت میں ایک ہی دفعہ آتی ہو تو جب تک یہ حالت باقی رہے، اسے حکم معذور کا ہے۔ وہ پانچوں وقت وضو تازہ کرے اور اس وضو سے وقت کے اندر واجب، سنت نفل، سب کچھ پڑھ سکتا ہے۔

کنز الدقائق مع البحر میں ہے: ’’وتتوضأ المستحاضة ومن به سلسل البول او استطلاق بطن او انفلات ريح او رعاف دائم او جرح لا يرقأ لوقت كل فرض ويصلون به فرضا (كان او واجبا) او نفلا وهذا اذا لم يمض عليهم وقت فرض الا و ذلك الحدث يوجد فيه (ولو مرة)‘‘ وہ ایک وضو سے نماز عشا اور تراویح پڑھ سکتا ہے۔ مگر اس کی اقتداء طاہروں اور دوسرے عذر سے معذوروں کے لئے درست نہیں، فرائض میں نہ تراویح میں۔ تراویح وغیرہا نوافل ہیں۔

ہدایہ میں ہے: ’’ولا يصلى الطاهر خلف من هو فى معنى المستحاضة اه كمن به سلس البول واستطلاق البطن وانفلات الريح والجرح السائل والرعاف ويجوز له اقتداء اى معذور بمثله اذا اتحد عذرهما لا ان اختلف اه‘‘

فتح، غنیۃ شرح منیہ میں ہے: ’’لا يصح اقتداء الطاهر لصاحب العذر۔‘‘ والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از کانپور مسجد رنگیان مرسلہ مولوی نثار احمد صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مع اہل وعیال کانپور میں بہ نیت اقامت مقیم ہوا۔ عرصہ دراز کے بعد ایک شادی بھی کانپور میں کی اور مکان ذاتی بنایا اور حیثیت کے موافق کچھ معاش بھی ہے۔ تخمیناً ستائیس برس یا کچھ زیادہ مقیم رہا۔ اب ان کا انتقال ہو گیا۔ وقت اقامت کانپور کے ایک پسر مسمّی بہ عمرو تخمیناً دو تین سال کا ہمراہ تھا۔ اب اس عمرو کی عُمر ستائیس سے زیادہ ہے۔ زید نے اس مدت میں عمرو کا عقد لکھنؤ میں کرا دیا تھا۔ عمرو صاحب اولاد بھی کانپور میں ہوا اور عمرو کانپور سے کوچ کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تھا۔ اس قدر زمانہ کے بعد اتفاق سے دوسرے شہر میں نوکر ہو کر چلا گیا اور ارادہ ہے کہ کوچ کرے گا۔

اس صورت مسئولہ میں زید کا وطن اصلی کانپور ہوا یا نہیں؟ ہوا تو کیوں اور نہیں تو کیا وجہ؟ جب زید کا وطن اصلی بن جاوے تو عمرو پسر کا باوجود اس کیفیت کے کہ ارادہ کوچ نہیں اور اس قدر عمر بھی اس نے شہر میں گذاری ہو، وطن اصلی بنایا

marfat.com

نہیں اور کون سی علت نہیں کی۔ اور نہ ہونے کی بر تقدیر بن جانے کے دوسرے شہر کے نوکری باوجود کوچ کے ارادہ کے وطن اصلی کو باطل کرے گی یا نہیں؟ اور کیا علت؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جب زید مع اہل وعیال کانپور آکر بہ نیت اقامت مقیم ہوا اور اپنا ذاتی مکان بنایا اور وہیں شادی بھی کرلی اور کہیں کوچ کا بھی ارادہ نہ کیا۔ یہاں تک کہ اس کا انتقال بھی ہوگیا۔ اسی طرح عمرو کہ وہاں ۲۴ سال سے زائد سے مقیم ہے، وہیں صاحب اولاد ہوا، کہیں کوچ کا ارادہ بھی نہ کیا، تو کانپور ضرور ان دونوں کا وطن اصلی ہے۔

بحر الرائق میں ہے: "الوطن الاصلی ھو وطن الانسان فی بلدته او بلدة اخریٰ اتخذھا دارا وتوطن بھا مع اھله وولده ولیس من قصده الارتحال عنھا بل التعیش بھا۔"

تبیین الحقائق میں ہے: "وھو (الوطن الاصلی) مولد الرجل او البلد الذی تاھل فیھا۔"

حاشیہ علامہ شلبی میں فتح القدیر سے ہے: "ای ومن قصد التعیش به لا الارتحال (۱/۳۰۴)"

جامع الرموز میں ہے: "الوطن الاصلی ان یکون مولده وماھله ومنشأه کما فی المحیط وغیره من الاختیار علیٰ الاولیین لکونه ابعد من الخلاف۔"

درمختار میں ہے: "الوطن الاصلی موطن ولادته او تاھله او توطنه۔"

ردالمحتار میں ہے: "قوله: او تاھله ای تزوجه، قال فی شرح المنیة: ولو تزوج المسافر ببلد ولم ینو الاقامة به فقیل لا یصیر مقیما وقیل یصیر مقیما وھو الاوجه۔ قوله ای توطنه ای عزم علیٰ القرار فیه وعدم الارتحال وان لم یتاھل قلت فبالاولیٰ اذا تاھل۔"

عمرو کا دوسری جگہ قیام کہ نہ اس کی مولد ہے، نہ وہاں اس نے شادی کی، نہ اسے اپنا وطن بنالیا یعنی یہ عزم نہ کرلیا کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت چھوڑوں گا۔ بلکہ وہاں کا قیام صرف عارضی، بر بنائے تعلق نوکری ہے۔ تو وہ جگہ وطن اصلی نہ ہوئی، اگرچہ وہاں بضرورت معلومہ قیام زیادہ ہو، اگرچہ وہاں تا حاجت اقامت بعض یا کل اہل وعیال کو بھی لے جائے کہ بہرحال یہ قیام ایک وجہ خاص سے ہے، نہ مستقل مستقر۔ تو یہ صرف وطن اقامت ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: "ووطن اقامته وھو البلد الذی ینو المسافر الاقامة فیه خمسة عشر یوما او اکثر۔"

تبیین میں ہے: "ووطن اقامته وھو الموضع الذی ینو المسافر ان یقیم فیه خمسة عشر یوما فصاعدا۔"

حاشیہ شلبی میں ہے: "ای علیٰ نیته ان یسافر بعد ذلك اه فتح۔"

وہ وطن اصلی کو باطل نہیں کرسکتا۔ تبیین الحقائق پھر عالمگیریہ میں ہے: "ولا یبطل الوطن الاصلی بانشاء السفر وبوطن الاقامة"۔

ح ط ش میں ہے: "لم یبطل الوطن الاصلی بوطن الاقامة۔"

marfat.com

عمرو جب کانپور آئے گا، بمجرد دخول مقیم ہو جائے گا اور اتمام واجب۔ جامع الرموز میں ہے: یبطل الاصلی (السفر) ای وطن السفر المسمی بوطن الاقامۃ والوطن المستعار الحادث ایضا فلو خرج الیٰ الاول صار مقیما بمجرد دخول فیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت جو اذان دی جاتی ہے وہ کہاں ہونی چاہئے اور زمانہ رسول اللہ میں وہ اذان کہاں ہوتی تھی، اندر مسجد کے یا باہر؟ بینوا توجروا۔ السائل سید محمد عمر غفرلہ از شہر پیلی بھیت محلہ احمد زئی۔

الجواب

اذان نبوی جمعہ کے دن خطبہ کے لئے خطیب کے منبر پر چڑھنے کے وقت مواجہہ خطیب میں اذان عثمانی کی طرح بیرون مسجد ہی ہونی چاہئے۔ یہی سنت نبوی وصدیقی وفاروقی ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۱) عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی میں ہے: "قولہ بین یدیہ ای مستقبل الامام فی المسجد کان او خارجہ والمسنون ھو الثانی" یعنی لفظ بین یدیہ کے معنی تو یہ ہیں کہ امام کے روبرو ہونا چاہئے مسجد میں یا بیرون مسجد۔ مگر مسنون وہی دوسری صورت ہے۔ یعنی اذان کا خارج مسجد ہونا۔

(۲) اسی میں ہے: "وبسند آخر عنہ کان یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علیٰ المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر" یعنی دوسری سند سے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مواجہہ، میں جب جمعہ کے دن منبر پر تشریف فرما ہوتے، دروازہ مسجد پر اذان دی جاتی تھی۔ رواہ ابوداؤد

(۳) تعلیق الممجد حاشیہ مؤطا امام محمد (۴) میں ہے: "وعند الطبرانی (۵) کان یوذن بلال علیٰ باب المسجد علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وابی بکر وعمر۔"

(۶) کشف الغمہ میں ہے: "وکان الاذان الاول علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اذا جلس الخطیب علیٰ المنبر علیٰ باب المسجد۔" مسجد میں اذان کہنا حسب تصریح فقہائے کرام مطلقاً ممنوع ومکروہ ہے۔

(۷) فتح القدیر میں ہے: "الاقامۃ فی المسجد ولابد واما الاذان فعلی المئذنۃ فان لم تکن ففی فناء المسجد وقالوا یوذن فی المسجد" (فتح القدیر، باب الاذان: ۱/ ۲۱۵)

(۸) اسی میں ہے: "ھو ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ۔"

(۹) غنیۃ المصلی شرح منیۃ المصلی میں ہے: "الاذان انما یکون فی المسجد والاقامۃ فی داخلہ۔"

(۱۰) فتاوی تاتارخانیہ (۱۱) مجمع البرکات، (۱۲) عالمگیریہ، (۱۳) قاضی خان، (۱۴) خلاصہ (۱۵)، خزانۃ

marfat.com

المفتین، (۱۶) بحرالرائق میں ہے: ''ینبغی ان یوذن علی المئذنۃ او خارج المسجد ولایوذن فی المسجد۔''
اذان مئذنہ پر ہو یا بیرون مسجد کہی جائے۔ اور مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

(۱۷) شرح مختصر وقایہ علامہ برجندی میں ہے: ''وفیہ اشعار بانہ لا یوذن فی المسجد۔''

(۱۸) طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے: ''یکرہ ان یوذن فی المسجد کمافی القہستانی'' (۱۹) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۰۷) (۲۰) النظم (۲۱) شرح طحاوی پھر (۲۲) شرح قدوری محمود زاہدی میں ہے: ولا یوذن الا فی فناء المسجد او علی مئذنۃ۔

ان تمام تصریحات جلیلہ میں عموم واطلاق صاف بتارہا ہے کہ مطلقاً اذان چاہے جمعہ کی ہو یا پنجگانہ، مسجد میں مطلقاً مکروہ ہے۔ ومن ادعیٰ التخصیص فعلیہ ان یاتی بالتنصیص ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ عبدہ العاصی ظفر الدین البہاری

عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولانا محبوب علی خان رضوی احاطہ ڈاکٹر عبدالسبحان خان محلہ کرنیل گنج کانپور۔ ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۶۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اذان خطبہ جمعہ مسجد یعنی موضع اعد للصلاۃ میں مکروہ نہیں ہے اور حضور پرنور سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی فتویٰ میں کوئی عبارت ایسی نہیں لکھی، جس سے اذان خطبہ کا مسجد میں ہونا مکروہ ثابت ہو۔ لہٰذا مسجد میں یہ اذان مکروہ نہیں ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ اذان خطبہ، اذان ہی نہیں ہے۔ اس کو تغلیباً اور بر بنائے تقویٰ اذان کہہ دیا ہے۔ اور اذان خطبہ کا مقصود اعلام نہیں ہے۔ حکم شرعی سے آگاہ فرمایا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زید کا یہ دعویٰ کہ اذان خطبہ جمعہ، مسجد یعنی موضع اعد للصلاۃ میں مکروہ نہیں، بالکل غلط، بے بنیاد وخلاف عقل ونقل وتصریح علماء ہے۔ زید سے پوچھا جائے کہ اذان خطبہ اذان ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مطلق ممانعت وکراہت اس کو کیوں شامل نہیں؟ کیا زید دکھا سکتا ہے کہ یہ اذان، اذان نہیں؟ یا علماء نے اس کو مستثنیٰ فرمایا ہے؟ جب دو بات میں سے ایک بھی نہیں، تو زید کا دعویٰ بالکل محض ہے۔ اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ یہ اذان نہیں، لازم آئے گا کہ حضور اقدس صلی المولیٰ علیہ وسلم وحضرات شیخین کرام کے زمانہ مبارکہ میں نماز جمعہ بغیر اذان ہوا کرتی تھی۔ وھذا لا یقول بہ جاھل نیز یہ کہنا کہ اعلیٰ حضرت نے فتوائے مبارکہ میں کوئی عبارت ایسی نہ لکھی جس سے اذان خطبہ کا مسجد میں ہونا مکروہ ثابت ہو، یہ بھی بالکل غلط۔ اعلیٰ حضرت کی تحریر میں عبارت فتح القدیر ملاحظہ ہو: فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ یعنی جمعہ کا خطبہ مثل اذان مسجد میں ذکر الٰہی ہونے سے مراد حدود مسجد میں ہونا ہے۔ اس لئے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ اس عبارت میں خود اذان خطبہ مسجد کے اندر مکروہ ہونے کا صاف افادہ ہے۔ جسے منکرین مخالفین کو بھی انکار

marfat.com

کرتے نہ بنی۔ اسی طرح غایۃ البیان شرح ہدایہ میں ہے۔ عمرو کا کہنا بھی بالکل لغو و مہمل ہے۔ اگر اذان خطبہ سرے سے اذان ہی نہیں، تو اس کا کیا جواب ہے کہ سرکار دو عالم صلی المولیٰ علیہ وسلم وحضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ مبارکہ میں جمعہ کی نماز بے اذان ہوا کرتی تھی۔ یہ مسئلہ ایسا واضح ہے کہ عربی کی بڑی بڑی کتابوں کی شان عظیم ہے، فارسی کی چھوٹی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ زاد التقویٰ میں ہے: اذان ثانی وقتیکہ برائے خطبہ الخ

ترغیب الصلاۃ میں ہے: در عہد امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ بنا بہا و بانگ مکرر شد۔ اب کوئی عمرو صاحب سے پوچھے کہ جب اذان خطبہ، اذان ہی نہیں تو اذان ثانی، کے کیا معنی اور ''مکرر شد'' کا کیا مطلب ہے؟ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے اور ضد اور ہٹ دھرمی سے بچائے۔ آمین واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ خطبہ پڑھنا سنت ہے یا فرض؟ اور سننا سامعین پر فرض ہے یا سنت؟ بعض لوگ نصف خطبہ کے بعد سنت پڑھا کرتے ہیں، یہ فعل کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

خطبہ تین طرح کے ہیں:

(۱) خطبہ جمعہ کہ فرض ہے۔ اس واسطے بے خطبہ نماز درست نہیں۔ کما ذکر عن الزهری قال بلغنا انه لا جمعة الا بخطبة

شرح وقایہ میں ہے: ''وشرط لادائها المصر (الیٰ ان قال) والخطبة۔''

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ''الجمعة لا تجوز بدون الخطبة۔''

عالمگیریہ میں ہے: ''حتی لو صلوا بلا خطبة لم یجز۔''

(۲) خطبۂ عیدین۔ اور وہ سنت ہے۔

درمختار میں ہے: ''تجب صلاتهما بشرائطهما سوی الخطبة فانها سنة۔''

ردالمحتار میں ہے: ''انها فيهما سنة حتی لو لم یخطب اصلا صح واساء لترك السنة۔''

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ''وصلاة العيد تجوز بدون الخطبة۔''

ہندیہ میں ہے: ''والخطبة بعد الصلاة وتجوز الصلاة بدونها۔''

(۳) خطبہ نکاح اور وہ مستحب ہے اور استماع اور انصات سب میں فرض ہے۔

درمختار میں ہے: ''وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وختم وعيد علی المعتمد'' پھر نصف خطبہ کے بعد سنت پڑھنا، کس طرح درست ہو سکتا ہے۔؟

رسول علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اذا قعد الامام علی المنبر فلا صلاة'' بلکہ پڑھنا گناہ وممنوع ہے۔ عقبہ

marfat.com

بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی: ''قال الصلوٰۃ والامام یخطبه معصیة''۔

اس لئے کہ خطبہ میں حکم اسماع اور انصات ہے۔ فلا یشتغل بها لان الاشتغال بها یفوت علیه الاستماع هکذا فی الهدایة والدر المختار وغیر ذلك من معتمدات الاسفار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ بازار شفاخانہ ضلع نینی تال مرسلہ محمد عبدالرحمٰن ٹھیکہ دار ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دیہات میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔ ابوبکر بن ابی شیبہ اور عبدالرزاق اپنے مصنفات میں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے راوی کہ فرماتے ہیں:

لا جمعة ولا تشریق ولا صلوٰة عید ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع او مدینة عظیمة

''نہیں ہوتی نماز جمعہ اور نہ تشریق نہ عیدین مگر مصر جامع یا بڑے شہر میں۔''

''صححه ابن حزم فی المحلی'' اور یہی مذہب ہے صحابہ سے، خاتم الخلفاء مولیٰ علی وحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین سے عطا اور حسن ابن ابی الحسن وابراہیم نخعی ومجاہد وابن سیرین اور ثوری وسحنون وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کما فی الغنیة شرح المنیة۔

ملتقی الابحر میں ہے: ''لا تصح الجمعة الا بستة شروط المصر او فنائه الخ کذا فی الکنز والاصلاح وتنویر الابصار ومراقی الفلاح وشرح الوقایة والسراجیة''۔

تبیین میں ہے: ''حتی لا یجوز اداؤها فی المفاوزة ولا فی القریٰ کذا فی مجمع الانهر والصغیری والبحر والغنیة والحلیة وملا مسکین۔''

خزانۃ المفتیین میں ہے: ''لا یجوز اقامتها الا بشرائط ستة منها المصر الجامع فلا یجوز اقامتها فی القریٰ ولا المفاوز البعیدة من الامصار۔''

یعنی ''جمعہ بغیر چھ شرطوں کے درست نہیں جس سے مصر جامع ہے۔ تو نہیں جائز ہے گاؤں میں اور نہ ان میدانوں میں جو مصر سے دور ہیں۔ اگر پڑھیں گے گناہگار ہوں گے''۔

''لانه اشتغال بما لا یصح ومع ذلك اما ترك الظهر وهو فرض او ترك جماعة وهی واجبة ثم الصلاة فرادیٰ مع الاجتماع وعدم المانع شنیعة اخریٰ غیر ترك الجماعة فان من صلیٰ فی بیته معتزلا عن الجماعة فقد ترك الجماعة وان صلوا فرادیٰ حاضرین فی المسجد فی وقت واحد فقد ترکوا الجماعة

marfat.com

واتوا بهذه الشنيعة زيادة عليه فيودى الىٰ ثلث محظورات بل اربع بل خمس لان ما يصلونه لما لم يكن مفترضا عليهم كان نفلا واداء النفل بالجماعة والتداعى مكروه ثم هم يعتقدونها فريضة عليهم وليس كذلك قاله فى " العطايا النبوية" وكذا افيد علىٰ هامش رد المحتار۔"

فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ لما فی رد المحتار عن الجواہر: "لو صلوا فی القریٰ لزمهم اداء الظهر۔"

اور شہر کی تعریف یہ ہے کہ وہ آبادی جس میں متعدد کوچے ہوں، دائمی بازار ہو اور وہ پرگنہ ہو جس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اور اس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو، جس کی حشمت وشوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔

بحرالرائق میں ہے: "وفى حد المصر اقوال كثيرة اختاروا منها قولين، احدهما فى المختصر ثانيهما ما رووه لابى حنيفة انه بلدة كبيرة ،فيها سكك واسواق ولها رساتيق وفيها والٍ يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه او علم غيره والناس يرجعون اليه فى الحوادث۔"

اور یہی ظاہر الروایۃ ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ عنہم سے ہے کما فى الغنية والحلية والدر والهندية والخانية والخلاصة والعناية وفتح الله المعين والسراجية وحاشية الدر لمولانا عبد الحكيم۔ اور وہ تعریف کہ ما لا يسع اكبر مساجده اهله مصر ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے۔ اور جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے مرجوع عنہ اور متروک ہے۔ کمافی البحر اور فتویٰ جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ پر عمل واجب، كما فى الدر۔ تو اس قول کا اختیار، ظاہر مذہب سے عدول اور اس کے ماخذ کا صریح خلاف ہے۔ بلکہ اس تعریف کے بموجب حرمین محترمین جن کے مصر ہونے پر اتفاق ہے، جن میں زمانہ اقدس سے جمعہ قائم ہے، شہر ہونے سے خارج ہوئے جاتے ہیں۔ اور جس تعریف سے وہ دونوں شہر پاک مصریت سے خارج ہوں، غیر معتبر ہے۔ غنیۃ شرح منیۃ ص ۵۵۰ میں ہے: "الفصل فى ذلك ان مكة والمدينة مصران تقام بهما الجمع من زمنه صلى الله عليه وسلم فكل موضع كان مثل احدهما فهو مصر وكل تفسير لا يصدق علىٰ احدهما فهو غير معتبر حتّٰى التعريف الذى اختاره جماعة من المتاخرين كصاحب المختار والوقاية وغيرهما وهو ما لو اجتمع اهله فى اكبر مساجده لا يسعهم فانه منقوض بهما، اذ مسجد كل منهما يسع اهله وزيادة۔"

اسی لئے مجمع الانہر میں ہے: "اذ هذا الحد غير صحيح عند المحققين۔" بالجملہ دیہات میں نماز جمعہ جائز نہیں۔ اگر پڑھیں گے گنہگار ہوں گے، ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از راکباب ڈاک خانہ منگڈ ومحلہ حسین باڑہ مرسلہ مولوی عبدالشکور صاحب ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

مقتدائے زماں، پیشوائے اہل ایماں، جناب مولانا صاحب مدظلہ۔

marfat.com

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یہ فتویٰ مفتی قاضی لطف اللہ صاحب رامپوری کا، حضور کے پیش کرنا ہے۔ اگر صحیح ہو تو اس میں حضور کا مہر و دستخط چاہئے۔ ورنہ اس کی غلطی سے ہم لوگوں کو اطلاع فرمادیں والسلام۔

ما قولکم ایہا العلماء الکرام دریں مسئلہ کہ نماز جمعہ در دیہات جائز است یا نہ؟ واگر خواندہ شود شرائط صحت آن چیست؟ وبحالت در وجود ہمہ شرائط جمعہ ظہر احتیاطی خواند یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

منجملہ شروط صحت نماز، مصر بودہ ست۔ ودر دیہات جمعہ نزد حنفیہ بحکم ایں روایت ہدایہ: "صلوٰۃ الجمعۃ لا تصح الا فی الجامع او مصلّی المصر ولا تجوز فی القریٰ" ادا نمی شود۔ لیکن در تعریف مصر اختلاف است۔ فقہا متقدمین مصر آنرا گویند کہ حاکم وقاضی آنجا قدرت اجرائے احکام شرعیہ، حدود وقصاص داشتہ باشد۔ مگر چوں تسلط کفار غالب شد ودین اسلام ضعیف گردیدہ تحقق شرط مذکور مفقود شد، یعنی باوجود حاکم، اسلام عنقا صفت شد واگر جائے حاکم اسلام باقیست، قدرت اجرائے حد۔ دندارد۔ واز فقہائے متاخرین فقط کثرت اسلام را اعتبار نمودہ، جائے را کہ وسیع تر مساجد آنجا گنجائش نمازیان مکلف نداشتہ، آنرا مصر بموجب روایت مفتیٰ بہ قرار دادہ اند۔

چنانچہ در ردالمختار مذکور است: "ویشترط لصحتہا سبعۃ اشیاء الاولیٰ المصر وہو ما لا یسع اکبر مساجدہ اہلہ المکلفین بہا وعلیہ اکثر الفقہاء لظہور التوانی فی الاحکام وظاہر المذہب ان کل موضع لہ امیر وقاضی یقدر علی اقامۃ الحدود" (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۱/۱۳۷)

علامہ شامی محشی درمختار در تائید روایات مذکور می آرد: "(لقولہ ما لا یسع الخ) ہذا یصدق علی کثیر من القریٰ (قولہ المکلفین بہا) احتراز عن اصحاب الاعذار مثل النساء والصبیان والمسافرین عن ط: القہستانی (قولہ وعلیہ فتویٰ اکثر الفقہاء الخ) وقال ابو شجاع ہذا احسن ما قیل وفی الولوالجیۃ ہو صحیح بحر وعلیہ منتہی الوقایۃ ومتن المختار وشرحہ وقدمہ فی متن الدر علی القول الاخر وظاہرہ ترجیحہ وایدہ صدر الشریعۃ لقولہ لظہور التوانی فی احکام الشرع سیما فی اقامۃ الحدود فی الامصار۔" (رد المحتار: ۱/۱۳۷)

پس بر تحقیق مذکورہ بالا آنجا تعریف مصر صادقست۔ یعنی دہیکہ دراں چند مسجد باشند واہل اسلام کہ نماز برآنہا فرض است، این قدر کثیر باشد کہ در مسجد کلاں آنجا گنجائش متصور نہ باشد، آنرا حکم مصر است۔ واگر دراں موضع از جانب حاکم اسلام، امام جمعہ مقرر نہ باشد، اہل اسلام ہر کہ امام خود مقرر کردہ باشند، پس او جمعہ ادا سازند۔ نماز جمعہ ادا خواہد شد، بحکم ایں روایت فتاوی عالمگیریہ: "بلاد علیہا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ومصر القاضی بتراضی المسلمین اہ۔"

وبحالت شک در وجود شرائط جمعہ یعنی بودن مصر وحاکم اسلام یا نائب آں در صحت جمعہ شک آوردہ ظہر اقتضائی

marfat.com

روایت مشہور بخوف عدم اعتقاد عدم فرضیت جمعہ بہتر ست کہ عوام نخواہند۔ واہل گر خواند در خانہ خود خفیہ خواند تا فساد اعتقاد بر آں نشود۔ و بحکم ایں روایت درمختار وفی البحر وقد افتیت مرارا بعدم صلوٰۃ الاربع بعدها بنية اخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة وهو الاحتياط فی زماننا واما من لا يخاف عليه مفسدة منها فالاولیٰ ان تكون فی بيته خفية هذا ما القی فی الخاطر الفاطر محمد لطف الله غفر له۔

الجواب صحیح ۔ فی الواقع نماز جمعہ نزدیک سادات کرام حنفیہ خصهم الله تعالیٰ باللطف العام کے دیہات میں درست نہیں۔ اگر پڑھیں گے، گنہگار ہوں گے۔ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا مگر تعریف مصر غیر ظاہر الروایۃ وغیر معتبر کو اختیار کرنا فقاہت سے ازبس دور۔ حسب اقرار خود و تصریح علمائے کرام ظاہر الروایۃ، كل موضع له امير وقاضی يقدر علیٰ اقامة الحدود كما فی الهندية والظهيرية والخانية والعناية والبحر والدر المختار وغيرها من معتمدات الاسفار، علما نے غیر ظاہر الروایۃ پر فتویٰ دینے کو جہالت ونادانی وخرق اجماع فرمایا ہے۔

بحرالرائق میں ہے: ”ما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرفوع عنه۔“

درمختار میں ہے: ”ان الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع اقول فكيف بالافتاء بالمرجوع عنه۔“

بلکہ علامہ شامی نے شرح عقود میں اور انفع الوسائل میں علامہ طرطوسی سے نقل کیا: ”المقلد لا يجوز له ان ان يحكم الا بما هو ظاهر الرواية اه۔“ اس پر اکثر فقہا کا فتویٰ ہونا اور ولوالجیہ میں صحیح کہنا اس تعریف کے اختیار کرنے کی وجہ نہیں ہوسکتی ہے، کہ تعریف كل موضع الخ پر بھی اکثر فقہا كما فی العناية وعلیٰ هذا شارح منیہ نے اس کی بھی تصریح فرمائی۔ پس جبکہ تصحیح فتویٰ مختلف ہوئی تو ترجیح ظاہر الروایۃ کی ہوگی۔

بحرالرائق میں ہے: ” الفتویٰ اذا اختلف كان الترجيح لظاهر الرواية۔“

اسی میں ہے: ”اذا اختلف التصحيح وجب الفحص عن ظاهر الرواية والرجوع اليها۔“ ”علیٰ هذا توانی فی الاحکام کو وجہ اختیار اس روایت کی گردا ننا بھی بعد غور معلوم ہوسکتا ہے کہ کس درجہ ضعیف ہے کہ تعریف ظاہر الروایۃ میں ”يقدر علىٰ اقامة الحدود“ ہے، نہ يقيم الحدود۔ بالجملہ وجہ اختیار اس تعریف کی کوئی نہیں۔ وجوہ مذکورہ یا مشترک یا مردود۔ اور وجہ ترک قوی (اولاً غیر ظاہر الروایۃ ہونا ثانیاً اس تعریف کی رو سے مکہ معظمہ ومدینہ منورہ، جہاں زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ قائم ہے، کا مصریت سے خارج ہونا) موجود۔

غنیۃ میں ہے: ”والفصل فی ذلك ان مكة والمدينة مصران تقام بهما الجمعة من زمنه عليه السلام الی اليوم فكل موضع كان مثل احدهما فهو مصر و كل تفسير لا يصدق علیٰ احدهما فهو غير معتبر حتی التعريف الذی اختاره جماعة المتاخرين كصاحب المختار والوقاية وغيرهما وهو ما لو اجتمع اهله فی اكبر مساجده لا يسعهم فانه منقوض بهما، اذ مسجد كل منهما يسع اهله وزيادة فلا

marfat.com

يعتبر هذا التعريف اه۔" (غنية المستملی شرح منية المصلی ص ۵۵۰)

اور سبب اختیار موضع لہ امیر وقاضی الخ ظاہر وبیّن۔ ولہٰذا اسی کا اختیار انسب۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنگالہ مرسلہ مولوی ولی اللہ بنگالی ۲؍ رجب ۱۳۲۳ھ متعلم مدرسہ عالیہ رامپور

چہ می فرمایند راز داران دین متین ودقیقہ شناسان شرع متین اندریں مسئلہ کہ آخر الظہر باحتیاط الظہر بعد فرض الجمعہ بدیار ما مروج است، اصل آں چیست؟ وباداۓ آں در ہر چہار رکعت بعد الفاتحہ سورت خواندہ شود یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اللھم ارنا الحق حقا والباطل باطلا چوں جمعہ مشروط بشرائط نزد ائمہ ما سادات کرام حنفیہ علیہم الرضوان من الملک العلام بود ووجود ہمہ شروط دریں بلاد محل تامل اختلاف است۔ بدیں وجہ اکثر مشائخ بخارا بلکہ جمہور ائمہ دین وعلماء معتمدین بمقامیکہ در جواز صلاۃ جمعہ شک افتد، بعد اداۓ چہار رکعت سنت بعد جمعہ بنیت سنت وقت بایں نیت کہ نماز یکہ وقت او یافتم وہنوز او نکردہ ام یا نماز جمعہ متعدد جا خواندہ شود۔ (اگرچہ حسب مذہب مفتیٰ بہ تواردِ جمعہ مطلقاً جائز ودرست ست۔ كما اعتمد عليه فی الكنز والوافی، والملتقی والكافی والطحطاوی، والهندية والشامی، والمحيط وجواهر الاخلاطی، وصححه مفتی الجن والانس نجم الدين والعلامه الشرنبلالی فی المراقی، قال فی شرح الوقاية "وبه يفتیٰ" وفی شرح المجمع والحاوی القدسی وجواهر الاخلاطی "وعليه الفتویٰ"۔ وفی فتح القدير "علیٰ المفتی به"، وفی المحيط وتكملة الرازی "وبه ناخذ"۔

خواص راحکم چہار رکعت سنت بعد الجمعۃ بنیت سنت وقت بایں نیت کہ آخرین ظہرے کہ وقت او یافتہ ام وہنوز ادا نکردہ ام۔

قال فی الحلية شرح المنية "وقد يقع الشك فی صحة الجمعة بسبب فقد بعض شروطها ومن ذلك اذا تعددت فی المصر وهی واقعة اهل مرو فيفعل ما فعلوه" قال المحسن "لما ابتلی اهل مرو باقامة الجمعة فی موضعين مع اختلاف العلماء فی جوازها امر ائمتهم باداء الاربع بعد الجمعة حقا احتياطا"

درفتاویٰ عالمگیریہ ست: "ثم فی كل موضع وقع الشك فی جواز الجمعة لوقوع الشك فی المصر او غيره واقام اهله الجمعة ينبغی ان يصلوا بعد الجمعة اربع ركعات وينووا بها الظهر حتی لو لم تقع الجمعة موقعها يخرج عن عهدة فرض الوقت بيقين۔" كذا فی الصغيری والغنية شرحی المنية والكافی،

marfat.com

وفتح القدير والقنية والطحطاوى وحاشية المراقى والحاوى القدسى، والبحر الرائق ومجمع الانهر وشرح المجمع ونهر الفائق، والفتاوىٰ الظهيرية والتحة وخزانة المفتيين ومختار الفتوىٰ والسراجية وشرح الكنز لملا مسكين، والتاتارخانية، والفتاوىٰ الصوفية، وجامع المضمرات، والدر المختار والفتاوىٰ الرحمانية وخزانة الروايات، واختاره الامام محسن والتمرتاشى والعلامه ابن الشحنة والباقانى والمقدسى وابو السعود والقاضى بديع الدين وشيخ الاسلام وغيرهم من الائمة الكرام عليهم الرحمة والرضوان من الملك العلام۔

اما عوام کہ بہ تصحیح نیت قدرت ندا ندیا بہ سبب ایں رکعات اربعہ جمعہ را فرض ندانند وآنہا قائل فرضیت صلاتین شوند، محکوم بایں حکم نیند۔ بلکہ اوشاں را بروایش اطلاع نشود کہ ایں بتنۂ آکد واہم مفسدہ اشد واعظم ست۔ درحق شان ہمیں بس ست کہ بر بعض روایات نماز اوشاں ادا می شود۔ ولہذا در ''نورالشمعہ'' تصریح فرمود: ''نحن لا نامر بذلك امثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة اليهم۔''

در مراقی الفلاح مذکور است: ''بفعل الاربع مفسدة اعتقاد الجهلة ان الجمعة ليست بفرض او تعدد المفروض فى وقتها ولا يفتىٰ بالاربع الا الخواص ويكون فعلهم اياها فى منازلهم اه۔''

ولہذا در طحطاوی فرمود: ''فالاولىٰ ان تكون فى بيته خفية خوفا من مفسدة فعلها اقول وهو اعتقاد الجهلة الخ وبمثله صرح غير واحد من الائمة۔''

ودر ضم سورۃ اختلاف لکن احوط ضم در رکعات اربعہ ست۔

در بحر الرائق نویسد: ''ثم اختلفوا فى القراءة فقيل يقرء الفاتحة والسورة فى الاربع وقيل فى الاولين كالظهر۔''

صاحب منحۃ الخالق فرمائد: ''ويقرؤن فى جميع ركعاتها۔''

در فتح اللہ المعین ست: ''واختلفوا فى ضم السورة للفاتحة فى الاربع او فى الاولين فقط والاحتياط ان يقرء هما فى الاربع هكذا فى العالمگيرى عن فتاوى (اهو) "ينبغى ان يقرء الفاتحة والسورة فى الاربع التى يصلى بعد الجمعة فى ديارتنا كذا فى التتارخانية"اه

اقول لكن الحق هو التفصيل اے شخصے کہ قضاہائے ظہر بر گردن ندارد، در رکعات اربعہ ضم نمائد وگرنہ در اولین فقط۔

قال الحلبى: ''وينبغى ضمها فى الكل ان لم يكن عليه قضاء فان وقعت فرضا فالسورة لا تضر وان وقعت نفلا فالضم واجب وان كان عليه قضاء لا يضم فى الاخيرين لانها فرض البتة۔'' والله تعالى اعلم۔

☆☆☆☆☆

marfat.com

مسئلہ از ڈاکخانہ شاہی مرسلہ شاہزادہ علیخان صاحب ۱۴ رجب ۱۳۲۳ھ

جو شخص دیہات میں جمعہ نہ پڑھے اس کو معاف ہے کیا کوئی گرفت نہ ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جمعہ نہ پڑھنے میں کوئی گرفت نہیں بلکہ پڑھنے میں ہے۔ جمعہ کے بدلے اور روز کی طرح نماز ظہر ادا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از قصبہ جادو ضلع مندسور، گوالیار مرسلہ مولوی عبدالملک ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ

کیا حکم ہے شرع شریف کا موافق مذہب احناف کے اس مسئلہ میں کہ جادو ایک قصبہ ہے جہاں تین مسجدیں ایک محلہ میں قریب قریب آباد ہیں۔ جمعہ روز ہر مسجد والے اپنی اپنی مسجدوں میں مثل صلاۃ خمسہ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس طرح نماز صحیح نہیں۔ کیونکہ منجملہ اس کے شرائط کے حضور سلطان ہے اور وہ یہاں پر مفقود ہے۔ ایسے مقام پر مسلمانوں کو چاہئے کہ کسی شخص کو اپنا قاضی و سردار بنا کر اس کے پیچھے نماز جمعہ پڑھا کریں۔ دوسرے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جمعہ کی اقامت کے لئے سلطان یا اس کے نائب یا ماذون کا حاضر ہونا کچھ ضرور نہیں۔ اگر اس میں سے ایک بھی نہ ہو تو بھی جمعہ صحیح ہے۔ اور مسلمانوں کو قاضی بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا، یہ کچھ ضرور نہیں۔ اسی طرح اپنی اپنی مسجدوں میں جمعہ پڑھنا صحیح ہے۔ ایک جگہ جمع ہونے میں حرج ہے۔ امیدوار قول فیصل ہوں۔

الجواب

اگر جادو ایسا قصبہ ہے کہ اس میں متعدد کوچے، دائمی بازار رہتا ہے اس کے متعلق گاؤں گنے جاتے ہیں، اس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر بھی مقرر ہے، جواز روئے حشمت وشوکت کے اس قابل ہے کہ اس سے مظلوم کا انصاف ظالم سے ہو سکے، تو وہاں نماز جمعہ درست ہے۔ اور یہی ظاہر الروایۃ ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے۔ کما فی الخانیۃ والہدایۃ والدر والخلاصہ وغیرھا اور اگر یہ تعریف اس پر صادق نہیں تو وہاں نماز جمعہ جائز نہیں رہی۔ رہ گئی شرط سلطان تو اگر سلطان نہ ہو تو اس کا نائب یا ماذون وماذون الماذون وھلم جرا چاہئے۔ اور اگر ان سب میں کوئی نہ ہو تو بضرورت مسلمانوں کے اتفاق سے جسے چاہیں، امام بنا لیں۔ اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں۔

خزانۃ المفتین میں ہے: "وان لم یکن ثمہ قاضی ولا خلیفۃ المیت فاجتمع العامۃ علی تقدیم رجل جاز مکان ضرورۃ۔ ھکذا فی الصغیری والبحر والطحطاوی والبزازیۃ والسراجیۃ والخلاصۃ والفتاوی لقاضیخان وغیرھا۔"

درمختار میں ہے: "واما مع عدمھم فیجوز للضرورۃ۔"

ردالمحتار میں ہے: "فی معراج الدرایۃ عن المبسوط "البلاد التی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لا بلاد الحرب لانھم لم یظھروا فیھا حکم الکفر بل القضاۃ والولاۃ مسلمون یطیعونھم عن ضرورۃ او بدونھا وکل مصر فیہ وال من جھتھم یجوز لہ اقامۃ الجمعۃ والاعیاد"۔

marfat.com

اقول ولیس حضور السلطان فی الصلاۃ شرطا قطعا والا لم یجز الا فی موضع واحد من المملکۃ جمیعا بل المراد اذنہ بالاقامۃ کما یدل علیہ قول العلامۃ محمد علاء الدین الحصکفی صاحب الدر المختار او مامورۃ باقامتھا فالکل من القولین لہ وجہ لکن الاظھر والابین ھو الاول والاحسن ما حررنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد۔ بیتھو شریف۔ ۶ رصفر ۱۳۲۳ھ

دیہات میں نماز عیدین جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

دیہات میں نماز عید جائز نہیں۔ اگر پڑھیں گے گنہگار ہوں گے۔ کیونکہ شرائط اس کے سوا خطبہ کے، شرائط جمعہ ہیں۔

شرح وقایہ میں ہے: ''وشرط لھا شروط الجمعۃ وجوبا واداءً الا الخطبۃ ھکذا فی الغنیۃ والاصلاح۔''

خلاصہ میں ہے: ''ویشترط للعید ما یشترط للجمعۃ من المصر والسلطان الخ ھکذا فی العالمگیریۃ وقاضی خان والخزانۃ ولفظھا لھا۔''

اور جمعہ دیہات میں درست نہیں۔ شرح وقایہ میں ہے: ''وشرط لادائھا المصر او فناؤہ۔''

عالمگیریہ میں ہے: ''ومنھا المصر ھکذا فی الکافی کذا فی الاصلاح والسراجیۃ۔''

غنیہ میں فرمایا: ''اما شروط الاداء فستۃ ایضا الشرط الاول المصر او فنائہ فلا یجوز فی القریٰ عندنا ھکذا فی الصغیری۔''

اور یہی مذہب صحابہ سے خاتم الخلفا مولیٰ علی وحذیفۃ رضی اللہ عنہما اور تابعین سے عطا، حسن بن ابی الحسن، نخعی، مجاہد ابن سیرین، ثوری، سحنون، ہے کما فی الغنیۃ۔

خزانۃ المفتیین میں ہے: ''والجمعۃ لا یجوز اقامتھا فی الرساتق ولا المفاوز البعیدۃ من الامصار۔''

''جمعہ بغیر چھ شرطوں کے درست نہیں۔ جس میں سے ایک مصر ہے۔ تو جائز نہیں ہے گاؤں میں اور نہ ان میدانوں میں جو امصار سے دور ہیں۔

ابوبکر بن ابی شیبۃ اور عبدالرزاق اپنے مصنفات میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے راوی، فرماتے ہیں: ''لا جمعۃ ولا تشریق ولا صلوٰۃ فطر والاضحی الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ۔''

''نہیں ہوتی نماز جمعہ اور نہ تشریق اور نہ عیدین مگر مصر جامع یا بڑے شہر میں'' صححہ ابن حزم فی المحلی۔

اور اسی پر عمل خیر القرون صحابہ کرام کا رہا کہ اس وقت بحمد اللہ کثرت سے بلاد فتح ہوئے لیکن بجز امصار کہیں نصب

marfat.com

منبر و اقامۃ جمعہ و عیدین کے ساتھ مشغول نہ ہوئے۔

درمختار میں ہے: "وفی القنیة صلوٰة العید فی القریٰ تکره تحریما ای لانه اشتغال بما لا یصح لان المصر شرطه۔"

قنیہ میں ہے: عید کی نماز گاؤں میں مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ یہ ایسی چیز کے ساتھ اشتغال ہے جو درست نہیں۔ اس کے لئے مصر شرط ہے۔ وانتفاء الشرط یستلزم انتفاء المشروط۔ والله تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ شاہ سلامت اللہ مصنف "الشمس الطالع" از رامپور ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شاہجہاں پور کے رہنے والے دو شخص، ثقہ عادل، بمبئی سے آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے خود ۲۹ ذیقعدہ کو بمبئی میں چاند دیکھا تو بمبئی کے آئے ہوئے لوگوں کی شہادت پر شاہجہاں پور میں عید ۲۹ کے حساب سے ہوگی یا ۲۹ کے حساب سے نہ ہوگی؟۔ بینوا توجروا۔

الجواب

فی الواقع موافق ظاہر الروایۃ (کہ اسی پر عمل واجب اور اس کا خلاف مرجوح و مرجوع عنہ ہوتا ہے جس پر افتا جہل و خرق اجماع۔ کما فی الدر المختار) شاہجہاں پور میں ۲۹ کا چاند ثابت ہو کر چہار شنبہ کو عید اضحیٰ کرنی لازم ہے کہ نصاب شہادت کامل۔ ان کی شہادت واجب الاعتبار اور اختلاف مطالع کا موافق ظاہر الروایۃ اور مذہب مفتیٰ بہ و تصریحات علماء، اصلاً اعتبار نہیں۔

عالمگیریہ میں ہے: "ولا عبرة لاختلاف المطالع فی ظاهر الروایة کذا فی فتاویٰ قاضی خان وعلیه فتویٰ الفقیه ابی اللیث وبه کان یفتی شمس الائمة الحلوائی، قالوا: رایٰ اهل مغرب هلال رمضان یجب الصوم علیٰ اهل مشرق کذا فی الخلاصة۔"

اور ہلال عید الفطر کی طرح حکم ہلال عید اضحیٰ ہے۔ خزانۃ المفتین میں خلاصہ سے ہے:

"وهلال ذی الحجة کالفطر وهو ظاهر المذهب۔" پس اسی پر عمل واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد از سرکار پیتھو شریف ۶ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ میں جو کچھ امام کو پڑھنا چاہئے، وہ مقتدی کو بھی پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مقتدی بھی سب پڑھیں کہ نماز جنازہ صرف ذکر و دعا ہے، قراءت قرآن نہیں۔ اور مقتدی کو بھی صرف قراءت

marfat.com

قرآن عظیم ہی منع ہے، باقی دعا واذکار میں وہ امام کے شریک ہیں، مثل امام سب کچھ پڑھیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء۔" جب تم کسی کے جنازہ کی نماز پڑھو تو خلوص کے ساتھ اس کے لئے دعا مانگو۔

فی العطایا النبویة: "فی الرحمانیة فی الطحاوی یکبرون الافتتاح مع رفع الیدین ثم یقرؤن ثم یکبرون ویصلون علیٰ النبی صلی الله علیه وسلم ثم یکبرون ویستغفرون للمیت ثم یکبرون ویسلمون ولا یرفعون ایدیهم فی التکبیرات الثلث ولا قراءة فیها۔"

خزانۃ المفتیین میں ہے: "فان کان المیت غیر بالغ فان الامام ومن خلفه یقولون اللّٰهم اجعله لنا فرطا واجعله لنا اجرا وذخرا واجعله لنا شافعا ومشفعا۔" والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحیم نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مسئولہ ذیل میں؟

ایک بستی کی مجموعی آبادی ۱۵۰ گھر کی ہے اور مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۵۰ گھر کی ہے۔ مسلمانوں کی آبادی مسلسل ہے اور مسلمانوں کا محلہ اتر دکھن لانبا ہے، شمالی کنارے سے جنوبی کنارے تک، محلہ کی لانبائی تقریباً چار سو قدم ہے۔ زمانۂ قدیم سے ایک مسجد محلہ کے بالکل شمالی کنارے پر ہے، جس میں پنج وقتی اور جمعہ کی بھی نماز ہوتی ہے۔ محلہ چونکہ جنوبی کنارے پر زیادہ آباد ہے اور مسجد شمالی کنارے پر ہے۔ اس لئے بیشتر نمازی پنج وقتی نماز میں مسجد نہیں پہونچ سکتے ہیں۔ اس مسجد میں زیادہ تر لوگوں کے نہیں پہونچنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسجد کا راستہ ایک کھار کے کنارے سے ہے، جو برسات کے چار مہینوں میں دس ہاتھ تک (لانبائی میں) دوفٹ پانی میں ڈوبا رہتا ہے اس لئے آمد ورفت میں سخت دقت ہوتی ہے۔

متذکرہ بالا مجبوریوں کی وجہ سے بستی کے لوگوں کی اور محلہ کے جنوبی کنارے پر رہنے والے لوگوں کی خواہش ہے کہ جنوبی کنارے پر ایک مسجد پنج وقتی نماز ادا کرنے کے لئے بنائیں (جو لب سڑک وشاہراہ ہوگی)۔ اس لئے دریافت طلب ہے کہ ایسی صورت میں اس مسجد کی بنا درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: عبدالغنی عفی عنہ۔ تاریخ بست وچہارم ماہ شوال المکرم ۱۳۶۱ھ

الجواب

صورت مسئولہ میں، جیسا کہ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ جس جگہ اب مسجد ہے اور جہاں پر دوسری مسجد بنانی چاہتے ہیں، ان دونوں میں اس قدر بُعد اور دوری ہے کہ اس مسجد کی اذان اُس مسجد تک نہیں جاتی۔ اور بستی کا نقشہ دیکھنے سے بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی آبادی اس خطۂ زمین کے قریب ہے۔ جہاں لوگ مسجد بنانی چاہتے ہیں اور اس مسجد بنانے

marfat.com

سے ہرگز اس پہلی مسجد کو نقصان پہونچانا مقصود نہیں، نہ اس کا خیال ہے۔ بلکہ اس مسجد سے یہ فائدہ ہوگا کہ جو لوگ دور ہونے کی وجہ سے اس مسجد میں نہیں جاتے ہیں، اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں، اس مسجد کے بن جانے سے وہ لوگ بھی مسجد میں نماز پڑھنے کی وجہ سے ثواب پانے کے مستحق ہو جائیں گے۔ تو ایسی صورت میں اس مسجد کے بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ بنانے والے اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے: "من بنیٰ للّٰہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ۔" "جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے یعنی مقصود اس سے خداوند عالم کی رضامندی و خوشنودی ہو، نہ ریا و شہرت، تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بنائے گا"۔

بلکہ جتنے لوگ اس میں چندہ دیں گے اور مسجد کے بنانے میں شریک ہوں گے، سب کے لئے یہی اجر ہے کہ خداوند عالم جنت میں ان کے لئے گھر بنائے گا۔

تفسیر روح البیان جلد۲ ص ۵۸۲ میں ہے: "واذا اشترک جماعۃ فی عمارۃ مسجد فہل یحصل لکل منہم بیت فی الجنۃ کما لو اعتق جماعۃ عبدا مشترکا بینہم فانہم یعتقون من النار ویجوزون العقبۃ لقولہ تعالیٰ: "ما ادرٰک ما العقبۃ، فک رقبۃ" وقد فسر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فک الرقبۃ بعتق البعض والقیاس الحاق المساجد بالعتق لان فیہ ترغیبا وحملا للناس علی انشاء المساجد وعمارتہا۔"

"یعنی اگر ایک جماعت کسی مسجد کی تعمیر کرنے میں شریک ہو تو کیا ہر ایک کے لئے جنت میں گھر ہوگا؟ جس طرح ایک جماعت اپنے مشترک غلام کو آزاد کرے تو وہ سب کے سب آتش دوزخ سے آزاد ہو جائیں گے اور ان سب لوگوں کو عقبہ کی جزاء دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہیں کیا معلوم کہ عقبہ کیا چیز ہے؟ غلام آزاد کرنا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فک رقبۃ کی تفسیر بعض غلام آزاد کرنا، فرمایا ہے۔ اور قیاس یہ ہے کہ مسجد بنانے کو بھی غلام آزاد کرنے کے ساتھ ملحق کیا جائے۔ اس لئے کہ اس میں لوگوں کو ترغیب ہے، مسجد بنانے اور اس کی عمارت پر"۔

رہا قرآن شریف میں ایک مسجد قبا کے ہوتے ہوئے دوسری مسجد بنانے کا ذکر وعید کے ساتھ "وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّکُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ مِنْ قَبْلُ۔" (التوبۃ: ۱۰۷) میں اس وجہ سے ہے کہ ان منافقین نے دوسری مسجد اس لئے بنائی تھی کہ پہلی مسجد کو ضرر پہونچائیں۔ اس کا منشا ان کے اندرونی کفر کو تقویت دینا، مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ اندازی، تشتت و تفرق پیدا کرنا تھا۔ تو جہاں یہ باتیں نہ ہوں گی، دوسری مسجد بنانا، ناجائز نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ سینیر مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ

جواب صحیح ہے مگر فاضل مجیب نے جو شرائط تحریر فرمائے ہیں، ان کی رعایت ضروری ہے۔ خصوصاً تشتت و تفرق پیدا کرنا کسی طرح لازم نہ آئے۔

محمد اصغر حسین عفی عنہ ۴؍ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

marfat.com

مسئلہ مولوی محمد رضوان از کانپور مسجد رنگیان ۱۵ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نے اپنے شوہر کو چھوڑ کر کسب ناجائز اور قدرے تجارت بھی کرتی ہے۔ یعنی سال میں ہزار پانسو کا مال خرید کر فروخت کرتی ہے اس درمیان میں دو چار مکان بھی اس نے خریدا اور وہ مال اس کے پاس کچھ کسب حرام سے پیدا ہوا تھا اور کچھ بطور حلال۔ لیکن یہ امر کہ کس قدر حلال اور کس قدر مال حرام ہے، کچھ معلوم نہیں۔ بعد چند دنوں کے اس مال کی وارث اس کی ماں یعنی ہندہ کی ماں نے اپنی رائے سے ایک مسجد کی تعمیر کیا۔ اب لوگ اس خیال سے کہ مسجد میں روپیہ ناجائز بھی لگا ہے، نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ لہٰذا عرض ہے کہ من کل الوجوہ اس سے آگاہی دی جائے کہ یوں ہی مسجد بنوانا مال مختلط سے بلا جریان ارث جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

ایسی مسجد میں نماز صحیح ہونے میں تو کلام نہیں۔ اولاً لعدم الاخلال بر کن او شرط۔

ثانیاً یہ مسجد مال مختلط سے بنی ہے، نہ خاص حرام سے۔ ایسے مقام پر ہمارے ائمۂ ثلٰثہ رضی اللہ عنہم تصریح فرماتے ہیں کہ حرام پر محمول نہ کریں گے جب تک تحقیق نہ ہو جائے کہ یہ شی بعینہ حرام سے ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے فتاویٰ ظہیریہ سے، کہا امام فقیہ ابواللیث نے، بعضوں نے فرمایا: "یجوز ما لم یعلم انه یعطیه من حرام قال محمد و به ناخذ ما لم نعرف شیئا حراما بعینه و هو قول ابی حنیفة و اصحابه۔"

ثالثاً اگر بالفرض مال حرام ہی سے ہے اور مسجد تعمیر کی تو اگر زر حرام دکھا کر بائع سے کہے کہ اس کے بدلے فلاں چیز دیدے پھر وہی روپیہ ثمن میں ادا کرے۔ اور اگر وہ روپیہ نہ دکھایا یا مطلقاً خریدا پھر ثمن میں زر حرام دیا گیا، زر حرام پر عقد کیا اور دیتے وقت مال حلال ادا کیا، تو یہ خریدی شی حسب مذہب مفتیٰ بہ امام کرخی کے حلال ہے۔

تنویر الابصار میں ہے: "تصدق لو تصرف فی المغصوب و الودیعة و ربح اذا کان متعینا بالاشارة او بالشراء بدراهم الودیعة او الغصب و نقدها و ان اشار الیها و نقد غیرها و الیٰ غیرها او اطلق و نقدها لا و به یفتیٰ۔"

درمختار میں ہے: "اکتسب حراما و اشتریٰ به او بالدراهم المغصوبة شیئا قال الکرخی ان نقد قبل البیع تصدق بالربح و الا لا۔"

ردالمحتار ج ۴ ص ۲۴ پر ہے: "توضیح المسئلة ما فی التتارخانیة حیث قال رجل اکتسب مالا من حرام ثم اشتریٰ فهٰذا علیٰ خمسة اوجه اما ان دفع تلك الدراهم الیٰ البائع اولا ثم اشتریٰ منه بها او اشتریٰ قبل الدفع بها و دفعها او اشتریٰ قبل الدفع بها و دفع غیرها او اشتریٰ مطلقا و دفع تلك الدراهم او اشتریٰ بدراهم اخر و دفع تلك الدراهم قال ابو نصر یطیب له و لا یجب علیه ان یتصدق الا فی الوجه الاول و الثانی لا یطیب و فی الثلاث الاخیرة یطیب و قال ابو بکر لا یطیب فی الکل لکن الفتوی الآن علیٰ قول الکرخی دفعا للحرج عن الناس اه و فی الوالجیة و قال بعضهم لا یطیب فی الوجوه کلها و هو

marfat.com

المختار لکن الفتویٰ الاٰن علی قول الکرخی دفعا للحرج بکثرۃ الحرام اھ۔"

رابعاً کسب ناجائز سے جو کچھ ہندہ نے حاصل کیا تھا، جب مخلوط ہو کر وارث یعنی اس کی ماں کے پاس پہنچا اور اس کو اس مال کی کوئی تفصیل معلوم نہیں کہ کس کس سے لیا اور کتنا کتنا لیا، تو اس کے لئے یہ حلال ہے۔

شامی میں ہے: "وان کان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام و لا یعلم اربابه و لا شیئا منه بعینه حل له و الاحسن دیانة التنزه عنه اھ۔"

اسی کے باب الحظر والاباحۃ میں ہے: "فی المجتبیٰ مات و کسبه حرام فالمیراث حلال۔" اور مال حلال سے جو مسجد بنائی گئی، وہ مسجد ہی ہوگی اور اس کو ویران اور خراب کرنا، اپنے دین کو ویران اور خراب کرنا ہے کہ اس مسجد میں صحت نماز میں شک نہیں۔ اور مال مخلوط سے جو مسجد بنائی جائے، وہ بھی مسجد ہے۔ لیکن بنانے والے کو اس کی اجازت نہ تھی کہ جب تک اس حرام سے میراث حاصل نہ کر لیتا مال مخلوط کو دوسرے کام میں صرف کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از سنبھل ضلع مرادآباد مرسلہ محمد مدنی صاحب ۲؍ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ

ہادی ورہنما بعد سلام مسنون ملتمس ہوں کہ قصبہ سنبھل میں ایک مسجد کے نیچے دکان ہے۔ جس کے بابت علماء صاحبان فرماتے ہیں کہ اس کا کرایہ لینا منع ہے۔ اور اس وجہ سے اب وہ تہ خانہ یعنی دکان بند کرائی جا رہی ہے۔ جس کے باعث سے مسجد کے دو روپیہ ماہوار کی آمدنی میں فرق آنے والا ہے۔ امر دریافت طلب ہے کہ یہ بات اگر جائز ہو تو معزز فرمائیں کہ اس کو کرایہ پر دیا جائے یا نہیں؟ اور اس کا روپیہ مسجد کے صرف میں آنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بلاشبہ مصارف مسجد کے لئے ایسی دکان کو کرایہ پر دینا، اس کا مسجد میں صرف کرنا، موافق مذہب ظاہر الروایۃ جائز ودرست ہے، جبکہ تعمیر مسجد سے وہ دکان بنائی گئی ہو۔ جس کا مانع محض جاہل یا مجنون لایعقل ہے۔ اس کے ثبوت میں تصریحات علماء بکثرت موجود، جس کے آگے مانعین کے اوہام بالکل مردود ہیں۔

بحر الرائق میں ہے: "بخلاف ما اذا کان السرداب او العلو موقوفا لمصالح المسجد فانه یجوز له۔ اذ لا ملک فیه لاحد بل هو من تتمیم مصالح المسجد فهو کسرداب بیت المقدس۔ هذا هو ظاهر المذهب کذا فی ملا مسکین شروح الکنز و حاشیة فتح الله المعین معزیا الی الفتح۔"

درمختار میں ہے: "واذا جعل تحته سردابا لمصالحه جاز کمسجد المقدس کذا فی حاشیته للطحطاوی و رد المحتار للشامی۔"

مگر یہ ان ہی صورتوں میں ہے جبکہ تعمیر مسجد کے وقت دکان بنائی گئی ہو۔ اور اگر بعد تمامی مسجدیت پھر کسی نے بنا لیا ہو تو درست نہیں۔ کما صرح به العلامة الشلبی لقوله: "فان قیل لو جعل تحته حانوتا و جعله وقفا علی المسجد

marfat.com

قیل لا یستحب ذلك ولکنه لو جعل ذالك فی الابتداء هکذا صار مسجدا وما تحته صار وقفا علیه ویجوز المسجد والوقت الذی تحته ولو انه بنیٰ المسجد اولا ثم اراد ان یجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل" هکذا فی الدر المختار ورد المحتار من معتمدات الاسفار۔ والله تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر محلہ قراولان مسئولہ مولوی امین اللہ صاحب ۱۳ رجب المرجب ۱۳۲۳ھ

ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس بارے میں کہ مسجد میں خرچہ دینا کیسا ہے؟ اور دینے والے کی فضیلت اور جو کوئی دینے والے کو منع کرے تو کیا عقاب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد میں خرچہ دینا یعنی اس کی تعمیرات میں فروش وحوض وحمام، ودیگر مصارف میں مثل روشنی وغیرہ کے صرف کا اتنا ثواب ہے جس کو شمار میں نہیں لا سکتے۔ اس کا ثواب بما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ہے۔ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی دل پر اس کا خطرہ گذرا۔

رب العزۃ جل وعلا فرماتا ہے: "اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" "خدا کی مسجدیں وہی تعمیر کرتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر یقین رکھتے ہوں"۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ان مما یلحق المومن من عمله بعد مماته مسجدا بناه"۔ "بے شک مسلمان کے ان عملوں سے جن کا ثواب بعد موت بھی ملتا رہتا ہے، وہ مسجد ہے جس کی بنا میں اس نے شرکت کی"۔ اخرجه ابن خزیمة وابن ماجة والبیهقی عن ابی هریرة رضی الله عنه۔

حضور اقدس نبی مکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "من بنیٰ لله مسجدا بنیٰ الله له بیتا فی الجنة۔" "جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ اس کے بدلے جنت میں گھر بنائے گا"۔ وفی روایة ولو کمفحص قطاة اگرچہ قطاۃ کے گھونسلے جیسی اور بعض روایت میں ہے موتی اور یاقوت سے۔ رواه احمد والبخاری ومسلم وابن ماجة وابن حبان وابو حنیفة وابن خزیمة والبزار فی المسند والطبرانی فی الصغیر والترمذی وهو فی الکبیر وایضا فی الاوسط وابن عدی عن سیدنا عثمان وعمر وجابر بن عبد الله وابی ذر وانس بن مالك وابی امامة وابی هریرة واسماء بنت سیدنا الصدیق رضی الله عنهم اجمعین۔

پھر یہ ثواب صرف اسی پر نہیں کہ ساری مسجد خود بنائے یا مال کثیر سے شرکت کرے۔ بلکہ ہر شرکت والے کو، چاہے شرکت پیسوں سے ہو یا روپوں سے یا اشرفیوں سے، سب کو بے کم وکاست اتنا ہی ثواب ملے گا۔ لا ینقص من اجورهم من شیء۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہزار روپے والے کا سو اور دس روپیہ والے کا ایک روپیہ اور دس آنہ کے مالک کا چار پیسہ، سب ایک حیثیت میں ہے۔ اور جو شخص اسے روکے، سخت گنہگار، آثم، فاسق، مرتکب گناہ کبیرہ، مستحق وعید، مناع للخیر ہے۔ اعاذنا الله

marfat.com

منه ومن سائر اهل الاسلام بصدقة نبيه صاحب التاج والمقام عليه الصلوٰة والسلام والله تعالىٰ اعلم۔

☆☆☆☆

چہ می فرمانید علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہا:

اول اینکہ مسجد کہنہ را بجائے دیگر نقل کردن جائز است۔

دوم: آنکہ زیارت قبور از قرآن مجید ثابت است یا از حدیث شریف؟

سوم: گزاردن نماز جنازہ بے نمازی جائز است یا نہ؟

چہارم: اگر شخصے بمیرد، درآں خانہ اندرون سہ روز اتخاذ ضیافت، خواہ دفن کنندگان باشد یا غیر اوشاں جائز است یا حرام؟

پنجم: زیارت قبور بے نمازی چہ حکم دارد؟

ششم: قربانی بقر کردن از قرآن مجید ثابت است یا از حدیث؟

الجواب

(۱) معاذ الله من ذلك مسجد کہنہ را بجائے دیگر نقل ہرگز روا نیست کہ ایں ابطال غرض وقف است کہ اصلاروا نیست۔ لا يجوز تغيير الوقف۔

صاحب فتح القدیر فرمائید: ''الواجب ابقاء الوقف علىٰ ما كان عليه'' علمائے کرام فرمودہ اند کہ مسجد را مدرسہ یا قبرستان وعکس نتواند کرد۔

در فتاوی عالمگیریہ از سراج الوہاج است: ''لا يجوز تغيير الوقوف عن هيأته فلا يحول الدار بستاناو لا الخان حماماو لا الرباط دكانا۔'' پس چوں تبدیل ہیئت جائز نیست، تغیر اصل مقصود چگونہ روا باشد۔ آرے اگر حول مسجد ہمہ ویران شد ومسجد از آبادی دور افتادہ ماند وہیچ کس درنمی آید، اگر نقل نہ کنند غاصبان وظالمان مال او را می برند، ایں گاہ بضرورت بر جواز نقل فتویٰ دادہ اند۔ كما فصله فى رد المحتار۔

(۲) رسول اللہ ﷺ فرمودند: ''كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروا القبور۔'' الخمسة عن ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه۔ ودر قول اللہ عزوجل: ''فَلَا تُصَلِّ عَلىٰ اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلىٰ قَبْرِهٖ۔'' (التوبة: ٨٤) اشارہ است بزیارت قبور مسلمانان۔

(۳) نماز جنازہ بر ہر مسلم متقی باشد یا فاسق سوائے اربعہ مذکورین فی کتب الفقه کہ در آں تارک الصلوۃ نیست فرض است۔ صاحب درمختار فرمائد: ''وهى فرض علىٰ كل مسلم مات خلا اربعة بغاة وقطاع طريق اذا قتلوا فى الحرب الخ۔''

(۴) رسم مذکور سخت قبیح واتخاذ ضیافت مذکور گناہ وناجائز است۔ امام محقق علی الاطلاق در فتح القدیر وعلامہ

marfat.com

حسن شرنبلالی درمراقی الفلاح وامام بزازی درفتویٰ وغیرہم من الاعلام درمصنفات خودش آوردہ اندوعبارت چنیں است:
''یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ۔'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) جائز است کہ رقت قلب ودموع چشم وذکراز وہم حاصل است۔ لاجرم علامہ تصریح فرمودند:
''والزیارۃ بھٰذا القصد یستوی فیھا جمیع القبور۔''

(۶) ازہردو۔ قال اللہ تعالیٰ:'' وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ، الآیۃ۔''(الحج: ۳۶)

خودحضوراقدس ﷺ ازازواج مطہرات بقرہ ذبح فرمودہ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم راامرفرمودہ اند۔
البخاری عن ام المؤمنین الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت:'' ضحّی رسول اللہ ﷺ عن نسائہ با لبقر۔'' وشیخین وابوداؤداز جابربن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہماراوی:'' امرنا رسول اللہ ﷺ ان نشترک فی الابل والبقرۃ کل سبعۃ منا فیہ بذاتہ۔'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

marfat.com

کتاب الزکوٰۃ ۳

مسئلہ از بارہ بنکی قصبہ ردولی مرسلہ محمد الطاف الرحمن ۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس ایک ہزار روپیہ تھا، جس کی تجارت کی۔ بعد ایک سال کے دوسو روپیہ منافع ہوا۔ سال اول میں زکوٰۃ صرف دوسو روپیہ منافع پر لازم ہوگی یا صرف ایک ہزار اصل پر یا دونوں پر؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جس تاریخ سے وہ مالک نصاب ہوا، جب اس تاریخ پر سال گزرے گا، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ تاریخ مذکور پر دیکھنا یہ ہے کہ اس کے پاس اموال زکوٰۃ میں سے دَین وغیرہ ضروریات سے فاضل، اس وقت کتنا مال ہے؟ خواہ نقد، خواہ مال تجارت، خواہ دوسروں پر قرض۔ ان سب پر زکوٰۃ آنے کی صورت یہ ہے کہ مال تجارت جتنا اس وقت موجود ہو، بازار کے بھاؤ سے اس کی قیمت لگائی جائے۔ جو نفع مال تجارت ہے، وہ اگر اس تاریخ سال، تمام نصاب سے پہلے مل گیا تو وہ بھی حساب کیا جائے گا۔ اگرچہ تمامی سال سے ایک ہی گھڑی پیشتر ملا ہو۔ اور جو نفع اس تاریخ کے بعد ہوگا، وہ اس سال میں محسوب نہ کیا جائے گا۔ سال آئندہ میں اس کا حساب لگایا جائے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "ومن کان لہ نصاب کاملا وفی اثناء الحول وجد مالا من جنسہ، ضمہ الیٰ مالہ وزکّاہ ولو کان من غیر جنسہ من کل وجہ کالغنم مع الابل فانہ لا یضم ھکذا فی الجوھرۃ النیرۃ فان استغفاہ بعد حولان الحول فانہ لا یضم ویستانف لہ حول آخر بالاتفاق۔ ھکذا فی شرح الطحاوی۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئولہ واجد علی خاں بریلی محلہ سوداگران ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۴ھ

مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گھانس یعنی پولوں پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ اور اس کے مصارف، مصارف زکوٰۃ ہیں یا کیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

پولوں کا طریقہ جس طرح آپ کے گاؤں میں مروج ہے کہ اس کی احتیاط اور نگاہداشت ہوتی ہے، ضرور ان پر عشر ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے۔ علماء نے جو حطب اور قصب کو مستثنیٰ فرمایا، اس سے مراد وہی ہے کہ جس سے استغلال ارض مقصود نہ ہو۔ یہاں تک کہ عامہ کتب مذہب مثل بحر، بدائع ورد المحتار ودرمختار وخانیہ وخزانۃ

marfat.com

المفتیین وغیرہا، میں تصریح فرمایا:

واللفظ للاول" انما استثنیٰ الثلاثۃ لانہ لا یقصد بھا استغلال الارض غالبا حتی لو استغل بھا ارضہ وجب العشر اہ۔" "یعنی صاحب کنز نے ان تین چیزوں کو اس لئے مستثنیٰ کیا کہ غالباً ان سے مقصود استغلال ارض نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی مشغول کرے ان جزؤں کے ساتھ زمین کو، ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔

اور مصارف اس کے مصارف زکوٰۃ ہیں۔ فتح القدیر، ردالمحتار اور خانیہ اور فوائد متفرقہ پھر خزانۃ المفتیین میں ہے:" ویصرف العشر الیٰ من یصرف الیہ الزکوٰۃ اہ قال فی الجوھرۃ :مصرفہ مصرف الزکوٰۃ۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی سید حسن ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

نانا، نانی، چچا کو زکوٰۃ دینا ولینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نانا نانی کو نہیں دے سکتا۔ چچا کو دینا جائز ہے بلکہ اس میں دوہرا ثواب ہے، صدقہ اور صلہ رحمی۔

خانیہ ج اص ۱۲۸ میں ہے:" (ای لا یجوز دفع الزکوٰۃ) الیٰ والدیہ واجدادہ وجداتہ وان علوا من قبل الاباء والامھات ویجوز الیٰ سائر قرابتہ نحو الاخوۃ والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات اہ۔" ھکذا فی کنز الدقائق و شرحیہ البحر و تبیین الحقائق ۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ملک کاٹھیاوار ضلع راجکوٹ، دھوراجی مرسلہ موسیٰ الان ۴ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ

بخدمت فیض درجت، مجدد مائۃ حاضرہ، عالم اہلسنت، مولانا و بالفضل اولانا، کمترین حاجی موسیٰ الان مقام دھوراجی بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے عرض رساں ہے کہ بندہ سے زکوٰۃ کے بارے میں جو کچھ کوشش ہوتی ہے، وہ خود بھی کرتا ہے اور دوسروں سے دلا کر حق الٰہیہ ادا کرتا ہے۔ اور اس دینے میں حضرات سادات کرام کو بھی بقول شامی و بحر الرائق ومراقی الفلاح شامل کرتا ہے۔ پر اب مولانا مولوی عبدالحیٔ صاحب لکھنوی مرحوم کے فتاویٰ جلد اول میں ایک فتویٰ دیکھنے میں آیا، جس میں صاف ممانعت حضرات سادات کو دینے کی لکھی ہے بلکہ شامی بحرالرائق اور مراقی الفلاح کے قول کو صاف نامعتبر لکھا ہے۔ لہٰذا میں متردد ہوں کہ حضرات سادات کرام کے لئے غیروں کے پاس میں جو کوشش کرتا ہوں تو محنت برباد اور گناہ لازم ہوتا ہے۔ اس لئے گذارش ہے کہ حضرات سادات کو زکوٰۃ دینے اور نہ دینے کا جواز یا عدم جواز موافق حکم شریعت غراء کے لکھ کر نا چیز کو اس مخمصہ سے نجات بخشیں اور عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بنی ہاشم کو زکوٰۃ وصدقات دینا زنہار جائز نہیں۔ نہ انہیں لینا حلال۔ سیدنا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں

marfat.com

اس کے تحریم میں وارد آئیں۔ ہمارے ائمۂ ثلٰثہ بالاجماع بنی ہاشم پر تحریم صدقات فرماتے ہیں اور کافہ فقہا علی الاطلاق اسی پر ماشی اور اجلہ محققین اہل شروح وفتاویٰ وارباب تصحیح وفتویٰ مثل امام ابوبکر مرغینانی صاحب ہدایہ وامام فقیہ النفس قاضی خاں وامام طاہر صاحب خلاصہ وامام صاحب کافی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بے اشعار خلاف، امر جازم کہ مسئلہ میں کوئی روایت ضعیفہ مخالفہ کو بھی نہیں دیتی۔ قابل التفات سمجھنا تو درکنار اور جن بعض نے اس کا ذکر کیا تھا، ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ مذہب کے خلاف اور ظاہر الروایۃ سے جدا ہے۔ جس کے حاکی فقط نوح جامع ہیں۔

مجمع الانہر میں ہے: "لا تدفع الیٰ ھاشم وھو ظاہر الروایۃ وروی ابو عصمۃ عن الامام انہ یجوز فی زمانہ الخ۔"

اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارے ائمہ کا قول نہیں بلکہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ پر عمل ناجائز۔

امام خیرالدین ارلی عالم فلسطین اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: "ھذا ھو المذھب الذی لا یعدل عنہ الی غیرہ وما سواہ روایات خارجۃ عن ظاھر الروایۃ وما خرج عن ظاھر الروایۃ فھو مرجوع عنہ لما قرروہ فی الاصول من عدم امکان صدور قوانین مختلفین متساویین عن مجتھد والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ کما ذکروہ وحیث علم ان القول ھو الذی تواردت علیہ المتون فھو المعتمد المعمول بہ الخ۔"

رہا یہ کہ پھر اس زمانہ پر آشوب میں حضرات سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو؟

اقول: بڑے مال والے اگر اپنی خاص جیب سے بطور نذر وہدیہ ان حضرات کی خدمت نہ کریں، تو یہ ان کی بے سعادتی بھی ہے۔ وہ وقت یاد کریں جب ان حضرات کے جدامجد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی ملجا وماویٰ نہ ملے گا۔ کیا پسند نہیں آتا کہ وہ مال، جو انھیں کے صدقہ میں انھیں کی سرکار سے عطا ہوا، جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیر زمین جانے والے ہیں، ان کی خوشنودی کے لئے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اس کا ایک حصہ صرف کیا کریں۔ کہ اس سخت حاجت کے دن اس جواد وکریم رؤف ورحیم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے بھاری انعاموں سے مشرف ہوں اور متوسط حال والے اگر مصارف مستحبہ کی وسعت نہیں دیکھتے تو بحمد اللہ تعالیٰ وہ تدبیر ممکن کہ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو اور خدمت سادات بھی بجا ہو۔ یعنی کسی مسلمان مصرف زکوٰۃ معتمد الیہ کو جو اس کی بات سے نہ پھرے، مال زکوٰۃ میں کچھ روپے بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کردے۔ پھر اس سے کہے کہ تم اپنی طرف سے فلاں سید کو نذر کردو۔ تو قرض ادا ہو گیا اور خدمت سید کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو ملا۔

ذخیرہ میں اور ہندیہ میں ہے: "اذا اراد ان یکفن من زکوٰۃ مالہ لا یجوز والحیلۃ ان یتصدق بھا علیٰ فقیر من اھل المیت ثم ھو یکفن بہ فیکون لہ ثواب الصدقۃ ولاھل المیت ثواب التکفین وکذلک فی جمیع البر الخ۔"

marfat.com

مگر اس میں اتنی دقت ہے کہ اگر اس نے نہ مانا تو اس پر کوئی راہ جبر کی نہیں کہ آخر وہ مالک مستقل ہو چکا۔ اسے اختیار ہے، چاہے دے یا نہ دے۔ لہذا فقیر غفر اللہ لہ کے نزدیک اس کا احسن طریقہ یہ ہے کہ مثلاً زکوٰۃ سے بیس روپیہ سید کو نذر یا مسجد میں صرف کیا چاہتا ہے۔ کسی فقیر، عاقل، بالغ، مصرف زکوٰۃ کو کوئی کپڑا مثلاً ٹوپی یا سیر، سوا سیر غلہ دکھائے کہ ہم یہ تمھیں دیتے ہیں مگر مفت نہ دیں گے، بیس روپیہ کو بیچیں گے۔ یہ روپیہ تمھیں ہم اپنے پاس سے دیں گے کہ ہمارے مطالبہ میں واپس کردو۔ اب بیع شرعی کر کے روپئے بہ نیت زکوٰۃ اُسے دے۔ جب وہ قابض ہو جائے، اپنا مطالبہ ثمن میں پہلے اول تو خود ہی لے اور وہ انکار نہ کرے گا۔ اور اگر کیا بھی تو یہ جبراً چھین لے کہ وہ اس قدر میں اس کا مدیون ہے۔ اور دائن جب اپنے دَین کی جنس سے مال مدیون پائے تو بالاتفاق بے اس کی رضامندی کے لے سکتا ہے۔ اب یہ روپیہ لے کر بطور خود سید یا بنائے مسجد میں صرف کردے کہ یہ دونوں مرادیں حاصل ہیں۔

درمختار میں ہے: ''یعطی مدیونہ الفقیر زکوٰۃ مالہ ثم یاخذ ھا من دینہ ولو امتنع المدیون مد یدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ اھ۔'' من الزھر الباسم فی حرمۃ الزکوٰۃ علیٰ بنی ہاشم لعالم اھل السنۃ مجدد المأۃ الحاضرۃ سیدی احمد رضا خاں متع اللہ المسلمین بطول بقائہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ رحیم بخش خان بہادر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعد آداب وتسلیمات کے عرض خدمت اقدس ہے۔ جناب عالی! ایک شخص سید زادہ ہے اور وہ شخص قرض دار ہے۔ اور اس شخص کے معاش سے قرض ادا نہیں ہوسکتا ہے۔ اگر زکوٰۃ کے مال سے اس کا قرض ادا کردیا جائے تو جائز ہے یا نہیں۔؟ ایک شخص کہتا ہے کہ جائز ہے اور ایک شخص کہتا ہے کہ ناجائز ہے۔ تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ صحیح طور پر بدلیل لکھ کر روانہ فرمائیں۔ بینوا توجروا فقط۔

الـجـواب

زکوٰۃ اور اسی طرح تمام صدقات واجبہ، اوساخ الناس حضرات سادات کرام کو دینا ناجائز وحرام، نہ ان کے دیئے زکوٰۃ ادا ہو۔

فتح القدیر میں ہے: ''لا تدفع الی بنی ھاشم ھذا ظاھر الروایۃ''۔

مجمع الانہر میں ہے: ''لا تدفع الی بنی ھاشم وھو ظاھر الروایۃ''۔

رہا یہ کہ پھر ایسی حالت میں حضرات سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو؟ تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کسی مسلمان، مصرف زکوٰۃ، معتمد علیہ کو جو اپنی بات سے نہ پھرے، مال زکوٰۃ سے کچھ روپے بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کردے۔ پھر اس سے کہے: تم اپنی طرف سے فلاں سید صاحب کو نذر کردو، اس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوٰۃ اس فقیر کو گئی اور یہ جو سید نے پایا، نذرانہ تھا۔ اس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمت سید کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو ملا۔

marfat.com

ذخیرہ وہندیہ میں ہے: ''واذا اراد ان یکفن میتا من زکوٰۃ ماله لا یجوز والحیلة ان یتصدق بها علیٰ فقیر من اهل المیت ثم ہو یکفن به، یکون له ثواب الصدقة ولاهل المیت ثواب التکفین وکذٰلك فی جمیع ابواب البر کعمارة المساجد وبناء القناطیر، الحیلة ان یتصدق بمقدار زکوٰته علیٰ فقیر ثم یامره بالصرف الیٰ هذه الوجوه فیکون للمتصدق ثواب الصدقة وللفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرة اه ملخصا۔ ''

اقول ویظهر لی ان ثواب تلك القرب لهما جمیعا لان من دل علیٰ خیر کان کفاعله والتفصیل فی فتاوینا واللہ تعالیٰ اعلم۔

صح الجواب فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

☆☆☆☆☆

marfat.com

کتاب الصوم ۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ کیا روزہ ارکان اسلام میں شامل ہے؟ اور قرآن کریم میں "فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ" کی آیت میں "شہد" سے کیا مراد ہے؟۔ اہم کتابوں کے حوالے سے مزین کر کے جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بلا شبہ روزہ ماہ مبارک بھی اہم واعظم فرائض اسلام سے ہے۔ جس کی فرضیت خود قرآن شریف میں مذکور اور احادیث صحیحہ ثابتہ سے مدلل ہے۔ قال تعالیٰ: "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ"۔(البقرۃ: ۱۸۵) رمضان کا مہینہ وہ ہے (متبرک مہینہ) جس میں قرآن نازل کیا گیا لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اور فیصلہ کی روشن باتیں، تو جو شخص پائے تم میں سے اس مہینہ کو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ "فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ چند اقوال جو اس وقت نظر فقیر میں ہیں، قلمبند ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، درمنثور، تفسیر واحدی، تفسیر حسینی، معالم التنزیل، تنویر المقیاس، روح المعانی، بحر المحیط، النہر، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان قنوجی، میں ہے: واللفظ للاول "فمن حضر فی الشهر ولم یکن مسافرا فلیصمه" یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر المحیط میں ہے: واللفظ للبیضاوی "فمن شهد منکم هلال شهر فلیصمه" یعنی جو شخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

روح المعانی میں اتنا اور بڑھایا "و تیقن به" یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے تیقن ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ بحر المحیط میں یہ معنی لکھ کر محاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا کہ محاورہ شهدت الهلال نہیں کہتے بلکہ شاهدت۔

اقول وهذا کما تریٰ لانك تقول شهدت الهلال لما رائیته وشهدت الهلال اعم منه کما صرح به فی نفسه لقوله وشهد من الشهود والترکیب یدل علی الحضور اما ذاتا او علما وقد قیل لکل منهما۔

(۳) تفسیر فتح الرحمان علامہ شیخ علی مہائمی میں ہے: "(فمن شهد) ای علم (منکم الشهر) باستکمال شعبان او شاهد الهلال (فلیصمه)۔" یعنی تم میں سے جس کو ماہ رمضان کا علم ہو شعبان کے دیکھنے سے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

marfat.com

(۴) تفسیر کبیر میں ہے: "(فمن شهد) ای من شاهد الشهر بعقله ومعرفته (فليصمه)" یعنی جو شخص ماہ رمضان کو حاضر جانے اپنی عقل سے، معرفت سے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ اگر چہ بظاہر متعدد اقوال معلوم ہوتے ہیں مگر سب ایک ہیں لما فيه بمنزله قيود واحترازات۔ خلاصہ یہ کہ جسے رمضان شریف کا علم ہو، خواہ چاند دیکھ کر یا ثقہ عادل کی گواہی سے، ورنہ شعبان کے تیس دن پورا کر کے اس پر فرض ہے کہ رمضان کا روزہ رکھے، جب کہ عاقل بالغ مکلّف مقیم تندرست غیر معذور ہو۔ اس لئے کہ شہود کا معنی علم کے ہیں۔ كما صرح به المهائمى فى فتح الرحمان واشار اليه النووى فى "روح المسائل فى الفروع" لقوله شهود الشهر اما بالروية والسماع والخازن لقوله" وقيل هو محمول على العادة شهود الشهر اى روية الهلال ولذالك قال النبى صلى الله عليه وسلم صوموا الرويته وافطروا الرويته اخرجاه فى الشيخين ولا خلاف انه يصوم رمضان من راى الهلال ومن استكمل شعبان وفصله الامام الرازى فى الكبير كما هو دابه حيث قال:" اعلم ان قوله تعالى فمن شهد منكم الشهر فليصمه يستدعى بحثين - البحث الاول ان شهود الشهر بما ذا يحصل؟ فنقول اما بالروية واما بالسماع فنقول اذا رأى انسان هلال رمضان فأما ان يكون منفردا بتلك الروية أو لا يكون؟ فان كان منفردا بها فأما ان يرد الامام شهادته أو لا يردها؟ فان تفرد بالروية ورد الامام شهادته لزمه ان يصوم لأن الله تعالى جعل فى حقه فوجب ان يجب عليه الصوم واما ان انفرد بالروية وقبل الامام شهادته أو لم ينفرد بالروية فلا كلام فى وجوب الصوم واما السماع فنقول اذا شهد عد لان على روية الهلال حكم به فى الصوم والفطر جميعا واذا شهد على هلال رمضان يحكم به احتياطا لامر الصوم۔" (التفسير الكبير ۲۵۶/۵)

ان دونوں اکابر مفسرین کی تصریح سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ من شهد منكم الشهر کے معنی من علم کے ہیں۔ اور یہی مفہوم حدیث شریف "صوموا الرويته وافطروا الرويته" کا ہے۔ كما نص عليه الخازن وبعد تصريحات العلماء فى كتب اللغة لسان العرب بين الروية النظر بالعين والقلب۔ اسی میں ہے:" وروية القلب هو العلم"

تو حدیث شریف کا مطلب یہ ہوا کہ روزہ رکھو رمضان کا، خود چاند دیکھ کے یا دو عادل کی رویت پر بھروسہ کر کے یا شعبان کے تیس دن پورے کر لو کہ اس کے بعد کا دن ضرور رمضان ہی کا ہے۔ یونہی افطار کرو عید کا چاند دیکھ کر ورنہ دو عادل کی رویت پر بھروسہ کر کے ورنہ ماہ رمضان کا تیس دن پورا کر کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

عید کا چاند

(رسالہ مبارکہ "عید کا چاند" کے آغاز میں مرتب قیس محمد خاں قادری رزاقی کے وہ مراسلات ہیں جو انہوں نے امیر جماعت اہل حدیث اور امیر شریعت پھلواری شریف کی خدمت میں چاند کی بابت ارسال کئے تھے۔ پھر ان پر

marfat.com

مفصل تنقیدی تبصرہ اور ماہنامہ نقیب کے ایڈیٹر کے مضمون کا علمی محاسبہ ہے۔ چونکہ یہ چیزیں زیر نظر کتاب سے غیر متعلق تھیں، اس لئے انہیں حذف کر دیا گیا۔ ۱۲ ساحل)۔

کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں:

(۱) روزہ رکھنا کب فرض ہوتا ہے اور کب روزہ کھولنا اور عید کرنا واجب ہوتا ہے؟

(۲) چاند دیکھنے سے کیا مراد ہے؟ ہر مقام اور ہر شہر والوں کو خود ان کے دیکھنے پر حکم ہوگا یا ایک جگہ کی رویت سے دوسری جگہ روزہ رکھنے اور کھولنے کا حکم ہوگا اور کب؟

(۳) اگر اس بارے میں علما کے اقوال مختلف ہیں تو ان قولوں میں کس پر فتویٰ ہے کس پر عمل کرنا چاہئے؟

(۴) مشرق مغرب کا ایک حکم ہونا اس وقت تھا جب رسل ورسائل کے ذرائع محدود تھے۔ اب سارے کرۂ زمین کی خبر چند منٹوں میں معلوم ہو جاتی ہے۔ ایسے وقت لندن کے افق پر چاند ہونے کو ہندوستان کے افق پر ماننا کیونکر ممکن ہے؟

(۵) زمانے کی ایجادات ریڈیو، تار، ٹیلیفون، ٹرنک کال وغیرہ سے جب خبروں کی آسانیاں پیدا ہو چکی ہیں تو ان کو نہ ماننا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے اور اس بارے میں عام علمائے ہندوستان کا کیا فتویٰ ہے؟

(۶) سننے میں آیا ہے ۱۹؍اگست کو مراد آباد میں جمعیت العلما نے متفقہ طور پر فتویٰ دیا ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ ثبوت ہلال کی خبر دی جا سکتی ہے۔ اس فتوے کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے؟

امید کہ ان سوالوں کے جوابات آیات واحادیث وکتب فقہیہ کے علاوہ حضرت امیر شریعت اول جناب مولانا سید شاہ بدر الدین صاحب سجادہ نشین پھلواری شریف قدس سرہٗ کی تحقیقات کی روشنی میں تحریر فرمایا جائے تو بہت بہتر ہو کہ خود غرضوں کے سوا صوبہ بہار کے علما وعوام کسی کو ماننے میں نہ عار ہو اور نہ کسی کو ہمت انکار ہو۔ بینوا توجروا۔

قیس محمد خاں قادری رزاقی عفی عنہ محلہ مغلپورہ پٹنہ سٹی ۲۲؍اگست ۱۹۵۱ء

الجواب

جواب سوال اول: قال اللہ تعالیٰ: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَٰتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ: ''رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کے لئے ہدایت اور راہ نمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں تو تم میں جو کوئی پائے یہ مہینہ ضرور اس کے روزے رکھے۔

مَن سے مراد عاقل بالغ تندرست مسلمان ہیں۔ شہد یا شہود سے ہے جس کے معنی ہیں حاضری یا حضر میں ہونا جو سفر کا مقابل ہے یعنی جو مسلمان عاقل بالغ اس مہینے رمضان میں مسافر نہ ہو بلکہ مقیم ہو تو اس پر روزے رکھنا

marfat.com

فرض ہیں۔ یا مشاہدہ سے بنا ہے یعنی تم میں سے جو کوئی ماہِ رمضان کا چاند مشاہدہ کرلے تو اس میں روزہ رکھے۔

تفسیر ابو سعود میں ہے: ''فمن شهد منكم الشهراى حضر فيه ولم يكن مسافرا وقيل من شهد منك هلال الشهر فليصمه''

تفسیر کبیر میں ہے: ''(المسئلة الثانية) شهداى حضر و الشهود الحضور ثم ههنا قولان احد هما ان مفعول شهد محذوف لان المعنى فمن شهد منكم البلدا و بيته بمعنى لم يكن مسافرا والقول الثانى مفعول شهد هوالشهرو التقدير من شاهدا لشهر يعقله ومعرفته فليصمه''تفسير كبير جلد (٢ ص ١٨٤)۔

حدیث شریف میں ہے: ''اذارايتم الهلال فصوموا واذارايتم فافطروا وان غم عليكم فعدوا ثلثين يوما'' ''جب دیکھو رمضان شریف کا چاند تو روزہ رکھو اور جب دیکھو شوال کا چاند تو افطار کرو اور اگر چاند نظر نہ آئے تو گنتی تیس دن پوری کرو''۔ رواه الامام احمد والبيهقى عن جابر رضى الله عنه ورواه الامام احمد ومسلم والنسائى وابن ماجه عن ابى هريرة ورواه النسائى و ابن ماجه عن ابن عباس ورواه ابو داؤد من حذيفة''۔

دوسری حدیث میں ہے: ''اذاجاء رمضان فصم ثلاثين الا ان نرى الهلال قبل ذلك'' ''جب رمضان شریف کا مہینہ آئے تو تیس دن روزہ رکھو مگر یہ کہ تیس کے قبل عید کا چاند دیکھا جائے تو ۲۹ ہی دن روزہ رکھنا ہوگا''۔ رواه الطبرانى فى الكبير عن عدى بن حاتم رضى الله عنه۔

تیسری حدیث میں ہے: ''اذارائيتم الهلال فصوموا واذاراً يتموه فافطروافان غم عليكم فاقدروا له رواه البخارى و مسلم والنسائى وابن ماجه وفى رواية فان غم عليكم فعد واثلثين''۔ رواه الطبرانى فى الكبير عن طلق بن على رضى الله عنه۔

اس مضمون کی حدیثیں اس قدر ہیں جو اہل علم سے مخفی نہیں، جن کا خلاصہ حکم یہ ہے کہ رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور عید کا چاند دیکھ کر روزہ افطار کرو اور اگر ۲۹ کو چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرو۔ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ استفتائے رویت ہلال کے ص ۳ میں فرماتے ہیں: فمن شهد منكم الشهر فليصمه۔ تو جو کوئی تم میں سے حاضر ہو یعنی پائے اس مہینہ کو تو چاہیے کہ اس میں روزہ رکھے شہد کے معنی حضر کے ہیں۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ جو مسلمان اس مہینے کو پائے اس حال میں کہ مکلف بالشرع اور تندرست و مقیم ہو، اس پر اس مہینہ کا روزہ فرض ہے۔ بیمار ومسافر کو اس کے بعد کی آیۂ شریفہ میں قضا کرنے کی رخصت دی گئی ہے۔ مفسرین نے فمن شهد منكم الشهر فليصمه کے کئی معنی کیے ہیں۔ ازانجملہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: هو اهلاله بالدار اپنے گھر میں

marfat.com

مقیم ہو اور رمضان مبارک کا چاند دیکھے تو چاہئے کہ روزہ رکھے۔ یعنی ضرور ہے، فرض ہے کہ روزہ رکھے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ شہود ماہ رمضان سے اہل اسلام پر روزہ فرض ہو جاتا ہے اور شہود رمضان سے غرض ماہ رمضان کا چاند دکھائی دینا ہے۔

پھر اسی استفتا کے ص ۵ پر تحریر فرماتے ہیں اور اگر آسمان صاف ہونے کے ساتھ ۲۹ رکو چاند نہ دیکھا گیا، وہاں کے آدمی نے چاند نہ پایا، وہ شعبان کا ۳۰ دن پورا کرنے کے بعد ماہ رمضان جانے اور روزہ رکھے پھر اگر ۲۹ رشعبان کو ابر ہونے کے سبب سے چاند ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ نہ ہو سکے تو بھی شعبان کا ۳۰ دن پورا کرنا ہوگا۔ کیونکہ آیۂ کریمہ کے موافق اس نے رمضان کا مہینہ ابھی پایا نہیں ہے۔ ہاں اگر قرب وجوار سے ۲۹ کے چاند ہونے خبر کی تحقیق ہو جائے، مسلمان چاند دیکھنے والے کی گواہی سے چاند ہونے کی تصدیق ہو جائے تو ۲۹ ہی کے حساب سے مہینہ لیا جائے گا اور روزہ بھی اسی حساب سے فرض ہوگا۔

پھر اسی استفتاء کے ص ۹ پر اس مسئلہ کو حدیث جامع ترمذی: ''صوموالرویتہ وافطروالرویتہ فان حالت دونکم غیابۃ فاکملوا ثلثین یوما'' ''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور افطار کرو چاند دیکھ کر، اور اگر بدلی حائل ہو جائے (چاند دیکھنے سے) تو تیس دن مہینے کا پورا کرو''، سے مدلل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکم یہ ہے کہ بدلی حائل ہونے کے سبب سے اگر ۲۹ شعبان کو چاند نہ ہو تو تیس دن پورا کر کے روزہ رکھو اور اگر عید کا چاند ۲۹ رمضان کو نظر نہ آئے تو تیس دن روزے کے پورے کرو، نہ یہ کہ دور کے شہر و ملک کی روایت کی خبر تار برقی پر منگاؤ اور اس برقی خبر پر ۲۹ دن کے بعد روزہ رکھ لو یا عید مناؤ اور روزہ کو رخصت کر دو۔

پھر بحوالہ علامہ عینی ابو عمر یعنی ابن عبد البر کا قول نقل کرتے ہیں: ''لا یصح اعتقاد رمضان الا برویۃ فاشیۃ او شہادۃ عادلۃ او اکمال شعبان ثلثین یوما وعلیٰ مذہب جمہور فقہاء الامصار بالحجاز والعراق والشام والمغرب'' ماہِ رمضان ہونے کا اعتقاد صحیح نہیں مگر صاف ظاہر رویت ہلال سے یا عادل کی گواہی سے یا ماہ شعبان کا تیس دن پورا کرنے سے۔ اسی پر بلاد حجاز اور عراق اور شام اور ملک مغرب کے جمہور فقہا کا مذہب ہے۔

پھر فرماتے ہیں: اور جمہور قدروا کے معنی کہتے ہیں اکملوا یعنی پورا کرو تیس دن۔ حدیث کا مفاد یہ ہے کہ ابتدائے ماہ میں روزہ کا واجب ہونا اور انتہائے صوم میں افطار کا واجب ہونا، دونوں ہی کا تعلق چاند ہو جانے سے ہے اور چاند کا ہونا اپنی جگہ یا قرب وجوار کی رویت پر ہے، نہ حساب نجوم پر، نہ اور شہروں سے برقی خبر منگانے پر۔

نیز امیر شریعت اول رحمہ اللہ اسی استفتا کے ص ۱۳ پر فرماتے ہیں: ابر کی حالت میں تیس دن کا مہینہ پورا کرنا شعبان میں ہو یا رمضان، ہر ایک میں ہے۔ عقود الجواہر ''المنیفۃ فی روایۃ الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ''

marfat.com

میں مرتضی زبیدی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: ’’وفیہ عن الحکم یتعلق بالرویۃ ولا عبرۃ بقول الموقنین وان کانو اعدو لا فی الصحیح و ھو مذھب الجمھور الامن شذمن المتاخرین۔‘‘ اس روایت میں حکم چاند دیکھنے کے متعلق ہے اور یقین سے بتانے والے کے قول کا اعتبار نہیں اگرچہ وے عادل ہوں۔ صحیح اور جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اگر چاند نکلنے کی جگہ آسمان میں ابر یا غبار کی وجہ سے رویت نہ ہو اور قرب و جوار سے رویت کی خبر آئے تو ماہ رمضان کے چاند کی تصدیق ایک مسلمان کی گواہی سے ہو جائے گی عادل ہو یا نہ لیکن فاسق نہ ہو اور ماہ شوال کی رویت کے لئے دو گواہ عادل کا ہونا چاہئے۔ غیر عادل یا ایک کی گواہی افطار کے لئے معتبر نہیں‘‘

یہ چند اقتباسات استفتائے رویت ہلال کے بحوالہ صفحے لکھے گئے۔ اب حضرت امیر شریعت اول رحمۃ اللہ کے جواب استفتائے رویت ہلال کے چند اقتباسات تمام علماے ہند خصوصاً حضرات صوبہ بہار کے لئے پیش کرنا مناسب جانتا ہوں جس سے مسئلہ روز روشن کی طرح واضح اور ابین ہو جائے۔ جواب ص ۵ پر لکھتے ہیں: درمنثر میں جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں: ’’واخرج الحاکم و صححہ والبیھقی فی سننہ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: جعل اللہ الاھلۃ مواقیت للناس فصوموالرویتہ وافطروالرویتہ فان غم علیکم فعد واثلثین‘‘۔ ’’حاکم نے اس کو روایت کیا اور صحیح بتایا ہے اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا نے چاندوں کو لوگوں کے اوقات بتانے کو بنایا ہے تو روزہ رکھو اسے دیکھ کر اور افطار یعنی فطر یوم عید کرو اس کو دیکھ کر۔ پھر اگر وہ تم پر پوشیدہ ہو جائے تو تیس دن رمضان کے شمار کرلو‘‘۔

پھر ص ۱۰ پر فرماتے ہیں: قاضی ابوبکر بن عربی مالکی اپنی تفسیر احکام القران میں لکھتے ہیں: ’’محمول علی العادۃ بمشاھدۃ الشھر وھی رویۃ الھلال و کذلک قال صلی اللہ علیہ وسلم: صوموالرویتہ وافطر والرویتہ‘‘ یہ مہینہ دیکھنے کی عادت پر محمول ہے اور وہ چاند دیکھنا ہے۔ ایسا ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: روزہ رکھو چاند دیکھ کر اور افطار کرو (یعنی مہینہ تمام کرو) چاند دیکھ کر۔

پھر اس جواب کے ص ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں: رمضان مبارک کا چاند ہونے کے بعد روزہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ اسی طرح رویت شوال پر روزہ کا تمام ہونا بھی ہے۔ تفسیرات احمدیہ میں ملا احمد لکھتے ہیں: ’’وفیہ اشارۃ الی ان الصوم والفطر یعتبر برویۃ الھلال وھوالذی علیہ اسم الشھر سواء کان تسعۃ وعشرین اوثلاثین یوما کاملا‘‘ ’’اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ اور فطر کا اعتبار کیا جاتا ہے چاند دیکھنے پر اور اسی پر مہینے کا نام ہے، خواہ انتیس دن کا ہو یا پورے تیس دن‘‘۔

marfat.com

پھر فرماتے ہیں: اور تفسیرات احمدیہ میں ملا احمد معروف بہ ملا جیون لکھتے ہیں: ''ای یرید الله ان تکملوا مدة رمضان من الهلال الیٰ الهلال کاملة اذا کان خطابالکل من علیه الصوم او تکملوا عدة قضائه اذا کان خطابا بالمسافر و المریض خاصة''۔ '' حضرت تعالیٰ چاہتے ہیں کہ رمضان کا شمار ایک چاند سے دوسرے چاند تک کامل پورا کرو، جب خطاب ان کی طرف سمجھا جائے کہ جن پر روزہ فرض ہے یا یہ معنی کہ قضا شدہ روزہ کو گن کر پورا کرو جب خطاب خاص کر مسافر یا بیمار کے لئے سمجھا جائے'' اور اسی قول کو علامہ عبدالعزیز کی تفسیر فتوحات ربانیہ اور ابو حبان اندلسی کی تفسیر بحرالمحیط اور امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر درمنثور کی عبارات نے اور تقویت پہونچائی۔

الحمدللہ کہ جواب سوال اول کا آیۂ کریمہ تفسیر، حدیث کے علاوہ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے استفتائے رویت ہلال و جواب استفتائے رویت ہلال کے اقتباسات سے جن کو حضور نے بیس کتابوں کی عبارات سے مبرہن و مدلل فرمایا ہے، مختصراً ہدیۂ ناظرین ہے۔ وہ سوال و جواب جس کو ذاتی رائے کہہ کر رد کیا جاتا ہے اور حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے فتویٰ کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے۔ یہ وہ تحریر ہے جس سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ رمضان شریف کی ابتدا اور اسی طرح عید بھی چاند دیکھنے ہی سے ہوتی ہے اور ۲۹ شعبان کو چاند نہ ہو تو تیس دن پورے کر کے روزہ رکھنا فرض ہوگا اور اسی طرح اگر شوال کا چاند ۲۹ رمضان کو نہ ہو تو تیس دن پورے روزہ رکھ کر عید کرنی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال دوم: اس بارے میں علما کے تین قول ہیں:

پہلا قول: ہر شہر کی رویت اسی شہر والوں کے لئے ہوگی۔ دوسری جگہ والوں کے لئے اس کا حکم نہ ہوگا۔ یہ قول قاسم، سالم، عکرمہ، اسحٰق وغیرہ کا ہے۔ یہی مذہب اہل حدیث کا ہے۔

امیر جماعت اہل حدیث مولانا حکیم سید عبدالخبیر صاحب اپنے فتویٰ مسلکہ جامعہ الاقوال فی رویۃ الھلال ص ۷ میں سوال ایک جگہ کے چاند دیکھنے سے دوسری جگہ کے لوگوں کے لئے روزہ، عید الفطر، عید اضحیٰ کا حکم ہوگا یا نہیں؟ کے جواب میں لکھتے ہیں: ایک جگہ کے لوگوں کے چاند دیکھنے سے دوسری جگہ کے لوگوں کے لئے اس چاند کا حکم نہیں چل سکتا: جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت کریب کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ملک شام سے مدینہ منورہ پہونچے اور انہوں نے شب جمعہ کے چاند دیکھنے کی خبر دی اور مدینہ والوں نے چاند شب شنبہ کو دیکھا تھا تو حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس روایت کو مدینہ والوں کے لئے نہیں قبول کیا اور یہ کہا کہ ہم اپنی رویت کے حساب سے روزہ رکھیں گے اور یہ صرف اپنی ہی رائے نہیں بیان فرمائی بلکہ فرمایا هکذا امرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ استفتائے رویت ہلال ص ۷ پر حدیث مسلم شریف مذکور ترمذی شریف سے

marfat.com

نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: جامع ترمذی میں اس مضمون کا ایک باب ہی قائم کیا ہے باب ماجاء لکل بلد رویتھم پھر اس حدیث کو نقل اور ترجمہ کر کے شرح مسلم نووی سے اس کے فوائد و اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا اجتہاد نہیں ہے کہ انہوں نے بتادیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا ہی کرنے کو حکم فرمایا ہے اور اس بنا پر اہل ملک شام کے چاند دیکھنے اور ان سب کے مع امیر کے روزہ رکھنے کی خبر سننے کے ساتھ امر نبوی ہی پر اپنا معمل رہنا ظاہر کیا۔

نیز جواب استفتائے رویت ہلال ص ۳۳ پر محمد ابوالطیب سندی کی شرح جامع ترمذی سے نقل فرماتے ہیں: ''قولہ ھکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحتمل ان یکون معناہ انہ امرنا ان لا نقبل شھادۃ الواحد فی حق الا فطار او انہ امر نا بان نعتمد علیٰ رویۃ اھل بلد نا و لا یعتمد علیٰ رویۃ غیر اھل بلد نا و المصنف حملہ علیٰ المعنی الثانی فلذا استدل بہ''۔ ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ ہم کو ایسا ہی حکم دیا ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، احتمال رکھتا ہے اس کا معنی ہو کہ آپ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ایک شخص کی شہادت افطار کے بارے میں ہم قبول نہ کریں یا یہ کہ ہمیں آپ نے حکم دیا ہے کہ اپنے شہر والوں کی رویت پر ہم اعتماد کریں اور اپنے شہر کے سوا دوسرے شہر کی رویت پر اعتماد نہ کیا جائے۔ مصنف (امام ترمذی) نے اس کو معنی دوم پر حمل کیا اور اسی بنا پر اس حدیث سے استدلال کیا''۔

پھر ص ۳۹ پر ترمذی شریف کے دوسرے شارح سراج احمد رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: ''ظاھرہ اعتبار اختلاف المطالع قال الخطابی ذھب الیٰ ظاھرہ القاسم و سالم و عکرمۃ و ھومذھب اسحق و قالوا ان لکل قوم رویتھم انتھی''۔

''اس حدیث کا ظاہر اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا ہے خطابی نے کہا کہ اس حدیث کے ظاہر کی طرف قاسم، سالم اور عکرمہ رحہم اللہ گئے ہیں اور یہ مذہب اسحٰق کا ہے اور ان سب نے کہا کہ ہر قوم کے لئے ان کی رویت معتبر ہے۔ انتہیٰ''۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ دوسری قریب جگہ کی رویت کا اعتبار کیا جائے گا، دور کی رویت معتبر نہ ہوگی۔ پھر قریب اور دور کی حدوں میں اختلاف ہوا ہے۔ اس بارے میں علما کے پانچ قول ہیں:

(۱) جہاں تک نماز قصر نہیں کی جاتی ہے، وہ قریب ہے اور جہاں نماز قصر کی جاتی ہے وہ دور ہے۔

(۲) جہاں تک مطلع واحد ہو وہ قریب ہے اور جہاں کا مطلع دور ہو وہ دور ہے

(۳) جہاں تک اقلیم کا اتحاد ہو، وہ قریب ہے اور دوسری اقلیم دور ہے یعنی ایک اقلیم میں کسی جگہ چاند ہونے سے پورے اقلیم میں روزہ رکھنا افطار کرنا فرض ہوگا۔ دوسری اقلیم میں یہ حکم نہ ہوگا۔

marfat.com

(۴) ایک مہینہ سے کم کی راہ ہو تو وہاں ایک حکم ہوگا اور مہینہ بھر سے زیادہ کی راہ ہو تو وہاں چاند ہونے سے دوسری جگہ نہ ہوگا اور مراد اس راہ سے پیدل چلنے کی راہ ہے، نہ موٹر، ریل گاڑی، ہوائی جہاز سے۔
(۵) ۲۴ فرسخ سے کم ہو تو ایک حکم ہوگا اور اس سے زائد فاصلہ ہو تو دور سمجھا جائے گا۔

حضرت امیر شریعت اول استفتا رویت ہلال ص ۶ پر تحریر فرماتے ہیں: ''ہاں اگر قرب وجوار سے ۲۹ کے چاند ہونے کی تحقیق ہو جائے، مسلمان چاند دیکھنے والے کی گواہی سے چاند ہونے کی تصدیق ہو جائے تو ۲۹ ہی کے حساب سے مہینہ لیا جائے گا اور روزہ بھی اسی حساب سے فرض ہوگا۔ کیونکہ یہاں ابر کے حائل ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا اور قرب وجوار میں کسی جگہ مطلع سے ابر ہٹا ہونے کے سبب سے نظر آ گیا اور وہاں سے خبر تصدیقی آگئی تو یہاں کے لوگ بھی مہینہ پانے والے سمجھے جائیں گے اور روزہ رکھنا فرض ہوگا جب قرب وجوار کے دیکھنے کی تصدیق ہوگئی تو اگر ابر کا حجاب نہ ہوتا تو یہاں بھی دیکھا جاتا، اس کی تصریح کی حدیث شریعت سے ظاہر ہوتی ہے (اس جگہ حضور نے حدیث اعرابی مروی عن ابن عباس نقل کر کے ترجمہ کیا پھر فرمایا) اور منزلوں دور سے ۲۹ کے چاند کی خبر آئے تو اس پر اعتبار نہ ہوگا اس لئے کہ فمن شھد منکم سے مخاطب وہیں تک کے لوگ ہو سکتے ہیں جہاں تک کا مطلع ایک ہے، نہ یہ کہ جہان بھر کے لوگ مطالع مختلف کے رہنے والے اختلاف مطالع کے اعتبار سے مسافت بعیدہ کی رویت ہلال پر عمل نہ کرنا، یہ بھی حدیث میں آ گیا ہے (اس جگہ حضور نے کریب والی حدیث ترمذی شریف سے نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا پھر تحریر فرمایا) صحیح مسلم میں بھی ایسا ہی ہے اور امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ رویت ہلال (ایک جگہ کی) سب لوگوں کے لئے عام نہیں ہوتی بلکہ ایسی مسافت قریبہ تک جہاں تک نماز قصر نہیں کی جاتی، خاص ہے۔ کہا گیا ہے کہ جہاں تک مطلع واحد ہو یا اقلیم کا اتفاق ہو، ان سب کو روزہ لازم ہوگا۔ نہیں تو نہیں۔

اسی میں طحطاوی حاشیہ درمختار سے ہے ص ۱۶: ''واطلق المصنف فشمل ما اذا کان بینھما تفاوت بحیث مختلف المطلع اولا و فصل بعض بالتفاوت وعدمه وحدا التفاوت شھر فصاعدا اعتبار ابقصة سلیمان علیه الصلاة والسلام''۔ ''مصنف نے مطلق کہا تو دونوں کو شامل ہو گیا آپس میں تفاوت اختلاف مطلع کی حیثیت سے ہو یا نہ ہو اور بعض نے تفاوت وعدم تفاوت اختلاف مطلع میں فرق کیا ہے۔ تفاوت کی حد ایک مہینے کی مسافت اور اس سے زیادہ میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکایت کے اعتبار سے۔ شامی رحمہ اللہ بھی مثل طحطاوی کے لکھنے کے بعد مسافت زمین کے متعلق دوسرا قول تاج تبریزی کا لکھتے ہیں کہ ۲۴ فرسخ سے کم میں اختلاف مطالع نہیں ہو سکتا پھر جواب استفتائے رویت ہلال ص ۲۳ فرمایا آیۂ شریفہ فمن شھد منکم الشھر سے قریب کی رویت پر اعتبار کرنا اور بعید کی رویت کو نا معتبر جاننا۔ جیسا کہ میں نے لکھا ہے، اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں قاضی ابوبکر

marfat.com

بن عربی مالکی نے بھی تفسیر احکام القران میں لکھا ہے: "السابعة اذا اخبر مخبر عن رویة بلد فلا یخلو ان یقرب اویبعد فان قرب فالحکم واحد وان بعد فقد قال قوم لاهل کل بلد رویتهم وقیل یلزمهم ذلك"۔ "(اس آیت کے متعلق) ساتواں مسئلہ کو جب کوئی مخبر کسی شہر کی رویت ہلال سے خبر دے تو دو حال سے خالی نہیں یا وہ شہر قریب ہوگا یا دور۔ اگر قریب ہے تو ایک ہی حکم ہے یعنی چاند ہونا تسلیم ہوگا اور اگر دور ہے تو قوم نے کہا کہ ہر شہر والوں کے لئے ان کی رویت معتبر ہے۔ بعض کا قول ہے کہ چاند کو مان لینا ان کو ضرور ہوگا"۔

پھر جواب استفتائے رویت ہلال کے ص ۴ پر شرح ترمذی سے نقل فرمایا: "قال القرطبی قال شیوخنا یعنی المالکیة اذا کانت رویة الهلال ظاهرة بموضع ثم نقل الیٰ غیرهم بشهادة اثنین لهم الصوم انتهی قال الخطابی وبه قال اکثر الفقهاء والیه ذهب الشافعی واحمد ولکن المذکور فی کتب الشافعیة ان ذلك فیما تقاربت البلاد و قال الحافظ وان تباعدت فلا یجب عندا کثرهم واوجبه ابو الطیب وحکاه البغوی عن الشافعی لکنه قال ابن عبدالبر اجمعوا علیٰ انه لا تراعی الرویة فیما بعد عن البلاد کخراسان والاندلس نتهی"۔ "قرطبی نے کہا ہمارے شیوخ مالکیہ نے کہا ہے کہ جب رویت ہلال کسی ایک جگہ ظاہر ہو جائے پھر (وہ خبر) دو شخص کی گواہی سے دوسروں کی طرف منتقل ہو تو ان پر روزہ واجب ہے انتہی۔ خطابی نے کہا کہ اکثر فقہا نے یہی کہا ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہا اللہ اسی طرف گئے ہیں انتہی۔ لیکن شافعیہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ ایک شہر دوسرے سے قریب ہوں اور حافظ ابن حجر نے کہا کہ اگر دوسرے دور ہوں تو اکثر شافعیہ کے نزدیک واجب نہ ہوگا۔ ابوالطیب نے واجب کیا اور بغوی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے اس کو حکایت کیا ہے لیکن ابن عبدالبر نے کہا کہ مالکیوں اجماع کیا ہے کہ دور کے شہروں میں رویت کی رعایت نہ کی جائے گی جیسے خراسان اور اندلس۔ انتہیٰ"۔

تیسرا قول: جو حنفیہ کا ظاہر المذہب ہے، یہ ہے کہ کسی ایک جگہ چاند دکھائی دینے سے سب جگہ کے لوگوں پر روزہ رکھنا اور روزہ کھولنا فرض ہو جاتا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس جگہ چاند دیکھے جانے کا علم دوسری جگہ والوں کو بطریق موجب شرعی ہو جائے اور اگر بطریق موجب اس کا علم نہ ہوا بلکہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، اخبار یا حکایت یا اور کسی واہی تباہی ذریعہ سے اس کی اطلاع پہونچی تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ دوسری جگہ کے لوگوں کو ۳۰ شعبان پورے کر کے روزہ رکھنا اور ۳۰ رمضان پورے کر کے عید کرنے کا حکم شرعی ہوگا۔

حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ استفتائے رویت ہلال ص ۴ پر تحریر فرماتے ہیں: مسافت بعیدہ کی رویت ہلال کی نسبت درمختار میں ہے: "واختلاف المطالع ورویة نهارا قبل الزوال وبعده غیر معتبر علیٰ

marfat.com

ظاهر المذهب وعليه اكثر المشائخ وعليه الفتوى بحر عن الخلاصة فيلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب اذاثبت عندهم روية اولئك بطريق موجب كما مرقال الزيلعي الاشبه ان يعتبرلكن قال الكمال الاخذبظاهر الرواية احوط"۔ " اور مطالع کا اختلاف اور دن کو چاند دیکھنا زوال کے پہلے اور بعد اس کے، سب نامعتبر ہے۔ ظاہر مذہب پر اور اکثر فقہا اسی بات پر ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ خلاصہ سے بحر میں لکھا ہے تو مشرق کے لوگوں کو لازم ہوگا (روزہ یا افطار) مغرب والوں کے چاند دیکھنے سے جب اہل مشرق پر اہل مغرب کا چاند دیکھنا شرعی شہادت سے ثابت ہو جائے جیسا کہ گزرا۔ زیلعی نے کہا کہ اشبہ یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے لیکن کمال نے کہا کہ ظاہر روایت پر عمل کرنا زیادہ احتیاط کی بات ہے"۔

پھر ص ۸ پر علامہ شامی کی ردالمحتار سے دونوں قول (اختلاف وعدم اعتبار) ذکر کے نقل فرمایا: "وظاهر الرواية الثانى وهو المعتمد عندالمالكية والحنابلة لتعلق الخطاب عاما بمطلق الروية فى حديث صوموالروية بخلاف اوقات الصلاة"۔ "اور ظاہر روایت نے ثانی کو لیا ہے (یعنی مطالع کا اعتبار کیا جائے گا ہمارے نزدیک یہی معتمد ہے اور مالکیوں اور حنبلیوں کے نزدیک بھی حدیث صوموالرویتہ میں رویت مطلق کے ساتھ خطاب عام ہونے کے سبب بخلاف نماز کے اوقات کے"۔

پھر جواب استفتائے رویت ہلال ص ۲۹ پر امام نووی شارح صحیح مسلم سے حدیث کریب کی شرح میں شوافع کا مسلک اختلاف مطالع کے معتبر ہونے کو بیان کر کے فرماتے ہیں: "وقال بعض اصحابنا نعم الروية فى موضع جميع اهل الارض"۔ "اور لوگوں نے ہمارے کہا ہے کہ ایک مقام کی رویت عام ہوگی، کل زمین والوں کو یعنی عدم اعتبار اختلاف مطالع ظاہر المذہب حنفیوں اور مالکیوں اور حنبلیوں کا ہے اور شوافع کا مسلک اعتبار اختلاف مطالع ہے مگر یہ مسلک تمام شوافع کا نہیں ہے بلکہ بعض کا ہے اور بعضوں کا مذہب ائمہ ثلاثہ کے مطابق یہ ہے کہ ایک مقام کی رویت ہلال عام ہوگی کل زمین والوں کو"۔

پھر جواب استفتائے رویت ہلال کے ص ۳۴ پر ابوالطیب سندی کی شرح ترمذی سے نقل فرماتے ہیں: "و ظاهر الرواية فى مذهبنا انهٗ يثبت برؤية اهل بلده علىٰ اهل بلد اخرلعموم الخطاب فى قوله صوموا معلنا بمطلق الروية فى قوله لرويته وبروية قوم يصدق اسم الروية فيثبت مايتعلق به من عموم الحكم فيعم الوجوب"۔ "اور ہمارے مذہب کی ظاہر روایت یہ ہے کہ کسی ایک شہر والوں کی رویت دوسرے شہر والوں پر ثابت ہو جائے گی صوموا میں عموم خطاب کے باعث لرویتہ میں اعلان مطلق رویت کے سبب ہے اور ایک قوم کی رویت سے رویت کا نام صادق ہو جاتا ہے تو جو کچھ اس کے متعلق ہوگا، عام حکم ہونے سے وہ بھی

marfat.com

ثابت ہو جائے گا اور وجوب عام ہو جائے گا''۔

اسی جواب استفتائے رویت ہلال کے ص ۴۱ پر ترمذی شریف کے دوسرے شارح سراج احمد رحمۃ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: ''وظاهر المذهب عن ابی حنیفة انه اذاثبت فی مصرلزم سائرالناس فیلزم اهل المشرق برویة اهل المغرب و انما یلزمهم اذاثبت عندهم رویة اولئك بطریق موجب''۔ ''اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ جب کسی ایک شہر میں رویت ثابت ہو جائے تو سب لوگوں پر لازم ہو جائے گی تو اہل مشرق کی رویت اہل مغرب کو لازم ہوگی اور اس وقت لازم ہوگی جبکہ اول کی رویت ان کے نزدیک بطریق موجب ثابت ہو جائے''۔

پھر اسی جواب استفتائے رویت ہلال کے ص ۴۴ پر تحریر فرماتے ہیں: حنفیہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے واسطے کافی ہے بشرطیکہ ثبوت اس کا بطریق موجب ہو جائے اور طریق موجب کی شرح یہ ہے: ''کان یتحمل اثنان الشهادة اویشهداعلی حکم القاضی اویستفیض الخبر بخلاف ماذااخبراان اهل بلده، کذاراوء ه لانه حکایة حلبی''۔ ''دو شخص خود چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا (رویت کی تصدیق پر) قاضی کے حکم دینے کی دو شخص گواہی دیں یا متواتر خبر آئے بخلاف اس کے کہ دو شخص خبر دیں کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے، کیونکہ یہ حکایت ہے (اس کا اعتبار نہیں) حلبی (الی قولہ)، طریق موجب کی شرط نے تار برقی پر آنیوالی خبر کو اخبار کے پرچوں میں چھپی ہوئی خبروں کو جیسا کہ عام طور پر چھپتی ہیں۔ ریل کے سفر کرنے والے جنہوں نے خود نہ دیکھا ہو اور کسی شہر کے لوگوں کے دیکھنے کی خبر دیتے ہوں، یہ سب خبر حکایت میں شمار ہوں گی۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی میں نہ اپنی رویت شہادت ہوتی ہے، نہ قاضی (یا بجائے قاضی کے کسی عالم) کے حکم کی شہادت ہوتی ہے جو قابل اعتبار ہو سکے۔ ایسی نا قابل اعتبار دور کی رویت کی خبر ملے بھی تو اس کا کچھ نفع نہیں اور حالت یہ ہے کہ اس طرح کی نا قابل اعتبار خبر وں پر عمل نہ کرنے والے سے لوگ جھگڑتے رہتے اور سند میں پیش کرتے ہیں کہ حنفیہ کا فتویٰ اسی پر ہے کہ اہل مشرق کی رویت پر اہل مغرب کو صوم وافطار واجب ہے اور بطریق موجب کی شرط کو نہیں دیکھتے، نہ اس کے معنی جانتے ہیں۔

الحمدللہ کہ سوال دوم کا جواب بھی حسب درخواست سائل حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کی تحقیق کی روشنی میں تحریر کیا گیا۔ ناظرین سولہ اقتباسات خصوصاً اخیر ص ۴۴ والی عبارت کو بغور پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ یہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے جن کو ذاتی رائے قرار دے کر رد کیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال سویم: حضرت عزت حق سبحٰنہ تعالیٰ شانہ، علمائے کرام فقہائے عظام کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے کہ کسی مسئلہ کو بھی مجمل مہمل نہیں چھوڑا بلکہ ایسی روشن تصریحات فرمادیں جس سے مسئلہ کا حل بہت آسانی سے ہو سکتا

marfat.com

ہے اور اس مسئلہ میں بھی کوئی الجھن کی بات نہیں رہی۔ سوال دوم کے جواب میں معلوم ہوا کہ اس باب میں علما کے تین قول ہیں:

قول اول: ہر جگہ کا چاند صرف وہیں کے لئے ہے، جہاں دیکھا گیا۔ دوسری جگہ اس کا حکم نہیں چل سکتا۔ اسی کی طرف قاسم، سالم، عکرمہ گئے ہیں۔ یہی مذہب اسحٰق کا ہے۔ اسی پر فتویٰ امیر جماعت اہل حدیث پٹنہ کا ہے۔

قول دوم: اختلاف مطالع کا اعتبار کر کے قرب و جوار کی رویت اگر شرعی طریقہ پر ثابت ہو جائے تو لیا جائے گا، دور کی رویت کا اعتبار نہ ہوگا، اس کا دوسرا حکم ہوگا۔ یہ مذہب بعض شافعیہ کا ہے اور احناف سے علامہ زیلعی، صاحب فیض، صاحب تجرید اور بعض مشائخ حنفیہ بھی اس کی طرف گئے ہیں اور حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ اس قول کو ضعیف فرماتے ہیں۔ استفتائے رویت ہلال کے ص ۷۱ پر علامہ شامی کی عبارت ''فقیل بالاول و اعتمده الزیلعی وصاحب الفیض وهو الصحیح عندالشافعیة'' کا ترجمہ کرنے میں کہا گیا ہے یعنی ضعیف قول ہے کہ پہلی بات لی جائے گی یعنی اعتبار کیا جائے گا۔ زیلعی اور صاحب فیض نے اس پر اعتماد کیا ہے اور خود بھی بعض دقتوں کو پیش نظر رکھ کر اسی کو پسند فرماتے ہیں اس وقت کو جواب استفتائے رویت ہلال من قول سوم، حنفیہ کا ظاہر مذہب یعنی عدم اعتبار اختلاف مطالع اور ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے واسطے کافی ہونا بشرطیکہ ثبوت اس کا بطریق موجب ہو جائے لکھ کر اور طریق موجب کی شرح شامی سے بحوالہ حلبی نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں: ''طریق موجب کی شرح معلوم کرنے کے بعد جاننا چاہئے کہ بعید المسافت شہر کی رویت ہلال کی تصدیق اس شرط کے موافق کس قدر مشکل ہے''

قول سوم: اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے اور ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے لئے لازم ہوگی بشرط ثبوت بطریق موجب ہو جائے۔ یہی مذہب عام احناف کا ہے، یہی ظاہر المذہب، یہی ظاہر الروایت ہے۔ یعنی ان مسائل سے ہے جو اصحاب مذہب یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد سے مروی ہے تو اسی کو ماننا اور حنفی عالم کو اسی پر فتویٰ دینا ضروری ہے۔

علامہ شامی رسم المفتی میں محقق ابن کمال پاشا سے ناقل کہ فقہا کے سات درجے ہیں۔ اول مجتہدین فی الشرع جیسے ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم۔ دوم مجتہدین فی المذہب جیسے صاحبین رضی اللہ عنہما۔ سوم مجتہدین فی المسائل جیسے امام خصاف، امام طحاوی وغیرہما۔ چہارم مقلدین سے اصحاب تخریج جیسے امام رازی وغیرہ۔ پنجم مقلدین سے اصحاب ترجیح جیسے ابوالحسین قدوری صاحب ہدایہ وغیرہما۔ ششم طبقہ مقلدین سے جو اقویٰ، قوی، ضعیف اور ظاہر المذہب، روایت نادرہ میں تمیز پر قادر ہیں جیسے صاحب کنز، صاحب مختار وغیرہما۔ ہفتم طبقہ مقلدین جو ان باتوں پر قدرت نہیں رکھتے جیسے آجکل کے عام علما۔ انہیں کے بارے میں صاحب درمختار لکھتے ہیں: ''واما نحن فعلینا اتباع ما رجحوه وصححوه کمالو افتوافی حیاتهم''۔ ''ہم مقلدین پر اتباع کرنا اس کا ہے جسے ان علمانے ترجیح دی اور جس کی

marfat.com

تصحیح کی جیسے وہ حضرات اگر زندہ ہوتے اور فتویٰ دیتے تو کیا ہماری مجال تھی کہ ہم ان کی مخالفت کرتے''۔ نہیں ہرگز نہیں تو جب انہوں نے ایسے اصول وضوابط مقرر فرمادیے تو ہمارا فرض مذہبی ومنصبی ہے کہ فتویٰ دیتے وقت انہیں کا لحاظ کریں اور عوام کو خوش کرنے کی کوشش میں نہ پڑیں۔

درمختار میں ہے: ''رسم المفتی ان ما اتفق علیه اصحابنا فی الروایات الظاهرة یفتی به قطعاً''۔ ''جو مسئلہ ظاہر الروایت میں ہمارے ائمہ کا متفق علیہ ہے۔ اس پر قطعاً فتویٰ دیا جائے گا''۔ کیونکہ وہ ائمہ ثلاثہ سے بروایت ثقات مروی ہے تو اس سے عدول کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے استفتائے رویت ہلال میں درمختار کی عبارت اوپر گذری کہ انہوں نے بحر الرائق شرح کنز الدقائق علامہ زین بن نجیم ہے اور انہوں نے فتاویٰ خلاصہ سے قول سوم کو لکھا علیه اکثر المشائخ، اسی پر اکثر مشائخ ہیں۔ تو جس پر اکثر مشائخ ہوں ہماری کیا مجال کہ اس کی مخالفت کریں۔ اسی میں ہے، وعلیه المفتویٰ اسی پر علما کا فتویٰ ہے۔ تو جس قول پر علمائے سابقین فتویٰ دے چکے، ہماری کیا مجال کہ اس کے خلاف فتویٰ دیں۔ اسی کو ظاہر المذہب فرمایا پھر ظاہر المذہب سے عدول کا کسے حق ہے؟ اسی کو علامہ کمال نے الاخذ بظاهر الروایة احوط فرمایا یعنی ظاہر الروایت ہی کو لینے میں زیادہ احتیاط ہے پھر دوسرے قول کو لے کر بے احتیاطی کرنے کا کیا حق ہے۔ اسی کو علامہ شامی نے فرمایا: هو المعتمد عندنا ہمارے یعنی حنفیہ کے نزدیک یہی معتمد ہے۔ پھر معتمد کو چھوڑ کر غیر اعتمادی قول کا لینا کہاں کا انصاف ہے اور یہ نہ صرف حنفیہ ہی کا معتمد بلکہ مالکیہ کا یہی مذہب ہے، حنبلیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور بعض شوافع کا بھی یہی مسلک ہے پھر ایسے قول کو جو چاروں مذہب کا ہو چھوڑنے کی کون سی وجہ ہوسکتی ہے اور وہ بھی اسی حالت میں کہ ظاہر المذہب کے ترجیح کی علما تصریح فرماتے ہیں۔

علامہ شامی جلد اول ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ''وفی وقف البحر فانه اذا کان احد القولین ظاهر الروایة والاخیر غیرها فقد صرحوا اجمالا بانه لایعدل عن ظاهر الروایة''۔ ''بحر الرائق کی کتاب الوقف میں ہے: جب کسی مسئلہ میں دو قول ہوں۔ ایک ظاہر الروایہ ہو اور دوسرا غیر ظاہر الروایہ (جیسا کہ اس مسئلہ میں ہے کہ قول سوم ظاہر الروایہ ہے اور قول دوم غیر ظاہر الروایہ بلکہ حسب تصریح حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ ضعیف ہے) تو علما نے مطلقاً تصریح فرمائی کہ ظاہر الروایہ سے عدول جائز نہ ہوگا۔

اسی میں ہے: ''فهو ترجیح ضمنی لکل ما کان ظاهر الروایة فلایعدل عنه بلا ترجیح صریح لمقابله''۔ ''تو یہ ترجیح ضمنی ہے ہر اس قول کے لئے جو ظاہر الروایہ ہو تو اس سے عدول جائز نہ ہوگا جب تک اس کے مقابل کی ترجیح صریح نہ ہو''۔ اور اس جگہ مقابل کی اصلا ترجیح نہیں بلکہ قیل سے تعبیر اس کے ضعف کی تصحیح ہے پھر ظاہر

marfat.com

الروایہ سے عدول کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

علامہ شامی جلد اول ص ۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں: ''وکذا یرجح اذا کان احدھما ظاھر الروایۃ''۔ ''اسی طرح ترجیح دی جائے گی جب دو قول میں ایک ظاہر الروایہ ہو''۔ پھر فرماتے ہیں: ''وبہ صرح فی کتاب الرضاع من البحر حیث قال الفتویٰ اذا اختلف کان الترجیح لظاھر الروایۃ لماسیاتی ان الفتیا بالمرجوح جھل''۔ ''ظاہر الروایہ کی ترجیح کی تصریح علامہ بن نجیم نے بحر الرائق کی کتاب الرضاع میں فرمائی کہ فتویٰ جب مختلف ہو یعنی دو قول ہوں اور دونوں مفتی بہ تو ظاہر الروایت کو ترجیح ہوگی۔ اس دلیل سے قریب آتی ہے کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا جہالت و نادانی ہے''۔

اور اس مسئلہ میں تو دوسرے قول پر اصلا فتویٰ نہیں پھر ظاہر الروایہ کو چھوڑنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے خصوصاً جبکہ فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔ درمختار کی عبارت اوپر گذری ''وعلیہ الفتویٰ بحر عن الخلاصہ'' پھر فرمایا: ''وفیہ من باب الصرف اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاھر الروایۃ والرجوع الیھا''۔ ''جب تصحیح مختلف ہو یعنی دو قول ہوں اور دونوں کو علما نے صحیح فرمایا ہو تو اس وقت دیکھنا چاہئے کہ ظاہر الروایہ کون ہے اور اسی کی طرف رجوع واجب ہے۔ تو اس جگہ دوسرے قول نے بھی تصحیح نہ کی بلکہ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ نے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح فرمادی تو ظاہر الروایہ کو چھوڑ کر قول دوم اختیار کرنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

علامہ شامی جلد اول ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ''ماخرج عن ظاھر الروایۃ فھو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لایجوز الاخذ بہ''۔ ''جو ظاہر الروایہ سے باہر ہے، وہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ کو لینا جائز نہیں''۔

درمختار میں ہے: ''ان الحکم والفتیا بالمرجوح جھل وخرق الاجماع''۔ ''حکم اور فتویٰ دینا قول مرجوح پر جہالت اور خلاف اجماع کرنا ہے''۔

علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ''اولیٰ من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاھر الروایۃ اذا لم یصحح والافتا بالقول المرجوع عنہ اہ''۔ ''اور اس سے زیادہ باطل امر ظاہر الروایہ کے خلاف فتویٰ دینا ہے جب کہ اس کی تصحیح نہ کی گئی ہو اور قول مرجوع عنہ پر فتویٰ دینا ہے''۔

پھر علامہ شامی جلد ۲ ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ''الواجب الرجوع الیٰ ظاھر الروایۃ عنہ اختلاف الترجیح''۔ ''ترجیح کے اختلاف کی صورت میں ظاہر الروایہ کی طرف رجوع کرنا واجب ہے تو جب دوسرے قول کی اصلا ترجیح نہ ہو تب تو ظاہر الروایت پر فتویٰ ضروری اور لازمی ہوگا''۔

نیز ردالمحتار جلد سوم میں فرماتے ہیں: ''اذا ذکر فی ظاھر الروایۃ حکم من دون ذکر خلاف کان

marfat.com

مقتضاه انه قول ائمتنا الثلثة"۔ "جب ظاہر الروایہ میں کوئی حکم مذکور ہو اور وہاں اس کا خلاف نہ مذکور ہو تو اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہ ہمارے ائمہ ثلاثہ امام اعظم، امام یوسف، امام محمد کا قول ہے"۔

پھر جلد رابع میں فرماتے ہیں: "لا یحل الافتاء بالمرجوح ولا ینفذ القضاء به"۔ "قول مرجوح پر کسی مفتی کو فتویٰ دینا اور کسی قاضی کو فیصلہ کرنا جائز نہیں اور اگر کوئی قاضی فیصلہ دے گا تو وہ نافذ نہ ہوگا"۔

پھر جلد پنجم میں فرماتے ہیں: "ماخالف ظاهر الرواية ليس مذهبا لا صحابنا"۔ "جو ظاہر الروایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں"۔

ان تمام تصریحات صریحہ کے بعد واضح ہو گیا کہ ان تینوں اقوال میں قول سوم کو ترجیح ہوگی، اسی پر فتویٰ دینا ہوگا۔ یہی ہمارے ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ اس کے سوا ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں۔ اسی کی طرف رجوع واجب ،اس کے سوا دوسرے قول کو لینا اور اس پر فتویٰ دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔ والله تعالى اعلم بالصواب۔

جواب سوال چہارم: مولیٰ تعالیٰ بہتر سے بہتر جزائے خیر دے ہمارے علمائے کرام، فقہائے عظام کو کہ اپنے ذہن رسا سے ایسے اصول و قواعد بنائے، ایسی باتیں بتا گئے جو بعد کے شبہات و شکوک کے زہر کے لئے تریاق ہوں۔

درمختار جلد اول میں ہے: "ان الحكم الملفق باطل بالاجماع"۔ "حکم ملفق جس کی بنا دو مذہب یا دو اصول پر ہو بالاجماع باطل ہے"۔

علامہ شامی اس کی مثال دے کر توضیح فرماتے ہیں: "مثاله متوضى سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلىٰ فان صحة هذه الصلوٰة ملفقة من مذهب الشافعي والحنفي والتلفيق باطل فصحته منتفية اه الخ"۔ "اس کی مثال یہ ہے کہ ایک باوضو شخص ہے جس کے بدن سے خون بہا اور اس نے کسی عورت کو بھی چھوا پھر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز کی صحت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی دونوں کے مذہب کی تلفیق سے ہوسکتی ہے یعنی ایک مسئلہ امام صاحب کا لیں اور ایک مسئلہ امام شافعی صاحب کا۔ عورت کے چھونے سے حنفیہ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا اور شافعیہ کے یہاں ٹوٹ جاتا ہے۔ تو اس مسئلہ میں امام صاجب کا قول لے اور خون نکلنے سے احناف کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور شافعیہ کے یہاں نہیں ٹوٹتا ہے تو اس مسئلہ میں امام شافعی صاحب کی بات لے اور نماز پڑھ لے۔ اس ترکیب سے اس نماز کو صحیح جانے مگر چونکہ تلفیق باطل ہے اس لئے یہ نماز بھی کسی کے نزدیک صحیح نہ ہوگی۔ امام صاحب کے نزدیک اس وجہ سے کہ اس کے بدن سے خون نکلا اور خون نکلنے سے وضو جاتا رہا اور امام شافعی صاحب کے نزدیک اس وجہ سے کہ اس نے عورت کو چھوا اور شافعیہ کے نزدیک عورت کے چھونے سے وضو جاتا رہتا ہے تو اس شخص نے دونوں اماموں کے نزدیک بے وضو نماز پڑھی، اس لئے وہ نماز باطل ہوگی۔

marfat.com

اسی طرح یہ مسئلہ امام ابوحنیفہ اور اپنی جدت سے تلفیق ہے تو بدرجہ اولیٰ باطل ہوگا ورنہ اگر پوری بات امام صاحب کی لیں تو کوئی دقت نہیں اور اگر پوری بات اپنی لیں جب بھی کوئی دشواری نہیں۔ اس لئے امام صاحب کا مذہب جہاں یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، اس لئے اہل مشرق کی رویت پر اہل مغرب کو روزہ رکھنا اور افطار کرنا واجب ہوگا، وہیں ان کا مذہب یہ بھی ہے کہ مشرق والوں کے چاند دیکھنے سے مغرب والوں پر کب روزہ افطار کا حکم ہوگا، جب کہ ان کا چاند دیکھنا مغرب والوں کو بطریق موجب ثابت ہو جائے۔ یہ نہیں کہ کوا کائیں کائیں کرتا جا رہا ہے، کسی کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ کہہ رہا ہے دہلی میں چاند ہو گیا تو پٹنہ والوں پر روزہ رکھنا یا عید کرنا فرض ہو جائے گا بلکہ ابر و باد کی صورت میں رمضان کے لئے ایک معتبر شخص کی خبر اور ہلال عیدین میں دو عادل شخصوں کی شہادت ضرورت ہے جو خود چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا رویت کی تصدیق پر قاضی کے حکم دینے کی گواہی دیں یا چاند دیکھنے کی جگہ سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب یک زباں اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بر بنائے رویت روزہ ہوا یا عید کی گئی۔ جب ایسی گواہیاں گذریں گی تب چاند ثابت ہوگا ورنہ نہیں اور ہر دیندار جانتا ہے کہ اس دور آزادی و بے قیدی میں مطابق قواعد شرع مقبول الشہادہ شخص کا ملنا اور اس کا گواہی دینا کس قدر قلیل الوجود کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے۔ فساق فجار کی کثرت ہے اور انہیں کے ذریعہ ایسی خبروں کی حکایت و روایت۔ اس لئے فقہائے کرام کے مذہب پر چاند کا ثبوت دوسری جگہوں کے لئے کس قدر مشکل ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ فقہائے عظام کے ارشاد کو پس پشت ڈال دیں۔ اس لئے کہ اس کے مشکل اور دشوار ہونے کی وجہ سے الجھن کیا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس شرط کے مطابق رویت ہلال ثابت نہ ہوگی تو یہاں عید کرنے، روزہ کھولنے کا حکم نہ دیا جائے گا جس طرح زنا کی شہادت کے لئے کالمیل فی المکحلہ کی گواہی دینا شرط ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ اس طرح دیکھنا اور وہ بھی نہ صرف ایک یا دو شخصوں کا بلکہ اکٹھے چار آدمیوں کا اور اس کی گواہی دینا کس قدر مشکل ہے مگر اس میں دقت ہی کیا ہے؟ اگر ایسی گواہی نہ گذرے گی قاضی مجرم نہ قرار دے گا، حد نہ لگائے گا۔ رمضان شریف کے چاند کے لئے اگر چہ عادل ہونا شرط نہیں، غیر فاسق ہونا کافی ہے اور ایسے لوگ اس زمانے میں بھی بہت ملیں گے مگر رمضان کے چاند کی گواہی دیتا ہی کون ہے؟ یہ ساری دینداری کا زور تو عیدین کے چاند کے لئے صرف کیا جاتا ہے اور ان اختراع کرنے والوں کے طور پر اس لئے کہ اگر چہ یہ لوگ ریڈیو تار ٹیلیفون کو مانتے ہیں اور ان کو بہ منزلہ شہادت جانتے ہیں۔ اسی لئے دوسرے علما سے پوچھتے ہیں "سمجھ میں نہیں آتا کہ ان تصریحات کے بعد تار اور ریڈیو کی خبروں پر اعتماد نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ لیکن ساتھ ساتھ وہ موافق مذہب احناف عدم اعتبار اختلاف کو نہیں مانتے اور نہ صرف اپنا بلکہ اپنے ساتھ اپنے استادوں کا بھی یہی خیال ظاہر کرتے ہیں کہ بہر حال دور دراز مقامات میں اختلاف مطالع کا لحاظ کرنا ہی پڑے گا تو ان کے طور پر دور دراز

marfat.com

مقامات کی خبر اختلاف مطالع کی وجہ سے قابل قبول نہ ہوگی تو مقصد ایک ہی رہا۔ فقہا کی تحریرات وتحقیقات ماننے والوں کے لئے دہلی وغیرہ دور کی خبریں جو ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ آئی ہوں، غیر معتبر ہیں۔ اس لئے کہ ضرورت شہادت کی ہے اور یہ چیزیں خبر کے لئے موضوع ہیں، شہادت میں کارآمد نہیں۔ اس لئے کہ ان پر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا اور روشن خیال مجتہدین وقت حضرات کے نزدیک بھی دہلی وغیرہ دور کی خبریں جو ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ آئی ہیں غیر معتبر ہیں۔ اگرچہ ان کے نزدیک اس دور ترقی میں ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ دنیا نے عوام کی سہولت کے سامان فراہم کئے ہیں۔ اس سے فائدہ نہ اوٹھانا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا، خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے۔ اس لئے اس کو ضرور ماننا چاہئے مگر وہ لوگ اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں اور فقہا کی تصریح لاعبرۃ لا ختلاف المطالع کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک مطلع مختلف ہونے کی وجہ سے دہلی کی خبر ہمارے بہار کے لئے قابل اعتبار ولائق عمل دارآمد نہیں تو حکم بہر حال ایک ہی رہا کہ دہلی کی خبر ہلال تار، ٹرنک کال، ریڈیو کے ذریعہ معتبر نہ ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال پنجم: تحریرات سابق یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ہلال عیدین میں شہادت گواہان عادل کی ضرورت ہے۔ نہ صرف خبر کی اور تار، ٹیلیفون، ٹرنک کال، ریڈیو وغیرہ خبر رسانی کے لئے موزوں ہیں، نہ شہادت کے لئے۔ اسی لئے جن لوگوں نے تار، ٹیلیفون وغیرہ ایجاد کئے، کبھی انہوں نے بھی فوجداری اور دیوانی کے مقدمات میں گواہوں کے لئے ان چیزوں کو قابل قبول نہ جانا۔ ایسے روشن خیال حضرات سے گزارش ہے کہ پہلے یہ نصیحت حکام وقت کو کریں کہ جب دنیا نے ترقی کر کے عوام کی سہولت کے لئے سامان فراہم کیا ہے، اس سے فائدہ نہ اٹھانا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے۔ اس لئے آپ لوگوں کو چاہئے کہ مقدمات میں گواہوں کی حاضری لازم قرار نہ دیجئے۔ جی چاہے تو آئے ورنہ جہاں سے چاہے فون کردے یا تار دیدے یا جو اظہار دینا ہے، ریڈیو اسٹیشن پر جا کر وہیں سے نشر کردے۔ اس میں متخاصمین کا بہت روپیہ جو گواہوں کے لانے لے جانے میں صرف ہوتا ہے، بچ جائے گا۔ اگر کچہریوں میں اس کو رائج نہ کرسکیں تو الیکشن کا زمانہ قریب ہے، کوشش کر کے پہلے اسی میں جاری کرائیے کہ ووٹروں کو پولنگ اسٹیشن پر آنے کی ضرورت نہ پڑے۔ ہر شخص اپنے قریب کی جگہ سے فون کردے یا تار دیدے یا ریڈیو اسٹیشن پر جا کر بول دے کہ میں نے فلاں شخص کو ووٹ دیا، تب اس روشن خیالی کی حقیقت معلوم ہوجائے گی۔ جب کچہریوں کی شہادت میں ان ذرائع کو جاری کرلیں تب علمائے کرام کو نصیحت کریں اور لکیر کے فقیر بننے سے ان کو روکیں۔ افسوس کی بات ہے کہ دنیوی قانون میں ایک انچ کمی بیشی کی ہمت نہیں کرسکتے، ہر بات پر آمنا و صدقنا کہنے کے لیے تیار مگر شرعی مسائل میں مداخلت کے لئے کمر بستہ۔ میری یہ غرض نہیں

marfat.com

کہ چونکہ دنیوی کچہریوں میں شہادت کے لئے یہ چیزیں مقبول نہیں، اس لئے ثبوت ہلال کے لئے ہم نہیں مانتے۔ جب کسی وقت کچہریوں کی شہادت میں قابل قبول سمجھی جائیں گی، ثبوت ہلال میں بھی معتبر ہوں گی بلکہ دکھانا یہ ہے کہ دنیوی کچہریوں میں شہادت کے قواعد وقانون بہت نرم ہیں پھر بھی یہ چیزیں شہادت کے لئے معتبر نہیں پھر شرعی مسائل جس کی شہادت کی شرطیں بہت سخت ہیں، ان میں کیونکر قابل اعتبار سمجھی جاسکتی ہیں۔ یہ فتویٰ کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹرنک کال وغیرہ برقی خبریں صرف خبر رسانی کے لئے ہیں، شرعاً ثبوت ہلال کی شہادت کے لئے معتبر نہیں۔ ہندوستان بھر کے مشاہیر علمائے سابقین وموجودین کی تحقیق ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر چار تحریریں ہیں۔ انہیں کی مدد سے علمائے کرام کی تحقیقات کو پیش کرسکتا ہوں (۱) رسالہ مبارکہ ازکیٰ الاهلال بابطال مااحدث الناس فی امر الهلال مصنفه اعلیٰ حضرت امام اهل سنت مجدد مأته حاضره مؤید ملتِ طاهره سیدی و سندی، شیخی و مرشدی مولانا شاه احمد رضا خان صاحب فاضل بریلی قدس سرهٗ العزیز (۲) رساله جامع الاقوال فی رویت الهلال مرتبه سید شاه محمد حسین صاهب ارزان شاهی برادر جناب سید شاه حامد حسین صاحب سجاده نشین درگاه شاه ارزان پٹنه (۳) رساله نادر تحفه جامعه حبیبیه (۴) جوابات استفتاعزیزی و تلمیذی مولوی سید شاه محمد فرید الحق سلمهٗ ولیعهد سجاده عمادیه پٹنه۔

(اس کے بعد رسالہ مبارکہ ازکیٰ الاہلال اور ہندوستان کے ایک سو کیانوے مشاہیر علما کی تصدیقات ہیں۔ ازکیٰ الاہلال فتاویٰ رضویہ میں چھپ چکا ہے اور تصدیقات میں وہی عبارتیں ہیں جن کا تذکرہ ملک العلما کے فتوے میں آچکا ہے۔ اس لئے احقر نے انہیں یہاں سے خذف کردیا ۱۲ ساحلؔ)

فقیر قادری محمد ظفرالدین رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ یہ یوپی، سی پی سابق حال ام پی، بمبئی، بہار، بنگال، حیدر آباد، پنجاب وغیرہ کے مختلف اضلاع، مختلف مقامات، مختلف خیالات، مختلف اعتقادات اور اپنے وقت کے مشہور ومستند علمائے سابقین ومعاصرین کی ایک سو کیانوے تحریرات فتاویٰ وتصدیق ہیں، جن میں بالاتفاق حکم ہے کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹرنک کال، اخبار، خطوط سے ثبوت ہلال نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ رویت پر شرعی شہادت نہ ہو۔ ایک جگہ چاند ہونے سے دوسری جگہ روزہ، افطار، قربانی، نماز کا حکم دینا صحیح نہ ہوگا۔ بعض علمانے یہ فتویٰ دیتے ہوئے کہ ریڈیو کے ذریعہ شہادت اور اثبات رویت ہلال نہیں ہوسکتا، اتنا اور اضافہ کیا ہے: البتہ کسی عالم یا قاضی کے پاس شہادت رویت گذرے تو خود وہ عالم اس خبر کو ریڈیو کے ذریعہ نشر کرسکتا ہے، سرکاری آدمی یا غیر مسلم شخص اگر نشر کرے گا تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، مگر مرکزی انجمن تبلیغ صداقت بمبئی کی ــــــ جامع مسجد مدنپورہ ۱۰ محرم الحرام بروز جمعہ ۱۳۷۱ھ کو دن

میں زیر صدارت حضرت محدث اعظم ہند مولانا الحاج شاہ سید محمد صاحب کچھوچھوی مدظلہ ایک عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں الہ آباد، لکھنؤ، دہلی، فیض آباد، بریلی، مرادآباد، سنبھل، پیلی بھیت، مظفر پور، بہار، داناپور، گونڈہ، بہرائچ، نانپارہ، ناگپور، جبل پور، فتحپور، کانپور، بستی، رائے بریلی، بلیا، اعظم گڑھ، مبارکپور، بنارس، بھاگلپور و دیگر مقامات کے علمائے کرام و مفتیان عظام نے شرکت فرمائی۔ مزید دلائل شرعیہ کے تحت یہ طے فرمایا کہ ریڈیو کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر یا شہادت تو غیر معتبر ہے ہی، اگر ریڈیو کے ذریعہ قاضی کے فیصلۂ رویت ہلال کا اعلان ہو تو وہ بھی غیر معتبر اور ناقابل عمل ہے۔ کیونکہ قاضی شرع کا فیصلہ اس کے حدود و قصاص ہی میں جاری و نافذ ہوگا اور ایسا قاضی واقعی قاضی شرع، عالم دین ہوگا اور وہ قاضی شرع کے جملہ فرائض انجام دے گا یا صرف چاند کی شہادت لیا کرے گا نیز یہ کہ وہ قاضی جو صرف چاند ہی کی شہادت لے گا اور اعلان کرے گا اور اس کی قضا آل انڈیا ہوگی، وہ ہندوستان میں ایک ہی ہوگا یا ہر شہر، ہر قصبے اور آبادی میں؟ کیونکہ یہ ہوتا ہے کہ ایک جگہ رویت ہلال ہوئی اور دوسری جگہ نہیں ہوئی تو جہاں رویت ہوئی وہاں آل انڈیا قاضی نہ ہوا تو رویت وہیں رہ گئی اور ہر شہر آبادی میں ایسے آل انڈیا قاضی کا ہونا قطعاً ناممکن۔ لہذا ریڈیو سے سنا ہوا رویت ہلال کا فیصلہ قاضی یا فیصلہ کا اعلان ہرگز ہرگز قابل قبول ولائق عمل نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو روزنامہ خلافت بمبئی۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۱ء

(فتویٰ جس پر ۵۱ مشہور و مستند علما نے دستخط فرمائے خلافت بمبئی ۱۴ نومبر ۱۹۵۱ء)

الجواب: جہاں رویت ہلال کا شرعی ثبوت ہو، اصرف وہاں والوں پر روزہ، افطار، اضحیہ واجب ہے۔ ہدایہ وغیرہ میں ہے: ''الاصل بقاء الشهر فلا ينتقل عنه الا بدليل ولم يوجد''۔ فلہذا جہاں رویت ہلال کا شرعی ثبوت نہ ہو، اوہاں والوں کو یہ حکم دینا کہ روزہ رکھو یا افطار کرو یا قربانی کرو، نماز عید ادا کرو، خلاف شرع ہے اور قاضی کا حکم خلاف شرع قابل عمل نہیں ہوتا ہے۔ لہذا اگر کوئی قاضی اپنے شہر اور دیگر بلاد جہاں رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوا ہے، ان تمام مقامات کے لئے روزہ و افطار وغیرہ کا حکم دے تو اس کے حکم و اعلان پر جہاں رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوا ہے، عمل نہ ہوگا، خواہ وہ قاضی ریڈیو سے حکم دے یا خود دوسرے بلاد میں جا کر خود حکم کرے۔ دوسری جگہ جب حکم دے گا تو اس ۔ ے ثبوت شرعی کا مطالبہ ہوگا۔ بے ثبوت نہ اسے حکم کرنا جائز، نہ اس حکم پر عمل جائز۔

فتح القدیر شرح ہدایہ میں امام علامہ محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں: ''الفرق بين رسول القاضي و كتابه حيث يقبل كتابه ولا يقبل رسوله فلان غاية رسوله ان يكون كنفسه وقدمنا انه لو ذكر مافي كتابه لذلك القاضي بنفسه لا يقبله وكان القياس في كتابه كذلك الا انه اجيز باجماع التابعين على خلاف القياس فاقتصر عليه''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

marfat.com

کتبہ الفقیر ابو الفضل السید محمد افضل حسین مفتی دار العلوم مظہر اسلام بریلی۔
(اس فتوے پر اکیانوے علمائے کرام کی تصدیقات ہیں۔ جنہیں یہاں سے حذف کر دیا گیا ۲۱ ساحل)

ان تمام تحریرات، فتاویٰ و تصدیقات کی روشنی میں کالشمس فی نصف النہار واضح ہو گیا کہ اثبات ہلال کے لئے شہادت کی ضرورت ہے۔ رمضان شریف کے چاند کے لئے ابر و غبار کی حالت میں ایک شخص کی اگر چہ مستور الحال ہو اور عید الفطر کے چاند کے لئے دو عادل مرد یا ایک مرد عادل اور دو عادل عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔ تار، ٹیلیفون ریڈیو اور ٹرنک کال، اخبار، خطوط، افواہ بازار وغیرہ سے چاند ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہی جمہور علمائے اسلام کا مفتی بہ قول ہے۔ ثبوت رویت کے بعد ریڈیو سے اعلان بھی محض خبر ہی خبر ہوگی۔ کسی صورت، کسی حالت میں حدود سے باہر کے مسلمانوں کے لئے وہ اعلان مثبت و ملزم نہیں ہو سکتا ہے۔ مذکورہ بالا ایک سو اکیانوے فتاویٰ و تصدیقات کے علاوہ اور بھی علمائے کرام کی تحریرات و تصدیقات اس مسئلہ پر اور موجود ہیں مگر کتاب کی طوالت، ازدیاد حجم و ضخامت و صرف کثیر طباعت و اشاعت کی وجہ سے صرف اسی قدر پر اکتفا کیا۔ ماننے والے کے لئے اس قدر فتاویٰ و تصدیقات کا بیش قیمت ذخیرہ بہت کافی ہے۔ درخانہ کس ست یک حرف بس ست اور منکر متعصب ہٹ دھرم کے لئے نہ صرف ہندوستان بلکہ پاکستان، افغانستان، ترکستان، عرب، عجم سارے جہان کی تحریرات فتاویٰ و تصدیقات سب بیکار ہیں واللہ الھادی وھو تعالیٰ اعلم۔

ضمیمہ جواب سوال پنجم: صدق جدید لکھنؤ نمبر ۶ ۱۱ر جنوری ۱۹۵۲ء میں ایک مضمون ریڈیو اور رویت ہلال (ایک بیرسٹرایٹ لا اور سشن جج کے قلم سے) کی سرخی سے شائع ہوا ہے۔ مضمون قدرے طویل اور بہت مفید ہے۔ ایک حصہ اس کا عام انگریزی داں حضرات کے مطالعہ کے لئے اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔ ایک اچھی سی صحبت میں مجھ سے سوال کیا گیا کہ جب حساب سے چاند نکلنے کا سوال حل ہو سکتا ہے تو پھر عید کی بابت ہر سال یہ دبدھا کیوں؟ میں نے اپنے خیال کے مطابق کہا کہ کچہری کی تعطیلات کے نقشہ میں خود لکھا ہے کہ اعتبار رویت کا ہوگا، نہ کہ چاند نکلنے کے حساب کا۔ سوال ہوا کہ جب تار اور ٹیلی فون موجود ہے تو پھر ہر جگہ کے لئے الگ رویت کا سوال کیوں پیدا ہوتا ہے؟ میں نے کہا کہ جہاں عام طور پر رویت منائی جاتی ہے تو کوئی نزاع نہیں رہتی ہے اور جہاں نزاع ہوتی ہے تو اس کی مہذب صورت کسی معتبر ہستی مثلاً قاضی کا فیصلہ ہے اور وہ بھی ایک Democrettic طریقہ سے کہ مقدمہ پیش ہو، مانے ہوئے شہادت کے اصول برتے جائیں، گواہ معتبر ہوں وغیرہ۔ تیسرا سوال ہوا کہ کیوں نہ ایک جگہ کے قاضی کا فیصلہ سارے ملک میں ریڈیو سے نشر ہو جائے تو مان لیا جائے۔ میں نے کہا کہ لکھنؤ کا جج ایک مقدمہ میں ڈگری دیتا ہے تو اس کو وہ خود دہلی میں نافذ نہیں کر سکتا۔ وہ ڈگری جب دوسرے جج کے نزدیک ثابت ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے

marfat.com

حکم سے بلا چون و چرا نافذ کر دیتا ہے اور زمانہ حال کے قانون میں بھی ریڈیو، تار، ٹیلیفون کا اعتبار حاضری عدالت کے سمن تک کی ضرورت کے لئے نہیں کیا گیا ہے، نہ کہ کسی حکم یا ڈگری کے نفاذ کے لئے۔ آجکل کے قانون شہادت میں بھی اگر کوئی ٹیلیفون پر شہادت دینا چاہے تو نہیں لی جائے گی اور اس بابت احکام بہت سخت ہیں کہ کسی عدالت کا حکم تار، ٹیلیفون پر نقل کیا جائے تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے خواہ وہ کسی حاکم ہی کی زبانی کیوں نہ ہو، احکام خواہ کیسے ہی اہم ہوں، معطل رہتے ہیں جب تک باضابطہ طریقہ پر منتقل نہ ہوں۔ البتہ ہوتا ہے تو اعتبار حلف نامہ کا ہوتا ہے یا معتبر گواہ کے حلف کا وہ بھی خاص مقررہ صورتوں میں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ریڈیو اور تار جس کی چیزیں ہیں، وہی ان پر اعتبار کرنا نہیں چاہتا، نہیں چاہ سکتا تو اس زمانہ میں دنیا کو اصول قانون کے نئے تصورات پیدا کرنا، بہت نرالی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس مضمون کی تمہید بھی بہت دلچسپ طریقہ سے شروع کی ہے۔ فتویٰ اور فقہی مسائل پر کوئی رائے دینا تو میرے لئے چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن محض علمی نقطۂ نظر سے یہ عرض کرنے کی جرأت ہوتی ہے۔ اگر ریڈیو کے سے عالمگیر نظام کو اس ضمن میں مان لیا گیا تو پھر شاید رمضان کبھی ۳۰ روزوں کا ہوا کرے گا اور پھر ٹیلیفون نے کیا قصور کیا ہے؟ اس پر تو جانے بوجھے لوگوں کی آواز بھی پہچانی جا سکتی ہے۔ شملہ، سری نگر، کھٹمنڈو وغیرہا کے لوگ اگر طے کر لیں کہ کم از کم ہندوستان میں رمضان کی ۳۰ رنہ آنے پائے تو ہر ممکن جنتری لغو ہو سکتی ہے اور کیا عجیب کہ جلد ہی وہ وقت بھی آ جائے کہ اس اعلان کا کام یو این او کے سپرد کیا جائے جو ریڈیو سے زیادہ معتبر ادارہ ہوگا اور اس کا اعلان اسلامی دنیا بلکہ ہر دنیا کے لئے زیادہ قابل قبول ہو گیا الخ۔

جواب سوال ششم: ہر واقف کار جانتا ہے کہ جمعیت علمائے ہند ایک سیاسی جماعت ہے اور سیاست ہی کے لئے اس کی وضع و تشکیل ہوئی تھی۔ اس نے آج تک جو کچھ کام کیا من حیث جماعت اسی دائرہ میں قدم رکھتے ہوئے کیا۔ اگرچہ حصول مقصد انگریزوں کی ہندستان سے روانگی اور حکومت ہند پر ہنود کے تسلط کے بعد بظاہر سیاست سے علیحدہ ہو گئی ہے لیکن زمانہ دراز سے مجلس بازی، رزولیوشن سازی کی جو عادت پڑ گئی ہے ۱۸ ر و ۱۹ ر اگست کے جلسہ میں بھی وہی روش اختیار کی۔ اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعیت علمائے ہند کے ۳۵ افراد مراد آباد میں جمع ہوئے لیکن انہوں نے عالمانہ طرز پر عالم ہونے کی حیثیت سے کوئی فتویٰ تحریر نہ کیا، جس کے حکم کو قرآن شریف، حدیث شریف، فقہ کی عبارات سے مدلل کرتے بلکہ سیاسی طرز پر رزولیوشن سازی سے کام لیا اگرچہ شرط در شرط کے ساتھ مشروط کرنے کی وجہ سے وہ رزولیوشن علمائے محققین کے فتویٰ کے خلاف نہیں، لیکن عوام کو دھوکا اور ہر سال عیدین کے موقع پر ایک جھگڑے کا نیا سامان پیدا کر دیا کہ ہر عید میں جھگڑا ہو اور لطف یہ کہ فریقین کے ہاتھوں میں جمعیت العلما ہی کا فیصلہ ہو اور دونوں اسی قرارداد سے سند پکڑے ہوئے سر پھٹول کر رہے ہوں۔

marfat.com

مجلس نے جو طے کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ''مجلس نے بالاتفاق طے کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے، وہاں کے علما نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کر دیا ہے، خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتمد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات پر بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعات اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جائے۔ یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے''۔ بظاہر دیکھنے میں یہ فیصلہ ہے اور اخبار والوں نے بھی اس کو فیصلہ ہی سمجھا۔ اسی لئے مراد آباد کے اس اجتماع کو جو ۱۴ و ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۸-۱۹/ اگست ۱۹۵۱ء کو ہوا بہت مبارک قرار دیا ''کہ جس طرح اس پیچیدہ صورت حال کا فیصلہ اطمینان بخش اور سکون افزا ہوا جو آنے والے انتخابات کی ہماہمی کے سبب سے پیدا ہو رہی تھی، اس طرح اس مسئلہ (ریڈیو) کے متعلق بھی اطمینان بخش فیصلہ علمائے کرام نے صادر فرما دیا''۔ حالانکہ گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو اس مجلس نے نہ کوئی حکم بتایا نہ فیصلہ صادر کیا بلکہ قضیہ شرطیہ کے طور پر عوام کے لئے دل خوش کن بات کر دی۔ اس لئے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ان کانت الشمس طالعۃ فالنہار موجود یعنی اگر آفتاب طلوع ہو تو دن موجود ہوگا، کہنے والا ہرگز نہ حکم ایجابی وجود نہار کا دیتا ہے، نہ حکم سلبی عدم نہار کا۔ یعنی نہ وہ یہ کہتا ہے کہ دن ہے، نہ کہ کہتا ہے کہ دن نہیں ہے بلکہ ایک گول مول بات کہہ کر وقت ٹالنا چاہتا ہے، بعینہ یہی حالت اس فیصلہ کی ہے۔ اس فیصلہ کی ابتدا بھی جملہ شرطیہ سے ہے اور نہ صرف ایک شرط بلکہ شرط در شرط بالائے شرط کے ساتھ اس کو مشروط کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے۔ الخ۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ فیصلہ کسی عامی شخص کا نہیں، نہ عوام کی پنچایت کا بلکہ جمعیت العلما کے تین درجن مولویوں کا متفقہ فیصلہ اور وہ بھی مشروط بشرائط جسے اخبار الجمعیہ سنڈے ایڈیشن اور دوسرے اخباروں نے دوسطری سرخی کے ساتھ شائع کیا ہے:

''رویت ہلال کا اعلان اور شرعی نقطہ نظر۔ چند شرطوں کے ساتھ ریڈیو کے اعلان پر عمل کیا جا سکتا ہے''۔

اس سرخی نے بتایا کہ ریڈیو کے ذریعہ آئی ہوئی خبر جمعیت علمائے ہند کے نزدیک بھی شہادت کی حیثیت نہیں رکھتی، خود اسی مضمون میں ہے: ''ریڈیو کے ذریعہ جو اعلان کیا جاتا ہے، اس کے متعلق یہ تو ظاہر ہے کہ اس کو شہادت کی حیثیت نہیں دی جا سکتی، نہ اعلان کرنے والا اس کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہے، نہ شرعی قانون شہادت کی شرطیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس اطلاع کو اگر خبر کی حیثیت دی جائے تب بھی وہ موجودہ صورت میں قابل اعتماد نہیں۔ کیونکہ خبر دینے والا ایک ایسا شخص ہوتا ہے جس کو نہ سننے والے جانتے ہیں اور نہ اس میں وہ شرطیں موجود ہوتی ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے ایسی خبروں کے لئے ضروری ہیں۔ علاوہ ازیں وہ صرف ایک شخص کی خبر ہوگی جس کی بنا پر کسی خاص صورت کے

marfat.com

نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: جامع ترمذی میں اس مضمون کا ایک باب ہی قائم کیا ہے باب ماجاء لکل بلد رویتھم پھر اس حدیث کو نقل اور ترجمہ کرکے شرح مسلم نووی سے اس کے فوائد واقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:
اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا اجتہاد نہیں ہے کہ انہوں نے بتادیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا ہی کرنے کو حکم فرمایا ہے اور اس بنا پر اہل ملک شام کے چاند دیکھنے اور ان سب کے مع امیر کے روزہ رکھنے کی خبر سننے کے ساتھ امر نبوی ہی پر اپنا معمل رہنا ظاہر کیا۔

نیز جواب استفتائے رویت ہلال ص ۳۳ پر محمد ابوالطیب سندی کی شرح جامع ترمذی سے نقل فرماتے ہیں
''قوله هكذا امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يحتمل ان يكون معناه انه امرنا ان لا نقبل شهادة الواحد فى حق الا فطار اوانه امر نا بان نعتمد علىٰ روية اهل بلد نا و لا يعتمد علىٰ روية غير اهل بلد نا والمصنف حمله علىٰ المعنى الثانى فلذا استدل به''۔ ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ ہم کو ایسا ہی حکم دیا ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، احتمال رکھتا ہے اس کا معنی ہو کہ آپ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ایک شخص کی شہادت افطار کے بارے میں ہم قبول نہ کریں یا یہ کہ ہمیں آپ نے حکم دیا ہے کہ اپنے شہر والوں کی رویت پر ہم اعتماد کریں اور اپنے شہر کے سوا دوسرے شہر کی رویت پر اعتماد نہ کیا جائے۔ مصنف (امام ترمذی) نے اس کو معنی دوم پر حمل کیا اور اسی بنا پر اس حدیث سے استدلال کیا''۔

پھر ص ۳۹ پر ترمذی شریف کے دوسرے شارح سراج احمد رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: ''ظاهره اعتبار اختلاف المطالع قال الخطابى ذهب الىٰ ظاهره القاسم و سالم وعكرمة وهو مذهب اسحق وقالوا ان لكل قوم رويتهم انتهى''۔

''اس حدیث کا ظاہر اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا ہے خطابی نے کہا کہ اس حدیث کے ظاہر کی طرف قاسم، سالم اور عکرمہ رحمہم اللہ گئے ہیں اور یہ مذہب اسحٰق کا ہے اور ان سب نے کہا کہ ہر قوم کے لئے ان کی رویت معتبر ہے۔ انتہیٰ''۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ دوسری قریب جگہ کی رویت کا اعتبار کیا جائے گا، دور کی رویت معتبر نہ ہوگی۔ پھر قریب اور دور کی حدوں میں اختلاف ہوا ہے۔ اس بارے میں علما کے پانچ قول ہیں:
(۱) جہاں تک نماز قصر نہیں کی جاتی ہے، وہ قریب ہے اور جہاں نماز قصر کی جاتی ہے وہ دور ہے۔
(۲) جہاں تک مطلع واحد ہو وہ قریب ہے اور جہاں کا مطلع دور ہو وہ دور ہے
(۳) جہاں تک اقلیم کا اتحاد ہو، وہ قریب ہے اور دوسری اقلیم دور ہے یعنی ایک اقلیم میں کسی جگہ چاند ہونے سے پورے اقلیم میں روزہ رکھنا افطار کرنا فرض ہوگا۔ دوسری اقلیم میں یہ حکم نہ ہوگا۔

marfat.com

(۴) ایک مہینہ سے کم کی راہ ہو تو وہاں ایک حکم ہوگا اور مہینہ بھر سے زیادہ کی راہ ہو تو وہاں چاند ہونے سے دوسری جگہ نہ ہوگا اور مراد اس راہ سے پیدل چلنے کی راہ ہے، نہ موٹر، ریل گاڑی، ہوائی جہاز سے۔

(۵) ۲۴ فرسخ سے کم ہو تو ایک حکم ہوگا اور اس سے زائد فاصلہ ہو تو دور سمجھا جائے گا۔

حضرت امیر شریعت اول استفتار رویت ہلال ص ۶ پر تحریر فرماتے ہیں: ''ہاں اگر قرب وجوار سے ۲۹ کے چاند ہونے کی تحقیق ہو جائے، مسلمان چاند دیکھنے والے کی گواہی سے چاند ہونے کی تصدیق ہو جائے تو ۲۹ ہی کے حساب سے مہینہ لیا جائے گا اور روزہ بھی اسی حساب سے فرض ہوگا۔ کیونکہ یہاں ابر کے حائل ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا اور قرب وجوار میں کسی جگہ مطلع سے ابر ہٹا ہونے کے سبب سے نظر آ گیا اور وہاں سے خبر تصدیقی آ گئی تو یہاں کے لوگ بھی مہینہ پانے والے سمجھے جائیں گے اور روزہ رکھنا فرض ہوگا جب قرب وجوار کے دیکھنے کی تصدیق ہو گئی تو اگر ابر کا حجاب نہ ہوتا تو یہاں بھی دیکھا جاتا، اس کی تصریح کی حدیث شریعت سے ظاہر ہوتی ہے (اس جگہ حضور نے حدیث اعرابی مروی عن ابن عباس نقل کر کے ترجمہ کیا پھر فرمایا) اور منزلوں دور سے ۲۹ کے چاند کی خبر آئے تو اس پر اعتبار نہ ہوگا اس لئے کہ فمن شهد منكم سے مخاطب وہیں تک کے لوگ ہو سکتے ہیں جہاں تک کا مطلع ایک ہے، نہ یہ کہ جہان بھر کے لوگ مطالع مختلف کے رہنے والے اختلاف مطالع کے اعتبار سے مسافت بعیدہ کی رویت ہلال پر عمل نہ کرنا، یہ بھی حدیث میں آ گیا ہے (اس جگہ حضور نے کریب والی حدیث ترمذی شریف سے نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا پھر تحریر فرمایا) صحیح مسلم میں بھی ایسا ہی ہے اور امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ رویت ہلال (ایک جگہ کی) سب لوگوں کے لئے عام نہیں ہوتی بلکہ ایسی مسافت قریبہ تک جہاں تک نماز قصر نہیں کی جاتی، خاص ہے۔ کہا گیا ہے کہ جہاں تک مطلع واحد ہو یا اقلیم کا اتفاق ہو، ان سب کو روزہ لازم ہوگا۔ نہیں تو نہیں۔

اسی میں طحطاوی حاشیہ درمختار سے ہے ص ۱۶: ''واطلق المصنف فشمل ما اذا كان بينهما تفاوت بحيث مختلف المطلع اولا و فصل بعض بالتفاوت وعدمه وحدا لتفاوت شهر فصاعدا اعتبارا بقصة سليمان عليه الصلاة والسلام''۔ ''مصنف نے مطلق کہا تو دونوں کو شامل ہو گیا آپس میں تفاوت اختلاف مطلع کی حیثیت سے ہو یا نہ ہو اور بعض نے تفاوت وعدم تفاوت اختلاف مطلع میں فرق کیا ہے۔ تفاوت کی حد ایک مہینے کی مسافت اور اس سے زیادہ میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکایت کے اعتبار سے۔ شامی رحمہ اللہ بھی مثل طحطاوی کے لکھنے کے بعد مسافت زمین کے متعلق دوسرا قول تاج تبریزی کا لکھتے ہیں کہ ۲۴ فرسخ سے کم میں اختلاف مطالع نہیں ہو سکتا پھر جواب استفتائے رویت ہلال ص ۲۳ فرمایا آیۂ شریفہ فمن شهد منكم الشهر سے قریب کی رویت پر اعتبار کرنا اور بعید کی رویت کو نا معتبر جاننا۔ جیسا کہ میں نے لکھا ہے، اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں قاضی ابو بکر

marfat.com

بن عربی مالکی نے بھی تفسیر احکام القران میں لکھا ہے: "السابعة اذا اخبر مخبر عن روية بلد فلا يخلو ان يقرب اويبعد فان قرب فالحكم واحد وان بعد فقد قال قوم لاهل كل بلد رويتهم وقيل يلزمهم ذلك"۔ "(اس آیت کے متعلق) ساتواں مسئلہ کو جب کوئی مخبر کسی شہر کی رویت ہلال سے خبر دے تو دو حال سے خالی نہیں یا وہ شہر قریب ہوگا یا دور۔ اگر قریب ہے تو ایک ہی حکم ہے یعنی چاند ہونا تسلیم ہوگا اور اگر دور ہے تو قوم نے کہا کہ ہر شہر والوں کے لئے ان کی رویت معتبر ہے۔ بعض کا قول ہے کہ چاند کو مان لینا ان کو ضرور ہوگا"۔

پھر جواب استفتائے رویت ہلال کے ص ۴ پر شرح ترمذی سے نقل فرمایا: "قال القرطبی قال شيوخنا يعنى المالكية اذا كانت روية الهلال ظاهرة بموضع ثم نقل الىٰ غير هم بشهادة اثنين لهم الصوم انتهى قال الخطابى وبه قال اكثر الفقهاء واليه ذهب الشافعى واحمد ولكن المذكور فى كتب الشافعية ان ذلك فيما تقاربت البلاد و قال الحافظ وان تباعدت فلا يجب عندا كثر هم واوجبه ابو الطيب وحكاه البغوى عن الشافعى لكنه قال ابن عبدالبر اجمعوا علىٰ انه لا تراعى الروية فيما بعد عن البلاد كخراسان والاندلس نتهى"۔ "قرطبی نے کہا ہمارے شیوخ مالکیہ نے کہا ہے کہ جب رویت ہلال کسی ایک جگہ ظاہر ہو جائے پھر (وہ خبر) دو شخص کی گواہی سے دوسروں کی طرف منتقل ہو تو ان پر روزہ واجب ہے انتہی۔ خطابی نے کہا کہ اکثر فقہا نے یہی کہا ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ اسی طرف گئے ہیں انتہی۔ لیکن شافعیہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ ایک شہر دوسرے سے قریب ہوں اور حافظ ابن حجر نے کہا کہ اگر دوسرے دور ہوں تو اکثر شافعیہ کے نزدیک واجب نہ ہوگا۔ ابوالطیب نے واجب کیا اور بغوی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے اس کو حکایت کیا ہے لیکن ابن عبدالبر نے کہا کہ مالکیوں اجماع کیا ہے کہ دور کے شہروں میں رویت کی رعایت نہ کی جائے گی جیسے خراسان اور اندلس۔ انتہیٰ"۔

تیسرا قول: جو حنفیہ کا ظاہر المذہب ہے، یہ ہے کہ کسی ایک جگہ چاند دکھائی دینے سے سب جگہ کے لوگوں پر روزہ رکھنا اور روزہ کھولنا فرض ہو جاتا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس جگہ چاند دیکھے جانے کا علم دوسری جگہ والوں کو بطریق موجب شرعی ہو جائے اور اگر بطریق موجب اس کا علم نہ ہوا بلکہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، اخبار یا حکایت یا اور کسی واہی تباہی ذریعہ سے اس کی اطلاع پہونچی تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ دوسری جگہ کے لوگوں کو ۳۰ شعبان پورے کر کے روزہ رکھنا اور ۳۰ رمضان پورے کر کے عید کرنے کا حکم شرعی ہوگا۔

حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ استفتائے رویت ہلال ص ۴ پر تحریر فرماتے ہیں: مسافت بعیدہ کی رویت ہلال کی نسبت درمختار میں ہے: "واختلاف المطالع ورويته نهارا قبل الزوال وبعده غير معتبر على

marfat.com

ظاهر المذهب وعليه اكثر المشائخ وعليه الفتوى بحر عن الخلاصة فيلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب اذاثبت عندهم رؤية اولئك بطريق موجب كما مرقال الزيلعي الاشبه ان يعتبرلكن قال الكمال الاخذبظاهر الرواية احوط"۔ "اور مطالع کا اختلاف اور دن کو چاند دیکھنا زوال کے پہلے اور بعد اس کے، سب نامعتبر ہے۔ ظاہر مذہب پر اور اکثر فقہا اسی بات پر ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ خلاصہ سے بحر میں لکھا ہے تو مشرق کے لوگوں کو لازم ہوگا (روزہ یا افطار) مغرب والوں کے چاند دیکھنے سے جب اہل مشرق پر اہل مغرب کا چاند دیکھنا شرعی شہادت سے ثابت ہو جائے جیسا کہ گزرا۔ زیلعی نے کہا کہ اشبہ یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے لیکن کمال نے کہا کہ ظاہر روایت پر عمل کرنا زیادہ احتیاط کی بات ہے"۔

پھر ص ۸ پر علامہ شامی کی ردالمحتار سے دونوں قول (اختلاف وعدم اعتبار) ذکر کے نقل فرمایا: "وظاهر الرواية الثانى وهو المعتمد عندالمالكية والحنابلة لتعلق الخطاب عاما بمطلق الرويته فى حديث صوموالرويته بخلاف اوقات الصلاة"۔ "اور ظاہر روایت نے ثانی کو لیا ہے (یعنی مطالع کا اعتبار کیا جائے گا ہمارے نزدیک یہی معتمد ہے اور مالکیوں اور حنبلیوں کے نزدیک بھی حدیث صوموا الرویتہ میں رویت مطلق کے ساتھ خطاب عام ہونے کے سبب بخلاف نماز کے اوقات کے"۔

پھر جواب استفتائے رویت ہلال ص ۲۹ پر امام نووی شارح صحیح مسلم سے حدیث کریب کی شرح میں شوافع کا مسلک اختلاف مطالع کے معتبر ہونے کو بیان کر کے فرماتے ہیں: "وقال بعض اصحابنا نعم الرؤية فى موضع جميع اهل الارض"۔ "اور لوگوں نے ہمارے کہا ہے کہ ایک مقام کی رویت عام ہوگی، کل زمین والوں کو یعنی عدم اعتبار اختلاف مطالع ظاہر المذہب حنفیوں اور مالکیوں اور حنبلیوں کا ہے اور شوافع کا مسلک اعتبار اختلاف مطالع ہے مگر یہ مسلک تمام شوافع کا نہیں ہے بلکہ بعض کا ہے اور بعضوں کا مذہب ائمہ ثلاثہ کے مطابق یہ ہے کہ ایک مقام کی رویت ہلال عام ہوگی کل زمین والوں کو"۔

پھر جواب استفتائے رویت ہلال کے ص ۳۴ پر ابو الطیب سندی کی شرح ترمذی سے نقل فرماتے ہیں: "وظاهر الرواية فى مذهبنا انهٗ يثبت برؤية اهل بلده علىٰ اهل بلد اخرلعموم الخطاب فى قوله صوموا امعلنا بمطلق الرؤية فى قوله لرويته وبرؤية قوم يصدق اسم الرؤية فيثبت مايتعلق به من عموم الحكم فيعم الوجوب"۔ "اور ہمارے مذہب کی ظاہر روایت یہ ہے کہ کسی ایک شہر والوں کی رویت دوسرے شہر والوں پر ثابت ہو جائے گی صوموا میں عموم خطاب کے باعث لرویتہ میں اعلان مطلق رویت کے سبب ہے اور ایک قوم کی رویت سے رویت کا نام صادق ہو جاتا ہے تو جو کچھ اس کے متعلق ہوگا، عام حکم ہونے سے وہ بھی

marfat.com

ثابت ہو جائے گا اور وجوب عام ہو جائے گا“۔

اسی جواب استفتائے رویت ہلال کے ص ۱۴ پر ترمذی شریف کے دوسرے شارح سراج احمد رحمۃ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: ”وظاھر المذھب عن ابی حنیفة انه اذاثبت فی مصرلزم سائر الناس فیلزم اھل المشرق برویة اھل المغرب و انما یلزمھم اذاثبت عندھم رویة اولئك بطریق موجب“۔ ”اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ جب کسی ایک شہر میں رویت ثابت ہو جائے تو سب لوگوں پر لازم ہو جائے گی تو اہل مشرق کی رویت اہل مغرب کو لازم ہوگی اور اس وقت لازم ہوگی جبکہ اول کی رویت ان کے نزدیک بطریق موجب ثابت ہو جائے“۔

پھر اسی جواب استفتائے رویت ہلال کے ص ۴۴ پر تحریر فرماتے ہیں: حنفیہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے واسطے کافی ہے بشرطیکہ ثبوت اس کا بطریق موجب ہو جائے اور طریق موجب کی شرح یہ ہے:” کان یتحمل اثنان الشھادة اویشھدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر بخلاف ما اذا اخبر ان اھل بلدہ، کذا او ء ہ لانه حکایة حلبی“۔ ”دو شخص خود چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا (رویت کی تصدیق پر) قاضی کے حکم دینے کی دو شخص گواہی دیں یا متواتر خبر آئے بخلاف اس کے کہ دو شخص خبر دیں کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے، کیونکہ یہ حکایت ہے (اس کا اعتبار نہیں) حلبی (الی قولہ)، طریق موجب کی شرط نے تار برقی پر آنیوالی خبر کو اخبار کے پرچوں میں چھپی ہوئی خبروں کو جیسا کہ عام طور پر چھپتی ہیں۔ ریل کے سفر کرنے والے جنہوں نے خود نہ دیکھا ہو اور کسی شہر کے لوگوں کے دیکھنے کی خبر دیتے ہوں، یہ سب خبر حکایت میں شمار ہوں گی۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی میں نہ اپنی رویت شہادت ہوتی ہے، نہ قاضی (یا بجائے قاضی کے کسی عالم) کے حکم کی شہادت ہوتی ہے جو قابل اعتبار ہو سکے۔ ایسی نا قابل اعتبار دور کی رویت کی خبر ملے بھی تو اس کا کچھ نفع نہیں اور حالت یہ ہے کہ اس طرح کی نا قابل اعتبار خبر وں پر عمل نہ کرنے والے سے لوگ جھگڑتے رہتے اور سند میں پیش کرتے ہیں کہ حنفیہ کا فتویٰ اسی پر ہے کہ اہل مشرق کی رویت پر اہل مغرب کو صوم و افطار واجب ہے اور بطریق موجب کی شرط کو نہیں دیکھتے، نہ اس کے معنی جانتے ہیں۔

الحمد للہ کہ سوال دوم کا جواب بھی حسب درخواست سائل حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کی تحقیق کی روشنی میں تحریر کیا گیا۔ ناظرین سولہ اقتباسات خصوصاً اخیر ص ۴۴ والی عبارت کو بغور پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ یہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ جن کو ذاتی رائے قرار دے کر رد کیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال سویم: حضرت عزت حق سبحنہ تعالیٰ شانہ، علمائے کرام فقہائے عظام کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے کہ کسی مسئلہ کو بھی مجمل مہمل نہیں چھوڑا بلکہ ایسی روشن تصریحات فرمادیں جس سے مسئلہ کا حل بہت آسانی سے ہو سکتا

marfat.com

ہے اور اس مسئلہ میں بھی کوئی الجھن کی بات نہیں رہی۔ سوال دوم کے جواب میں معلوم ہوا کہ اس باب میں علما کے تین قول ہیں:

قول اول: ہر جگہ کا چاند صرف وہیں کے لئے ہے، جہاں دیکھا گیا۔ دوسری جگہ اس کا حکم نہیں چل سکتا۔ اسی کی طرف قاسم، سالم، عکرمہ گئے ہیں۔ یہی مذہب اسحٰق کا ہے۔ اسی پر فتویٰ امیر جماعت اہل حدیث پٹنہ کا ہے۔

قول دوم: اختلاف مطالع کا اعتبار کر کے قرب وجوار کی رویت اگر شرعی طریقہ پر ثابت ہو جائے تو لیا جائے گا، دور کی رویت کا اعتبار نہ ہوگا، اس کا دوسرا حکم ہوگا۔ یہ مذہب بعض شافعیہ کا ہے اور احناف سے علامہ زیلعی، صاحب فیض، صاحب تجرید اور بعض مشائخ حنفیہ بھی اس کی طرف گئے ہیں اور حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ اس قول کو ضعیف فرماتے ہیں۔ استفتائے رویت ہلال کے ص ۷ اپر علامہ شامی کی عبارت ''فقیل بالاول و اعمده الزیلعی و صاحب الفیض وهو الصحیح عندالشافعیة'' کا ترجمہ کرنے میں کہا گیا ہے یعنی ضعیف قول ہے کہ پہلی بات لی جائے گی یعنی اعتبار کیا جائے گا۔ زیلعی اور صاحب فیض نے اس پر اعتماد کیا ہے اور خود بھی بعض دقتوں کو پیش نظر رکھ کر اسی کو پسند فرماتے ہیں اس وقت کو جواب استفتائے رویت ہلال من قول سوم، حنفیہ کا ظاہر مذہب یعنی عدم اعتبار اختلاف مطالع اور ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے واسطے کافی ہونا بشرطیکہ ثبوت اس کا بطریق موجب ہو جائے لکھ کر اور طریق موجب کی شرح شامی سے بحوالہ حلبی نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں: ''طریق موجب کی شرح معلوم کرنے کے بعد جاننا چاہئے کہ بعید المسافت شہر کی رویت ہلال کی تصدیق اس شرط کے موافق کس قدر مشکل ہے''

قول سوم: اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے اور ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے لئے لازم ہوگی بشرط ثبوت بطریق موجب ہو جائے۔ یہی مذہب عام احناف کا ہے، یہی ظاہر المذہب، یہی ظاہر الروایت ہے۔ یعنی ان مسائل سے ہے جو اصحاب مذہب یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد سے مروی ہے تو اسی کو ماننا اور حنفی عالم کو اسی پر فتویٰ دینا ضروری ہے۔

علامہ شامی رسم المفتی میں محقق ابن کمال پاشا سے ناقل کہ فقہا کے سات درجے ہیں۔ اول مجتہدین فی الشرع جیسے ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم۔ دوم مجتہدین فی المذہب جیسے صاحبین رضی اللہ عنہما۔ سوم مجتہدین فی المسائل جیسے امام خصاف، امام طحاوی وغیرہما۔ چہارم مقلدین سے اصحاب تخریج جیسے امام رازی وغیرہ۔ پنجم مقلدین سے اصحاب ترجیح جیسے ابوالحسین قدوری صاحب ہدایہ وغیرہما۔ ششم طبقہ مقلدین سے جو اقویٰ، قوی، ضعیف اور ظاہر المذہب، روایت نادرہ میں تمیز پر قادر ہیں جیسے صاحب کنز، صاحب مختار وغیرہما۔ ہفتم طبقہ مقلدین جو ان باتوں پر قدرت نہیں رکھتے جیسے آجکل کے عام علما۔ انہیں کے بارے میں صاحب درمختار لکھتے ہیں: ''واما نحن فعلینا اتباع مارجحوه وصححوه کمالو افتوافی حیاتهم''۔ ''ہم مقلدین پر اتباع کرنا اس کا ہے جسے ان علما نے ترجیح دی اور جس کی

تصحیح کی جیسے وہ حضرات اگر زندہ ہوتے اور فتویٰ دیتے تو کیا ہماری مجال تھی کہ ہم ان کی مخالفت کرتے''۔ نہیں ہرگز نہیں تو جب انہوں نے ایسے اصول وضوابط مقرر فرمادیے تو ہمارا فرض مذہبی ومنصبی ہے کہ فتویٰ دیتے وقت انہیں کا لحاظ کریں اور عوام کو خوش کرنے کی کوشش میں نہ پڑیں۔

درمختار میں ہے:'' رسم المفتی ان ما اتفق علیه اصحابنا فی الروایات الظاهرة یفتی به قطعاً''۔ '' جو مسئلہ ظاہر الروایت میں ہمارے ائمہ کا متفق علیہ ہے۔ اس پر قطعاً فتویٰ دیا جائے گا''۔ کیونکہ وہ ائمہ ثلاثہ سے بروایت ثقات مروی ہے تو اس سے عدول کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے استفتائے رویت ہلال میں درمختار کی عبارت اوپر گذری کہ انہوں نے بحر الرائق شرح کنز الدقائق علامہ زین بن نجیم ہے اور انہوں نے فتاویٰ خلاصہ سے قول سوم کو لکھا علیه اکثر المشائخ، اسی پر اکثر مشائخ ہیں۔ تو جس پر اکثر مشائخ ہوں ہماری کیا مجال کہ اس کی مخالفت کریں۔ اسی میں ہے، وعلیه المفتوی اسی پر علما کا فتویٰ ہے۔ تو جس قول پر علمائے سابقین فتویٰ دے چکے، ہماری کیا مجال کہ اس کے خلاف فتویٰ دیں۔ اسی کو ظاہر المذہب فرمایا پھر ظاہر المذہب سے عدول کا کسے حق ہے؟ اسی کو علامہ کمال نے الاخذ بظاهر الروایة احوط فرمایا یعنی ظاہر الروایت ہی کو لینے میں زیادہ احتیاط ہے پھر دوسرے قول کو لے کر بے احتیاطی کرنے کا کیا حق ہے۔ اسی کو علامہ شامی نے فرمایا: هو المعتمد عندنا ہمارے یعنی حنفیہ کے نزدیک یہی معتمد ہے۔ پھر معتمد کو چھوڑ کر غیر اعتمادی قول کا لینا کہاں کا انصاف ہے اور یہ نہ صرف حنفیہ ہی کا معتمد بلکہ مالکیہ کا یہی مذہب ہے، حنبلیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور بعض شوافع کا بھی یہی مسلک ہے پھر ایسے قول کو جو چاروں مذہب کا ہو چھوڑنے کی کون سی وجہ ہوسکتی ہے اور وہ بھی اسی حالت میں کہ ظاہر المذہب کے ترجیح کی علما تصریح فرماتے ہیں۔

علامہ شامی جلد اول ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ''وفی وقف البحر فانه اذا کان احد القولین ظاهر الروایة والاخیر غیرها فقد صرحوا اجمالا بانه لایعدل عن ظاهر الروایة''۔ ''بحر الرائق کی کتاب الوقف میں ہے: جب کسی مسئلہ میں دو قول ہوں۔ ایک ظاہر الروایہ ہو اور دوسرا غیر ظاہر الروایہ (جیسا کہ اس مسئلہ میں ہے کہ قول سوم ظاہر الروایہ ہے اور قول دوم غیر ظاہر الروایہ بلکہ حسب تصریح حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ ضعیف ہے) تو علما نے مطلقاً تصریح فرمائی کہ ظاہر الروایہ سے عدول جائز نہ ہوگا۔

اسی میں ہے:''فهو ترجیح ضمنی لکل ما کان ظاهر الروایة فلایعدل عنه بلاترجیح صریح لمقابله''۔ '' تو یہ ترجیح ضمنی ہے ہر اس قول کے لئے جو ظاہر الروایہ ہو تو اس سے عدول جائز نہ ہوگا جب تک اس کے مقابل کی ترجیح صریح نہ ہو''۔ اور اس جگہ مقابل کی اصلا ترجیح نہیں بلکہ قیل سے تعبیر اس کے ضعف کی تصحیح ہے پھر ظاہر

marfat.com

الروایہ سے عدول کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

علامہ شامی جلد اول ص ۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں: ''وکذا یرجح اذا کان احدهما ظاهر الروایة''۔ ''اسی طرح ترجیح دی جائے گی جب دو قول میں ایک ظاہر الروایہ ہو''۔ پھر فرماتے ہیں: ''وبه صرح فی کتاب الرضاع من البحر حیث قال الفتویٰ اذا اختلف کان الترجیح لظاهر الروایة لماسیاتی ان الفتیابالمرجوح جهل''۔ ''ظاہر الروایہ کی ترجیح کی تصریح علامہ بن نجیم نے بحر الرائق کی کتاب الرضاع میں فرمائی کہ فتویٰ جب مختلف ہو یعنی دو قول ہوں اور دونوں مفتی بہ تو ظاہر الروایت کو ترجیح ہوگی۔ اس دلیل سے قریب آتی ہے کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا جہالت ونادانی ہے''۔

اور اس مسئلہ میں تو دوسرے قول پر اصلا فتویٰ نہیں پھر ظاہر الروایہ کو چھوڑنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے خصوصاً جبکہ فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔ درمختار کی عبارت اوپر گذری ''وعلیه الفتویٰ بحر عن الخلاصه'' پھر فرمایا: ''وفیه من باب الصرف اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاهر الروایة والرجوع الیها''۔ ''جب تصحیح مختلف ہو یعنی دو قول ہوں اور دونوں کو علما نے صحیح فرمایا ہو تو اس وقت دیکھنا چاہئے کہ ظاہر الروایہ کون ہے اور اسی کی طرف رجوع واجب ہے۔ تو اس جگہ دوسرے قول نے بھی تصحیح نہ کی بلکہ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ نے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح فرمادی تو ظاہر الروایہ کو چھوڑ کر قول دوم اختیار کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

علامہ شامی جلد اول ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ''ماخرج عن ظاهر الروایة فهو مرجوع عنه والمرجوع عنه لایجوز الاخذبه''۔ ''جو ظاہر الروایہ سے باہر ہے، وہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ کو لینا جائز نہیں''۔

درمختار میں ہے: ''ان الحکم والفتیابا لمرجوح جهل وخرق الاجماع''۔ ''حکم اور فتویٰ دینا قول مرجوح پر جہالت اور خلاف اجماع کرنا ہے''۔

علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ''اولیٰ من هذابالبطلان الافتاء بخلاف ظاهر الروایة اذالم یصحح والافتا بالقول المرجوع عنه اه''۔ ''اور اس سے زیادہ باطل امر ظاہر الروایہ کے خلاف فتویٰ دینا ہے جب کہ اس کی تصحیح نہ کی گئی ہو اور قول مرجوع عنہ پر فتویٰ دینا ہے''۔

پھر علامہ شامی جلد ۲ ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ''الواجب الرجوع الیٰ ظاهر الروایة عنه اختلاف الترجیح''۔ ''ترجیح کے اختلاف کی صورت میں ظاہر الروایہ کی طرف رجوع کرنا واجب ہے تو جب دوسرے قول کی اصلا ترجیح نہ ہو تب تو ظاہر الروایت پر فتویٰ ضروری اور لازمی ہوگا''۔

نیز ردالمحتار جلد سوم میں فرماتے ہیں: ''اذاذکر فی ظاهر الروایة حکم من دون ذکر خلاف کان

marfat.com

مقتضاه انه قول ائمتنا الثلثة"۔ " جب ظاہر الروایہ میں کوئی حکم مذکور ہو اور وہاں اس کا خلاف نہ مذکور ہو تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ یہ ہمارے ائمہ ثلاثہ امام اعظم، امام یوسف، امام محمد کا قول ہے"۔

پھر جلد رابع میں فرماتے ہیں: "لا یحل الافتاء بالمرجوح ولاینفذ القضاء به"۔ "قول مرجوح پر کسی مفتی کو فتویٰ دینا اور کسی قاضی کو فیصلہ کرنا جائز نہیں اور اگر کوئی قاضی فیصلہ دے گا تو وہ نافذ نہ ہوگا"۔

پھر جلد پنجم میں فرماتے ہیں: "ماخالف ظاهر الرواية ليس مذهبا لاصحابنا"۔ "جو ظاہر الروایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں"۔

ان تمام تصریحات صریحہ کے بعد واضح ہو گیا کہ ان تینوں اقوال میں قول سوم کو ترجیح ہوگی، اسی پر فتویٰ دینا ہوگا۔ یہی ہمارے ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ اس کے سوا ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں۔ اسی کی طرف رجوع واجب، اس کے سوا دوسرے قول کو لینا اور اس پر فتویٰ دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔ واللّٰہ تعالی اعلم بالصواب۔

جواب سوال چہارم: مولی تعالی بہتر سے بہتر جزائے خیر دے ہمارے علمائے کرام، فقہائے عظام کو کہ اپنے ذہن رسا سے ایسے اصول وقواعد بنائے، ایسی باتیں بتا گئے جو بعد کے شبہات وشکوک کے زہر کے لئے تریاق ہوں۔

درمختار جلد اول میں ہے: "ان الحكم الملفق باطل بالاجماع"۔ "حکم ملفق جس کی بنا دو مذہب یا دو اصول پر ہو بالاجماع باطل ہے"۔

علامہ شامی اس کی مثال دے کر توضیح فرماتے ہیں: "مثاله متوضی سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلیٰ فان صحة هذه الصلوٰة ملفقة من مذهب الشافعی والحنفی والتلفيق باطل فصحته منتفية اه الخ"۔ "اس کی مثال یہ ہے کہ ایک باوضو شخص ہے جس کے بدن سے خون بہا اور اس نے کسی عورت کو بھی چھوا پھر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز کی صحت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی دونوں کے مذہب کی تلفیق سے ہو سکتی ہے یعنی ایک مسئلہ امام صاحب کا لیں اور ایک مسئلہ امام شافعی صاحب کا۔ عورت کے چھونے سے حنفیہ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا اور شافعیہ کے یہاں ٹوٹ جاتا ہے۔ تو اس مسئلہ میں امام صاحب کا قول لے اور خون نکلنے سے احناف کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور شافعیہ کے یہاں نہیں ٹوٹتا ہے تو اس مسئلہ میں امام شافعی صاحب کی بات لے اور نماز پڑھ لے۔ اس ترکیب سے اس نماز کو صحیح جانے مگر چونکہ تلفیق باطل ہے اس لئے یہ نماز بھی کسی کے نزدیک صحیح نہ ہوگی۔ امام صاحب کے نزدیک اس وجہ سے کہ اس کے بدن سے خون نکلا اور خون نکلنے سے وضو جاتا رہا اور امام شافعی صاحب کے نزدیک اس وجہ سے کہ اس نے عورت کو چھوا اور شافعیہ کے نزدیک عورت کے چھونے سے وضو جاتا رہتا ہے تو اس شخص نے دونوں اماموں کے نزدیک بے وضو نماز پڑھی، اس لئے وہ نماز باطل ہوگی۔

marfat.com

اسی طرح یہ مسئلہ امام ابو حنیفہ اور اپنی جدت سے تلفیق ہے تو بدرجہ اولیٰ باطل ہوگا ورنہ اگر پوری بات امام صاحب کی لیں تو کوئی دقت نہیں اور اگر پوری بات اپنی لیں جب بھی کوئی دشواری نہیں۔ اس لئے امام صاحب کا مذہب جہاں یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، اس لئے اہل مشرق کی رویت پر اہل مغرب کو روزہ رکھنا اور افطار کرنا واجب ہوگا، وہیں ان کا مذہب یہ بھی ہے کہ مشرق والوں کے چاند دیکھنے سے مغرب والوں پر کب روزہ افطار کا حکم ہوگا، جب کہ ان کا چاند دیکھنا مغرب والوں کو بطریق موجب ثابت ہو جائے۔ یہ نہیں کہ کوا کائیں کائیں کرتا جارہا ہے، کسی کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ کہہ رہا ہے دہلی میں چاند ہو گیا تو پٹنہ والوں پر روزہ رکھنا یا عید کرنا فرض ہو جائے گا بلکہ ابر و باد کی صورت میں رمضان کے لئے ایک معتبر شخص کی خبر اور ہلال عیدین میں دو عادل شخصوں کی شہادت ضرورت ہے جو خود چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا رویت کی تصدیق پر قاضی کے حکم دینے کی گواہی دیں یا چاند دیکھنے کی جگہ سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب یک زباں اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بربنائے رویت روزہ ہوا یا عید کی گئی۔ جب ایسی گواہیاں گذریں گی تب چاند ثابت ہوگا ورنہ نہیں اور ہر دیندار جانتا ہے کہ اس دور آزادی دبے قیدی میں مطابق قواعد شرع مقبول الشہادہ شخص کا ملنا اور اس کا گواہی دینا کس قدر قلیل الوجود کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے۔ فساق فجار کی کثرت ہے اور انہیں کے ذریعہ ایسی خبروں کی حکایت وروایت۔ اس لئے فقہائے کرام کے مذہب پر چاند کا ثبوت دوسری جگہوں کے لئے کس قدر مشکل ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ فقہائے عظام کے ارشاد کو پس پشت ڈال دیں۔ اس لئے کہ اس کے مشکل اور دشوار ہونے کی وجہ سے الجھن کیا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس شرط کے مطابق رویت ہلال ثابت نہ ہوگی تو یہاں عید کرنے، روزہ کھولنے کا حکم نہ دیا جائے گا جس طرح زنا کی شہادت کے لئے کالمیل فی المکحلہ کی گواہی دینا شرط ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ اس طرح دیکھنا اور وہ بھی نہ صرف ایک یا دو شخصوں کا بلکہ اکٹھے چار آدمیوں کا اور اس کی گواہی دینا کس قدر مشکل ہے مگر اس میں دقت ہی کیا ہے؟ اگر ایسی گواہی نہ گذرے گی قاضی مجرم نہ قرار دے گا، حد نہ لگائے گا۔ رمضان شریف کے چاند کے لئے اگر چہ عادل ہونا شرط نہیں، غیر فاسق ہونا کافی ہے اور ایسے لوگ اس زمانے میں بھی بہت ملیں گے مگر رمضان کے چاند کی گواہی دیتا ہی کون ہے؟ یہ ساری دینداری کا زور تو عیدین کے چاند کے لئے صرف کیا جاتا ہے اور ان اختراع کرنے والوں کے طور پر اس لئے کہ اگر چہ یہ لوگ ریڈیو تار ٹیلیفون کو مانتے ہیں اور ان کو بہ منزلہ شہادت جانتے ہیں۔ اسی لئے دوسرے علما سے پوچھتے ہیں ”سمجھ میں نہیں آتا کہ ان تصریحات کے بعد تار اور ریڈیو کی خبروں پر اعتماد نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ لیکن ساتھ ساتھ وہ موافق مذہب احناف عدم اعتبار اختلاف کو نہیں مانتے اور نہ صرف اپنا بلکہ اپنے ساتھ اپنے استادوں کا بھی یہی خیال ظاہر کرتے ہیں کہ بہر حال دور دراز مقامات میں اختلاف مطالع کا لحاظ کرنا ہی پڑے گا تو ان کے طور پر دور دراز

marfat.com

مقامات کی خبر اختلاف مطالع کی وجہ سے قابل قبول نہ ہوگی تو مقصد ایک ہی رہا۔ فقہا کی تحریرات وتحقیقات ماننے والوں کے لئے دہلی وغیرہ دور کی خبریں جو ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ آئی ہوں، غیر معتبر ہیں۔ اس لئے کہ ضرورت شہادت کی ہے اور یہ چیزیں خبر کے لئے موضوع ہیں، شہادت میں کارآمد نہیں۔ اس لئے کہ ان پر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا اور روشن خیال مجتہدین وقت حضرات کے نزدیک بھی دہلی وغیرہ دور کی خبریں جو ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ آئی ہیں غیر معتبر ہیں۔ اگرچہ ان کے نزدیک اس دور ترقی میں ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ دنیا نے عوام کی سہولت کے سامان فراہم کئے ہیں۔ اس سے فائدہ نہ اوٹھانا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا، خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے۔ اس لئے اس کو ضرور ماننا چاہئے مگر وہ لوگ اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں اور فقہا کی تصریح لاعبرۃ لا ختلاف المطالع کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک مطلع مختلف ہونے کی وجہ سے دہلی کی خبر ہمارے بہار کے لئے قابل اعتبار و لائق عمل دار آمد نہیں تو حکم بہر حال ایک ہی رہا کہ دہلی کی خبر ہلال تار، ٹرنک کال، ریڈیو کے ذریعہ معتبر نہ ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال پنجم: تحریرات سابق یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ہلال عیدین میں شہادت گواہان عادل کی ضرورت ہے۔ نہ صرف خبر کی اور تار، ٹیلیفون، ٹرنک کال، ریڈیو وغیرہ خبر رسانی کے لئے موزوں ہیں، نہ شہادت کے لئے۔ اسی لئے جن لوگوں نے تار، ٹیلیفون وغیرہ ایجاد کئے، کبھی انہوں نے بھی فوجداری اور دیوانی کے مقدمات میں گواہوں کے لئے ان چیزوں کو قابل قبول نہ جانا۔ ایسے روشن خیال حضرات سے گزارش ہے کہ پہلے یہ نصیحت حکام وقت کو کریں کہ جب دنیا نے ترقی کر کے عوام کی سہولت کے لئے سامان فراہم کیا ہے، اس سے فائدہ نہ اٹھانا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے۔ اس لئے آپ لوگوں کو چاہئے کہ مقدمات میں گواہوں کی حاضری لازم قرار نہ دیجئے۔ جی چاہے تو آئے ورنہ جہاں سے چاہے فون کردے یا تار دیدے یا جو اظہار دینا ہے، ریڈیو اسٹیشن پر جاکر وہیں سے نشر کردے۔ اس میں متخاصمین کا بہت روپیہ جو گواہوں کے لانے لے جانے میں صرف ہوتا ہے، بچ جائے گا۔ اگر کچہریوں میں اس کو رائج نہ کرسکیں تو الیکشن کا زمانہ قریب ہے کوشش کر کے پہلے اسی میں جاری کرائیے کہ ووٹروں کو پولنگ اسٹیشن پر آنے کی ضرورت نہ پڑے۔ ہر شخص اپنے قریب کی جگہ سے فون کردے یا تار دیدے یا ریڈیو اسٹیشن پر جاکر بول دے کہ میں نے فلاں شخص کو ووٹ دیا، تب اس روشن خیالی کی حقیقت معلوم ہوجائے گی۔ جب کچہریوں کی شہادت میں ان ذرائع کو جاری کرلیں تب علمائے کرام کو نصیحت کریں اور لکیر کے فقیر بننے سے ان کو روکیں۔ افسوس کی بات ہے کہ دنیوی قانون میں ایک انچ کمی بیشی کی ہمت نہیں کرسکتے، ہر بات پر آمنا و صدقنا کہنے کے لیے تیار مگر شرعی مسائل میں مداخلت کے لئے کمربستہ۔ میری یہ غرض نہیں

کہ چونکہ دنیوی کچہریوں میں شہادت کے لئے یہ چیزیں مقبول نہیں، اس لئے ثبوت ہلال کے لئے ہم نہیں مانتے۔ جب کسی وقت کچہریوں کی شہادت میں قابل قبول سمجھی جائیں گی، ثبوت ہلال میں بھی معتبر ہوں گی بلکہ دکھانا یہ ہے کہ دنیوی کچہریوں میں شہادت کے قواعد وقانون بہت نرم ہیں پھر بھی یہ چیزیں شہادت کے لئے معتبر نہیں پھر شرعی مسائل جس کی شہادت کی شرطیں بہت سخت ہیں، ان میں کیونکر قابل اعتبار سمجھی جاسکتی ہیں۔ یہ فتویٰ کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹرنک کال وغیرہ برقی خبریں صرف خبر رسانی کے لئے ہیں، شرعاً ثبوت ہلال کی شہادت کے لئے معتبر نہیں۔ ہندوستان بھر کے مشاہیر علمائے سابقین وموجودین کی تحقیق ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر چار تحریریں ہیں۔ انہیں کی مدد سے علمائے کرام کی تحقیقات کو پیش کرسکتا ہوں (۱) رسالہ مبارکہ ازکیٰ الاہلال بابطال مااحدث الناس فی امر الهلال مصنفہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مأتہ حاضرہ مؤید ملتِ طاہرہ سیدی و سندی، شیخی و مرشدی مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلی قدس سرہٗ العزیز (۲) رسالہ جامع الاقوال فی رویت الهلال مرتبہ سید شاہ محمد حسین صاحب ارزاں شاہی برادر جناب سید شاہ حامد حسین صاحب سجادہ نشین درگاہ شاہ ارزاں پٹنہ (۳) رسالہ نادر تحفہ جامعہ حبیبیہ (۴) جوابات استفتاعزیزی و تلمیذی مولوی سید شاہ محمد فرید الحق سلمہٗ ولیعہد سجادہ عمادیہ پٹنہ۔

(اس کے بعد رسالہ مبارکہ ازکیٰ الاہلال اور ہندوستان کے ایک سو کیانوے مشاہیر علما کی تصدیقات ہیں۔ ازکیٰ الاہلال فتاویٰ رضویہ میں چھپ چکا ہے اور تصدیقات میں وہی عبارتیں ہیں جن کا تذکرہ ملک العلما کے فتوے میں آچکا ہے۔ اس لئے احقر نے انہیں یہاں سے خذف کردیا ۱۲ ساحل)

فقیر قادری محمد ظفرالدین رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ یہ یوپی، سی پی سابق حال ام پی، بمبئی، بہار، بنگال، حیدر آباد، پنجاب وغیرہ کے مختلف اضلاع، مختلف مقامات، مختلف خیالات، مختلف اعتقادات اور اپنے وقت کے مشہور ومستند علمائے سابقین ومعاصرین کی ایک سو کیانوے تحریرات فتاویٰ وتصدیق ہیں، جن میں بالاتفاق حکم ہے کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو ٹرنک کال، اخبار، خطوط سے ثبوت ہلال نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ رویت پر شرعی شہادت نہ ہو۔ ایک جگہ چاند ہونے سے دوسری جگہ روزہ، افطار، قربانی، نماز کا حکم دینا صحیح نہ ہوگا۔ بعض علما نے یہ فتویٰ دیتے ہوئے کہ ریڈیو کے ذریعہ شہادت اور اثبات رویت ہلال نہیں ہوسکتا، اتنا اور اضافہ کیا ہے: البتہ کسی عالم یا قاضی کے پاس شہادت رویت گذرے تو خود وہ عالم اس خبر کو ریڈیو کے ذریعہ نشر کرسکتا ہے، سرکاری آدمی یا غیر مسلم شخص اگر نشر کرے گا تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، مگر مرکزی انجمن تبلیغ صداقت بمبئی کی دن ــــ جامع مسجد مدنپورہ ۱۰ محرم الحرام بروز جمعہ ۱۳۷۱ھ کو دن

میں زیر صدارت حضرت محدث اعظم ہند مولانا الحاج شاہ سید محمد صاحب کچھوچھوی مدظلہ ایک عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں الہ آباد، لکھنؤ، دہلی، فیض آباد، بریلی، مرادآباد، سنبھل، پیلی بھیت، مظفر پور، بہار، داناپور، گونڈہ، بہرائچ، نانپارہ، ناگپور، جبل پور، فتحپور، کانپور، بستی، رائے بریلی، بلیا، اعظم گڑھ، مبارکپور، بنارس، بھاگلپور و دیگر مقامات کے علمائے کرام و مفتیان عظام نے شرکت فرمائی۔ مزید دلائل شرعیہ کے تحت یہ طے فرمایا کہ ریڈیو کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر یا شہادت تو غیر معتبر ہے ہی، اگر ریڈیو کے ذریعہ قاضی کے فیصلۂ رویت ہلال کا اعلان ہو تو وہ بھی غیر معتبر اور ناقابل عمل ہے۔ کیونکہ قاضی شرع کا فیصلہ اس کے حدود و قصاص ہی میں جاری و نافذ ہوگا اور ایسا قاضی واقعی قاضی شرع، عالم دین ہوگا اور وہ قاضی شرع کے جملہ فرائض انجام دے گا یا صرف چاند کی شہادت لیا کرے گا نیز یہ کہ وہ قاضی جو صرف چاند ہی کی شہادت لے گا اور اعلان کرے گا اور اس کی قضا آل انڈیا ہوگی، وہ ہندوستان میں ایک ہی ہوگا یا ہر شہر، ہر قصبے اور آبادی میں؟ کیونکہ یہ ہوتا ہے کہ ایک جگہ رویت ہلال ہوئی اور دوسری جگہ نہیں ہوئی تو جہاں رویت ہوئی وہاں آل انڈیا قاضی نہ ہوا تو رویت وہیں رہ گئی اور ہر شہر آبادی میں ایسے آل انڈیا قاضی کا ہونا قطعاً ناممکن۔ لہٰذا ریڈیو سے سنا ہوا رویت ہلال کا فیصلہ قاضی یا فیصلہ کا اعلان ہرگز ہرگز قابل قبول ولائق عمل نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو روزنامہ خلافت بمبئی۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۱ء

(فتویٰ جس پر ۵۱ مشہور و مستند علما نے دستخط فرمائے خلافت بمبئی ۱۴ ارنومبر ۱۹۵۱ء)

الجواب: جہاں رویت ہلال کا شرعی ثبوت ہو، اصرف وہاں والوں پر روزہ، افطار، اضحیہ واجب ہے۔ ہدایہ وغیرہ میں ہے: ''الاصل بقاء الشهر فلا ينتقل عنه الا بدليل ولم يوجد''۔ فلہذا جہاں رویت ہلال کا شرعی ثبوت نہ ہو، وہاں والوں کو یہ حکم دینا کہ روزہ رکھو یا افطار کرو یا قربانی کرو، نماز عید ادا کرو، خلاف شرع ہے اور قاضی کا حکم خلاف شرع قابل عمل نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی قاضی اپنے شہر اور دیگر بلاد جہاں رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوا ہے، ان تمام مقامات کے لئے روزہ وافطار وغیرہ کا حکم دے تو اس کے حکم و اعلان پر جہاں رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوا ہے، عمل نہ ہوگا، خواہ وہ قاضی ریڈیو سے حکم دے یا خود دوسرے بلاد میں جاکر خود حکم کرے۔ دوسری جگہ جب حکم دے گا تو اس سے ثبوت شرعی کا مطالبہ ہوگا۔ بے ثبوت نہ اسے حکم کرنا جائز، نہ اس حکم پر عمل جائز۔

فتح القدیر شرح ہدایہ میں امام علامہ محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں: ''الفرق بين رسول القاضي و كتابه حيث يقبل كتابه ولا يقبل رسوله فلان غاية رسوله ان يكون كنفسه وقدمنا انه لو ذكر ما في كتابه لذلك القاضي بنفسه لا يقبله و كان القياس في كتابه كذلك الا انه اجيز باجماع [illegible] بعين [illegible] خلاف القياس فاقتصر عليه''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

marfat.com

کتبه الفقیر ابو الفضل السید محمد افضل حسین مفتی دارالعلوم مظهر اسلام بریلی۔

(اس فتوے پر اکیانوے علمائے کرام کی تصدیقات ہیں۔ جنہیں یہاں سے حذف کردیا گیا۔ ۲۱ ساحل)

ان تمام تحریرات، فتاویٰ وتصدیقات کی روشنی میں کالشمس فی نصف النہار واضح ہوگیا کہ اثبات ہلال کے لئے شہادت کی ضرورت ہے۔ رمضان شریف کے چاند کے لئے ابروغبار کی حالت میں ایک شخص کی اگرچہ مستور الحال ہو اور عید الفطر کے چاند کے لئے دو عادل مرد یا ایک مرد عادل اور دو عادل عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔ تار، ٹیلیفون، ریڈیو اور ٹرنک کال، اخبار، خطوط، افواہ بازار وغیرہ سے چاند ثابت نہیں ہوسکتا۔ یہی جمہور علمائے اسلام کا مفتی بہ قول ہے۔ ثبوت رویت کے بعد ریڈیو سے اعلان بھی محض خبر ہی خبر ہوگی۔ کسی صورت، کسی حالت میں حدود سے باہر کے مسلمانوں کے لئے وہ اعلان مثبت وملزم نہیں ہوسکتا ہے۔ مذکورہ بالا ایک سو اکیانوے فتاویٰ وتصدیقات کے علاوہ اور بھی علمائے کرام کی تحریرات وتصدیقات اس مسئلہ پر اور موجود ہیں مگر کتاب کی طوالت، ازدیاد حجم وضخامت و صرف کثیر طباعت واشاعت کی وجہ سے صرف اسی قدر پر اکتفا کیا۔ ماننے والے کے لئے اس قدر فتاویٰ وتصدیقات کا بیش قیمت ذخیرہ بہت کافی ہے۔ درخانہ کس ست یک حرف بس ست اور منکر متعصب ہٹ دھرم کے لئے نہ صرف ہندوستان بلکہ پاکستان، افغانستان، ترکستان، عرب، عجم سارے جہان کی تحریرات فتاویٰ وتصدیقات سب بیکار ہیں واللہ الہادی وہو تعالیٰ اعلم۔

ضمیمہ جواب سوال پنجم: صدق جدید لکھنؤ نمبر ۱۱۶ر جنوری ۱۹۵۲ء میں ایک مضمون ریڈیو اور رویت ہلال (ایک بیرسٹرایٹ لا اور سشن جج کے قلم سے) کی سرخی سے شائع ہوا ہے۔ مضمون قدرے طویل اور بہت مفید ہے۔ ایک حصہ اس کا عام انگریزی داں حضرات کے مطالعہ کے لئے اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔ ایک اچھی سی صحبت میں مجھ سے سوال کیا گیا کہ جب حساب سے چاند نکلنے کا سوال حل ہوسکتا ہے تو پھر عید کی بابت ہر سال یہ دبدھا کیوں؟ میں نے اپنے خیال کے مطابق کہا کہ کچہری کی تعطیلات کے نقشہ میں خود لکھا ہے کہ اعتبار رویت کا ہوگا، نہ کہ چاند نکلنے کے حساب کا۔ سوال ہوا کہ جب تار اور ٹیلی فون موجود ہے تو پھر ہر جگہ کے لئے الگ رویت کا سوال کیوں پیدا ہوتا ہے؟ میں نے کہا کہ جہاں عام طور پر رویت منائی جاتی ہے تو کوئی نزاع نہیں رہتی ہے اور جہاں نزاع ہوتی ہے تو اس کی مہذب صورت کسی معتبر ہستی مثلاً قاضی کا فیصلہ ہے اور وہ بھی ایک Democrettic طریقہ سے کہ مقدمہ پیش ہو، مانے ہوئے شہادت کے اصول برتے جائیں، گواہ معتبر ہوں وغیرہ۔ تیسرا سوال ہوا کہ کیوں نہ ایک جگہ کے قاضی کا فیصلہ سارے ملک میں ریڈیو سے نشر ہوجائے تو مان لیا جائے۔ میں نے کہا کہ لکھنؤ کا جج ایک مقدمہ میں ڈگری دیتا ہے تو اس کو وہ خود دہلی میں نافذ نہیں کرسکتا۔ وہ ڈگری جب دوسرے جج کے نزدیک ثابت ہوجاتی ہے تو وہ اس کو اپنے

marfat.com

حکم سے بلاچون وچرانافذ کردیتا ہے اورزمانہ حال کے قانون میں بھی ریڈیو، تار، ٹیلیفون کا اعتبار حاضری عدالت کے سمن تک کی ضرورت کے لئے نہیں کیا گیا ہے، نہ کہ کسی حکم یا ڈگری کے نفاذ کے لئے۔ آجکل کے قانون شہادت میں بھی اگر کوئی ٹیلیفون پر شہادت دینا چاہے تو نہیں لی جائے گی اور اس بابت احکام بہت سخت ہیں کہ کسی عدالت کا حکم تار، ٹیلیفون پر نقل کیا جائے تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے خواہ وہ کسی حاکم ہی کی زبانی کیوں نہ ہو، احکام خواہ کیسے ہی اہم ہوں، معطل رہتے ہیں جب تک باضابطہ طریقہ پر منتقل نہ ہوں۔ البتہ ہوتا ہے تو اعتبار حلف نامہ کا ہوتا ہے یا معتبر گواہ کے حلف کا وہ بھی خاص مقررہ صورتوں میں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ریڈیو اور تار جس کی چیزیں ہیں، وہی ان پر اعتبار کرنا نہیں چاہتا، نہیں چاہ سکتا تو اس زمانہ میں دنیا کو اصول قانون کے نئے تصورات پیدا کرنا، بہت نرالی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس مضمون کی تمہید بھی بہت دلچسپ طریقہ سے شروع کی ہے۔ فتویٰ اور فقہی مسائل پر کوئی رائے دینا تو میرے لئے چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن محض علمی نقطۂ نظر سے یہ عرض کرنے کی جرأت ہوتی ہے۔ اگر ریڈیو کے سے عالمگیر نظام کو اس ضمن میں مان لیا گیا تو پھر شاید رمضان کبھی ۳۰ روزوں کا ہوا کرے گا اور پھر ٹیلیفون نے کیا قصور کیا ہے؟ اس پر تو جانے بوجھے لوگوں کی آواز بھی پہچانی جاسکتی ہے۔ شملہ، سری نگر، کھٹمنڈو وغیرہا کے لوگ اگر طے کرلیں کہ کم از کم ہندوستان میں رمضان کی ۳۰ رنہ آنے پائے تو ہر ممکن جنتری لغو ہوسکتی ہے اور کیا عجیب کہ جلد ہی وہ وقت بھی آجائے کہ اس اعلان کا کام یو این او کے سپرد کیا جائے جو ریڈیو سے زیادہ معتبر ادارہ ہوگا اور اس کا اعلان اسلامی دنیا بلکہ ہر دنیا کے لئے زیادہ قابل قبول ہوگیا الخ۔

جواب سوال ششم: ہر واقف کار جانتا ہے کہ جمعیت علمائے ہند ایک سیاسی جماعت ہے اور سیاست ہی کے لئے اس کی وضع وتشکیل ہوئی تھی۔ اس نے آج تک جو کچھ کام کیا من حیث جماعت اسی دائرہ میں قدم رکھے ہوئے کیا۔ اگرچہ حصول مقصد انگریزوں کی ہندستان سے روانگی اور حکومت ہند پر ہنود کے تسلط کے بعد بظاہر سیاست سے علیحدہ ہوگئی ہے لیکن زمانہ دراز سے مجلس بازی، رزولیوشن سازی کی جو عادت پڑگئی ہے ۱۸ر و ۱۹ر اگست کے جلسہ میں بھی وہی روش اختیار کی۔ اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعیت علمائے ہند کے ۳۵ افراد مرادآباد میں جمع ہوئے لیکن انہوں نے عالمانہ طرز پر عالم ہونے کی حیثیت سے کوئی فتویٰ تحریر نہ کیا، جس کے حکم کو قرآن شریف، حدیث شریف، فقہ کی عبارات سے مدلل کرتے بلکہ سیاسی طرز پر رزولیوشن سازی سے کام لیا اگرچہ شرط در شرط کے ساتھ مشروط کرنے کی وجہ سے وہ رزولیوشن علمائے محققین کے فتویٰ کے خلاف نہیں، لیکن عوام کو دھوکا اور ہر سال عیدین کے موقع پر ایک جھگڑے کا نیا سامان پیدا کردیا کہ ہر عید میں جھگڑا ہوا اور لطف یہ کہ فریقین کے ہاتھوں میں جمعیت العلما ہی کا فیصلہ ہوا اور دونوں اسی قرارداد سے سند پکڑے ہوئے سر پھٹول کررہے ہوں۔

marfat.com

مجلس نے جو طے کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ''مجلس نے بالاتفاق طے کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جارہی ہے، وہاں کے علما نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کر دیا ہے، خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتمد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات پر بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعات اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جائے۔ یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے''۔ بظاہر دیکھنے میں یہ فیصلہ ہے اور اخبار والوں نے بھی اس کو فیصلہ ہی سمجھا۔ اسی لئے مراد آباد کے اس اجتماع کو جو ۱۴ و ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۸-۱۹/ اگست ۱۹۵۱ء کو ہوا بہت مبارک قرار دیا'' کہ جس طرح اس پیچیدہ صورت حال کا فیصلہ اطمینان بخش اور سکون افزا ہوا جو آنے والے انتخابات کی ہماہمی کے سبب سے پیدا ہو رہی تھی، اس طرح اس مسئلہ (ریڈیو) کے متعلق بھی اطمینان بخش فیصلہ علمائے کرام نے صادر فرمادیا''۔ حالانکہ گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو اس مجلس نے نہ کوئی حکم بتایا نہ فیصلہ صادر کیا بلکہ قضیہ شرطیہ کے طور پر عوام کے لئے دل خوش کن بات کر دی۔ اس لئے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ان کانت الشمس طالعۃ فالنہار موجود یعنی اگر آفتاب طلوع ہو تو دن موجود ہوگا، کہنے والا ہرگز نہ حکم ایجابی وجود نہار کا دیتا ہے، نہ حکم سلبی عدم نہار کا۔ یعنی نہ وہ یہ کہتا ہے کہ دن ہے، نہ کہ کہتا ہے کہ دن نہیں ہے بلکہ ایک گول مول بات کہہ کر وقت ٹالنا چاہتا ہے، بعینہ یہی حالت اس فیصلہ کی ہے۔ اس فیصلہ کی ابتدا بھی جملہ شرطیہ سے ہے اور نہ صرف ایک شرط بلکہ شرط در شرط بالائے شرط کے ساتھ اس کو مشروط کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے۔ الخ۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ فیصلہ کسی عامی شخص کا نہیں، نہ عوام کی پنچایت کا بلکہ جمعیت العلما کے تین درجن مولویوں کا متفقہ فیصلہ اور وہ بھی مشروط بشرائط جسے اخبار الجمعیہ سنڈے ایڈیشن اور دوسرے اخباروں نے دوسطری سرخی کے ساتھ شائع کیا ہے:

''رویت ہلال کا اعلان اور شرعی نقطہ نظر۔ چند شرطوں کے ساتھ ریڈیو کے اعلان پر عمل کیا جاسکتا ہے''۔

اس سرخی نے بتایا کہ ریڈیو کے ذریعہ آئی ہوئی خبر جمعیت علمائے ہند کے نزدیک بھی شہادت کی حیثیت نہیں رکھتی، خود اسی مضمون میں ہے: ''ریڈیو کے ذریعہ جو اعلان کیا جاتا ہے، اس کے متعلق یہ تو ظاہر ہے کہ اس کو شہادت کی حیثیت نہیں دی جاسکتی، نہ اعلان کرنے والا اس کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہے، نہ شرعی قانون شہادت کی شرطیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس اطلاع کو اگر خبر کی حیثیت دی جائے تب بھی وہ موجودہ صورت میں قابل اعتماد نہیں۔ کیونکہ خبر دینے والا ایک ایسا شخص ہوتا ہے جس کو نہ سننے والے جانتے ہیں اور نہ اس میں وہ شرطیں موجود ہوتی ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے ایسی خبروں کے لئے ضروری ہیں۔ علاوہ ازیں وہ صرف ایک شخص کی خبر ہوگی جس کی بنا پر کسی خاص صورت کے

marfat.com

تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن۔" الحدیث متفق علیہ۔ وعن حسناء بنت خدام ان اباھا زوجھا وھی ثیب (ای بالغۃ) فکرھت ذالک فاتت رسول ﷺ فرد نکاحھا رواہ البخاری۔

حررہ العبد الضعیف محمود غفرلہ

یہ جواب غلط ہے۔سوال میں صرف اتنا ہے کہ ہندہ بالغہ کا نکاح اس کے بھائی نے بغیر اس سے اجازت لئے زید سے کرادیا۔ جب ہندہ کو خبر ہوئی، فوراً چلی آئی۔ اس پر یہ کہنا کہ ہرگز نکاح درست نہیں اور بیشک یہ نکاح نہ ہوا، محض غلط ہے۔ نکاح ضرور درست ہے اور ضرور ہو گیا۔ اجازت نہ لینے سے اس قدر ہوا کہ نکاح فضولی قرار پایا۔ پھر نکاح فضولی صرف درست نہیں بلکہ صحیح و منعقد ہے۔ ہاں اس کا نفاذ اجازت پر موقوف رہتا ہے۔ اگر اجازت دیدے نافذ ہے، چاہے رد کرے تو باطل ہے۔ پر یہاں کوئی کلمہ بھی مذکور نہیں۔ صرف اتنا ہے کہ وہ سن کر فوراً چلی آئی۔ چلا آنا ممکن ہے کہ بر بنائے عدم رضا ہو یا بر بنائے شرم و حیا ہو، محتمل بات سے خواہی نخواہی رد قرار دینا محض جہالت ہے۔ اس کا جواب مستند یہ ہے کہ نکاح صحیح سمجھا جائے گا اور ہو گیا۔ اور اس کا نفاذ اجازت ہندہ پر موقوف ہے۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ہندہ کو نابالغہ میں شادی کیا اور ہندہ کے والدین نہیں تھے۔ نانا نانی نے پرورش کیا اور ان کو ولی مان شادی دلایا۔ اور ہندہ کا اس وقت سے لے کر وقت شادی تک کوئی واسطہ نہیں رہا۔ اور ہندہ نے از شادی تا بعد بلوغیت آمدورفت کا سلسلہ جاری رکھا۔ تقریباً شادی کو ڈیڑھ سال ہو رہا ہے......... ہوئی ہے اور اس کے نانا نے ان کو آنے سے باز رکھا ہے......... وقت شادی ان کے چچا کی موجودگی پر میں نے ولی بن کر شادی دلایا۔ لہذا نکاح منسوخ ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ یہ بتائیں کہ نکاح ہوا یا نہیں؟ سوال کا جواب مفصل دیں۔ (نام ندارد)

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ ہندہ کی شادی کو ڈیڑھ سال ہوئے۔ شادی کے چھ ماہ بعد وہ بالغہ ہوئی اور شادی کے دن سے اس وقت تک شوہر سے راضی اور اس نکاح سے خوش ہے۔ اور سوال میں یہی ہے کہ "ہندہ نے از شادی تا بعد بلوغیت آمدورفت کا سلسلہ جاری رکھا"۔ اس لئے یہ نکاح کہ ولی بعید نے پڑھایا اور ہندہ نے بعد بلوغ پسند کیا، انکار نہ کیا، جائز وثابت ہے۔

ہدایہ میں ہے: "وان زوجھما غیر الاب والجد فلکل منھما الخیار اذا بلغ، ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ۔"

ہندہ کے نانا کا اس کو شوہر کے پاس آنے سے روکنا سخت گناہ اور "يُفَرِّقُونَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ" (البقرۃ: ۱۰۲) میں داخل ہے۔ اور یہ بے معنی دلیل پیش کرنا کہ "وقت شادی ان کے چچا کی موجودگی پر میں نے ولی

marfat.com

بن کر شادی دلایالہذا نکاح منسوخ ہے" عجیب بے عقلی اور گناہ کا اعادہ کرنا ہے۔اگر چچا کی موجودگی میں نانا کے نکاح پڑھانے سے نکاح نہیں ہوتا تو کیا اس نے اپنی نواسی کو زنا کرانے کے لئے زید کے حوالہ کیا تھا۔اس کے نانا کو چاہئے کہ خدا سے ڈرے اور میاں بیوی میں تفرقہ کا باعث اور اپنے کو مورد طعن نہ بنائے۔ واللہ تعالی اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ

صدر مدرس جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار۔۱۱رذی یقعدہ بروز یکشنبہ ۱۳۵۱ھ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید فضولی نے ہندہ بالغہ، باکرہ کا نکاح خالد سے بلاتعین دو گواہ باجازت باپ ہندہ کے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ (جو کہ مہر مثل سے نصف کم سے قریب ہے) ایک جماعت عام میں کردیا۔زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے نہ قبل نکاح اجازت لی تھی اور نہ بعد نکاح اطلاع دی۔مگر ہندہ کو قبل سے خبر تھی کہ آج خالد سے میرا نکاح ہے اور جب دوسرے اجنبی لوگوں نے نکاح کی خبر ہندہ کو دی تو ہندہ چپ رہی اور انکار نہیں کیا اور خلوت صحیحہ بھی ہوگئی۔ایسی صورت میں نکاح ہوگیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب

الجواب واللہ الموفق للصواب۔

الجواب: اس صورت میں نکاح ہندہ کی صریح اجازت پر موقوف ہے۔لہذا لازم ہے کہ ہندہ سے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار کرالیا جائے ورنہ ابدالآباد زنا ہوتا رہے گا اور اولا دولد الحرام قرار پائے گی جیسا کہ ہدایہ میں ہے:
"واذا استاذنها الولی فسکتت او ضحکت فهو اذن بقوله ﷺ البکر تستامر فی نفسها فان سکتت فقد رضیت اه قال وان فعل هذا غیر الولی لم یکن رضاء حتی تتکلم به لان هذا السکوت نقلة الالتفات الیٰ کلامه فلم یقع دلالة علیٰ الرضا ولو وقع فهو محتمل والاکتفاء بمثله للحاجة والحاجة فی حق غیر الاولیاء بخلاف اذا ما کان المستامر رسول الولی لانه قائم مقامه انتهی۔"

اگر یہ کہا جائے کہ خلوت صحیحہ سے بڑھ کر اور رضامندی کے لئے صراحت کی کیا ضرورت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تکمیل ضروری ہے اور بلا تصریح کے محض وطی ہوجانے سے صحت نکاح کا حکم نہیں دے سکتے ہیں کیونکہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے اور جہل شرعاً عذر نہیں واللہ اعلم۔اور جب کہ نکاح ہذا مجمع عام میں ہوا ہے، دو گواہوں کے تعین نہ ہونے سے کوئی حرج نہیں ہے۔اور جبکہ نکاح ہذا موقوف ہے تو صرف تصریح اذن سے نافذ ہوجائے گا، دوبارہ نکاح پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دی ہے تو ولی کو فسخ نکاح کا حق ہی نہ رہا واللہ اعلم بالصواب۔

نمقه المسکین ابو المظفر محمد سعید الدین عفی عنه المدرس الاول فی المدرسة العزیزیه

marfat.com

بین السوال والجوب عجب اضطراب مشوش قلب واقع ہے۔ سوال میں زید نکاح پڑھانے والے کو فضولی بتایا گیا ہے اور فضولی وہ شخص ہے جو مامور بانشائے عقد نہ ہو اور جواب میں یہ عبارت ''اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دیدی ہے تو ولی کو فسخ نکاح کا حق بھی نہ رہا'' جو سوال کے اندر داخل نہیں ہے، جواب کو مفید اطمینان ہونے سے مانع ہوتی ہے کیونکہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا باپ کی طرف سے یہ اجازت زید کو حاصل ہوئی تھی اور اسی اجازت کی بناء پر انشاء عقد ہوا؟ اگر یہی صورت ہے تو فضولی نہیں ٹھہرتا بلکہ مامور منجانب اب ہوا۔ فانی یصح ھذا الجواب یا یہ کہ یہ اجازت باپ سے بعد از انشاء عقد خبر پہونچنے پر پیرایہ رضا میں صادر ہوئی، اس صورت میں گو جواب از روئے عبارت صاحب ہدایہ صحیح ہو سکتا ہے لیکن محل نظر ضرور ہے۔ فقط کتبہ علی نعمت الظواری رحمت زید باری

(سوال مطول ومفصل)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ باکرہ کی منسوب خالد سے ایک سال سے تھی۔ اور ہندہ اور ہندہ کے باپ وغیرہ کو معلوم تھا کہ آج ہندہ کا نکاح ہے۔ لیکن ہندہ کا باپ چار کوس پر تھا۔ ہندہ کے باپ نے اکبر کے نام سے خط لکھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں بیمار ہوں۔ پیادہ روی سے مجبور ہوں، سواری ملتی نہیں ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ تاریخ بڑھا دی جاتی تا کہ میری بھی شرکت ہوتی۔ مگر جب کہ عورتوں نے تاریخ مقرر کر لی ہے تو انجام ہی ہونا ضرور ہے۔ زید وہاں موجود ہے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ نکاح کر دے۔ لڑکی میری دانستہ بالغہ ہے، اس کی بھی اجازت لے لے اور احمد آرندہ خط کو زبانی ہدایت بھی ایسی کر دی۔ زید ہندہ کے باپ کا حرف پہچانتا تھا بلا اجازت اکبر خط پڑھ کر احمد آرندہ خط کا زبانی بیان سن کر بلا لینے ثبوت شہادت، زید نے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ (جو کہ مہر مثل سے نصف کم کے قریب ہے) ایک مجمع عام میں بلا نامزد کرنے دو گواہ کے، ہندہ کا نکاح خالد سے کر دیا۔ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے قبل نکاح اجازت نہیں لی تھی اور نہ بعد نکاح خود زید یا کسی دوسرے شخص خاص نے ہندہ کو نکاح کی خبر دی۔ مگر جب نکاح ہو گیا تو گھر باہر شور غل مچ گیا کہ نکاح ہو گیا، نکاح ہو گیا۔ جس وقت تواتر سے نکاح کی خبر ہندہ کے گھر پہونچی (ہندہ بھیڑ میں تھی) صریح لفظوں میں اقرار یا انکار نہ کیا اور خلوت صحیحہ بھی ہو گئی۔ ہندہ خالد سے راضی ہے اور ہندہ کے باپ کو بھی کوئی کلام نہیں ہے۔ ایسی صورت میں نکاح صحیح ونافذ ہو گیا یا تجدید نکاح وتصریح اذن ہندہ کی ضرورت ہے اور بالفرض اسی صورت میں اگر ہندہ کے باپ کا خط نہیں آتا اور زبانی ہدایت بھی نہیں ہوتی تو کیا جواب ہو گا؟

(انتباہ) مانحن فیہ، میں امورات خمسہ مفصلہ ذیل پر ضرور دلیل شافی ہونی چاہئے:

(۱) اجازت بالکتابت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس صورت میں زید وکیل منجانب پدر ہندہ قرار پائے گا یا نہیں؟ خانیہ وغیرہ میں مصرح ہے کہ اگر ولی نے بلا اجازت اپنی لڑکی بالغہ کا نکاح پڑھا دیا تو یہ نکاح لڑکی کی رضا پر موقوف ہے۔ اگر بالغہ ہے تو سکوت بھی رضا ہو گا جیسا کہ عند الاستیذان سکوت رضا پر محمول ہے۔ پس اگر زید وکیل پدر ہندہ قرار پاتا ہے تو اس کے نکاح پڑھا دینے پر سکوت، رضا پر محمول ہو گا یا نہیں؟ اور اگر بالفرض زید وکیل نہیں بلکہ فضولی قرار دیا

marfat.com

جائے تو بغیر تصریح اذن ہندہ، یہ نکاح نافذ ہوگا یا نہیں؟ اور اجازت فعلی (اعنی خلوت صحیحہ) مثل اجازت قولی (اعنی اقرار باللسان) کے متغیر ہوگی یا نہیں؟

(۲) انعقاد نکاح کے وقت نامزد کرنا دو گواہوں کا (جیسا کہ فی زمانناہذا مروج ہے) بھی ضرور ہے یا صرف موجود رہنا کافی رہے گا؟

(۳) بعد نکاح منکوحہ کے پاس روبرو شخص خاص (جیسا کہ فی زماننا ہذا رائج ہے) کو جاکر نکاح کی اطلاع کرنا بھی ضرور ہے یا کسی طرح (جیسا کہ مانحن فیہ میں ہوا ہے) سے اطلاع ہوجانا کافی ہوگا؟

(۴) استیذان غیر ولی میں تکلم باللسان شرط ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ''واذا استاذنہا الولی فسکتت او ضحکت فھو اذن وان فعل ھذا غیر الولی لم یکن رضا حتی یتکلم بہ۔'' اور ''مما نحن فیہ'' میں یہ نکاح بوجہ ترک استیذان ہندہ کی اجازت پر موقوف ہے۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ''وتزویج العبد والامۃ بغیر اذن مولاھما موقوف فان اجاز الولی جاز وان ردہ بطل وکذالک لوزوج رجل امرءۃ بغیر رضاھا او رجلا بغیر رضاہ''۔

پس استیذان اور اجازت شرعاً دو شئی ہے یا شئی واحد؟ اگر دو شئی ہے تو جس طرح استیذان غیر ولی میں تکلم باللسان شرط ہے، اسی طرح اجازت میں بھی تکلم باللسان شرط ہے یا نہیں؟ اور ہر واحد کی بقول مفتیٰ بہ اجمالا یا جداگانہ کیا تعریف ہے؟

(۵) مجرد سکوت دلیل اجازت ہے یا نہیں؟ اور اگر بالفرض مجرد سکوت دلیل اجازت نہیں ہے تو خلوت صحیحہ دلیل اجازت ہوگی یا نہیں؟ بنقل عبارات فقہیہ معتبرہ علمائے احناف جواب ہونا چاہئے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں نکاح مذکور صحیح ونافذ ہوا۔ اب نہ تصریح اذن ہندہ کی ضرورت نہ تجدید نکاح کی حاجت۔ بلکہ بالفرض اگر ہندہ کے باپ کا خط بھی نہ آتا اور زبانی ہدایت بھی نہ ہوتی، جب بھی نکاح نافذ ہی ہوتا۔ اس لئے کہ یہاں یا تو زید بوجہ توکیل اب ہندہ بمنزلہ اب ہے کہ القلم احد اللسانین والکتاب کالخطاب۔ یا اتنا بھی نہیں بلکہ ایک اجنبی وفضولی گرچہ بالغہ کے نکاح میں باپ بھی حکماً فضولی ہے اور امر خود عورت ہی کی طرف عاید۔ اسی کی اجازت سے جائز، اس کے رد سے رد ہے۔

فتاوی امام فقیہ النفس قاضی خاں میں ہے: ''لان رجلاً زوج ابنتہ البالغۃ من رجل غائب وقبل عن الزوج فضولی فمات ابو المرءۃ قبل اجازۃ الغائب لایبطل نکاح الاب بموتہ لان الاب لو اراد فسخ النکاح لایملک فی قول ابی یوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالی لانہ فضولی فلا یبطل النکاح۔''

صورت اولیٰ میں جب کہ بحکم فعل الوکیل فعل المؤکل زید کا نکاح جو مجمع عام میں اگرچہ بے تعیین شاہدین ہوا (اس لئے کہ نکاح کے لئے حضور وسماع وفہم شاہدین شرط ہے نہ کہ مجمع حاضر سے خاص دو کی تعیین) ہندہ کے باپ کا کیا

marfat.com

ہوا نکاح قرار دیا جائے۔ کما سیاتی نصہ جب تو اس کی خبر پاکر ہندہ بکر کا سکوت ہی اجازت کو بس ہے۔ اگر تمکین وخلوت صحیحہ نہ بھی ہوتی تو صرف سکوت ہی رضا سمجھا جاتا۔

خانیہ میں ہے:''السکوت جعل رضافی مسائل معدودۃ منھا بکر زوجھا دلیلھا فعلمت ذالک فسکتت کان سکوتھا رضا۔''

اور صورت ثانیہ میں اگرچہ زید بمنزلہ اب ہندہ نہیں، نہ اس کا نکاح حکم نکاح اب ہندہ میں ہے۔ تو یہاں مجرد سکوت کافی نہ ہوتا۔ مگر جب بھی لا اقل فضولی اجنبی تو ہے اور نکاح فضولی منعقد ہے۔ بالغہ کا نکاح کوئی راہ چلتا محض بلا اذن کردے تو اجازت بالغہ پر موقوف رہتا ہے۔ اگر اجازت ہے تو جائز، رد کردے تو رد ہو جائے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:''لایجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنھا بکرا کانت او ثیبافان فعل ذلك فالنکاح موقوف علیٰ اجازتھا فان اجازتہ جاز وان ردت بطل۔''

اب تنقیح طلب دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اجازت کے لئے صاف لفظوں میں ہی اقرار ضروری ہے یا اور بھی کسی طرح سے اجازت ہوسکتی ہے؟ تو ان صورتوں میں سے کوئی بات یہاں پائی گئی یا نہیں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ خاص الفاظ سے اجازت کی حاجت نہیں۔

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، فتاوی عالمگیریہ، تنویر الابصار، درمختار، میں ہے: والـلفظ للاول'' و کما یتحقق رضاھا بالقول لقولھا رضیت وقبلت اواحسنت و اصبت وبارك الله لك ولنا ونحوہ مایتحقق رضاھا بالدلالۃ بطلب مھرھا و نفقتھا و تمکینھا علیٰ الوطی وقبول التھنیۃ وضحك بالسرور من غیر استیذان۔''

شامی میں حلبی اور اسی میں خانیہ سے ہے:''اجاب صاحب الھدایہ فی امرءہ زوجت نفسھا بالف من رجل عند الشھود فلم یقل الزوج شیئاً لکن اعطاھا المھر فی المجلس ان یکون قبولا وانکر صاحب المحیط وقال لا مالم یقل بلسانہ قبلت بخلاف البیع لانہ ینعقدبالتعاطی والنکاح لخطرۃ لا حتی توقف علی الشھود بخلاف اجازۃ نکاح الفضولی بالفعل لاتجوز العقول ثمہ۔''

ردالمحتار میں ہے:''یعنی واشار ان الاجازۃ یثبت بالدلالۃ کمایثبت بالتصریح و بالضرورۃ۔''

عالمگیریہ میں بحر الرائق سے ہے:''ویثبت الاجازۃ فی النکاح الفضولی بالقول والفعل۔'' اور ہم دیکھتے ہیں کہ خلوت برضا بھی اجازت ہے۔

فتاوی ظہیریہ، بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے:''ولو خلا بھا برضاھا ھل یکون اجازۃ لاروایۃ لھٰذہ المسئلۃ وعندہ ان ھذا اجازۃ۔''

بزازیہ قبیل فصل عاشر میں ہے:''ولو خلا بھا برضا ھا فالظاھر انہ اجازۃ۔'' اسی میں ہے:''عندی

marfat.com

انہ اجازۃ وکذا الخلوۃ فی النکاح الموقوف۔" پس جب خلوت صحیحہ بھی اجازت ہے اور دلالت بھی رضا۔ تو صورت مسئولہ میں اگرچہ عاقد نے خود جا کر اطلاع نہ کی، نہ شرعاً اسے یہ ضرور مگر جب ہندہ کو خبر پہونچی اور اس نے رد نہ کیا، یہاں تک کہ خلوت صحیحہ ہوئی تو اجازت فعلی پائی گئی، جو اقویٰ من القول ہے۔ لاجرم نکاح نافذ ہوگیا۔ اب تصریح اذن کی اصلا حاجت نہیں۔ واستیذان غیر ولی میں خاص زبان سے کوئی لفظ کہنا شرط ہے، نہ اجازت نکاح غیر ولی میں بلکہ قولی وفعلی دونوں کافی ہیں۔ ہاں سکوت محض قولاً وفعلاً، دلالۃً صراحۃً اجازتاً، اصلاً نہ ہو، استیذان یا تزویج غیر ولی کے لئے کافی نہیں۔ اور یہی مطلب عبارت ہدایہ کا ہے، جس کی توضیح عنقریب آتی ہے۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ سوال میں خلوت سے حقیقی معنی مراد ہوں اور اگر وہ جماع سے کنایہ ہے یعنی صحبت برضا واقع ہوئی، جب تو فضولی اجازت میں اصلا کسی طرح کسی کو محل شبہ نہیں۔ فان التمکین من الوطی اجازۃ بلا خلاف وقد نص علیہ فی غیر ما کتب۔

استیذان واجازت میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔ استیذان غالباً مزوج یا کسی بالائی شخص کا کام ہے۔ اور اجازت بحال بلوغ وعقل وقرب خاص زوجین کا فعل کہ دوسرے سے ناممکن۔ اذن واجازت میں فرق ہے۔ اگرچہ ایک دوسرے کی جگہ کلمات علما میں مستعمل۔ قبل از نکاح اظہار رضا کو اذن کہتے ہیں اور بعد کو اجازت، قولی ہو یا فعلی۔

ردالمحتار میں ہے: "قلت یظہر مما ذکرنا الفرق بین الاذن والاجازۃ ان الاذن مما سیقع والاجازۃ مما وقع ویظہر منہ ایضا ان الاذن یکون بمعنی الاجازۃ اذا کان لامر وقع بالجملہ۔" صورت مسئولہ میں نکاح مذکور، بے شبہ صحیح ونافذ ہے۔ نہ حاجت تجدید، نہ ضرورت تصریح اذن۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب جناب مولوی ابوالمظفر محمد سعید الدین صاحب مدرس اول مدرسہ عزیزیہ قطعاً باطل ہے۔ چند حروف مختصر اس کے متعلق حسب فرمائش گذارش کرتا ہوں۔

قولہ "اس صورت میں نکاح ہندہ کی صریح اجازت پر موقوف ہے"

اقول نہیں ہرگز نہیں۔ بنابر مذہب قوی نکاح فضولی میں خلوت صحیحہ بھی اجازت ہے۔ ملاحظہ ہو فصول عمادیہ عبارت بزازیہ سے ہے: "وکذا الخلوۃ فی النکاح الموقوف اجازۃ۔"

پس جب خلوت صحیحہ ہوئی جو اجازت فعلی اولیٰ من القولی ہے، نکاح فائز ہوگیا پھر دوبارہ اجازت کی حاجت نہیں رہی۔

قولہ "لہٰذا لازم ہے کہ ہندہ سے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار کرالیا جائے۔" اقول صاف لفظوں میں اجازت تو اصلا کسی حالت میں لازم نہیں۔ بلکہ قولا وفعلا ہر طرح مطلقا اجازت ہوتی ہے اور استیذان اور تزویج ولی اقرب میں محض سکوت بلا قول وفعل سے بھی۔ اور عبارت ہدایہ سے شبہ کا حل اجمالاً گذرا اور تفصیلاً عنقریب آتا ہے۔ تو لہٰذا جس بنیاد پر لکھا گیا ہے، وہی غلط ہے۔ لہٰذا یہ "لہٰذا" بھی فاسد وشطط ہے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ اب پھر صاف لفظوں میں ہندہ سے کہلوایا جائے۔

marfat.com

قولہ ''ورنہ ابد الآباد زنا ہوتا رہے گا اور اولا دولد الحرام قرار پائے گی'' اقول یہ حکم، علیل محض جبروتی و بے دلیل، بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ خادم فقہ دواقف رموز شرع پر پوشیدہ نہیں کہ اذن واجازت سے مقصود صرف اظہار رضا ہے نہ کہ خاص لفظ۔ قلت اور تمکین علی الوطی اول دلیل علے الرضا۔ کما صرح العلامه الشامی قدس سرہ السامی تو ابد الآباد درکنار ایک دفعہ کی وطی بھی زنا نہ ٹھہرے گی، نہ زوجین کی اولاد کبھی حرامی قرار پائے گی۔ اور ابد الآباد عجب ارشاد۔ معدود برسوں سے زیادہ تو زوجین زندہ بھی نہ رہیں گے مگر ان کا زنا ابد الآباد جاری رہے گا۔ اور اگر اس سے وبال زنا مراد ہو، جب بھی غلط۔ زنا کفر نہیں، جس کی سزا دائم و نا منقطع ہو۔

قولہ ''جیسا کہ ہدایہ میں ہے:''واذا ستاذنها الولی الیٰ قوله لانه قائم مقامه الخ''

اقول مولوی صاحب یہاں تک کہ جولکھا محض اجتہاد تھا اور اپنے خیال پر احکام تھے۔ اب عوام کے نزدیک فتویٰ کی عزت اور اسے بھاری بھرکم بنانے کو عربی عبارت تحریر فرمائی۔ مگر اس سے تو نہ لکھنا ہی اچھا تھا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ استیذان واجازت دونوں کا حکم ایک ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو عبارت ہدایہ میں دوبارہ استیذان ولی وغیر ولی کا فرق بتایا ہے کہ ولی کے استیذان میں سکوت وضحک بھی اذن ہے۔ اور غیر ولی میں نہیں بلکہ تکلم درکار ہے۔ اور سوال میں صاف مذکور ہے کہ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے نہ قبل اجازت لی تھی اور نہ بعد نکاح اطلاع دی۔ پھر صورت مسؤلہ سے اس عبارت کو کیا تعلق ہوا؟ اور اگر اذن واجازت دونوں کا ایک ہی حکم ہے تو اس عبارت ہدایہ سے زیادہ کھلی ہوئی تصریح خانیہ میں ہے:''اما غیر الاب والجد لیس بولی فی النکاح من غیر کفو فلم یکن سکوتها رضا ولابد من التعلق۔''

مگر جواب اس کا اولا یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب اجنبی فضولی محض ہو اور وہ خود نکاح پڑھا دے۔ درمختار میں ہے:''بکر استاذنها غیر الاقرب کاجنبی۔''

شامی میں ہے:''قوله کاجنبی المراد به من لیس له ولایة فتمثل الاب اذا کان کافرا او عبدا او مکاتبا لکن رسول الولی قائم مقامه فیکون سکوتها رضا عند استیذانه کما فی الفتح والوکیل کذالك کما فی البحر عن القنیة'' اور یہاں پر زید وکیل اب ہندہ ہے تو حکم اب میں ہوا۔ پس خلوت اور تمکین تو درکنار نفس سکوت ہی رضا ہوگا۔ العبارة قد مضت ثانیاً۔ بالفرض زید حکم اب میں نہ لیا جائے اور اجنبی محض ہی قرار پائے، جب بھی صاف لفظوں میں کہنا کچھ ضروری نہیں، دلالت اذن بھی حکم نطق و تکلم میں ہے۔

درمختار میں ہے:''فان استاذنها غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرة بسکوتها بل لابد من القول الثیب البالغة او ماهو فی معناه من فعل یدل علی الرضا بطلب مهرها ونفقتها وتمکینها من الوطی ودخوله بها برضاها'' ظهیریه۔

شاید مولوی صاحب کو بعض رسمی کتابوں کے الفاظ ''حتی تتکلم بالقول کالثیب'' سے دھوکا ہوا، اس لئے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار لازم کیا۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ سیاق کلام مظہر ہے کہ مراد یہ ہے کہ غیر ولی کے

marfat.com

استیذان میں سکوت محض کافی نہیں۔ بلکہ دلالت واضحہ چاہئے۔ جس طرح بھی ہو۔ ممکن کہ سکوت، قلت التفات کی وجہ سے ہو تو رضا پر دال نہ ہوگا۔ اس لئے درمختار میں عبارت تنویر "فان استاذنها غير الاقرب فلا بل لا بد من القول کالثیب" کے درمیان فلاں کے بعد بڑھایا "لاعبرة بسكوتها" ہدایہ میں "حتی لاتتکلم" کے بعد فرمایا: "لان هذا السكوت لقلة التفات الىٰ كلامه فلم يقع دلالة علىٰ الرضا۔" ظاہر ہوا کہ یہاں سکوت، عدم دلالت کی وجہ سے نا معتبر ہوا۔ تو جہاں دلالت ہو، اعتبار لازم ہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ شریعت مطہرہ کا یہ قاعدہ نہیں کہ "بہ مرگ بگیر تا بہ تپ راضی شود" بلکہ چند چیزوں سے ممانعت مقصود ہوتی ہے یا چند طریقہ سے اجازت سمجھی جاتی ہے تو اس میں اسہل کو ذکر فرماتی ہے تا کہ اقوی و اشد کا حکم بدرجہ اولیٰ معلوم ہو جائے۔ ابوین کے بارے میں حکم ہوا "ولا تقل لهما اف" جس سے سب وشتم، ضرب وغیرہ سب سے ممانعت بدرجہ اولیٰ سمجھی گئی۔ یوں ہی تکلم باللسان، طلب مہر، طلب نفقہ، خلوت صحیحہ، تمکین علی الوطی میں سب سے آسان صرف زبانی اجازت تھی۔ شرح وقایہ، ہدایہ، خانیہ وغیرہا میں صرف قول ونطق وتکلم پر اکتفا کیا کہ ذی عقل سلیم سمجھ سکتا ہے کہ جب اجازت قولی سے نکاح موقوف، نافذ ہو جاتا ہے، اجازت فعلی سے کہ اس سے بدرجہا قوی ہے، بدرجہ اولیٰ نافذ ہوگا۔ اگر قدمائے حنفیین کے وہم وخیال میں بھی یہ بات آتی کہ آخر زمانہ میں بعض مدعیان علم ایسا خیال فرمائیں گے کہ ماں باپ کو اف کہنا تو بے شک گناہ ہے، مارنے، گالی دینے، تحقیر شان، سوءادب سے نہیں تو جس طرح متاخرین نے تصریح کر دی ہے، وہ بھی صاف فرما دیتے اور عبارت ہدایہ سے دھوکا نہ ہوتا۔

علامہ شامی تحت قول "لابل رضاهما يكون بالدلالة" لکھتے ہیں: "اشارة الى ماورد الزيلعى على الكنز وغيره من ان رضاهما لايقتصر علىٰ القول۔"

قولہ "اگر یہ کہا جائے کہ خلوت صحیحہ سے بڑھ کر اور کیا رضامندی کے لئے صراحت کی ضرورت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تعمیل ضروری ہے"

اقول بے شک ضروری ہے اور ضرور ضروری ہے۔ مگر حکم شرع تو یہی ہے کہ اجازت صرف قول پر موقوف نہیں۔ جو فعل اجازت پر دلالت کرے، وہ بھی اسی حکم میں ہے۔ بکر کے متعلق تصریحات گذر چکیں، ثیب اور صبی کے متعلق بھی ملاحظہ ہو۔

خانیہ پھر ردالمحتار میں ہے: "الولى اذا زوج الثيب فرضيت بقلبها تظهر الرضا بلسانها كان لها ان ترد لان المعتبر فيها الرضا باللسان اذالفعل الذى يدل علىٰ الرضا نحو التمكين علىٰ الوطى وطلب المهر وقبول المهر دون قبول الهدية وكذا فى الغلام۔

دیکھئے عدم اظہار رضا باللسان پر اختیار متفرع کیا ہے۔ جس سے آپ جیسا وہم ہوتا ہے کہ خاص الفاظ لازم ہیں اور وہیں اسی سطر، اسی حکم کی خاص تعلیل میں رضائے قولی وفعلی کی تعمیم فرما دی، جس سے ہر ذی فہم پر روشن ہو گیا کہ رضا باللسان

marfat.com

مارضا بالقول سے مطلق دلیل رضا مراد ہے۔ قولی ہو یا فعلی۔ ورنہ دلیل مناقض دعویٰ ہو گی۔

امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: "انه (ای التمکین) فوق القول ای لانه اذا ثبت الرضا بالقول ثبت بالتمکین علیٰ الوطی بالاولیٰ لانه دل علیٰ الرضا۔" رد المحتار۔

قولہ "اور بلا تصریح کے محض وطی ہو جانے سے صحت نکاح کا حکم نہیں دے سکتے ہیں۔"

اقول عبارات کتب سے تو کالشمس فی رابعۃ النہار معلوم ہو چکا ہے کہ اس صورت میں اجازت قولی ہی ضروری نہیں، اجازت فعلی بھی کافی ہے۔ اور تنفیذ نکاح کے لئے مثل قولی ہے۔ متعدد عبارتیں گزر چکیں۔ علامہ زین بن نجیم کی تصریح سنئے۔ شرح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں: "ویثبت الاجازة لنکاح الفضولی بالقول و الفعل۔"

قولہ "کیونکہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے اور جہل شرعاً عذر نہیں۔"

بے شک جہل شرعیہ سے شرعاً عذر نہیں اور یہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے۔ اقول جب تو مدعیان علم وافتا نکاحی اولاد کو ولد الحرام بتاتے، بی بی سے صحبت کو ابدالآباد تک زنا فرماتے ہیں۔

اعاذنا الله منه وسائر المسلمین بحرمة نبیه الامین المکیین ﷺ علیه الیٰ یوم الدین۔

غرض اس جواب کی غلطی میں کلام نہیں۔ مگر تعجب تو جناب مولوی علی نعمت صاحب پر ہے کہ یہ کیا فتویٰ دیتے ہیں اور ان سے کیا غرض متعلق اور اصل مقصود سائل سے کیا تعلق۔

قولہ "بین السوال والجواب عجب اضطراب مشوش قلب واقع ہے"۔

اقول یہ تشویش بیجا ہے۔ بین السوال والجواب اصلا اضطراب نہیں۔ مگر شاید آپ نے سرسری نظر سے دیکھا۔ اگر بغور ملاحظہ فرماتے یا سائل سے دریافت فرما لیتے کہ باپ نے زید کو اکیس ہزار پر نکاح کی اجازت دی تھی یا اس نے بطور خود اکیس ہزار پر نکاح کر دیا، آپ کو یہ تشویش نہ ہوتی۔ سوال میں اگر کوئی بات مجمل ہو اور مجیب دریافت کر کے تعیین ایک شق پر جواب دے تو یہ بین السوال والجواب اضطراب نہیں کہلاتا، خصوصاً جب کہ لفظوں میں اس کا صریح ظاہر احتمال موجود ہو۔

قولہ "سوال میں زید نکاح پڑھانے والے کو فضولی بتایا گیا ہے اور فضولی وہ ہے جو مامور بانشاء عقد نہ ہو اور جواب میں یہ عبارت "اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دیدی ہے تو ولی کو فسخ نکاح کا حق بھی نہ رہا" جو سوال کے اندر داخل نہیں ہے جواب کو مفید اطمینان ہونے سے مانع ہوتی ہے"۔

اقول یہ وہ اضطراب بین السوال والجواب ہے جس نے مولوی صاحب کے دل کو پریشان کر دیا کہ سوال میں زید کو فضولی لکھا ہے اور جواب میں باپ نے اجازت دیدی ہے، لکھا ہے۔ افسوس کہ سائل کا بیان معترض صاحب کے کلام سے زاید روشن، علم سے قریب ہے۔ جہاں وہ زید کو فضولی بتاتا ہے، ساتھ ساتھ یہ بھی لکھتا ہے "باجازت باپ ہندہ بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ الخ"۔ جس سے معلوم ہوا کہ نکاح بالغہ میں اجازت پدر کے بعد بھی وہ فضولی ہی جانتا ہے اور

marfat.com

بے شک ایسا ہی ہے کہ عاقلہ بالغہ میں باپ خود بھی فضولی ہے۔اب تو ارشاد ہو کہ جواب میں وہ عبارت مفید اطمینان ہے اور یہ سوال کے اندر داخل ہے، اس لئے بعوض مبلغ الخ میں جار مجرور متعلق اجازت ہے۔ چنانچہ مطول سوال میں اب ہندہ کے باپ کا مقولہ صاف مذکور ہے۔ زید وہاں موجود ہے، بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ نکاح کر دے۔فضولی کی یہ تعریف صحیح نہیں۔ آپ کی اسی غلطی نے آپ کو پریشان کیا۔اور بین السوال والجواب اضطراب کھلوایا ورنہ فضولی کی تعریف اگر پیش نظر ہوتی، تو اضطراب نہ سمجھا جاتا۔ بے شک زید فضولی ہے اور بے شبہ ہندہ کے باپ نے اسے اجازت دیدی ہے۔

قولہ ’’کیونکہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا باپ کی طرف سے یہ اجازت زید کو حاصل ہوئی تھی اور اسی اجازت کی بنا پر انشا ہوا۔‘‘ اقول یہ وہی بات ہے جس کا جواب گذر چکا۔

قولہ ’’اگر یہی صورت ہے تو زید فضولی نہیں ٹھہرتا۔‘‘

اقول یہ مثل محل شقشقہ ہے۔یقینی یہی صورت ہے پھر بھی زید فضولی ہے۔اس لئے کہ توکیل ہندہ کی طرف سے ہوتی تو البتہ وکیل ہوتا ہے۔

قولہ ’’فانی یصح هذا الجواب‘‘ الیٰ قولہ ’’یا یہ کہ یہ اجازت باپ سے از انشا عقد خبر پہونچنے پر پیرایہ رضا میں صادر ہوئی۔‘‘

اقول اس کا سوال اصلاً ذکر نہیں، نہ واقعہ کے مطابق۔عجب کہ وہ معنی کہ عبارت سوال سے پیدا ہوسکیں، نامقبول ٹھہرا کر اضطراب بین السوال والجواب میں مانا جائے اور جس معنی کی سوال میں بو بھی نہیں، وہ مطلب فرض کیا جائے۔

قولہ ’’اس صورت میں گو جواب از روئے عبارت صاحب ہدایہ صحیح ہوسکتا ہے‘‘۔

اقول عبارت صاحب ہدایہ سے اگر مراد وہ عبارت ہے جو جواب میں منقول ہے تو اس کو اس سے کیا تعلق؟ اور اس کی رو سے یہ جواب کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ اور اگر دوسری عبارت جو اس مقام پر ہدایہ میں مذکور ہوئی وہ مراد ہے تو از روئے عبارت ہدایہ کی تحقیق کیا معنی؟ کیا از روئے دیگر کتب صحیح نہیں۔

قولہ ’’لیکن محل نظر ضرور ہے۔‘‘

اقول جب از روئے عبارت ہدایہ جواب صحیح ہوسکتا ہے تو پھر محل نظر کیوں ہے؟ اور یہ سب سہی مگر جواب مسئلہ جو سائل کا مقصود ہے کہ نکاح ہو گیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ کیا ہوا؟ اللھم اصلح امة محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وافضل الصلوة علی سید المرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین الیٰ یوم الدین فقط

☆☆☆☆☆

marfat.com

مسئلہ مسئولہ ابوالحسن.........۱۱محرم الحرام ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ لڑکیاں ،قوم سید کا نکاح دو نابالغ لڑکوں قوم پٹھان کے ساتھ بولایت والدین فریقین ہوا۔لیکن چند ہی روز ہونے کے بعد لڑکیاں بحالت نابالغی ہی اپنے والدین کے گھر میں آگئیں۔تب سے اب تک چار سال ہوئے ،وہ اپنے شوہروں کے گھر نہیں گئیں۔نہ ان کے شوہروں نے ،نہ ان کے والدین نے ان منکوحہ لڑکیوں کو اپنے گھر بلایا۔اب لڑکیاں بالغ ہیں مگر بوجہ سادات اشرف النسب ہونے کے پٹھان شوہروں کے گھر جانے کو انکار کرتی ہیں۔پس ان صورتوں میں یہ بالغ لڑکیاں بوجہ غیر کفو ہونے کے اپنے نکاح فسخ کردینے کے مجاز ومختار نہیں ہیں یا ہیں؟ اور غیر کفو ہونے کی کیا تعریف ہے؟ نیز یہ کہ ان لڑکیوں کے آباؤ واجداد کا پٹھانوں کے ساتھ سابق کا کوئی رشتہ ان کے موجود رشتہ پر نظیر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

غیر کفو کے یہ معنی ہیں کہ اس کے قوم یا مذہب یا اعمال یا پیشہ میں بہ نسبت خاندان دختر کے کوئی قصور وعیب ہو ،جس کے سبب اس کے خاندان کو عار لاحق ہو یا ایسا محتاج ہو کہ اگر کچھ مہر معجل یا بعض معجل ٹھہرا ہو تو فی الحال اس کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو، یا لڑکی قابل جماع ہو تو نفقہ نہ دے سکے۔پس اگر صغیرہ ہو کہ مرد کی طاقت نہیں رکھتی ہے تو نفقہ کا اعتبار نہ ہوگا۔اس کے لئے نفقہ بھی صرف قدرت علی المہر کافی ہے۔

تنویر الابصار میں ہے:"يعتبر يعنى الكفاءة نسباً وحرية و اسلاما و ديانةً ومالاً وحرفة۔"

ملتقی الابحر میں ہے:"ويعتبر مالافالعاجزعن المهر المعجل والنفقة غير كفوء۔"

عالمگیریہ میں ہے:"يعتبر القدرة على النفقه اذا كانت المرءة كبيرة تصلح الجماع اما اذا كانت صغيرة لا تصلح الجماع فلاتعتبر القدرة على النفقة لانه لانفقة لها فى هذه الصورة ويكتفى با لقدرة على المهر كذا فى الذخيرة۔"

پٹھان اگر عالم نہ ہو تو سیدہ کا کفو نہیں۔مگر جب باپ یا دادا صغیرہ کا نکاح غیر کفو سے یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کردیں ،مطلقا لازم ہوتا ہے۔کہ نابالغ کو بعد بلوغ اصلاً اختیار فسخ نہیں ہوتا۔مگر جب کہ نکاح کرتے وقت باپ دادا نشے میں ہوں یا اس سے پہلے بھی کسی بچی کا نکاح غیر کفو میں یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کرچکے ہوں تو البتہ پھر نکاح ناجائز ہوگا۔

درمختار میں ہے:"لزم النكاح ولو بغبن فاحش بنقص مهر ها وزيادة مهره أو بغير كفوء ان كان الولى المزوج بنفسه ابا او جدًا لم يعرف منها سوء الاختيا ر وان عرف لايصح النكا ح اتفاقا و كذا لو كان سكران الخ (در المختار۔ باب الولى ۱/ ۱۹۲)،زوج بنتهٗ من فاسق صح وان تحقق بذلك أنه لسوء الاختيار اشتهر به عند الناس فلو زوج بنتا اخرى من فاسق لم يصح الثانى لانه كان مشهورا

بسوء الا ختیار قبله بخلاف العقد الاول۔"

فتاوی خیریہ لنفع البریۃ علامہ خیرالدین رملی میں ہے: "ظاهر کلا مهم ان الاب اذا کان معروفاً بسوء الاختیا ر لم یصح عقده باقل من مهر المثل ولا باکثر فی الصغیر بغبن فاحش ولا من غیر الکفوء فیهما سواء کان عدم الکفائة بسبب الفسق اولا الخ۔"

بالجملہ صورت مسئولہ میں اگر وہ پٹھان غیر عالم ہے۔ باپ نے نشے کی حالت میں نکاح کر دیا یا اسکے قبل بھی کسی لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کر چکا تھا تو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔ اور اگر ایسا نہیں تو وہ نکاح ہو گیا، اسے اصلاً اختیار فسخ کا نہیں۔

خانیہ میں ہے: "اذا بلغ الصغیر او الصغیرة وقد زوجها الاب او الجد لاخیار لهما اه۔" آباواجداد کا پٹھانوں کے ساتھ کوئی رشتہ سابق ہونا موجب کفائت نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ مرسلہ مولانا و مولوی ثناء اللہ خلف مولانا احمد حسین ۲۱ رصفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ہندہ بالغہ نے بلا اجازت اور اطلاع اپنے ولیوں کے، زید کے ساتھ جو اس کے غیر کفو سے ہے، روبرو گواہوں کے اپنا نکاح کیا، یہ نکاح حنفی مذہب میں جائز ہوا یا نہیں؟ اگر اس میں اختلاف ہے تو مفتی بہ قول کونسا ہے؟۔

(۲) ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ تھا اور اس نکاح کے ہوتے ہوئے ہندہ پر جبر کر کے اس کا دوسرا نکاح عمرو کے ساتھ اعنی نکاح علی النکاح، گواہوں کے اور نکاح خواں کے رشوت دے کر پڑھاتا ہے، شرعاً جائز ہے یا حرام؟ اور اس کا ارتکاب کرنے والوں اور گواہوں اور نکاح خواں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے جنہوں نے دیدہ ودانستہ ایسا کام کیا؟ اور اس منکوحہ مجبورہ کو شوہر ثانی کے ساتھ ہمبستر ہونے پر مجبور کرنا اور ناکح ثانی (عمرو) کو اس ہندہ کے ساتھ ہمبستر ہونے کی ترغیب دلانی کہ حلال ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ عورت منکوحہ کو اللہ و رسول وقرآن کا واسطہ دلانا کہ اس کے طفیل میں اس نکاح سے انکار کر دے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے جو معین و مددگار اور جو لوگ کہ کوشاں ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

اگرچہ زید بایں معنی ہندہ کا کفو نہ تھا کہ اس کے مذہب یا نسب یا پیشے یا چال چلن میں بہ نسبت ہندہ کے کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے ہندہ کے لئے باعث ننگ و عار ہو، بدنامی ہو اور ہندہ نے اپنے ولی سے اجازت نہ لے لی اور اس کی رضائے صریح کے بطور جو زید سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں، محض باطل ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: "امرءة زوجت نفسها من غیر کفو صح النکاح فی ظاهر الروایة وروی الحسن عن ابی حنیفة ان النکاح لاینعقد وبه اخذ کثیر من مشائخنا رحمهم الله تعالیٰ کذا فی المحیط۔"

تبیین میں ہے: "(من نکحت غیر کفو فرق الولی) لما ذکرنا والنکاح ینعقد صحیحاً فی ظاهر الروایة۔"

marfat.com

حاشیہ علامہ شلبی میں ہے: "اما علی الروایة المختارة للفتوی لا یصح العقد اصلاً اذا کانت زوجت نفسها منه۔"

درمختار میں ہے: "ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلاً وهو المختار للفتویٰ لفساد الزمان۔"

عقود الدریہ میں ہے: "سئل فی امرءة یرید التزوج بلاء رضاء ابیها وهو غیر کفو کیف الحکم فی ذالك؟ الجواب: اذا نکحته بلارضاء ولیها فرق القاضی بینهما بطلب الولی وهذا ظاهر الروایة عن ائمتنا ولکن المروی عن الحسن عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ بطلان النکاح من غیر کفوء وبه اخذ کثیر من مشائخنا قال شمس الائمة الحلوائی وهذا اقرب الی الاحتیاط والاحوط سد باب التزوج من غیر کفوء قال الامام: الفتویٰ علی قول الحسن فی زماننا۔ قال فی البحر المفتیٰ به روایة الحسن عن الامام عن عدم انعقاد اصلاً اذا کان لها ولی ولم یرض به قبل فلا یفید الرضا بعده اهمختصرا۔"

عالمگیریہ اور درمختار اور خزانۃ المفتیین اور خلاصہ اور تبیین میں مختار للفتوی اور علامہ شیخ شلبی نخشی تبیینے الروایة المختارة للفتوی ایضاح میں وعلیه الفتویٰ فرمایا اور اگر ان باتوں سے کسی بات میں ایسا نقص نہیں بلکہ محاورہ عوام کے طور پر بایں معنی زید کے کو غیر کفو کہا گیا کہ وہ ہندہ کے خاندان سے نہیں تو صرف اس قدر بات مضر نہیں۔ وہ نکاح صحیح ہوگا۔

نکاح علی النکاح یعنی کسی عورت منکوحہ، غیر مطلقہ کا نکاح اس کے شوہر کی حیات میں کسی سے کردینا سخت ناجائز وحرام ہے۔ قال الله تعالی "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ(النساء: ٢٤)" اور حرام ہیں شوہردار عورتیں" (کنزالایمان)

جلالین میں ہے: "وحرمت علیکم المحصنات ای ذوات الازواج من النساء ان تنکحوهن قبل مفارقة ازواجهن۔"

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: "لا یخطب الرجل علی خطبة اخیه" نکاح کا پیغام نہ دے کوئی مرد اپنے بھائی کے پیام پر" رواه الاربعة واحمد والبیهقی عن ابن عمر وابی هریرة رضی الله تعالی عنهم۔ اقول فکیف بالنکاح علی النکاح۔

ہندہ کا نکاح ثانی عمرو کے ساتھ باطل ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "امرءة زوجها ولیان فهی للاول۔" اور اسی بلا پر انکار تکبر اہل علم کا ہے۔ کیونکہ نکاح کے لئے شرط محل قابل ہے۔

عالم گیریہ میں ہے: "ومنها (ای من شروطه) المحل المقابل وهی المرءة التی احلها الشرع بالنکاح کذا فی النهایه۔" اور یہ ظاہر ہے کہ غیر کی منکوحہ قابل نکاح نہیں۔ کما مر

اس میں ہے: "زوجها علی التعاقب جاز الاول دون الثانی۔"

قاضی خاں میں ہے: "ولا یجوز نکاح منکوحة الغیر عند الکل۔" "سبھوں کے نزدیک غیر منکوحہ کا

marfat.com

نکاح جائز نہیں''۔اوراس عورت کوشوہر ثانی کے ساتھ صحبت کرنے پر جبر کرنا اور عمرو کو ہندہ کے ساتھ ہمبستر ہونے کی ترغیب دلانی ناجائز اور حرام، دلالت علی الزنا ہے اور اسے حلال جاننا کفر ومخالفت نص قطعی رب العزۃ جلالہ۔

شرح عقائد میں ہے: "استحلال المعصية صغيرة كانت او كبيرة كفر اذا ثبت كونها معصية بدليل قطعي اعاذنا الله منه۔" نکاح سے مکر جانے کو اللہ ورسول وقرآن شریف کا واسطہ دینا اور یہ کہنا کہ اس کے طفیل میں اور صدقے میں اس نکاح سے انکار کردے، سخت ناجائز وگناہ کبیرہ ہے۔اور اس کا مرتکب، مرتکب گناہ کبیرہ ہے اور یہی حکم ان کے معین ومددگار کوشاں کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک عورت عاقلہ بالغہ نے بلا اذن ولی برضا وخوشی اپنے کفو میں روبرو چند گواہوں کے بعوض مہر معین ایک مرد سے نکاح کرلیا تو شرع شریف میں یہ نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ دوم: ایک عورت نے جو کہ عاقلہ بالغہ ہے، مہر بذریعہ خط زید کو لکھ بھیجا کہ میرا نکاح بالعوض اتنے مہر کے عمرو سے کردے۔ چنانچہ زید نے اس عورت کی توکیل کے موافق عمرو مذکور سے نکاح روبرو چند گواہوں کے کردیا اور اس عورت کو اطلاع دیدی کہ میں نے فلاں بالغ کا نکاح عمرو سے تیری تحریر کے موافق کردیا تو یہ نکاح عند الشرع جائز ہوگا یا نہیں؟ اور عمرو اور عورت کا درمیان دوسو ۲۰۰ مبلغ فیصلہ ہے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

جائز ہے اگر وہ کفو شرعی ہو۔ محاورہ عام میں فقط ہم قوم کو کفو کہتے ہیں۔اور شرعاً وہ کفو ہے کہ نسب یا مذہب یا پیشے یا چال چلن، کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ہونا، اولیاء زن کے لئے عرفاً باعث ننگ وعار ہو۔ اگر ایسا کم ہے تو نکاح اصلاً نہ ہوگا۔ جب تک کہ باوصف علم عدم کفاءت، صریح رضاء ولی سے نہ ہوا ہو۔ پھر اگر کفو بمعنی شرعی ہے تو نکاح مطلقاً ہوگیا اور ولی کو حق اعتراض بھی نہیں، اگر مہر مثل کے ساتھ کیا ہو۔ ورنہ اگر شوہر مہر مثل دینے سے انکار کرے تو عصبہ کسی اسلامی ریاست میں وہاں کے قاضی کے پاس جو ماذون عام منجانب ریاست ہو، جاکر دعوی کرے۔ قاضی شوہر کے سامنے تفریق کردے، نکاح فسخ ہوجائے گا۔ فی الدر: "(ولو نكحت باقل من مهرها فللولى) العصبة (الاعتراض حتىٰ يتم) مثلها (او يفرق) القاضى بينهما دفعاً للعار۔" والله تعالى اعلم۔

(جواب دوم) اس کا جواب بھی جواب سوال اول سے واضح ہے۔ یہاں اس قدر امر زائد ہے کہ وکیل نے جن گواہوں کے سامنے نکاح کردیا، ان کے سامنے ایسے لفظوں سے عورت مؤکلہ کو بتایا ہے کہ اس کا تعین ہوجائے مثلاً ہندہ بنت زید ابن عمرو یا فقط ہندہ بنت زید یا ہندہ فلانیہ جب کہ شاہدین اس قدر سے اسے پہچان لیں ورنہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

فی رد المحتار عن البحر: "ان كانت غائبة لم يسمعو اكلامها بان عقد ها وكيلها فان كانت الشهود يعرفونها كفى ذكر اسمها اذا علموا انه اراد ها وان لم يعرفونها لا بدّ ذكر اسمها واسم أبيها وجدها۔" والله تعالىٰ اعلم۔

marfat.com

سید ابو القاسم در بھنگوی .... ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۵۹ھ

علمائے دین مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ مطلقہ کو عدت گذر جانے کے بعد مہر دین میں کچھ زمین دیدیا تھا۔ اب تک وہ زمین ہندہ کے قبضہ میں ہے۔ رجسٹری کے لئے کہتی ہے مگر زید دووجہ سے انکار کرتا ہے۔

وجہ اول: زید خیال کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ رجسٹری کے بعد ہندہ اپنے چچازاد بھائی کو دیدے۔ کیا اس خیال سے زید رجسٹری روک سکتا ہے یا نہیں؟ بصورت شق ثانی کیوں؟

وجہ دوئم: زید خیال کرتا ہے کہ مہر دین کی مدت گذر گئی۔ بوجہ شادی ہونے کے۔ نہ ہم پر وہ دین واجب الادا ہے اور نہ اب ہندہ جبراً زمین کی رجسٹری کرا سکتی ہے۔ کیا شرعاً مہر دین کی تمادی ہے یا نہیں؟ اور نہیں تو کیوں؟ ہندہ کے قبضہ میں جو زمین ہے وہ شرعاً ہندہ کی ملکیت سمجھی جائیگی یا نہیں؟ بینوا و توجروا

الجواب

زید نے جو زمین اپنی مطلقہ بی بی کو بعوض دین مہر دیدیا اور جس پر وہ قابض و دخیل شرعاً وہ زید کی بی بی ہندہ کی چیز ہے۔ زید کا رجسٹری سے انکار کرنا غلطی اس کی ہے اور جو وجہ اس کے انکار کی خیال کرتا ہے، وہ دونوں مہمل ہے۔ جب وہ چیز ہندہ کی ہوگئی تو اس کو پورا اختیار ہے۔ اپنے چچازاد بھائی کو دیدے یا کسی راہ چلتے کو۔ ہندہ کا اپنی ملک میں پورے تصرف کا اختیار ہے۔ نیز یہ خیال کہ دین کی مدت گذر گئی، خیال خام ہے۔ شرعاً تمادی کوئی چیز نہیں۔ جس کا جو حق ہے وہ ادا کرنے سے ادا ہوتا ہے یا معاف کرنے سے۔ بغیر اس کے اس کا حق باطل نہیں ہوتا۔ ہندہ کے قبضہ میں جو زمین ہے، جو بذریعہ ہبہ بعوض دین مہر سے حاصل ہوئی ہے، بلاشبہ اس کی ملک ہے۔ ان البیع یتم بالایجاب والقبول والھبۃ تتم بالقبض۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی حفیظ اللہ صاحب از مارہرہ شریف ضلع ایٹہ ۱۱ رصفر ۱۳۲۳ھ

جناب مولوی صاحب مخدوم ومکرم بندہ دام مجدہم بعد آداب آنکہ مسئلہ ذیل میں بحوالہ کتب مطلع کیجئے، اللہ اجر دے گا۔

زید حنفی مذہب نے ہندہ حنفی مذہب سے بہ تعیین ایک ہزار روپیہ، دین مہر کے نکاح کیا اور نکاح کے دس پانچ برس بعد اپنی زوجہ کی اطاعت اور فرماں برداری سے خوش ہو کر زید نے بجائے ایک ہزار کے، تین ہزار دین مہر اپنے ذمہ قبول کر کے تین ہزار روپیہ کی جائداد اپنی بنام ہندہ کے لکھوادی اس طرح تعداد دین مہر بڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اپنی بیوی کی مہر میں زیادتی مع قبول عورت کے اسی مجلس میں بلاشبہ جائز ہے، جس کے جواز میں اصلاً کلام نہیں۔ رب العزۃ عزت عظمتہ فرماتا ہے: "وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِنۢ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ (النساء: ۲۴)" "اور قرارداد کے بعد اگر تمہارے آپس میں کچھ رضامندی ہو جائے تو اس میں گناہ نہیں" (کنز الایمان) یعنی تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کم کردے عورت اپنے مہر مفروضہ سے یا کل کا کل شوہر کو ہبہ کردے یا

marfat.com

بڑھادے شوہر مقدار مہر پر اس کی رضا مندی سے۔

شرح وقایہ میں ہے: ''مازید علیٰ المهر بعد العقد یجب کذا فی الاصلاح۔''

کنز الدقائق میں ہے: ''وما فرض بعد العقد او زید لایتنصف۔''

بحرالرائق میں ہے: ''واما ما زید علی المسمیٰ فانما یتنصف لما ذکرنا ان التنصیف یختص بالمفروض فی العقد الاول ودل وضع المسئلة علیٰ جواز الزیادة فی المهر بعد العقد وهی لازمة بشرط قبولها فی المجلس علیٰ الاصح۔'' یعنی دلالت کرتا ہے یہ مسئلہ جائز ہونے پر زیادتی مہر میں بعد عقد کے۔

تبیین الحقائق مین ہے: ''تحت قول "وصح" ثم المصنف ذکر جواز الحط ولم یذکر جواز الزیادة لان جوازها علم من قوله وما فرض الخ فلهذا لم یذکره مقصودا۔''

خزانہ میں ہے: ''امرءة وهبت مهرها من زوجها ثم ان الزوج اقر بین الشهود وان علیه کذا وکذا من المهر یصح اقراره اذا قبلت ویحمل انه زاد فی المهر والزیادة فی المهر بعد المهر جائز لکن لابد من القبول لان الزیادة فی المهر لایصح من غیر قبول المرأة۔''

''مہر چھوڑ دینے کے بعد شوہر نے سامنے گواہوں کے اقرار زیادتی مہر کا ذکر کیا تو اس کا اقرار قبول کیا جائیگا اور اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس نے مہر میں زیادتی کی اور مہر میں زیادتی مع قبول عورت کے جائز ہے''۔

درمختار میں ہے: ''ومازید بعد العقد او زید علی المسمیٰ فانها تلزمه بشرط قبولها۔''

ردالمحتار میں ہے: ''افاد انها صحیحة ولو بلا شهود او بعد هبة المهر الابراء منه وهی من جنس المهر او من غیر جنسه۔''

عالمگیریہ میں ہے: ''الزیادة فی المهر صحیحة حال قیام النکاح عند علمائنا الثلثة کذا فی المحیط۔'' اپنی بیوی کے مہر میں زیادتی ہمارے ائمہ ثلثہ کے نزدیک درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ منشی عوض علی بیگ.........۱۶ شعبان ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک شیرخوار بچہ چھوڑا۔ بچہ کا باپ اور دادا دادی اور نانا نانی موجود ہیں۔ بچہ کی پرورش کا شرعاً کون مستحق ہے؟ اور اسباب جہیز متوفیہ کا کون مستحق ہے؟ بچہ کے مال کا کون ولی ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں لڑکا سات برس کی عمر تک اپنی نانی کے پاس رہے گا۔

ہدایہ میں ہے: ''فان لم تکن له امّ فام الام اولیٰ من الاب وان بعدت لان هذه الولایة تستفاد

من قبل الامهات۔" (الهداية ٢/٤١٤)

عورت کا جہیز مہر وغیرہ جو کچھ متروکہ ہو، بارہ سہام پر منقسم ہو کر تین سہم شوہر اور دو دو عورت کے مادر و پدر اور پانچ سہم پسر کو ملیں گے۔ بچہ کے سات برس عمر ہونے تک اس کے دادا دادی کو اپنے پاس رکھنے کے بارے میں مال سے مزاحمت کا اصلاً حق نہیں ہے۔ نانی بالجبر دادا دادی سے لے سکتی ہے۔

ہدایہ میں ہے: "والام والجدة احق بالغلام حتیٰ یاکل وحده ویشرب وحده ویلبس وحده ویستنجی وحدهٗ وفی الجامع الصغیر حتیٰ یاکل وحدهٗ ویشرب وحدهٗ ویلبس وحدهٗ والخصاف قدر الاستغناء بسبع سنین اعتبارا للغالب اه وعلیه الفتویٰ کذا فی الکافی وغیرہ قال له العینی۔"

نانی بالجبر دادا دادی سے لے سکتی ہے۔ بچہ کا جو مال ہے خواہ اسے متروکۂ مادر سے ملا ہو یا اور کسی طرح، اس کی ولایت دادا کو ہے۔ نانا نانی کو اس میں کچھ حق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بہار شریف مدرسہ حنفیہ مرسلہ مولوی عبداللہ طالب علم ۷ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کی اس طرف مسلمانوں میں دستور ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر انتقال کرتا ہے اور جب تک وہ عورت نکاح ثانی نہیں کرتی، تو جو کچھ کہ اس کے شوہر یا سسر یا اس کے ماں باپ وغیرہ نے از قسم زیورات وظرف وغیرہا وقت شادی یا بعد شادی اس عورت کو دیا تھا، اس کے قبضہ قدرت وتصرف میں رہنے دیتے ہیں ۔خواہ سسرال میں وہ رہے یا میکہ میں اور جب اس کا نکاح ثانی ہوتا ہے تو اس کے شوہر اول کے وارث جو کچھ زیورات وظروف کہ انہوں نے وقت شادی یا بعد شادی کے، وقتاً فوقتاً دیا تھا، سب واپس کر لیتے ہیں۔ پس اور جو کچھ کہ اس عورت کو اس کے ماں باپ نے دیا تھا۔ اگر شوہر اول کے وارث کے پاس ہوتا ہے تو وہ سب کو واپس کر دیتے ہیں۔

پس سوال یہ ہے کہ وقت شادی یا بعد شادی کے شوہر یا سسر یا اس عورت کے ماں باپ از قسم زیورات وظروف دیتے ہیں، وہ اس عورت کی ملک سمجھی جائے گی یا ریت کے مطابق بطریق زیب وزینت کے خیال کیا جائے گا؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

جس قدر مال زیورات وظروف وغیرہا وقت شادی یا بعد شادی، وقتاً فوقتاً اس کے باپ نے جہیز میں دیا ہے، سب اس کی ملک حسب عرف عام ہمارے بلاد کے ہے، جس میں شوہر، اس کے ماں باپ کا استحقاق نہیں۔ اس لئے بعد رخصتی اس کی واپسی کو سخت معیوب وباعث مطعون جانتے ہیں۔

ردالمحتار میں ہے: "کل احد یعلم ان الجهاز ملك المرءة لاحق لاحد فيه۔"

ہاں جب عرف تملیک نہ ہو بلکہ صرف پہننے کو بطور عاریت دیا ہو اور وہ عرفاً پہنانے والوں کی ہی ملک میں شمار کیا جاتا ہو، تو حکم اس کا عاریت کا ہے کہ واپس کر دیا جائے۔

marfat.com

درمختار میں ہے: "جهز ابنته ثم ادعیٰ ان ما دفعه بها عارية وقالت هو تمليك او قال الزوج ذلك بعد موتها يرث منه او قال الاب او ورثته بعد موته عارية المعتمد ان القول للزوج اذا كان العرف مستمرا ان الاب يدفع مثله جهازا لا عارية واما ان كان مشتركا كمصر والشام فالقول للاب۔ (الدرالمختار باب المهر ۱ /۲۰۳)

رہا زیور وغیرہ کہ والدین زوج، اپنی بہو کے پہننے کو دیتے ہیں، اگر اس میں نصاً یا عرفاً کسی طرح تملیک مقصود نہیں ہوتی تو وہ بدستور ملک والدین پر ہے، جس میں بہو کا کچھ حق نہیں۔ بعد انتقال اپنے لڑکے کے جب عورت آمادہ بنکاح ہوجائے یا جب چاہیں لے سکتے ہیں۔ بالجملہ شریعت مطہرہ نے اس امر کو معلق بہ عرف رکھا ہے۔ موافق عرف تملیک یا عاریت قرار پائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے فرزند کی شادی، جس گاؤں میں وہ رہتا تھا، کی۔ اور بموجب حکم کنڑم کے تاریخ مقررہ پر برات لے کر اس کے گھر میں گیا اور کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر حسب رواج گاؤں مذکورہ کے برات کے سب آدمی اپنے اپنے گھر میں چلے گئے۔ اور لڑکا سسر کے گھر میں رہا اور لڑکے کا باپ بھی اپنے گھر میں چلا آیا۔ جب صبح ہوئی تو لڑکے کا باپ، اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو لڑکی کے باپ نے اس کو پیغام بھیجا، جو زیور تم نے اپنی بیٹی کے لئے رکھا ہے، وہ بھیج دو اور آ کر نکاح کرلو، اس وقت لڑکے کے باپ نے تین گواہوں کے روبرو یہ اقرار کیا کہ یہ زیور عاریتاً زینت کے واسطے ہیں، اپنی پتوہ کو پہناتا ہوں نہ میں نے اس کا مالک کیا ہے اور نہ ہبہ کیا اور نہ بخشش کیا، فقط عاریتاً دیا ہے۔ جس وقت چاہوں گا، لے لوں گا اور مہر جو نکاح کے وقت مقرر ہوتا ہے وہ زیور سے جدا نہیں۔ اب شرعاً یہ زیور کس کا ہوتا ہے؟ لڑکے کے باپ کا یا لڑکے کا یا پتوہ کا؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

وہ زیور اس کے (لڑکی) باپ کا ہے، نہ لڑکے، نہ اس کی بی بی کا۔

جامع الفصولین ص ۲۶۶ میں ہے: "بعث الیٰ امرءة ابنه شيئا نيابا ثم ادعیٰ انها عارية صدق۔"

جب ابوین (کہ غالباً جہیز تملیکاً بھی دیتے ہیں) دیتے وقت کسی کو گواہ کردیں کہ یہ عاریۃً ہے، نہ تملیکاً یا شہر کا رواج ہی ایسا ہو کہ جہیز کے لئے دیا کرتے ہیں یا عرف شہر مشترک ہو اور ابوین دعوی عاریت کا کریں تو عاریت ہی سمجھا جائیگا نہ کہ تملیک۔ کما افتیٰ بها العلامة حامد آفندی فی مغنی المستفتی وذكرها العلامة الشامی فی تنقيحه۔ تو یہ زیور دینا کہ سسر اپنے پتوہ سے واپس کرے، درست ہے۔ عامہ کتب ہدایہ، عنایہ، تنویر الابصار، درمختار، کنز الدقائق، بحر الرائق وغیرہ میں ہے: "للمعیر ان یرجع" اور بیٹی والے کو اختیار ہے کہ اپنی چیز جب چاہے واپس کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

marfat.com

کتاب الطلاق ۶

علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ ایک شخص نے اپنے سسر کو ایک خط لکھا۔ اس کی عبارت حسب ذیل ہے۔ جس زمانہ میں اس شخص نے اپنے سسر کو خط لکھا، اس کی بوی اپنے باپ کے یہاں تھی، وعدت کا زمانہ ہنوز باقی ہے۔

عبارت خط:

''ہم لوگوں کو آج روز پنجشنبہ تاریخ ۱۸ر رمضان المبارک سے لے کر دس روز کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر اس درمیان میں سواری ہماری رخصت ہوگئی تو خیر۔ ورنہ یہ میری تحریر ناطق ہوگی کہ اگر عزیزی محمد شبلی کی ماں ۱۸ تاریخ رمضان شریف سے لے کر ۱۰ روز کے اندر گھر نہ آئیں تو میرا طلاق رجعی ان پر واقع ہوجائے گا اور اگر بیس کے روز ۱۸ تاریخ رمضان شریف سے لے کر ۸ر عید الفطر تک گھر رخصت ہوکر نہ آئیں تو عزیزی محمد شبلی کی ماں مطلقہ ہوگی ساتھ طلاق بائن کے۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔ آپ لوگ کا جی چاہے اس طلاق کو بائن کرائیے اور رخصتی نہ کیجئے اور جی چاہے شرط کے درمیان میں رخصت کردیجئے تو طلاق واقع نہ ہوگی''۔

تو سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر طلاق ہوگئی تو اس عورت کے اس شخص کی زوجیت میں آنے کی کیا صورت ہے؟

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ اب تک والدہ محمد شبلی گھر آنہ گئیں تو شک نہیں کہ بحکم تعلیق اول طلاق رجعی و بحکم تعلیق ثانی طلاق بائن واقع ہوگئی۔ فان الصریح یلحق الصریح ولا فرق فی الصریح الثانی بین کون الواقع به رجعیا او بائنا کما صرح به العلامة الشامی فی حاشیة الدر المختار و الطلاق المضاف الیٰ الشرط یقع عقبیه اتفاقا وھھنا علق الطلقتان علیٰ شرطین وقد وقعا فطلقت تطلیقتین کما صرحوا به فی مسائل قال فی الھندیة ناقلا عن المحیط: ''لو قال لھا ان کلمت فلانا فانت طالق وقال لھا ایضا ان کلمت انسانا فانت طالق فکلم فلانا طلقت تطلیقتین۔''

اب اس عورت کے اس شخص کی زوجیت میں آنے کی یہ صورت ہے کہ عدت کے اندر یا بعد انقضائے عدت، مدۃ العمر میں، جب دونوں راضی ہوں اور نکاح کرلیں، بدستور حقوق زوجیت قائم ہوجائیں گے۔ الا انه لا یملك الا ما بقی من الطلقات فان الزوج الثانی ھو الذی یھدم بالدخول ما دون الثلاث من الطلقة او الطلقتین فیجعلھما کان لم یکونا کما یھدم الثلاث اجماعا۔

درمختار میں ہے: ''وینکح مبانة عما دون الثلاث فی العدة وبعدھا بالاجماع۔''

marfat.com

ہدایہ میں ہے: ”اذا کان الطلاق بما دون الثلاث فلا بد له ان یتزوجها فی العدة وبعد انقضائها۔“ ”یعنی جب کوئی شخص تین طلاق سے کم (دو یا ایک) دے تو وہ شخص اس عورت سے عدت کے اندر اور بعد گزرنے عدت کے بھی نکاح کرسکتا ہے۔“ والمسئلة مشهورة فی الکتب مسطورة۔

عبدہ العاصی ظفرالدین البہاری۔ مہر

بے شک صورت مسئولہ میں طلاق بائن واقع ہوگئی۔ چونکہ وقوع طلاق بائن موجب تجدید نکاح ہے، لہذا تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ البتہ بسبب عدم تحقق طلاق مغلظہ، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ فقط

بندہ مقبول احمد خاں تاب اللہ علیہ مدرس الحدیث مدرسہ شمس الہدیٰ بانکی پور۔ مہر

صورت مسئولہ میں بلاشبہ شرط محقق ہونے سے طلاق بائن واقع ہوگئی۔ مگر چونکہ حل اصلی باقی ہے لہذا تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ بغیر حلالہ کے زوج اس سے نکاح کرسکتا ہے، کیونکہ حلالہ کی ضرورت طلاق مغلظہ میں ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ سید دیانت حسین، مدرس الفقہ مدرسہ شمس الہدیٰ بانکی پور، پٹنہ۔ مہر

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئولہ سید ازہر علی خلف جناب سید امیر احمد ۲۱ جمادی الآخرۃ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا۔ اور وہ چند دن اس کی زوجیت میں رہ کر بلا اطلاع اس کے، نکل کر آوارہ ہوگئی۔ اور بحالت آوارگی بقول ہندہ مقدمہ زن وشو میں دائر ہوا۔ زید نے پچاس روپیہ لے کر رضامندی داخل کردی اور زوجہ اور شوہر باہر کچہری کے آئے۔ ہمراہوں نے بقول ہندہ یہ بات کہی کہ تو اپنی زوجہ کو لے جا۔ زید نے کہا کہ میں نے علیٰحدگی اختیار کی ہے اور اس کو چھوڑ دیا اور طلاق دے دی۔ چنانچہ اس وقت سے آوارہ پھرتی رہی اور جگہ جگہ آوارہ لوگوں میں رہی۔ اس کو قریب سات آٹھ مہینہ ہوا۔ اب ہندہ بکر سے نکاح کرنے پر آمادہ ہوئی۔ اس نے خیال کیا کہ زید کوئی دعویٰ کچہری میں ایسا دائر نہ کرے جس میں میں ملزم قرار پاؤں۔ زید کو کچھ روپیہ دے کر لا دعویٰ اسٹامپ پر لکھا گیا۔ اب بکر ہندہ ایک مکان میں ہیں اور حرام کاری میں مبتلا ہیں۔ اور ہندہ کا یہ قول ہے کہ اگر بکر نکاح کرے گا تو میں میکے بیٹھ جاؤں گی۔ طلاق نامہ تحریر ہوئے عرصہ ایک ہفتہ کا ہوا۔ اس صورت میں بکر کا نکاح کیا جانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر واقع میں زید نے ہندہ کو طلاق دے دی اور اس مدت سات آٹھ ماہ میں آوارہ پھرتی رہی، ایام عدت گذر گئے۔ یعنی اگر حاملہ تھی تو وضع حمل ہوگیا اور اگر حائضہ تھی تو تین حیض آ گیا، تو اگرچہ طلاق نامہ تحریر کئے ایک ہی ہفتہ ہوا، بکر سے اس کا نکاح جائز ہے، اگر اور کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ ورنہ انقضائے عدت کے بعد ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

marfat.com

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس وقت زید نے نکاح ثانی کرنا چاہا تو ولی نے کہا کہ جب تک تم اپنی پہلی زوجہ کو طلاق نہ دوگے، ہم نکاح نہیں کریں گے۔ زید نے کہا کہ میں اسے خفیہ طلاق دے سکتا ہوں تاکہ سوا تمہارے اوروں کو ظاہر نہ ہو۔ یہ کہہ کر زید ولی کو ایک علیحدہ جگہ لے گیا۔ یہاں اس نے بتایا کہ ہم لوگوں میں ایک شخص نکاح ثانی کا وکیل تھا مگر دونوں کو بخوبی معلوم تھا کہ زید و ولی مذکور دونوں اس بات پر متفق ہیں اور زید نے ولی سے بھی کہا کہ آپ بھی یہ طلاق دینا کسی پر ظاہر نہ کیجئے۔ مگر انھوں نے وکیل سے کہہ دیا۔ تھوڑی دیر تھم کر پھر وہیں گیا اور ان دونوں نے زید سے پوچھا کام ہوگیا؟ اس نے کہا، ہاں وہ کام ہوگیا۔ اس وقت اس کی زوجہ اپنے میکے میں تھی۔ بعد ڈیڑھ برس کے معلوم ہوا میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ پھر زید اپنی زوجہ ہندہ کو اپنے مکان میں لے آیا اور زید نے انکار کیا کہ میں نے اسے طلاق نہیں دی۔ پھر ان شخصوں نے عورت کو دینا طلاق ثلثہ کا ظاہر کیا۔ اب ان شخصوں کی شہادت سے طلاق ثلثہ واقع ہوگی یا نہ؟ اور دریں حالت شاہدان مذکور، خطا کے مرتکب ہیں یا نہیں؟ اور جو لوگ شاہدان مذکور کی تائید کریں ان کا کیا حکم ہے؟ اور شاہدان مذکور پر کتمان ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اس کی کہاں تک حد ہے؟ اور اس میں کیا شرط ہے؟ اور شاہدان مذکور تاخیر شہادت سے فاسق ہیں یا نہیں؟ اور فاسق ہوئے تو کون سے فاسق؟ اور وہ دو شخص جنہوں نے کہا تھا کہ دریافت کرنے پر اظہار کردیں گے، کتمان میں شامل رہے یا نہیں؟ زید نے ان دونوں سے جو اشارۃً کہا تھا کہ کام ہوگیا، اس سے اظہار ثابت اور کتمان زائل ہوتا ہے یا نہیں؟ اور زید اپنی زوجہ مطلقہ کے مکان پر آمد و رفت کرتا تھا۔ اس سے عیش از واج ثابت ہوگا یا نہیں؟ زوجہ مطلقہ کا وکیل یہ کہتا ہے کہ جب تک زوجہ مطلقہ اپنے والد کے مکان میں تھی، جب تک ہم نے کچھ نہیں کہا۔ جب زید کا ارادہ مطلقہ کو گھر لانے کا ہوا، قبل گھر لانے کے وکیل مذکور، طلاق ثلثہ کا اظہار کرنا فسق سے خارج ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سوال میں کسی جگہ زید کا اپنی بیوی کو طلاق دینا مذکور نہیں۔ اس کے الفاظ یہ لکھے گئے ہیں ''طلاق دے سکتا ہوں: آپ بھی یہ طلاق کسی پر ظاہر نہ کیجئے، وہ کام ہوگیا'' اور ظاہر ہے کہ ان میں کوئی لفظ، الفاظ طلاق سے نہیں۔ پس صورت مسئولہ میں اگر واقعی زید نے طلاق دی ہے تو اگر گواہ بھی نہ ہو، جس طرح کی طلاق دی، دیانۃً پڑ گئی۔ اور اگر فی الواقع نہ دی تو وہ تین کیا دس بیس بھی گواہی دیں تو عند اللہ طلاق واقع نہیں۔ رہا قضاء پس اگر دو مرد اور دو عورتیں کہ سب عادل ہوں، گواہی دیں گے، قاضی حکم طلاق دے دے گا، لان القاضی لیس لہ الا الظاھر و التدین لیس من القضاء۔

درمختار میں ہے: "و نصابھا (ای الشھادۃ) بغیرھا من الحقوق سواء کان مالا او غیرہ کنکاح و طلاق۔"

اس صورت میں وہ بعد انقضائے عدت زوج کے لئے قضاءً حرام سمجھی جائے گی۔ اگرچہ طلاق نہ دی اور اب بے نکاح اور بے حلالہ اس سے نکاح بھی حلال نہ ہوگا۔

رہی تنقیح اس بات کی کہ صورت مسئولہ میں ان کی شہادت پر طلاق کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟

marfat.com

فاقول وباللہ التوفیق: یہ لوگ ہر طرح فساق وفجار گواہ ہیں اور ان کی شہادت سے ہرگز حکم طلاق نہیں دیا جا سکتا کہ اگر یہ لوگ جھوٹے ہیں اور واقعی اس نے طلاق نہ دی، تب تو ظاہر ہے۔ اور اگر واقعی زید نے طلاق دی بھی ہو، تو ان کو فقط اتنا سن کر کہ وہ کام ہو گیا، شہادت کی اجازت نہیں۔ یہ لفظ محتمل ہے۔ خود انہوں نے طلاق دیتے نہ سنا اور یہ اقرار ایسے ضمائر اور کنایات میں ہوا، جو ہر گونہ احتمال کی گنجائش رکھتے ہوں۔ مثلاً انہوں نے پوچھا کہ وہ کام ہو گیا اور اس سے یہ مراد رکھی ہو کہ جس غرض کے لئے قصد طلاق تھا وہ بلا طلاق حاصل ہوگئی، کام ہو گیا۔ تو معائنہ مخل، وبلا اقرار صریح شہادت محض جزاف وجسارت تھی۔ اس صورت میں اب تک شہادت نہ دینے کے باعث کتمان یا تاخیر کا کوئی الزام نہیں کہ شرع تو ان کو اس شہادت کی کسی وقت اجازت نہیں دیتی۔ الزام تو اس شہادت کا ہے۔ مع ھذا اس سے قطع نظر بھی کیجئے اور بالفرض مان ہی لیجئے کہ اس نے صریح لفظوں میں ان کے سامنے تین طلاقوں کا اقرار کیا تھا۔ تو جب زید عورت کے پاس اس کی ماں کے یہاں آمد ورفت کرتا تھا، مگر انہوں نے ظاہر نہ کیا۔ وہ کاتمینِ شہادت، فساق ومردود الشہادۃ ہوئے۔ کہ شہادت حسبہ میں کسی کے دریافت کی حاجت نہیں۔ خود اس پر ادائیگی شہادت واجب ہے۔

درمختار میں ہے: ”ویجب الاداء بلا طلب الشھادۃ فی حقوق اللہ تعالیٰ وھی کثیرۃ عد منھا فی الاشباہ اربعۃ عشرو منھا طلاق المرأۃ وعتق الامۃ وتدبیرھا شرعاً وقال ومتی اخّر شاھد الحسبۃ شھادتہ بلا عذر فسق فترد۔“

اور جو شخص اس بات میں گواہوں کی تائید کرے، وہ فاسق ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: ”تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔“ (المائدۃ: ۲)

اور وکیل کا یہ کہنا کہ جب تک زوجہ مطلقہ اپنے والد کے مکان میں تھی الخ محض مہمل اور بیہودہ غیر معتبر کہ یہاں پہلے سے سکوت کیا گیا اور مطلقہ کو گھر لانے کا انتظار کرنا، تاخیر از وقت ہے۔ اور انہوں نے بلا شبہ وقت سے تاخیر کی۔ یوں ہی اول ان دونوں کا کہنا، دریافت کرنے پر اظہار کر دیں گے، ان کو حد فسق سے نہیں نکال سکتا کہ اس میں دریافت تک انتظار کی ضرورت نہیں۔ بلا دریافت ان کو شہادت ادا کرنی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ناظم صاحب امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس دیار میں بے پڑھے لکھے عوام میں رواج ہے کہ لڑائی جھگڑے میں بیوی کو یہ کہہ دیتے ہیں (۱) تو میری ماں ہے (۲) آج سے تو میری ماں ہے (۳) تو میری ماں، میں تیرا بیٹا۔ ان جملوں سے وقوع طلاق اور عدم وقوع طلاق میں اس اطراف کے علماء اختلاف رکھتے ہیں

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس جملہ سے طلاق نہیں واقع ہوگی۔ جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ بیوی کو ماں کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ نیز ابوداؤد کی ایک روایت کا حوالہ دیتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو یا اختی (بہن) کہہ

marfat.com

کر پکارا تھا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ لیکن وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا۔ اور اس دیار میں طلاق کی نیت سے اس کا رواج نہیں ہے۔ کیونکہ ان الفاظ کے استعمال کے بعد استفتا کرتے ہیں کہ اس کا کیا حکم ہے؟ کیا کچھ کفارہ دینا ہوگا؟

اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس جملہ کا استعمال صرف طلاق کے لئے اس دیار میں عوام میں رائج ہو گیا ہے، اس لئے اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ ایسا کہنے والے علماء یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس جو استفتے آتے ہیں ان میں بھی استفتا کا یہ مضمون ہے کہ طلاق کا معاملہ پنچایت میں پیش ہوا۔ اور پنچایت نے شوہر کو کہا کہ طلاق دے دو۔ تو شوہر نے دریافت کیا کہ کس طرح طلاق دوں؟ تو پنچایت نے کہا کہہ دو! تو میری ماں، میں تیرا بیٹا۔ نیز ایک استفتاء کا مضمون یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو مذکورہ جملہ یعنی تو میری ماں یا تو میری ماں، میں تیرا بیٹا کہہ کر نکال دیا پھر جب اس سے کہا گیا، اپنی بیوی کو لے جاؤ تو اس نے اس واقعہ کا حوالہ دے کر کہا کہ مدت ہوئی کہ ہم اس کو طلاق دے چکے۔ ان واقعات کے علاوہ عام رواج کا ثبوت اس امر سے واضح ہے کہ جب اپنی بیوی کو اس قسم کے الفاظ لڑائی جھگڑے میں کہتا ہے تو اس کے متعلق استفتا ہوتا ہے کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟ اگر وہ اس کو فعل لغو سمجھتا یا تعظیم ومحبت کے معنی میں بولتا تو نہ اشتباہ کی وجہ تھی، نہ سوال کی ضرورت ہوتی؟

اب آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اطراف بہار میں بیوی کو جھگڑے کے وقت ماں کہنے سے وقوع وعدم وقوع طلاق میں جو رائیں اوپر مذکور ہوئیں، ان دونوں میں آپ کے نزدیک حق وصواب کون سی رائے ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجـــــــــــواب

فقیر غفرلہ المولی القدیر کی تحقیق میں رائے اول اولی ہے۔ اور اسی پر میرا فتویٰ ہے۔ اس لئے کہ قرآن شریف کی نص صریح ہے: "اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا۔" (المجادلة: ۲) "وہ جو تم میں اپنی بیویوں کو اپنی ماں کی جگہ کہہ بیٹھتے ہیں، وہ ان کی مائیں نہیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بے شک بری اور نری جھوٹ بات کہتے ہیں۔" (کنز الایمان)

نیز ابوداؤد شریف کی حدیث، اقوال وتصریحات فقہائے کرام اس پر شاہد عدل ہیں۔ پھر اس کے عدول کی کوئی وجہ نہیں۔ دوسری جماعت کی دلیل میرے فہم سے بالاتر ہے۔ اس لئے کہ "تو میری ماں ہے، میں تیرا بیٹا" لغت میں اس کے معنی طلاق نہیں۔ نہ فقہائے کرام نے مصطلح شرعی بنایا۔ پھر اس کے شرعی حکم کا ثبوت کیونکر ہوسکتا ہے؟ سائل فاضل دام بالفضائل نے صرف رائے دریافت کی ہے، اس لئے میرے خیال میں یہ چند سطریں کافی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ مدن پورہ مرسلہ مولوی قاری عبد الرحمان ۶ جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ

ہمارے علماء رحمھم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا "اگر میں تجھ کو رکھوں تو اپنی

ماں کو رکھوں" خالد نے کہا کہ ظہار ہوگیا، تم کو کفارہ چاہئے۔ ولید نے کہا ظہار نہیں ہوا۔ ان دونوں میں کون حق پر ہے؟

الجواب

فی الواقع ظہار نہیں ہوا۔ لانہ ھو تشبیہ المسلم الخ اور وہ یہاں متحقق نہیں۔

ردالمحتار میں ہے: "واحترز بہ عن نحو انت امّی فانہ باطل۔"

ایضاً فتاویٰ سراج المنیر میں یوں ہے: "لو قال ان فعلت کذا فانت امی فھو باطل۔ فلا یلزم منہ شئ وان اراد بہ التحریم لانہ کذب اھ۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد صاحب از بیتھو شریف ضلع گیا ۸؍صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص اجنبی عورت سے کہے تو اگر نکاح کرے تو تو ماں ہے۔ بعد نکاح ظہار ہوا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

نہیں، اور نہ ظہار ہونے کے کوئی معنی ہیں۔ کیونکہ ظہار کے معنی "تشبیہ المسلم زوجتہ او یعبر عنھا بجزء شائع منھا بمحرمۃ علیہ تابیداً" ہے اور یہاں سے اس نے بیوی کے کسی جزء شائع کو اپنی کسی محرم تابیدی کے ساتھ تشبیہ نہ دی۔ ظہار کے لئے چار چیزیں ہیں۔ مشبہ، مشبہ، مشبہ بہ، ادات تشبیہ ہونا ضرور ہے۔ بغیر ان کے ظہار نہ ہوگا۔

طحطاوی میں ہے: "اعلم انّ لہ ارکانا اربعۃ المشبہ والمشبہ والمشبہ بہ وادات التشبیہ۔"

علما تصریح فرماتے ہیں کہ ظہار کے لئے حرف تشبیہ یا اس کا بدل ضرور ہو ورنہ ظہار نہ ہوگا۔ ردالمحتار میں تحت قول "وشرعا تشبیہ المسلم" ہے: "واحترزت عن امی بلا تشبیہ فانہ باطل۔" یعنی اگر بلا تشبیہ صرف "تو میری ماں ہے" کہا تو قول باطل ہے۔

درمختار میں ہے: "وان نوی بانت علیّ مثل امی برا او ظہارا طلاقاً صحت نیتہ والاّ لم ینو شیئا او حذف الکاف لغا۔ یہ کنایات ظہار سے ہے۔ اگر کچھ نیت نہ کیا، لغو ہوگا جیسا کہ لغو ہے انت امی یا بنتی یا اختی وغیرھا، جس میں تشبیہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از رامپور مدرسہ عالیہ مرسلہ مولوی ولی اللہ بنگالی ۲؍رجب ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ اگر بعد نکاح بیقین معلوم شد کہ شوہر زن، عنین محض است۔ پس برائے فسخ نکاح چہ صورت ست؟ بینوا توجروا۔

marfat.com

الجواب

درصورت مسئولہ کہ شوہر عنین محض و برزن قدرت ندارد، و در ادائے حق واجبش قاصر است۔ بر وفرض ست کہ زن خود را طلاق دادہ رہا کند، ورنہ گناہگار خواہد شد۔ قال تعالیٰ: "فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔" (البقرۃ: ۲۲۹) و اگر از ظلم و خدا ناترسی طلاق ندہد، تدبیرش اینست کہ ہندہ نزد حاکم شرع شریف رفتہ طالب جواب از شوہر خود شود۔ اگر شوہر عنین است، خود را اقرار کند فبہا والا حاکم زنے پارسا ثقہ معتمد ہوشیار را معائنہ کنانیدہ شہادت گیرد کہ دوشیزہ ست۔ بعدہ شوہر را مہلت یکسال کامل قمری (کہ آں سہ صد و پنجاہ و چہارم و ہشت ساعت و چہل دقیقہ علی ماھو فی الدر المختار ورد المحتار من القھستانی می شود) بزیادت ایام مرض ہر دو دہد و در روایتے سال شمسی ہم است۔ لکن ھو ظاھر الروایة وصححه فی الواقعات والو الجیة فکان ھو المعتمد لانه الثابت عن صاحب المذھب۔

اگر دریں مدت شوہر بر وقدرت نداشت و وطی نکرد، باز ہندہ دعویٰ کردہ تفریقش خواہد۔ پس اگر از اقرار زید یا بشہادت زنے مسلمہ ثقہ دوشیزگی ہندہ ثابت شد، حاکم اورا در نفس و شوہرش مختار گرداند۔ اگر نفس خود را اختیار کرد، حاکم زید را حکم طلاقش دہد۔ اگر طلاق داد فبہا ورنہ حاکم تفریق کند۔ ازیں تفریق طلاق بائنہ واقع شود۔ بعد انقضائے عدت اورا اختیار است باہر کہ خواہد خود را سپارد و در زوجیتش داخل شود۔ و اگر از زنان شہادت عدم بکارتش دادند، قاضی شوہر را حکم حلف دہد۔ اگر سوگند بخورد کہ بکارتش از من زائل شد، حق وے باطل گشت۔ و اگر نکول کند، باز مہلت یکسال دادہ خواہد شد۔ وہکذا، پس اگر اولاً یا ثانیاً قادر شد فذالك ھو المقصود و گرنہ اگر نفس خود را ایں مجلس اختیار نکرد، دعویٰ از زن دست رفت۔ باز ہیچ گاہ دعویٰ تفریق ازیں مرد نتواں کرد۔

در وقایۃ الروایہ ست: "ان اقر انه لم یصل الیھا اجل الحاکم سنة قمریة فی الصحیح ورمضان وایام حیضھا منھا لا مدة مرضه ومرضھا۔ فان لم یصل الیھا فرق القاضی بینھما ان طلبته (ای التفریق) وان اختلفا وکانت ثیبا او بکرا فنظرت النساء فقلن ثیب حُلِّف فان حلف بطل حقھا وان نکل او قُلْن بکر اجّل ولو اجل ثم اختلفا فالتقسیم ھھنا کمامر۔" شرح الوقایة ۲/۱۲۳-۱۲۴) واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبد الکریم از علی گڑھ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بیاہی عورت اور بیاہا مرد اور بے بیاہی عورت اور بے بیاہا مرد نے زنا کیا، حرام کیا۔ اس کے واسطے کیا سزا ہے؟ حرام اور زنا میں کیا فرق ہے؟ اور جو لوگ کہ رنڈی بازی کرتے ہیں، ان کے لئے کوئی حد مقرر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زانی فاسق و مرتکب کبیرہ، مستحق عذاب شدیدہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ فَاحِشَةً وَّسَاءَ

marfat.com

سَبِیۡلًا۔'' (الاسراء:۳۲) نہ پاس پھٹکو زنا کے بے شک وہ بے حیائی اور برا راستہ ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن۔"، زنا کرنے والے وقت زنا کے مومن نہیں رہتے۔ جو سزا اللہ و رسول نے اس کی مقرر فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ سب کو اس سے بچائے۔ یہ گناہ تو ایسا ہے کہ اس کی جزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "من زنی زنیٰ به ولو بحیطان داره۔"

سلطنت اسلامیہ میں محصن اور محصنہ کے لئے حکم سنگسار کرنا ہے۔ حدیث میں ہے: "الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما نکالا من الله۔"

ہدایہ میں ہے:" رجمه القاضی حتی مات۔"، اسے قاضی سنگسار کرے یہاں تک کہ مرجائے۔ اور غیر محصن اور غیر محصنہ کو سو سو بار کوڑے ماریں۔ قال عز من قائل: "فَاجۡلِدُوۡ هُمَا مِائَةُ جَلۡدَةٍ" الایة۔ (النور:۲) زانیہ اور زانی کو سو سو کوڑے مارو۔

ہدایہ میں ہے: "وان لم یکن محصنا وکان حرا فحده مائة جلدة۔" اگر بے بیاہا حر زنا کرے تو اس کی حد سو سو کوڑے ہیں۔ یہ حکم مرد اور عورت دونوں کا ہے۔ لان النصوص یشملهما۔

زنا خاص ہے اور حرام عام۔ زنا شرع میں 'ایلاج عضوه الیٰ الحشفة فی الفرج الداخل لامرءة خالیة عن الملکین وشبهتهما وشبهة الاشتباه' کا نام ہے اور یہ موجب حد ہوتا ہے۔ بخلاف حرام کے مثل وطی کرنا اپنی عورت سے حالت حیض میں کہ حرام ہے مگر زنا نہیں۔ یا وطی کرنا اپنے لڑکے یا باپ کی لونڈی سے اس گمان پر کہ حلال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

marfat.com

کتاب السیر ۷

(سوال دستیاب نہ ہوسکا ۱۲ ساحل)

الجواب

وبہ ھدایۃ الحق والصواب قبل تفصیل جواب، یہ چند باتیں واجب الحفظ ہیں۔ تاکہ سوالات کے حل میں نہ دقت ہو، نہ آیندہ شبہات کا موقع رہے۔

(۱) ایمان نام ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کا ان تمام چیزوں میں جو حضور خداوند عالم سے لائے۔ درمختار باب المرتد میں ہے: "ھو تصدیق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مما علم مجیئہ ضرورۃ۔" (۲۸۳/۳)

ہاں اس پر دنیوی احکام جاری کرنے کے لئے زبانی اقرار ضروری ہے۔ اسی میں ہے: "والاقرار شرط لاجراء الاحکام الدنیویۃ۔"

(۲) اسی کی نقیض کفر ہے۔ اسلام کی ایک بات کی بھی عدم تصدیق کفر ہے۔ الکفر لغۃ الستر وشرعاً تکذیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی شیء مما جاء بہ من الدین ضرورۃ۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: "قولہ تکذیبہ صلی اللہ علیہ وسلم ای التکذیب عدم التصدیق الذی مرّ أی عدم الاذعان والقبول بما علم مجیئہ بہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرورۃ ای علما ضروریا لا یتوقف علی نظر واستدلال ولیس المراد التصریح بانہ کاذب فی کذا۔" (۲۸۴/۳) یعنی ضروریات دین میں کسی ایک چیز کے ساتھ بھی عدم اذعان وتصدیق کا نام کفر ہے۔ صراحۃً حضور کو کاذب کہنا ضرور نہیں۔

(۳) تصدیق اور عدم تصدیق ان دونوں کا تعلق قلب سے ہے اور ہمیں دل چیر کر دیکھنے کا حکم نہیں کہ کس نے دل سے کہا اور کس نے نہیں۔ شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ جو زبان سے اقرار کلمہ شہادت کرتا ہے، ضروریات دین کو مانتا ہے، مسلمان ہے۔ اگرچہ دل میں اس کے کچھ اور ہو۔ فان المفتی یفتی بالظاھر واللّٰہ یتولیٰ السرائر۔ بعد میں اگر زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکالتا ہے، جس سے ضروریات دین سے کسی چیز کا انکار ہوتا ہے، حفاظت وحمایت شریعت کے لئے حکم کفر دیا جائے گا، اگرچہ دل اس کا ایمان سے لبریز ہو۔ منصور حلاج کو سولی کا حکم دینے والے بلاشبہ علماء صالحین اہلسنت وجماعت تھے۔ ان کی وقعت مذہبی اور بزرگی ان کے دلوں پر نقش تھی۔ پھر بھی شریعت کی حفاظت وحمایت کے لئے تکفیر کی اور قتل کا حکم دیا کہ کوئی غیر محض اور ایسا شخص جس کا حال منصور حلاج سا نہ ہو، وہ بھی ایسا کلمہ بولے اور حلاج کو اپنا پیشوا قرار دے۔

مدخل ابن امیر الحاج جلد اول میں ہے: "وافتی من یشار الیہ فی وقتہ من العلماء والصالحین بقتلہ تحفظا

marfat.com

منھم علیٰ منصب الشریعة ان یتعرض له غیر محقق فیدعی شیئا من الامور ویجعل قدوة فی ذلك الحلاج رضی الله عنه۔"

شرح شفاملاعلی قاری میں انہیں منصور کے واقعہ حل میں ہے: "قال بعضھم والدلیل علی صحة باطنه انه کان یقطع یداہ ورجلاہ وھو یقول حسبی الله الواحد وقد زار قبرہ بعض اھل الکشف فرأی نورا ساطعا من قبرہ الیٰ السماء فقال یا رب ما الفرق بین قوله وقول فرعون "انا ربکم الاعلی" فالھم ان فرعون رأی نفسه وغاب عنّا والمنصور رائنا وغاب عنَ نفسه۔"

"یعنی بعض علماء نے فرمایا کہ منصور کے صاحب باطن ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جب ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹے جارہے تھے تو وہ 'حسبی الله الواحد' فرمارہے تھے۔اور بعض اہل کشف نے ان کی قبر کی زیارت کی تو ان کی قبر سے آسمان تک ایک چمکتا ہوا نور نظر آیا۔تو انہوں نے بارگاہ ربانی میں عرض کی: اے رب پھر ان کے اور فرعون کے قول انا ربکم الاعلی' میں کیا فرق ہے کہ یہ مقتول ہوئے اور فرعون مردود؟ ندا آئی: "فرعون نے خود کو دیکھا اور ہم سے غائب ہوا اور منصور نے ہمیں دیکھا اور اپنے نفس سے غائب ہوا۔" رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۴) اور کفر کی حالت اور نسبت علامہ سعد الدین تفتازانی کی اس عبارت جیسی ہے: "العلم ان کان اذعانا فتصدیق والا فتصور یعنی ان کان اذعانا لما علم مجیئه من الدین ضرورة فایمان والا فکفر۔"

تو تصدیق کی طرح ایمان کی صرف ایک ہی صورت ہے یعنی ضروریات دین میں سے ہر بات کا اذعان یعنی اعتقاد ثابت جازم مطابق للواقع کا نام ایمان ہے۔اور والا فتصـــور کی طرح کفر کی متعدد صورتیں ہیں۔یعنی جن جن امور کا اذعان ایمان ہے،ان میں کسی ایک ساتھ عدم اذعان کفر ہے۔اسی لئے فقہاء کرام نے فقہ کی کتابوں میں کلمات کفریہ کے لئے ایک مستقل باب قائم کر کے بہت تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ وغیرہ دیکھنے والے پر مخفی نہیں۔جناب قاضی ثناء اللہ صاحب نے رسالہ فارسی مالابد منہ میں بھی ایک مستقل بحث اس کی لکھی بلکہ ملاعلی قاری نے شرح فقہ اکبر میں ایک کافی حصہ اس کا تحریر فرمایا ہے۔مسلمانوں کو ان کتابوں میں سے اس بحث کو دیکھنا بہت ضرور ہے تاکہ ان کا ایمان سلامت رہے۔ رزقنا الله وسائر المسلمین سلامة الایمان۔

(۵) ہاں بحکم الاسلام یعلو ولا یعلی پہلو دار الفاظ میں اسلام کو ترجیح دی جائے گی۔جیسے کوئی کافر اگر کہے اشھد ان لا اله الا الله واشھد ان محمدا عبدہ ورسوله تو اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔حالانکہ اشھد جس طرح حال کے لئے ہے استقبال کے لئے آتا ہے۔تو اگر زمانہ حال کے معنی لیا جائے کہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں،ضرور ایمان ہیں۔اور معنی استقبال کے اعتبار سے کہ گواہی دوں گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دوں گا کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں،ہرگز ایمان نہیں۔مگر پہلوئے اسلام کو غلبہ دے کر اس شخص کو مسلمان ہی کہیں گے۔تاہم ایسے لفظوں سے احتیاط اور احتراز معہود ہے۔اسی

marfat.com

لئے مسلمان کرتے وقت کلمہ طیب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہلواتے ہیں نہ کہ کلمۂ شہادت اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ حالانکہ یہ اس سے مؤکد ہے۔جس طرح کلمۂ ایمان میں اسلام کو غالب رکھا جاتا ہے اسی طرح کلمۂ کفر میں بھی جانب اسلام کو ترجیح دینا چاہئے۔یعنی کوئی شخص ایسا کلمہ بولتا ہے جس میں متعدد وجوہ ہیں اور اکثر ان میں کفر کی طرف جاتا ہے اور ایک پہلو اسلام کا بھی ہے تو اس کی بات اسی پر محمول کرنا چاہئے۔

فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:"اذا کان فی المسئلة وجوہ توجب الکفر ووجه واحد یمنع فعلیٰ المفتی ان یمیل الیٰ ذٰلك الوجه کذافی الخلاصة وعالمگیری۔"(۲/۲۸۳)

اسی لئے علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ محمل التاویل الفاظ جسے محمل حسن پر محمول کرنا ممکن ہو، ان پر تکفیر جائز نہیں۔اس لئے کہ تکفیر غایت درجہ کی سزا ہے تو اس کے لئے غایت درجہ کا قصور درکار ہے۔

فتاویٰ بزازیہ و بحر الرائق و مجمع الانہر، حدیقہ ندیہ، تاتارخانیہ، سل الحسام، تنبیہ الولاۃ میں ہے:"لا یکفر بالمحتمل لان الکفر نہایة فی العقوبة فیستدعی نہایة فی الجنایة ومع الاحتمال لا نہایة۔"

بحر الرائق و تنویر الابصار و حدیقہ ندیہ و تنبیہ الولاۃ و سل الحسام میں ہے:"والذی تحرر انه لا یفتیٰ بکفر مسلم امکن حمل کلامه علیٰ محمل حسن۔"(رد المحتار، کتاب المرتد، ۳/۲۸۹)

☆☆☆☆☆

مسئلہ مذکورہ طالب حسین خاں، بہیڑی ضلع بریلی ۵ رصفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دار الحرب اور دار الاسلام کی کیا تعریف ہے؟ اور یہ ملک دار الحرب ہے یا دار الاسلام؟

الجواب

دار الاسلام اس جگہ کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کے قبضے میں ہو اور وہاں بے دغدغہ اسلامی احکام جاری ہو جائیں۔دار الحرب ایسی جگہ کو کہتے ہیں کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعت کے احکام بالکل ممنوع ہو جائیں۔مگر یہاں بفضل اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز احکام شرعیہ کی ادائیگی ممنوع نہیں۔اور اقامت و نماز باجماعت وغیرہ شعائرِ شریعت بے مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔فرائض، نکاح، رضاع، طلاق وغیرہ معاملات مسلمین ہماری شریعت بیضا کی بنا پر فیصل ... تے ہیں کہ ان امور میں حضرات علمائے کرام سے فتویٰ لینا اور اسی پر حکم و عمل کرنا، حکام انگریزی کو بھی ضرور ہوتا ہے اگرچہ ہنود و مجوس و نصاریٰ ہوں۔

فتاویٰ رضویہ میں سراج الوہاج، اس میں حضرت محرر المذہب سیدنا محمد رضی اللہ عنہ کی زیادات سے ہے:"انما تصیر دار الاسلام دار الحرب عند ابی حنیفة رحمة اللہ علیه بشرائط ثلث۔ احدھا اجراء احکام الکفار علیٰ سبیل الاشتھار وان لا یحکم فیھا بحکم الاسلام ثم قال وصورۃ المسئلة ثلثة اوجه اما ان یغلب اھل الحرب علیٰ دار من دورنا وارتد اھل المصر وغلبوا واجروا احکام الکفار او نقض اھل الذمة العھد وتغلبوا علیٰ دارھم

marfat.com

ففی کل من ھذہ الصور لا تصیر دار الحرب الا بثلث شرائط۔" ہمارے امام اعظم بلکہ علمائے ثلثہ رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے، ہرگز ہرگز دارالحرب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس مرسلہ مولوی محمد سجاد محلہ اودھو پورہ شہر بنارس، ۱۸ جمادی الاولی ۱۳۶۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رجب یا شعبان ۶۰ھ کا واقعہ ہے۔ حسب معمول ایک طالب علم زید مدرسہ میں ہم لوگوں کے پاس رات کو آئے۔ نعوذ باللہ کہنے لگے: یہ تمہارے خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ میں خدا ہوں۔ میں نے کہا آسمان وزمین وغیرہ خدا کی بنائی ہوئی ہیں، یہی ثبوت ہے۔ اگر تم خدا ہو تو پیدا کر کے دکھاؤ؟ تو اس نے کہا یہ تمہارا کہنا غلط ہے بلکہ ان چیزوں کو میں نے پیدا کیا ہے۔ اگر تمہارے خدا نے پیدا کیا ہے تو اپنے خدا سے کہو کہ دوبارہ پیدا کرے۔ میں نے کہا: ایسا کرنے سے اس کے نظام میں انقلاب ثابت ہوگا اور ہم گنہگار کی دعا ہی کیا؟ زید نے کہا: اگر ایسا نہیں ہوسکتا تو میرا دعویٰ ثابت ہوگیا۔ میں ہی خدا ہوں اور میں اس وقت ایسی نظیر لاؤں گا جیسا تم اپنے خدا سے کہہ کر لاؤ۔ پھر چند دنوں کے بعد میں نے زید سے پوچھا کہ ایسی بڑی بات تم کیوں کہتے ہو؟۔ زید نے کہا: ایک آریہ سے اور مجھ سے گفتگو ہوئی تھی، اس نے اس طرح کہا۔ مدرسہ کے اکثر لڑکوں نے ان باتوں کو سنا اور یہ سمجھ کر کہ زید بے وقوفی کی باتیں اکثر زبان سے نکالتا ہے، خاموش رہے۔ پھر ربیع الثانی ۶۱ھ میں تمام طلباء نے کسی اپنے مطالبہ پر تعلیمی مقاطعہ کیا۔ جس میں یہ زید شریک نہیں ہوا اور طلباء کا ساتھ نہ دیا۔ دوران مقاطعہ میں ایک روز مدرسہ کے ایک فارغ التحصیل اور ایک ہمدرد طلبہ ہم سب طلباء کے ساتھ صدر مدرس کی قیام گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ان دو شخصوں کو ہم لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ زید ہم لوگوں کے مقاطعہ میں شریک نہیں تو بہت اظہار افسوس کرنے لگے تو ہم میں سے کسی نے کہا۔ اس کا کیا کہنا؟ وہ تو خدائی کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ پھر ان لوگوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ زید کے بے باکانہ الفاظ کی خبر مدرسہ انتظامیہ، مجلس کے ناظم کو پہنچی اور مقاطعہ کے سلسلہ میں انتظامیہ کی کمیٹی ہوئی۔ ممبران نے مالی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ امسال زید وغیرہ کی دستار فضیلت کا جلسہ ہونا چاہئے۔ اس پر ناظم مجلس نے کہا کہ زید تو ایسی ایسی باتیں زبان سے نکالتا ہے۔ مجلس میں زید کے مخالف وموافق دونوں ہی تھے۔ اور یہ بات خوب مشہور ہوئی اور اساتذۂ مدرسہ کو بھی اس کمیٹی کے بعد زید کے ان کلمات کا علم ہوا۔ پھر چار پانچ یوم کے بعد ایک استاد نے زید سے کہا کہ جو کلمات تم نے کہے ہیں، اس کو لکھو۔ اولاً تو اس نے انکار کیا پھر اس نے کہا کہ مجھ سے اور ایک آریہ سے بحث ہوئی تھی۔ استاد نے کہا بہر حال جو واقعہ ہو لکھو۔ چنانچہ زید نے مندرجہ تحریر لکھی۔

''ایک آریا نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا کہ خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ میں اس کا جواب نہ دے سکا تو پھر میں نے اس کا جواب معلوم کرنے کے لئے طلباء سے یہی کہا کہ خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ تو طلباء جو جواب دیتے تھے اس کو میں توڑ دیتا۔ اس طرح سے اگر وہ لوگ کہتے کہ آسمان اور زمین کس نے بنایا؟ تو میں کہتا میں نے بنایا۔ تو میں کہتا، کیا جواب

ہے؟ میرے نہ بتانے پر تو میں کہتا میں خدا ہوں، اور یہ اس لئے کہ وہ آریہ ایسے ہی جواب توڑتا تھا، جس طرح میں نے توڑا۔“
اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید نے ہم لوگوں سے کلام بالا کہتے وقت یہ ظاہر نہ کیا تھا کہ آریا سے بحث ہوئی تھی اور نہ یہ ظاہر کیا کہ میں آریہ کا قول نقل کر رہا ہوں بلکہ چند یوم کے بعد میرے پوچھنے پر وہ یہ کہا کہ آریہ سے بحث ہوئی تھی اور اس نے یہ ظاہر کرنے کا اقرار چند اہل محلہ کے سامنے بھی کر چکا ہے۔ تو کیا زید پر تجدید ایمان و نکاح لازم ہے یا نہیں؟

الجواب

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔ اس میں شک نہیں کہ یہ قول کہ ”میں خدا ہوں۔ ان چیزوں (آسمان و زمین) کو میں نے پیدا کیا“ بالکل خلاف شرع و خلاف اسلام ہے۔ مسلمانوں کی زبان سے نکلنے کی یہ بات نہیں اور نہ کوئی مسلمان ایسا عقیدہ رکھ سکتا ہے اور نہ ایسا کہہ سکتا ہے۔ مگر جب زید نے دریافت حال پر کہا کہ ایک آریہ سے مجھ سے گفتگو ہوئی تھی۔ اس نے یہ دلیل بیان کی تھی، وہ آریہ ایسے ہی جواب توڑتا تھا۔ تو اس نے اس آریہ مردود کے قول کی نقل کی اور ظاہر ہے کہ نقل کفر کفر نہ باشد، خود قرآن شریف میں بہت سے مقولے، لوگوں کے خلاف شرع نقل کئے گئے ہیں۔ تو کیا وہ ارشاد باری تعالیٰ سمجھا جائے گا؟ مثلاً ”قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ“ (البقرة: ۱۱۳) ”اور یہودی بولے نصرانی کچھ نہیں اور نصرانی بولے یہودی کچھ نہیں“ (کنزالایمان) اور ”لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى“ (البقرة: ۱۱۱) ”ہرگز جنت میں نہ جائے گا مگر جو یہودی یا نصرانی ہو“ (کنزالایمان) بلکہ ان سب سے بڑھ کر ”اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ“ (المائدة: ۷۳) ”اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے۔“ (کنزالایمان) تو کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تین کا تیسرا ہے۔ ہرگز نہیں کہ یہ نقل قول نصاریٰ ہے۔ اسی طرح زید نے نقل قول آریہ کیا۔ جیسا کہ چند دنوں کے بعد جب لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے ظاہر کیا اور اگر زید کو اس حکایت و نقل قول آریہ کے ادعاء میں صادق القول نہ مانا جائے۔ بلکہ جیسا کہ لوگوں نے اس کے متعلق ظاہر کیا کہ اس کا کیا کہنا، اس نے تو خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ ان اقوال کو بجائے نقل خود زید کا قول قرار دیا جائے، تو اس پر کوئی شرعی حجت و برہان نہیں۔ اس لئے کہ دعویٰ کے ثبوت کے لئے یا اقرار ہو یا بینہ۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں اقرار معدوم۔ تو خواہ مخواہ اگر ثابت ہوگا تو بینہ سے ہی ثابت ہوگا۔ علمائے کرام فرماتے ہیں البینة کانها مبنهة و الثابت بالشهادة کالثابت بالمشاهدة تو یہاں بینہ ہی منتفی۔ اس لئے کہ جن لوگوں کے سامنے اس نے (زید نے) ان کے خیال کے مطابق دعویٰ خدائی کیا تھا، ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ بے طلب اس کو ظاہر کرتے۔ اور ہرگز اتنے دنوں تک پوشیدہ نہ کرتے۔ اس لئے کہ شہادت حسبہ کے لئے ضروری ہے کہ بے طلب ظاہر کی جائے، مطالبہ کا انتظار نہ کیا جائے اور اگر ایسا نہ کرے تو خود گواہ فاسق، مردود الشہادت ہو جاتا ہے۔ اور فاسق مردود الشہادت کی بات چند روپے کے مالیات میں تو مقبول نہیں، چہ جائے کہ اس قدر اہم مسئلہ اسلام و کفر میں اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ واقعات و قرائن خود ان کی تکذیب کر رہے ہیں، مقبول ہو۔ زید ان لوگوں کے خیال میں دعویٰ خدائی کرتا

marfat.com

ہے، وہ لوگ اس کو سنتے ہیں، نہ اس سے توبہ کراتے ہیں، نہ اس کے ولی وپدر کو خبر کرتے ہیں، نہ اساتذہ وطلباء ہی میں یہ بات منتشر ہوتی ہے، نہ مجمع عام، جامع مسجد وغیرہ میں اس کا کچھ ذکر ہوتا ہے۔ جب نودس ماہ کے بعد زید طلباء کی وحشت اور سازش اور اسٹرائک میں شریک نہیں ہوتا تو یہ چلتا ہوا نسخہ اس کے لئے تجویز کیا جاتا ہے۔ تو جو شخص ان تمام باتوں کو بنظر انصاف، غائر نگاہ سے دیکھے گا، یقین جانے گا کہ سب پادر ہوا باتیں ہیں، جن کو اصلیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس سے فقط یہ مقصد ہے کہ زید لوگوں کی نظر میں ذلیل اور بے وقعت ہو، جیسا کہ اس نے اس تحریک کی مخالفت کر کے طلباء کو ذلیل کیا ہے۔ طلباء اس پر دعویٰ خدائی کا الزام لگا کر اس کو رسوا بنانا اور اپنا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ غرض شرعی طریقہ پر اس سے ایسا اعتقاد اور اس کا قائل ہونا ثابت نہیں۔ اس لئے تجدید ایمان ونکاح کا حکم شرعی نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری غفرلہ

سینئر مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس العلوم پٹنہ ۱۸ جمادی الاخری ۱۳۶۱ھ

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سردار رحمت اللہ از محلہ کیٹہر شہر بنارس

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ ایک گروہ مسلمانوں کا اہل ہنود سے مل کر اس وقت اس قدر اتحاد واتفاق بڑھا رہا ہے کہ مسلمان بھائیوں کو قربانی گاؤ کے لئے، جو ایام نحر میں تین دن صاحب نصاب پر واجب ہے، روکتے ہیں اور کہتے ہیں ہندو بھائیوں کی دل آزاری نہ کرنا چاہئے اور انہیں معاندین اہل ہنود نے اس قربانی کے لئے ضلع شاہ آباد، ضلع جونپور وضلع سہارنپور وضلع اعظم گڑھ وغیرہ میں جو کچھ سختیاں وبے حرمتیاں غریب مسلمانوں کے ساتھ میں کیں یعنی قرآن پاک کا پرزہ پرزہ پھاڑ کر پھینکنا، مساجد خدا کا ڈھانا، مخدرات اہل اسلام کے پستان کو کاٹ ڈالنا ودیگر شدائد وسختیاں جو کچھ کیں، آج افسوس! ہمارے مسلمان بھائی فراموش کر کے بخاطر اہل ہنود، قربانی گاؤ کے لئے ایام اضحیہ میں بند کرانے کی کوششیں بہر نوع کرتے ہیں۔ اور اہل ہنود بہت خوش ہیں۔ اندیشہ ہے کہ آئندہ ہماری اذان بآواز بلند جس سے ان کو نفرت ہے، روکیں۔

فی الحال یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ خلیفۃ المسلمین شریف مکہ اپنے کو کہتے ہیں سلطان المعظم، والی قسطنطنیہ کو خلیفۃ المسلمین مانیں، جو شخص اس بارے میں شریک جلسہ نہ ہوگا یا بروز جلسہ اپنا کاروبار نہ بند کرے گا وہ ازروئے فتویٰ مولانا شوکت علی ومولانا ابوالکلام ومولانا عبدالباری ومہاتما گاندھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ جن مسلمانوں نے اپنا کاروبار بند نہیں کیا، ان مسلمانوں کا بیان ہے کہ ہم بعد ہر نماز پنجگانہ کے سلطان المعظم کی ترقی اقبال وقیام سلطنت ومحافظت حرمین شریفین ودیگر مقامات مقدسہ کے والی ونگہبان رہنے کی اپنے خدائے پاک سے بمصداق حکم خدا "اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً" (الأعراف: ۵۵) "اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔" (کنز الایمان) اپنی مساجد میں دعا کرتے ہیں اور بروز جمعہ خطبہ میں سلطان المعظم خلد اللہ ملکہ کے قیام سلطنت کی دعا کرتے ہیں۔ ہاں اس طریق پر جو بالکل بغاوت

marfat.com

پر مبنی ہے یعنی والی سلطنت برطانیہ کو گالی دینا اور بے ایمان و دغا باز وغیرہ کہنا، جس سے ہماری عرضیوں کا الٹا اثر و نتیجہ پیدا ہوتا ہے، احتراز کرتے ہیں اور بمصداق فرمودۂ باری تعالیٰ "وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ" (الانعام: ۱۰۹) ''اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے۔'' (کنز الایمان) پنی زبان کو سب و شتم سے باز رکھتے ہیں۔ آیا ایسی صورت میں ہم مسلمانان قابلِ ملامت ہیں یا برسرِ حق؟ بینوا بالکتاب و توجروا جزیل الثواب۔

الجواب

اتحاد و اتفاق اگرچہ ایک ایسی عمدہ چیز ہے جس کی خوبی سے کوئی عقل والا انکار نہیں کر سکتا۔ مگر اس کے لئے اہل درکار "فان مجالسة الاغيار تجر الىٰ غاية البوار و نهاية الخسار" اہل اسلام کے ساتھ اختلاف عقائد و اعمال کی وجہ سے ہنود کو جس قدر عداوت ہے، اظہر من الشمس ہے۔ ان کے نزدیک کتے سور اتنے ناپاک نہ ہوں گے جتنا مسلمانوں کا ایک ایک شخص ہے۔ چھوت چھات کا مسئلہ اسی اعتقاد پر متفرع ہے۔ مسلمانوں کے لئے قرآن شریف کے بعد کس دلیل و برہان کی ضرورت ہے؟ "فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ۔" (الجاثیۃ: ۶) ''پھر اللہ اور اس کی آیتوں کو چھوڑ کر کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔'' (کنز الایمان) قرآن شریف جسے ہر مسلمان اپنی دینی مذہبی کتاب یقین کرتا، اس کے تمام ارشادات کو چشم دید سے بھی صحیح مانتا ہے۔ اس کو دیکھئے غیر مسلموں کیا کیسا کچا چٹھا کھولتا اور ہمیں ان کے ساتھ کیسے برتاؤ کا حکم دیتا ہے۔ "لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ"۔ (آل عمران: ۲۸) ''مسلمانوں کو چاہئے کہ مسلمانوں کے سوا کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اس سے اور اللہ سے کوئی سروکار نہیں۔''

وقال تعالیٰ: "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ (الی قوله) اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا۔" (آل عمران: ۱۱۸-۱۲۰)

مسلمانو! اپنے لوگوں کے سوا غیروں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ۔ یہ لوگ تمہاری خرابی میں کچھ اٹھا نہیں رکھتے۔ چاہتے ہیں کہ تم کو تکلیف پہنچے۔ دشمنی تو ان کی باتوں سے ظاہر ہو ہی چکی۔ اور غیظ و غضب، جو ان کے دلوں میں بھرے ہیں وہ (اس سے بھی) بڑھ کر ہیں۔ ہم نے تم کو پتے کی باتیں بتا دیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔ سنو جی تم کچھ ایسے (سیدھے سجاؤ کے) لوگ ہو کہ تم ان سے دوستی رکھتے ہو اور وہ تم سے (مطلق) دوستی نہیں رکھتے (الی قولہ) مسلمانو! اگر تم کو کوئی فائدہ پہنچے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تم کو کوئی گزند پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔ صدق العلی العظیم۔

"لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا" کی تصدیق دیکھئے کہ ہاتھ ملاتے ہی قربانی پر نظر شفقت پھیری۔ بظاہر ترک اضحیہ بقر کی خواستگاری ہے۔ مگر اہل اسلام کی مذہبی حالت، احکام خدا کی تعمیل میں توانی و مساہلت، ہر ایک کے پیش نظر ہے۔ آج جب

marfat.com

روپے، ڈیڑھ روپے میں واجب اضحیہ ادا ہو جاتا ہے جب تو یہ حالت ہے کہ سیکڑے تیس، جن پر قربانی واجب ہے، نہیں کرتے۔ پھر جب چھ سات روپے صرف ہونے لگیں گے، سیکڑے ستر اسی اِس ثواب سے محروم رہا کریں گے۔ بقیہ کا کرنا بھی اس صورت پر موقوف ہے کہ برادران وطن سچے دل سے اس کی اجازت دیں۔ ورنہ دل آزاری کا وہ نایاب نسخہ ہاتھ لگا ہے کہ نہ صرف قربانی بلکہ اذان، تکبیر، جمعہ، جماعت، وعظ، نصیحت، جس کام کو چاہیں گے، بند کرادیں گے اور پھر دوست کے دوست۔ مسٹر گاندھی وغیرہ لیڈران ہنود کا مسلمانوں سے اتفاق واتحاد ظاہر کرنا، خلافت خلافت چلانا، صرف اپنا الو سیدھا کرنے، گاؤکشی ترک کرانے کے لئے ہے۔ اخباروں کے کالم ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔

اخبار حقیقت لکھنؤ ۳۰ جنوری ۱۹۲۰ء کا مضمون جس کی سرخی ''انسداد گاؤکشی پر مسلمانوں کا شکوہ'' ہے، ملاحظہ کرنے سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ انسداد گاؤکشی میں مسٹر گاندھی نے سب سے پہلے ابتدا کی ہے۔ انہوں نے اپنی دلی محبت سے مسلمانوں سے اتحاد عمل کرلیا ہے اور اس طرح وہ گایوں کی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ غرض ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آنا اور ابتدائے اسلام سے اس وقت تک مسلمانوں پر جو جو مظالم ہوتے آئے ہیں، خصوصا حال کے واقعات شاہ آباد وکٹار پور وغیرہ کو اس قدر جلد بھلا دینا، مسلمانوں کی سخت نادانی اور غلطی ہے۔ خاص کر ایسی صورت میں کہ باوجود ادعائے اتحاد واتفاق، اس وقت تک ہنود کے عناد ومخالفت کا وہی رنگ ہے۔ آج ان پر جوش مسلمانوں کے صدقے ہر جگہ کی مساجد، ہنود کے ناپاک قدموں سے پامال ہو رہی ہیں۔ مگر کیا مجال کہ کوئی مسلمان، ہنود کے معابد ومنادر میں تو جا سکے۔ اگر کسی کو شبہ ہو تو بشیشر ناتھ کے مندر ہی میں جاکر اتحاد کی حقیقت دیکھ لے۔ وہاں گھستے ہی ایسی عزت افزائی اور خدمت کی جائے گی کہ اگر برسوں نہیں تو مہینوں تک ضرور یاد رہے گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہنود اور مسلمانوں کو ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہنا چاہئے۔ ہاں شعائر اسلام کھو کر ذلت کے اتحاد سے اسلام وعزت کے ساتھ ''شما بخیر و ما بسلامت'' کو ضرور بہتر جانتا ہوں۔

میں ان خداوندان اتحاد سے دریافت کرتا ہوں کہ اس وقت کے اتحاد واتفاق میں، جس کی ہر جگہ چیخ و پکار ہو رہی ہے، امور مذہبی کو بھی دخل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہر شخص نہایت آزادی سے اپنے اپنے مذہب کے فرائض، واجبات، سنن موکدہ وغیر موکدہ، مستحبات، مباحات بجالائے اور خلاف اولیٰ، مکروہ تنزیہی، اساءت، مکروہ تحریمی، حرام سے بچے۔ کوئی کسی طرح کسی پر اعتراض نہ کرے اور دوسرے کے اعمال وافعال شرعیہ میں حارج نہ ہو، اشارۃً کنایۃً کسی طرح مذہبی دست اندازی نہ کرے۔ اور اگر اس اتحاد میں امور مذہبی کو بھی دخل ہے، اس لئے جس بات سے ہنود کی دل آزاری ہوتی ہو، مسلمانوں کو ترک کر دینا چاہئے۔ تو ہنود کی جن جن باتوں سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے مثلاً مندروں میں سنکھ پھونکنا، گھنٹہ بجانا وغیرہ، کیا برادران وطن ان سب کے چھوڑنے پر آمادہ ہیں؟ اگر ہاں تو بسم اللہ! پہلے کانگریس اور دیگر انجمنوں، پبلک جلسوں میں اس کے متعلق رزولیوشن پاس کرلیں۔ پھر ترک اضحیہ بقر کے لئے مسلمانوں سے کہیں اور اگر نہیں تو یہ اتحاد کی یک طرفہ تالی کیسی؟ ہندوؤں کی خاطر ہم اپنا شعار چھوڑ دیں، جسے ہم اپنے گھروں میں پوشیدہ طور سے

marfat.com

کرتے ہیں اور وہ سنکھ اور گھنٹوں کی مکروہ اور دلخراش آوازوں سے ہماری علانیہ دل آزاری سے بھی باز نہ رہیں۔ علاوہ بریں جب ہنود کی مذہبی کتاب ویدوں سے ذبیحہ بقر کی ممانعت ثابت نہیں، بلکہ ان کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مذہب میں گائے کا ذبح کرنا جائز اور خود ان کے پیشواؤں کے فعل سے ثابت۔ جیسا کہ رسالہ سوط الجبار وغیرہ سے ظاہر تو اپنے مذہب کے احکام اور اپنے پیشواؤں کے افعال سے دل آزاری کیوں؟ ولو فرضنا کہ گایوں کا ذبح ہونا، ہنود کی دل آزاری کا سبب ہے۔ تو کیا صرف انہیں تین دن میں جب کہ غریب مسلمان قربانی کے لئے ذبح کرتے ہیں، دل آزاری ہوتی ہے اور بقیہ سال بھر جو برابر کمسریٹ وغیرہ میں روزانہ تیس چالیس ہزار گائیں کٹا کرتی ہیں، اس سے کانوں پر جوئیں تک نہیں رینگتی۔ تو ظاہر ہوا کہ سب مذہبی عناد وعداوت کی وجہ سے مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی اور ان کو قربانی جیسے ثواب عظیم سے روکنے کی حیلہ سازی ہے۔ مسلمانوں کو عقل وہوش سے کام لینا چاہئے۔ ایسے دھوکے بازوں کے دام میں نہ آئیں۔ فرضی، وہمی اعزاز دنیوی کی خاطر دین سے دست برداری نہ دیں۔

خلیفۃ المسلمین کی بحث مسلمانوں کے لئے ایک علمی بحث ہے، جس کا فیصلہ کتب عقائد وشروح حدیث میں مفصل موجود ہے۔ تمام مسلمانوں پر مقامات مقدسہ کی حفاظت، حرمین شریفین کی خدمت کی وجہ سے سلطان معظم کا احترام فرض ہے۔ مگر عامیانہ طریقہ ہڑتال، نہ شریعت کی تعلیم، نہ امیر المومنین کا حکم، نہ علمائے دین کا فتویٰ ہے۔ یہ انہیں لوگوں کے اوہام تراشیدہ ہیں جو جھونپڑوں میں بیٹھ کر سلطنت کا خواب دیکھا کرتے اور ہوم رول، سلف گورنمنٹ، سوراج وغیرہ کا وظیفہ رٹا کرتے ہیں۔ ان کی تقلید نہ مسلمانوں پر ضروری، نہ ان کے احکام کی عدم تعمیل کی وجہ سے کوئی شخص شرعاً گنہگار ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہندوستان کی ریاستہائے اسلامیہ میں اس قسم کا شور وشر، ہڑبونگ وہڑتال کا نام ونشان تک نہیں۔ نہ تعلیم یافتہ طبقہ بیرسٹران، وکلاء، عمال کچہری وڈاکخانہ جات، ریلوے وغیرہ نے اس کی طرف دھیان کیا۔ حالانکہ رزرولیوشن کے الفاظ یہ تھے: ''اس دن تمام مسلمانان ہند کاروبار بند کریں'' بلکہ بعض جگہ نہ صرف روز جمعہ بلکہ شب جمعہ کو بھی تمام کاروبار جاری اور تمام دکانیں کھلی رہیں۔ ریاست رامپور جو مسٹر شوکت علی ومسٹر محمد علی کا مسقط الراس، مولد ووطن ہے، وہاں کا اخبار دبدبہ سکندری مظہر کہ ''ریاست رامپور میں ۱۸/ مارچ روز پنجشنبہ کو شب بھر بازار کھلے رہے اور دوکانداروں نے رات کھل کر دکانوں میں بسر کی، جن کے مال واسباب کی حفاظت ریاست کی پیدل وسوار فوجیں کرتی رہیں اور ۱۹/ مارچ کو تمام کاروبار بدستور جاری رہے اور شہر کے تمام بازار کھلے رہے۔ جامع مسجد میں سوائے دعاء نصرت وفتوحات شاہان اسلام کے کہ وہ ویسے ہی ہر جمعہ کو کی جاتی ہے، غیر معمولی کوئی امر ظہور پذیر نہ ہوا''۔

سلطان اسلام کے لئے سچے دل سے مساجد وجمعات وجماعات میں دعا کرنا، بیشک پسندیدہ کام ہے۔ علماء کرام نے اپنی کتابوں میں ۱۹ شخص ایسے ذکر کئے ہیں جن کی دعا قبول ہوتی ہے۔ ازانجملہ مسلمان کہ مسلمان کے لئے اس کی غیبت میں دعا مانگے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ دعا نہایت جلد قبول ہوتی ہے۔ فرشتے کہتے ہیں: ولك بمثل ذلك آمين۔ دوسری حدیث میں فرمایا: یہ دعا حاجی اور نمازی، مریض ومظلوم کی دعاؤں سے بھی زیادہ جلد قبول ہوتی ہے۔ تیسری

marfat.com

حدیث میں ارشاد ہوا: اس سے زیادہ جلد قبول ہونے والی کوئی دعا نہیں۔ رواہ الترمذی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ مگر اس کے لئے نہ کسی وقت کی تخصیص، نہ کاروبار بند کرنے کی تخصیص، ہر وقت کر سکتے ہیں اور ہر وقت کرنا چاہئے۔ خصوصاً بعد صلوات خمسہ۔ شورش، ہنگامہ، فتنہ، فساد سے مسلمانوں کو ہر وقت بچنا چاہئے۔ قال تعالیٰ: "والفتنة اشد من القتل" (البقرۃ: ۱۹۱) فتنہ کرنا قتل سے زیادہ سخت (گناہ) ہے۔ بالجملہ جو لوگ عامیانہ ہڑتال، وحشیانہ افعال کے شریک نہ ہوئے اور انہوں نے مساجد میں با امتثال امر "اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً" (الأعراف: ۵۵) "اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔" (کنز الایمان) خلیفۃ المسلمین کی فتح و نصرت و بقائے جاہ و عزت کی دعا کی، وہ ہر طرح مستحق تعریف و توصیف ہیں، نہ الٹا قابل مذمت و ملامت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی عزیز الدین از ابراہیم پور ڈاکخانہ سبور ضلع بھاگل پور ۱۵؍ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں:

(۱) وہابی کسے کہتے ہیں؟ ان کے کیا کیا عقائد ہیں؟ شرعاً وہ کافر ہیں یا بے دین: اگر کافر نہیں تو اس کو کافر کہنے والا خود کافر ہے یا نہیں؟ کافر اور بے دین یا بد مذہب کا کیا مطلب ہے؟۔

(۲) وہابیوں سے میل جول رکھنا شرعاً کیسا ہے؟

(۳) خالد پیر اہلسنت سے مرید ہے لیکن وہ ایسی بستی میں رہتا ہے جہاں وہابی بکثرت رہتے ہیں۔ اور الگ جگہ کے نہ ہونے سے وہاں کے لوگوں سے زیادہ میل جول رکھتا ہے اور اس کو یہ بھی خیال ہے کہ اگر ہم ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کریں گے تو میرا دنیاوی گھاٹا ہے اور فی الحقیقت اس کا نقصان ہوتا بھی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو کیا ایسا شخص وہابی کہلائے گا؟۔

(۴) وہابیوں سے ارتباط از قسم خورونوش، آمد ورفت، شادی بیاہ، جائز ہے یا ناجائز یا حرام؟ ناجائز اور حرام کا کیا مطلب ہے؟

(۵) بکر کہتا ہے کہ زید اگرچہ وہابی ہے تو اس بنا پر ہم کیوں آنا، جانا، کھانا، پینا، ترک کردیں۔ ہم تو وہابی نہیں۔ حشر اگر خراب ہوگا تو زید کا نہ کہ میرا۔ تو کیا بکر کا یہ کہنا صحیح ہے؟

(۶) زید جو عمرو (سنی) کے نزدیک وہابی ہے، یہ کہتا ہے کہ ہم وہابی نہیں۔ جو عقیدہ عمرو کا ہے، وہی عقیدہ ہمارا ہے۔ اور دلیل میں المھند (نامی کتاب) کو پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر ہم وہابی ہوتے تو کتاب مذکور کو نہ مانتے۔ حالانکہ ہم اس کو مانتے اور صحیح جانتے ہیں، جس طرح تم صحیح جانتے اور مانتے ہو۔ لیکن عمرو جس طرح رشید احمد واشرف علی اور اسمٰعیل وغیرہ کی مصنفہ کتابوں کے متعلق پوچھتا ہے کہ تم اسے وہابی سمجھتے ہو اور ان کی کتابوں کو باطل سمجھتے ہو یا نہیں؟ تو وہ کہتا ہے کہ ہم انہیں وہابی یا ان کی کتابوں کو برا نہیں سمجھتے۔ لیکن ہاں اس پر عمل بھی نہیں کرتے۔ نہ معلوم انہوں نے کس مصلحت سے ایسا لکھا؟ تو اس صورت میں زید سنی یا وہابی کس گروہ میں اس کا شمار ہوگا؟

marfat.com

(۷) مولوی محمد علی صاحب و مولوی غنیمت حسین صاحب مونگیری ان دونوں کے کیسے عقائد ہیں؟ وہابی ہیں یا اہل سنت و جماعت؟ فقط بینوا کما ھو فی الکتاب۔

الجواب

(۱) محمد بن عبد الوہاب نجدی کے متبع کو وہابی کہتے ہیں۔ کتاب التوحید عربی زبان میں ایک کتاب اس کی تصنیف ہے، جس میں اپنے خیالات و عقائد اس نے درج کیے ہیں۔ اسی کا ترجمہ تقویت الایمان ہے جو مولوی اسمٰعیل دہلوی نے لکھی ہے، جو لوگ اس کتاب کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے مسائل کو صحیح و درست جانتے ہیں، وہ سب وہابی ہیں۔ ہندوستان میں وہابیہ کی دو شاخیں ہیں۔ ایک جو اعتقاداً اور عملاً ہر طرح محمد بن عبد الوہاب و مولوی اسمٰعیل دہلوی کے قدم بقدم ہیں، ان کو غیر مقلد کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اعتقاداً تو اسی کے ہم مشرب ہیں اور فرعاً حنفی ہیں، ان کو دیوبندی کہتے ہیں۔ محمد بن عبد الوہاب و اسمٰعیل دہلوی کے عقائد کفریہ نہ تھے۔ اگر چہ بعض اقوال شانِ اسلام سے بہت گرے ہوئے ہیں مگر التزام کفر نہ ہونے کی وجہ سے محققین محتاطین علمائے کرام نے ان دونوں اور ان کے ہم خیالوں کی تکفیر نہ کی، صرف گمراہ اور بد مذہب کہا، جیسا کہ مطالعہ رسالہ الکوکبۃ الشہابیہ سے واضح ہوگا۔ اسی وہابیہ کی دوسری شاخ دیوبندی ہے۔ اس نے اللہ جل و علا شانہ و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں سخت توہین و تنقیص کے کلمات لکھے، چھاپے، جس کی وجہ سے علمائے حرمین شریفین نے دیوبندی کی تکفیر فرمائی۔ مطالعہ ہو رسالہ مبارکہ حسام الحرمین۔ ان دونوں شاخوں کے عقائد و خیالات رسالہ الاستمداد میں بحوالہ کتب وہابیہ جمع کر دیے گئے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ بھیجتا ہوں۔

کافر کا یہ مطلب ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی بات کا منکر ہے۔ اس شخص کو نئے سرے سے کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہونا چاہئے اور اپنے عقائد و خیالات سے بری ہونا چاہئے۔ اور بد مذہب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دائرۂ اسلام میں ہے مگر اس کے خیالات مطابق عقیدۂ اہل سنت نہیں۔ اسے اپنے خیال سے توبہ کرنا چاہئے۔ واللہ الھادی وھو الموفق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) وہابیوں بلکہ تمام بدمذہبوں سے میل جول رکھنا شرعاً ناجائز ہے۔ قال تعالیٰ: ”وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔“ (الانعام: ۶۸) ”اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔“ (کنز الایمان)

تفسیرات احمدیہ میں ہے: ”دخل فیہ الکافر والمبتدع والفاسق والقعود مع کلھم ممتنع۔“ ”اس آیت کے حکم میں ہر کافر و مبتدع اور فاسق داخل ہیں۔ ان میں کسی کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں۔“

اللہ عز و جل فرماتا ہے: ”وَلَا تَرْکَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ“ (ھود: ۱۱۳) ”اور ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔“

صحیح مسلم شریف میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا

marfat.com

یفتنونکم۔" "ان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں، کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ واللہ الموفق واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) جو شخص عقیدۃً، عملاً ہر طرح سنی ہو، صرف یکجا رہنے کی وجہ سے دنیوی تعلقات، میل ملاپ وہابیہ سے رکھتا ہو تو وہ شخص اگرچہ وہابی نہیں ہو جائے گا مگر یہ فعل اس کا شرعاً ضرور قابل ملامت ہے۔ کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دینے والے کے پاس ہنسی خوشی بیٹھ سکتا ہے، میل جول رکھ سکتا ہے، اس کی شادی بیاہ میں شریک ہو سکتا ہے، نہ شریک ہو کر طعن خلق وملامت لائم سے بچ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ تو اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ تو ماں باپ سے کروڑوں کیا اربوں مرتبہ زائد ہے۔ پھر کوئی دیندار، وہابیہ سے میل جول رکھنا کیسے پسند کر سکتا ہے؟ خود وہابیہ کے افعال سے سبق لے سکتے ہیں کہ کوئی سنی ان کے کبرا، ان کے فضلا کے حق میں وہی الفاظ استعمال کرائے جو انہوں نے ہمارے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں استعمال کئے ہیں، پھر دیکھئے ایک جگہ اپنے کا ساتھ، کیسا حق نباہتے ہیں؟ اسی طرح ملتے جلتے ہیں یا منھ پھلا کر الگ ہو جاتے ہیں۔ کسی وہابی کے سامنے کہہ دیکھئے کہ مولوی اسمٰعیل وقاسم ورشید احمد واشرف علی سا علم تو ہر گدھے، کتے، سوّر کو ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے تو سب علم ان لوگوں کو دے نہیں دیا، رہا بعض علم تو ایسا ہر گدھے، کتے، سوّر، پاگل، لونڈی کو ہے۔ یہ کہہ کر ان کے اخلاق دیکھئے۔ حیف صد حیف کہ وہ لوگ جس قدر اپنے علماء کی عزت کریں، افسوس کہ ہمارے سنی بھائی اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی وقعت وعظمت اپنے دل میں اتنی نہ رکھیں۔

قال تعالیٰ: "لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o" (المجادلة: ۲۲) "تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی، اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔ یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں، ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ اللہ کی جماعت ہے۔ سنتا ہے! اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔" (کنز الایمان) مسلمانوں کے لئے قرآن شریف سے بڑھ کر کس کی ہدایت درکار۔ واللہ الموفق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) نمبر ۴ کا جواب بھی اُسی نمبر ۳ سے واضح ہو گیا۔

(۵) بکر کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ گناہ صرف زید کو ہوگا اور اس کا حشر خراب نہ ہوگا۔ اس کو عذاب وہابی ہونے کا ہوگا تو زید کو عذاب خلاف قرآن وحدیث وہابیہ سے ملنے کا گناہ ہوگا کہ اس نے احکام الٰہی کو پس پشت ڈالا، اور نفسانی احکام پر چلا۔ تفصیل کے لئے مطالعہ ہو رسالہ فتاوی الحرمین وکتب ردندوہ۔ واللہ تعالیٰ ہو الموفق وہو اعلم۔

marfat.com

(۶) زید اگر عیار نہیں، تو احمق ہے۔ اور اگر احمق نہیں، تو عیار ہے کہ اپنی عیاری دکھاتا اور عقل ونقل سب کے خلاف بات بناتا ہے۔ اس سے پوچھا جائے کہ ان کتابوں کو حق سمجھتے ہو یا ناحق؟ اگر حق سمجھتے ہو تو کیوں حق کے مطابق عقیدہ نہیں رکھتے۔ اور اگر ناحق سمجھتے ہو تو پھر کس طرح اچھا جانتے ہو؟ تو کیا اچھا اور برا، حق اور ناحق کے درمیان کوئی حد فاصل ہے؟ قال تعالیٰ: "فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ" (یونس: ۳۲) "حق کے بعد نہیں مگر گمراہی"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) مولوی محمد علی صاحب کی کوئی تحریر یا تقریر وہابیت، کے متعلق مجھ تک نہ پہنچی۔ انہوں نے اپنے ابتدائی زمانہ میں نصاریٰ کا رد کر کے دین کی حمایت کی۔ اور آج کل بھی قادیانیوں کے رد میں منہمک ہیں۔ ہاں بیچ کا زمانہ ندویت کا تھا۔ مگر العبرة بالخواتیم جب خود اصول ندوہ کے خلاف قادیانی کا رد کر کے دین کی حمایت کر رہے ہیں تو انہیں اب ندوی بھی نہیں کہا جا سکتا۔ مولوی غنیمت حسین صاحب مونگیری غیر معروف شخص ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کون شخص ہیں؟ کس خیال، کس عقیدہ کے ہیں؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی سید شاہ رشید الدین احمد بہار شریف محلہ خانقاہ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ان مسائل مفصلہ میں:

(۱) ترک موالات جس کا مفہوم حمایت دین واسلام وآخری انجام جہاد فی سبیل اللہ ہے، مسلمانوں پر اس وقت فرض ہے یا نہیں؟

(۲) جزیرۃ العرب مکہ معظمہ مدینہ طیبہ آج کا مسلمانوں کے قبضہ میں ہے یا انگریزوں کے؟

(۳) مکہ معظمہ میں شراب علانیہ بیچی جاتی ہے یا نہیں۔ عرفات کے میدان میں تھیٹر کا تماشہ کیا گیا یا نہیں؟

(۴) مکہ معظمہ میں بام کعبہ محترم پر انگریزوں نے گولہ باری کی ہے یا نہیں؟

(۵) کعبہ شریف کا غلاف گولہ باری کی وجہ سے جل گیا یا نہیں؟

(۶) اگر یہ خبریں جیسی کہ ہندوستان میں شہرت رکھتی ہیں اور سارے اخبارات اس کے شاہد ہیں اور حجاج راوی، تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر ترک موالات وتعلقات یا جہاد کرنا انگریزوں سے فرض ہے یا نہیں؟

(۷) جزیرۃ العرب مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ اگر انگریزوں کے زیر اثر اور قبضے میں ہے تو ان مقاماتِ مقدسہ کو کفاروں کی نجاست وپلیدی سے پاک کرنا، مسلمانوں پر فرض ہے یا نہیں؟

(۸) رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول (اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب) اور پھر اس پر اجماع منعقد ہونا، اس وقت موجودہ حالت میں کیا فتویٰ دیتا ہے؟

(۹) اگر بادشاہِ وقت کے آگے ضعف وکمزوری کا عذر کر کے ترک موالات وجہاد سے انکار کیا جائے، تو یہ عذر قابل سماعت ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ اگر بادشاہ وقت خدانخواستہ فرائض سے مثل روزہ، نماز کے مسلمانوں کو کمزور پا کر

marfat.com

روک دے، تو اس وقت ضعف کا عذر کر کے خاموش بیٹھ جانا جائز ہو گا یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجــــــــواب

(۱) ترک موالات بموجب احکام آیات و احادیث، جملہ اعداء دین ہنود و یہود و نصاریٰ مجوس وغیرھم سب سے ضروری ہے۔ ان میں کسی سے موالات جائز نہیں۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں تحت آیۂ کریمہ: "وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا۔" (آلنساء: ۸۹) "یعنی دوست رکھتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہو گئے ہیں، اسی طرح تم بھی کفر کرنے لگو۔ پس وہ اور تم سب ایک ہی طرح کے ہو جاؤ۔ تو جب تک یہ مسلمان نہ ہو جائیں، ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ پھر اگر یہ منھ موڑیں تو ان کو پکڑو اور جہاں پاؤ ان کو قتل کرو۔ اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ"۔ فرماتے ہیں: "دلت الآية علىٰ انه لا يجوز موالاة المشركين والمنافقين والمشتهرين بالزندقة والالحاد وهذا متاكد بعموم قوله تعالىٰ يٰا يها الذين امنوا لا تتخذوا عدوى وعدو كم اولياء٥ والسبب فيه ان اعز الاشياء واعظمها عند جميع الخلق هو الدين لان ذٰلك هو الامر الذى به يتقرب الىٰ الله ويتوسل به الىٰ طلب السعادة فى الآخرة واذا كان كذٰلك كانت العداوة الحاصلة بسببه اعظم انواع العلاوة واذا كان كذالك امتنع طلب المحبة والولاية فى الموضع الذى يكون اعظم موجبات العداوة حاصلا۔"

یعنی اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین اور منافقین اور جو لوگ کہ الحاد و زندقہ کے ساتھ مشہور ہیں، ان میں سے کسی سے موالات جائز نہیں۔ اور یہ حکم "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ" سے اور موکد ہوتا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ سب سے بڑی اور سب سے عزیز ترین چیز جملہ مخلوق کے نزدیک دین ہی ہے، کہ اسی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تک رسائی ہوتی ہے اور آخرت میں نیک بختی کا حصول ہوتا ہے اور جب یہ بات ہے تو جو عداوت اس سبب سے ہو گی، وہ سب دشمنوں سے زیادہ اور بڑی ہو گی۔ تو جس جگہ دشمنی کا سب سے بڑا سبب موجود ہو گا، وہاں محبت اور موالات ناممکن ہے۔

تفسیر مدارک التنزیل میں "حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (النساء: ۸۹) "جب تک کہ اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں" (کنز الایمان) کے تحت لکھتے ہیں: "حتى يومنوا لان الهجرة فى سبيل الله بالاسلام۔" پس مسلمانوں کو جو اس کے احکام کو مانتے ہیں، چاہئے کہ مطابق حکم خداوند عالم، جملہ اعداء دین سے موالات ترک کر دیں اور کسی غیر مومن کو اپنا دوست نہ بنائیں۔

والتفصيل فى رسالتى المفردة فى هذا الباب والله تعالىٰ اعلم بالصواب

(۲) جزیرۃ العرب میں حرمین محترمین اور اس کا زیادہ حصہ سلطان المعظم خلد اللہ ملکہ کے قبضہ میں اور کچھ حصہ اس کا

marfat.com

،اب انگریزوں کے قبضہ میں آیا ہے اور کچھ اس کا بہت پہلے سے نصاریٰ کے قبضہ میں ہے جیسے عدن وغیرہ۔

کنز العلوم واللغۃ میں ہے: "(عدن) میناء ذات تجارۃ واسعۃ فی الجنوب الغربی من بلاد العرب یسکنها نحو ۳۵۰۰۰ نسمۃ اشترتها انجلزۃ ۱۸۳۹م وجعلت فیها مخازن فحم للسفن المسافرۃ الیٰ الهند وبها قلعۃ حربیۃ علیٰ بوغاز باب المندب۔"

"عدن ایک وسیع تجارتی بندرگاہ ہے بلادِ عرب کے دکھن پچھم کے گوشہ پر، جہاں ۳۵ ہزار آدمی رہتے ہیں۔ اس کو انگریزوں نے ۱۸۳۹ عیسوی میں خریدا ہے اور وہاں ہندوستان آنے والے جہازوں کے لئے کوئلوں کا مخزن ہے اور وہاں باب المندب پر ایک جنگی قلعہ ہے۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) میں نے آج تک یہ کسی سے نہیں سنا، نہ کسی اخبار میں دیکھا۔

(۴) یہ خبر بھی محقق طور پر معلوم نہیں ہوئی ہے۔

(۵) غلافِ کعبہ معظمہ کا جل جانا، یہاں بھی مشہور ہے اور اخباروں میں بھی ہے۔ ہاں اس کے سبب میں اختلاف ہے۔ عام طور پر زبان زد نصاریٰ کی وجہ سے اس کا نقصان ہونا ہے، مگر ولایت کی کونسل میں اس کے متعلق سوال ہوا، تو انگریزوں نے یہ جواب دیا کہ یہ ترکوں کا کام ہے۔ آگے رہے قیاسات وقرائن، والعلم عند اللہ۔

(۶) ترک موالات کا جواب نمبرا میں گزرا۔ ترک تعلقات کا ہر وقت انسان کو اختیار ہے۔ یہ اپنے جوش اور غیظ وغضب سے جتنا زیادہ جوشیلا ہوگا، اسی قدر جلد الگ ہو سکتا ہے۔ رہا جہاد اگر سبب حاصل، شرائط موجود، موانعات مفقود ہیں تو ضرور مستعد ہو جائیے۔ ورنہ اس بے کسی اور بے بسی پر جہاد کا خیال تو بالکل اسی کا مضمون ہوگا ؎

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا — لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

درمختار میں ہے: "ولا بد لفرضیته من قید اٰخر وهو الاستطاعة۔"

سراج الوہاج میں ہے: "وشرط لوجوبه القدرة علی السلاح۔"

شامی میں ہے: "ای وعلیٰ القتال وملك الزاد والراحلة کما فی قاضی خاں وغیرہ قهستانی۔"

یہاں بھی ایک بہت ہی جوشیلے صاحب ہیں۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے، مولانا! آپ جہاد کا فتویٰ دیجئے۔ میں نے کہا، آپ رسد اور اسلحہ کا بندوبست کر لیجئے، تب کہئے۔ اب زمانہ گزمی کنم والی بندوق اور کند تلواروں کا نہیں ہے۔ مشین گن، ہوائی جہاز، اسّی میل مارنے والی توپ کا انتظام کیجئے اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو جہاد کا خواب کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۷) اگر قدرت اور استطاعت ہے تو ضرور فرض ہے۔ مگر فرضیت اس کی ترتیب وار باعتبار الاقرب فالاقرب کے ہے۔

درمختار میں ہے: "یفرض علیٰ الاقرب فالاقرب من العدو الیٰ ان تقع الکفایة۔"

شامی میں ہے: "ونظیرہ الصلاة علیٰ المیت فان من مات فی ناحیة من نواحی البلد فعلیٰ جیرانه

marfat.com

و اهل محلته ان یقوموا باسبابه و لیس علیٰ من کان ببعد من المیت ان یقوم بذلك و ان کان الذی ببعد من المیت یعلم ان اهل محلته یضیعون حقوقه او یعجزون عنه کان علیه ان یقوم بحقوقه کذا ههنا۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۸) حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد واجب الانقیاد "واخرجو الیهود و النصاریٰ من جزیرۃ العرب" موجودہ حالت میں وہی فتویٰ دیتا ہے جو اس وقت میں رب العزت جل جلالہ کا فرمان واجب الاذعان "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِنَ الْکُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَةً۔" (التوبۃ:۱۲۳) ''مسلمانو! اپنے آس پاس کے کافروں سے لڑو اور چاہئے کہ وہ تم میں کرارا پن معلوم کریں'' فتویٰ دیتا ہے۔

(۹) بعد وجوب وفرضیت اس قسم کے لایعنی اعذار، قابل قبول نہیں اور بغیر تحقق شرط یا وجود مانع اس کا حکم جڑ دینا، ایسا ہی ہے جیسے کسی فقیر مسکین کو زکوٰۃ یا حج کی فرضیت جتا کر اس کو ابھارنا یا شیخ فانی کو روزہ پر مجبور کرنا یا نابالغ ومجنون پر نماز فرض جاننا یا کسی عورت کو حیض ونفاس کی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم دینا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ عبدہ العاصی محمد ظفر الدین القادری

عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

☆☆☆☆☆

marfat.com

کتاب الوقف ۸

مسئلہ ملک بنگالہ ضلع سلہٹ مرسلہ مولوی عبید اللہ ۲۷ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱) ایک ہندو زمیندار کی زمین مملوک پر اس کی اجازت سے بنائی ہوئی مسجد کہ اس نے نہ زمین ہبہ کی، نہ اسے کسی مسلمان نے خریدا، اب وہ مسجد، شرعاً مسجد ہوئی یا نہیں؟

(۲) رعیت کی اجازت سے جمعہ خانہ قائم ہوا ہے بدون اجازت مالک کے۔ تو وقف کے لئے مالک ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اور وقف صحیح ہوا یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ ارشاد فرماویں۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

(۱) صورت مسئولہ میں وہ مسجد، شرعاً مسجد نہیں۔ اور اس میں نماز سے ثواب مسجد میں پڑھنے کا ہوگا کیونکہ یہاں ملک ابھی کافر کا باقی ہے۔ وان المسجد للہ فما لم یکن للہ لم یکن مسجدا نیز وقف کے اسباب سے طلب تقرب الی اللہ ہے اور کافر کا کوئی فعل بھی اللہ کے لئے نہیں ہوتا۔

عالمگیریہ میں ہے: ''واما سببه فطلب الزلفیٰ الیٰ الله هكذا فی العناية۔''

اسی کے بیان شرائط وقف میں ہے: ''ومنها (ای من شرائط الوقف) ان يكون قربة فی ذاته عند المتصرف فلا يصح وقف المسلم او الذمی علیٰ البيعة او الكنيسة او علیٰ فقراء اهل الحرب هكذا فی النهر الفائق۔''

اسی میں ہے: ''ولو وقف الذمی داره علی بيعة او كنيسة او بيت نار فهو باطل كذا فی المحيط۔''

اس لئے اگر اس نے اپنا مکان مسجد میں وقف کر کے نماز کی اجازت دے دی اور اس کی اجازت سے لوگوں نے نماز بھی پڑھی، تب بھی بعد موت اس کے ورثہ کا میراث ہوگا۔

اسی میں ہے: ''ولو جعل فی داره مسجدا للمسلمين وبناه كما هی المسلمون واذن لهم بالصلوٰة فيه فصلوا فيه ثم مات يصير ميراثا لورثته وهذا قول الكل فی جواهر الاخلاطی۔''

عطایا نبویہ میں اسعاف سے ہے: ''لو جعل داره مسجدا للمسلمين وبناه كما هی المسلمون واذن لهم بالصلوٰة فيه فصلوا فيه ثم مات يصير ميراثا لورثته واوصیٰ بان يحج عنه يكون الوقف باطلا لكونه ليس مما يتقرب به اهل الذمة لله تعالیٰ۔''

عقود الدریہ میں ہے: ''وقف اهل الذمة لا يجوز الا اذا كان قربة عندنا وعندهم حتی لو جعل

marfat.com

داره مسجدا للمسلمین لا یجوز۔“

اس کے مسجد شرعی ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ اگر کوئی ہندوایسا چاہے تو اس سے کہا جائے کہ تو اس شی کا کسی مسلمان کو مالک کردے اور وہ اپنی طرف سے مسجد کے لئے وقف کردے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ نہ لے کیونکہ دین میں کافر سے مدد، شرع مطہر ناپسند کرتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲) صرف رعیت کی اجازت، بلا اجازت مالک لغو ہے۔ اس سے وقف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وقف کی پہلی شرط یہ ہے کہ واقف وقت وقف اس شی کا مالک ہو، پرائی شی کو کوئی وقف نہیں کرسکتا اور نہ اس کے لئے وہ وقف ہو۔ وہ بدستور ملک مالک پر رہتی ہے۔

ہندیہ میں ہے: ”و منها (ای من شرائط الوقف) الملك وقت الوقف حتی لو غصب ارضا فوقفها ثم اشتراها من مالكها و دفع الثمن اليه لايكون وقفا كذا فی البحر الرائق۔“

درمختار میں ہے: ”شرطه شرط سائر التبرعات۔“

ردالمحتار میں ہے: ”افا دان الواقف لا بد ان يكون مالكه وقت الوقف۔“

فتح المعین و درمختار میں ہے: ”و محله المال المتقوم۔“

طحطاوی میں ہے: ”(قوله و محله المال المتقوم) ای يكون المملوك له وقت الوقف۔“

تو بغیر اجازت مالک نہ وہ جمعہ خانہ مسجد ہے اور نہ وہ وقف، وقف۔ بلکہ ایک مکان ہے مثل اور مکانوں کے۔ کیونکہ مسجد کے لئے افراز وتابید کے ساتھ وقف درکار ہے۔ یہاں جب زمین غیر مملوک ہے تو نہ افراز ہوا نہ تابید۔ اس میں نماز ایسی ہی ہے جیسے کرایہ کے مکان میں، جس میں اصلا ثواب مسجد کا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بمقام جام نگر حاکم ہنود، مسلمات عورات کو اپنے گھر میں ڈال لیتا ہے چنانچہ وہ اپنے راہ برادر، اپنے دین اسلام پر، وہ عورتیں متمول ہوکر عمدہ عمدہ مساجد بنواتی ہیں؟ ان میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ بیان فرماویں بعبارت کتب۔ جزاكم الله خيرا۔

الجواب

اعوذ بالله من غضبه و عقابه و شر عباده قال تعالی: ”وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَّسَاءَ سَبِيلًا۔“ (الاسراء: ۳۲) ”اور نہ پاس پھٹکو زنا کے کہ وہ بے حیائی اور اللہ کو دشمن اور سخت بری راہ ہے“۔

زنا حرام قطعی، گناہ کبیرہ عظیمہ شدیدہ ہے نہ کہ معاذ اللہ من ذلک یہ خاص صورت۔ پھر زنا کی وجہ جو کچھ اموال زانیات کو ملتا ہے، وہ اس کی ہرگز ہرگز مالک نہیں ہوتیں۔ ان کے ہاتھوں میں حکم غصب رکھتا ہے۔ جس جس سے جتنا جتنا لیا ہے، اس کو واپس دینا واجب۔ اور وہ نہ رہے ہوں، ان کے ورثا کو دے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو فقرا پر تصدق واجب۔ لانه حصل بوجه خبيث و كل مال هكذا فشانه وجب تصدقه۔

marfat.com

بایں ہمہ حسب مذہب مفتیٰ بہ ان میں نماز جائز اگراس طرح سے بنائی گئی ہوں کہ خود زمین غاصبانہ طریقے سے حاصل کی گئی ہواور نہ اس کی خریداری میں زرحرام پر عقد ونقد جمع ہوا ہو۔ لان الخبث لا یسری فی الابدال من الاشیاء والدراھم والدنانیر۔ حرام پر عقد کے یہ معنی ہیں کہ زرحرام دکھلا کراس پر عقد کرے، اور نقد یہ کہ پھر زرحرام ہی اس کے معاوضہ میں دے اوراگر مطلقاً بے روپیہ معین کئے کوئی چیز خریدی اور وہ زرحرام بھی عوض میں دیا تو یہ دینا اگرچہ اسے حرام تھا لانہ ماموز بادائہ الیٰ من کان لہ وان لم یبق ھو او وارثہ او لم یعرف فالتصدق وھذا عدول عنھما فلایجوز۔

بلکہ بائع کو بھی لینا حرام تھا جب کہ اسے معلوم ہو کہ یہ روپیہ عین حرام اوراس کے پاس بلا ملک ہے۔ مگر جب کہ عقد حرام پر نہ ہوا، خریدی شی میں نہ آیا۔ یونہی اگر زرحرام دکھا کر کہا کہ اس کے عوض فلاں شی دیدے۔ جب اس نے دی مشتری نے وہ روپیہ ثمن میں نہ دیا بلکہ زرحلال دیا۔ تواب اگرچہ عقد حرام پر ہوا مگر نقداس کا نہ ہوا اور ظاہر ہے کہ یہاں عام خریداریاں اسی صورت روپیہ پر ہوتی ہیں کہ روپیہ معین کر کے عقد نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ اس روپیہ کے عوض میں زمین یا فلاں شے دیدے یا میں نے اس روپیہ کے عوض میں خریدی۔ اوراگر بالفرض کہیں اجتماع عقد ونقد کا اتفاق ہوا بھی ہو تو، جو نادر محض ہے اور ہم کواس کا حال معلوم نہیں، تو حکم خبیث نہیں ہوسکتا۔ وقد قال فی الاصل بہ ناخذ مالم یعرف شیئا حراما بعینہ۔ خصوصاً جب کہ معلوم ومعہود ہے کہ ایسے لوگ جو نیک کام کرنا چاہتے ہیں، اپنا خبیث روپیہ نہیں لگاتے بلکہ قرض لے کر کرتے ہیں اور اپنے روپئے سے قرض ادا کردیتے ہیں۔ تو جب تک خاص وجہ خبث وبطلان مسجد ثابت نہ ہو ایسی مسجدیں، مساجد ہی ہیں اوران میں نماز صحیح۔

کتبہ عبد المصطفیٰ محمد ظفرالدین القادری الرضوی عفی عنہ

☆☆☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ شیخ رحمۃ اللہ.........۲۳ رصفر ۱۳۲۳ھ

ایک زمین متصل مسجد دفن اموات کے لئے وقف ہے، جس میں بہت دنوں سے قانونا دفن کی ممانعت ہوگئی ہے۔ آیااس میں مکان سکنیٰ بنانا جائز ہے یانہیں؟

الجواب

اس زمین میں مکان سکنیٰ بنانا حرام ہے۔ کہ یہ جگہ دفن اموات کے لئے وقف ہے تو یہ تبرعاً مقبرہ کہا جائے گا۔ اگرچہ انگریزی قانون سے اس میں دفن کی ممانعت ہوگئی ہو کہ یہ ابطال غرض وقف ہے اوراس کا تغیر بھی جائز نہیں۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ''لایجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ اقول فکیف بابطال غرضہ۔''

عقود الدریہ میں ہے: ''لا یجوز للناظر تغییر صیغۃ المواقف کما افتیٰ بہ الخیر الرملی والحانوتی وغیرھما۔''

خزانہ میں ہے: ''مقبرۃ قدیمۃ بمحلۃ لم تبق فیھا آثار المقبرۃ لا یباح لاھل المحلۃ الانتفاع بھا۔''

marfat.com

کہ اس سے انتفاع اور مکان سکنیٰ بنانے میں قبر مسلم بلکہ مسلم کی بے حرمتی ہے اور وہ شرعا ممنوع۔ علما فرماتے ہیں کہ مسلمان کی عزت زندگی اور بعد موت برابر ہے۔ والمیت یتاذیٰ بمایتاذیٰ بہ الحی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''کسر عظم المیت واذاہ ککسرہ حیا۔'' مردے کی ہڈی توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے، جیسے زندہ کی ہڈی توڑ دینا ہے۔ اور جب وہاں مکان سکنیٰ بنے گا تو لوگ بیٹھیں گے، چلیں گے، پھریں گے، حالانکہ قبر پر پاؤں رکھنا بھی منع ہے کہ سقف قبر پر بھی حق میت ہے۔

عالمگیریہ میں ہے قنیہ سے: ''قال علاء التوقانی یاثم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیت واما قول الزیلعی فی التبیین" ولو بلیٰ المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ" فمعناہ اذا دفن رجل فی ملک غیرہ لان الملک مطلق والمانع زال وھذا ایضا اذا کان ذلک باذنہ والا ففی الغصب لہ اخراج المیت وتسویۃ الارض۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لیس لعرق ظالم حق" کما اشار الیہ فی الدر المختار ولا یخرج منہ بعد اھالۃ التراب الا لحق ادمی کأن تکون الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ ویخیر المالک بین اخراجہ ومساواتہ بالارض کما جاز زرعھا والبناء علیہ اذا بلی وصار ترابا زیلعی والا فالزرع فی المقبرۃ لم یذھب الیہ احد وفی غایۃ القبح ان یقبر فیہ الموتیٰ سنۃ ویزرع سنۃ والتفصیل فی" العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ۔"واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چار بھائیوں کو ایک جائداد کثیر ترکہ پدری سے پہنچی۔ من جملہ اس جائداد کے چاروں بھائیوں نے تین مواضعات کی حقیقت جو ان کے حصہ کی ان مواضعات میں تھی، واسطے مصارف فاتحہ والدین ونیز تنخواہ قرآن خوانوں کے اور عزیزان جو مفلس ہوں، در وقف نامہ وقف کردی۔ اور تخمینا سو برس تک عمل درآمد فاتحہ وتنخواہ قرآن خواں وعزیزان مفلس رہا۔ ایک زمانے کے بعد ورثاء نے منجملہ جائداد موقوفہ کے ایک موضع کی تقسیم کی نالش، عدالت سرکار انگریزی میں دائر کی کہ اس میں تنخواہ عزیزان وغیرہ کا تعلق ہے، وقف فلاں قانون انگریزی کی رو سے نہیں ہوئی۔ لھذا تقسیم ہونا چاہیے اسے حکم کے موافق مستدعیان تقسیم کے۔ منجملہ بیست بسوہ کے ساڑھے سات بسوہ حقیقت تقسیم کرالی اور بقیہ کل جائداد مذکورہ بالا کی آمدنی جیسے قدیم سے صرف ہوا کرتی تھی، وہ اب تک صرف ہوتی ہے۔ بموجب شرع شریف جائداد مذکورہ اور غیر منقسمہ وقف ہے یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔

الجواب

شرعا وہ کل جائداد جس قدر چاروں بھائیوں نے وقف کی تھی، سب بدستور وقف ہے۔ اس کو تقسیم کرا کر اپنی ملک ٹھہرانا شرعا جائز نہ تھا۔ شریعت میں وقف اہلی بھی جائز ہے۔ جس میں سے عزیزوں کی تنخواہ بھی منجملہ مصارف خیر مقرر کی جائے۔

درمختار میں مواہب علامہ برہان الدین ابراہیم طرابلسی سے ہے: "فی الوقف علی نفسہ وولدہ ونسلہ وعقبہ جعل ربعہ لنفسہ ایام حیاتہ ثم وثم جاز عند الثانی وبہ یفتی۔" انتھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

marfat.com

کتاب القضاء ۹

تحفة الاحباب فی فتح الکوة والباب (۱۳۳۶ھ)

کھڑکی کا فیصلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین، احکم الحاکمین الذی جعل سیدنا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین وخاتم النبیین وبعض عبادہ خلیفة فی الارض لیحکم بین الناس بالحق ولا یتبع الھویٰ فیضلہ عن سبیل اللہ وافضل الصلوٰة واکمل السلام علی من قال وصدق فی قولہ: "وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔" من حکم بین اثنین تحاکما الیہ وارتضیاہ فلم یقض بینھما بالحق فعلیہ لعنة اللہ۔ ثم الصلاة والسلام علی آلہ واصحابہ والذین اتبعو ھم باحسان لا سیما امامنا الاعظم وھمامنا الاقدم ابی حنیفة النعمان الذی دعی الی القضاء فابی وعلینا معھم وبھم الی یوم الدین یا ارحم الراحمین۔

زمانہ کی نیرنگیاں بھی نت نئے شگوفے چھوڑا کرتی ہیں جو بظاہر ایک کے لئے باعث مسرت ہوتی ہیں تو دوسرے کے لئے سبب حسرت۔ یہی واقعات اگر بنگاہ تامل وتحقیق دیکھے جائیں تو کسی کے لئے موجب شرم وندامت ہیں اور کسی کے لئے ذریعۂ عبرت ونصیحت۔ اس قصبہ شہرام ناصر الحکام کا ایک معمولی سا واقعہ ترقی یافتوں کی بدولت کچھ ایسا پھلا پھولا، اس درجہ اس نے نشو ونما پایا کہ دور دور تک مشہور ہوا، ورنہ بات معمولی تھی، معاملہ آسان تھا۔ ایک شخص کو خداوند عالم دیتا ہے۔ وہ اپنے دو منزلہ مکان کے ایک حصہ کو سہ منزلہ بنواتا ہے۔ زنانہ مکان ہونے کی وجہ سے بقیہ تین طرف پردہ کی دیوار کھنچواتا ہے اس صورت میں ہوا کی آمد ورفت نسبۃً کم ہو جاتی ہے، جس کی تلافی کے لئے وہ غرب رویہ ایک کھڑکی لگاتا ہے جس سے اوپر رہنے والوں کے لئے دوسرے مکان میں جو اس کے خاص رشتہ دار کا ہے، آنے جانے کا بھی آسان راستہ نکل آتا ہے۔ اس کھڑکی کا کھلنا تھا کہ ٹولے محلہ کے ترقی یافتہ حضرات کے حسد کی کھڑکی کھل گئی اور آتش حسد کی چنگاریاں اڑنی شروع ہو گئیں۔ حق کو ناحق، ناحق کو حق بنانا جن کا رات دن کا کام ہو، ان کے نزدیک اس تل کو پہاڑ بنا لینا کیا دشوار تھا۔ نفسانیت کے جوش نے یہ راہ بتائی کہ ایک مکان کو پھلانگ کر بے پردگی ہونے کا دعویٰ عقل سلیم کے نزدیک مستبعد ہے۔ اس لئے اس شخص کے پڑوس والے خاص رشتہ دار کو ابھارا کہ میاں تم اپنی بے پردگی کا مقدمہ دائر کرو، ہم بھی اس کا مقدمہ کرتے ہیں۔ دونوں مقدمہ کے ہم قالب ہونے کی وجہ سے جو کچھ کارروائی میرے مقدمہ کی ہوگی وہی تمہارے مقدمہ کی بھی ہوگی، تم خم ٹھونک کے کھڑے تو ہو جاؤ ہم سب کچھ دیکھ لیں گے۔ خرچ بہت کم ہوگا اور جو کچھ ہوگا بھی تو ہم خرچ کے لئے تیار ہیں مگر

maktabah.org

جب اس بے چارے کو روپیوں کی ضرورت ہوئی تو فرماتے ہیں کہ ہاں آپ کس موضع پر روپیہ لینا چاہتے ہیں یعنی کوئی جائداد مکفول کیجئے تو ہم روپیہ دیں گے۔ آخر اس بے چارے نے اس خلاف عہدی سے متاثر ہو کر مقدمہ اٹھالیا اور تصفیہ کی درخواست دے دی۔ اب بے پردگی کا مقدمہ ایک ٹانگ کا مرغا ہو کر چلنے سے معذور ہوا تو عقلمندوں نے دوسری راہ نکالی۔ سوء اتفاق سے اس زمانہ میں بلوہ شاہ آباد ہو گیا۔ پیشہ ور حضرات کو اپنا پیشہ چلانے اور بھولے بھالے مسلمانوں کے دلوں میں رسوخ جمانے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ بنام امداد مظلومین ایک انجمن کی بنیاد ڈالی جس کی صدارت کی پگڑی اپنے زیب سر کی، پھر کیا تھا قوم کی نکیل ہاتھ میں آ گئی۔ جدھر چاہتے قوم کو گھما ڈالتے۔ اپنا معتقد، غیروں سے قوم کو بدظن بنانے کا اس سے بڑھ کر کون سا موقع ملتا۔ امداد مظلومین کے نام سے جلسہ کیا جاتا، جب لوگ آجاتے تو اپنے مخالفین کی متارکت ومخالفت کا عہد وپیمان لیا جاتا۔ بعض نیک نیتوں نے جب دیکھا کہ یہ طریقہ امداد مظلومین کے لئے کیا مفید ہوگا یہ تو آپس کا رہا سہا اتفاق بھی ملیامیٹ کر دے گا اور شہر بھر میں دو مضبوط پارٹی قائم کر دے گا جو اس وقت مسلمانوں کے لئے سم قاتل ہے۔ آخر ان لوگوں نے عام مسلمانان شہر میں اتفاق پھیلانے، بچھڑے ہوؤں کو ملانے کی کوشش کی۔ خداوند عالم نے ان کی سعی مشکور فرمائی اور ۸ محرم الحرام روز جمعہ مبارکہ کو عام مسلمانان شہر کا جلسہ روضہ کی مسجد میں اس غرض سے ہوا کہ آج سب مسلمان آپس میں مل جائیں اور سب کے سب متفقہ متحدہ کوشش سے امداد مظلومین کی طرف متوجہ ہوں۔ اس جلسہ کی غرض وغایت تو یہ تھی مگر خود غرضوں نے (جن کی عادت ہمیشہ اپنے نفع کو قومی بہبودی پر مقدم سمجھنا ہے بلکہ قوم قوم کرنے سے بھی اپنی ہی مقاصد کی سرسبزی مقصود ہوا کرتی ہے) اس جلسہ کا ماحصل اپنے مقصد کا حصول قرار دیا۔ ملتے ہی کھڑکی کا سوال کیا اور ثالثی پر رائے جمائی جس نے صاف کھول دیا کہ امداد مظلومین کا نام تو برائے نام ہے، اصل مقصد جو بلوہ اور مسلمانوں کے لوٹے جانے اور مسجدوں کے شہید کئے جانے سے بھی اعظم ہے یہی ہے ورنہ اس عظیم الشان جلسہ میں جس میں شہر کے عام لوگ جمع تھے اور ایسا جلسہ نہ پہلے ہوا، نہ بعد کو ہوا۔ ان مظلوموں کی امداد کی تجویز اور وجوہ امداد کے متعلق تبادلہ خیالات کرنا تھا، نہ کہ ان سب کو پس پشت ڈال کر اپنے مطلب کے حصول کو مقدم کرنا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

غرض جب قانون داں حضرات کو معلوم ہو گیا کہ مقدمہ کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور کچہری میں چلنے کے قابل نہ رہا تو ان ترکیبوں سے اسے ثالثی پر ڈھالا۔ قسمت کی خوبی ثالث بھی وہ ہاتھ لگے جو ممنون احسان، جن کی حمایت کر کے ایک زمانہ میں عیدگاہ کی امانت دلوا چکے تھے ان کی کیا مجال کہ آیت قرآنیہ کا خلاف کریں اور ’’ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ‘‘ (الرحمٰن: ۶۰) ’’نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی‘‘ (کنز الایمان) پر عمل کر کے ان کو شادکام نہ بنائیں۔ اگر کاش ثالث صاحب اسی جلسہ میں اس قصہ کو دو لفظوں میں طے فرما دیتے کہ آج کا یہ دن باعث مسرت وخوشی ہے، بگڑے ہوئے بنے، بچھڑے ہوئے ملے ہیں۔ ایک کھڑکی کی وجہ سے آپ دونوں کے دلوں میں رنج رہنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ بہتر ہے کہ اس کو بند کر دیجئے تاکہ کسی قسم کا ملال کسی کو کسی کی طرف سے نہ رہے، بات ختم ہو جاتی۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ اس دن جو کچھ کہا جاتا، عین مسرت کے ساتھ قبول کرنے میں کسی کو تامل نہ ہوتا مگر ایک مصلحت غامضہ کے سبب اس کو معرض

marfat.com

تعویق میں ڈالا گیا یعنی اس کھڑکی سے متعلق ایک مقدمہ ہائی کورٹ میں دائر تھا۔ اس کے نتیجہ کا انتظار کیا گیا کہ اگر وہ مقدمہ فریق مخالف کے خلاف میں فیصل ہوا تو پھر اس سے تن مردہ میں جان آ جانے کا خیال ہے مگر خدا کی شان کہ وہ مقدمہ حق بحقدار فیصل ہوا۔ جب ادھر سے ناکامی ہوئی تو پھر ثالثی یاد پڑی۔ ثالث صاحب نے پہلے تو بہت کچھ انکسار سے کام لیا، اپنے کو اس لائق نہ جانا، معذرت کے خطوط لکھے، ایک اسسٹنٹ طلب کیا مگر فریق اول (مدعی) کو تو ان سے بڑھ کر ثالث مل ہی نہیں سکتا تھا۔ کیونکر ممکن تھا کہ اس کی جانب سے ان خطوط معذرت کی طرف توجہ کی جاتی۔ فریق دوم (مدعا علیہ) تن بتقدیر ورضا بالقضا میں کچھ اس درجہ مشغوف تھا کہ اس نے بھی ان خطوط کی طرف اصلاً خیال نہ کیا مگر جب آثار وقرائن سے خلاف انصاف ہوتا پایا تو ان کو صاف منع کرادیا۔ اس پر مجوز صاحب نے التفات نہ فرمایا۔ آخر بے ثالثی ثالث صاحب نے فیصلہ کیا اور خوب ہی دل کھول کر فیصلہ لکھا جس میں تسمہ تک باقی نہ رکھا۔ عقل وشرع کو اپنے زور قلم کے گھاٹ اتارا اور فیصلہ میں سوائے مقصد واحد مدعی کے کسی بات کا لحاظ نہ کیا۔ فیصلہ میں اگر صرف اپنی رائے کا اظہار کیا جاتا اور بر بناء مصلحت جو کچھ حکم دیا جاتا، اس میں کسی دوسرے کو دخل کی ضرورت نہ تھی مگر غضب یہ کہ شریعت مطہرہ کے بالکل خلاف فیصلہ کو شریعت حقہ کے مطابق وموافق ہونا ظاہر کیا اور آخر حصہ میں فیصلہ کے، کچھ عربی عبارتیں فتاویٰ کی نقل کر کے اس کو بھاری بھرکم بنانے اور نگاہ عوام میں موافق فقہ حنفی ٹھہرانے کی کوشش کی۔ مجھ سے بعض احباب نے اس فیصلہ پر ایک نظر کرنے کی درخواست کی اور اصل واقعات کو بیان کر کے مسئلہ فقہیہ لکھنے کی خواہش کی۔ اگر اس فیصلہ میں ناحق کو حق ثابت کرنے، عبارات فقہیہ کے غلط معانی باور کرانے کی کوشش نہ کی گئی ہوتی تو ایک کھڑکی کا معاملہ کوئی ایسا مہتم بالشان نہ تھا کہ میں اپنے عزیز وقت کو اس کی طرف صرف کرتا اور فیصلہ کی غلطیوں کو عالم آشکار کرتا مگر محض حمایت حق نے مجبور کیا کہ فیصلہ ثالثی پر ایک نظر کروں اور اس کے اغلاط شرعیہ وعقلیہ کو حوالہ قلم کر کے اس رسالہ کو بنام "تحفة الاحباب فی فتح الكوة والباب" موسوم کروں۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ ایک مرتبہ شروع سے آخر تک ملاحظہ فرمائیں تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ شریعت مطہرہ کا فیصلہ اس بارے میں کیا ہے۔؟ ناظرین ذوی الاحترام پر مخفی نہ رہے کہ مجھے اصل مسئلہ کی وضاحت اور شریعت کی حمایت منظور ہے نہ زید وعمر سے بحث۔ اسی لئے اس تحریر میں کسی جگہ کسی شخص کا نام نہ لکھا جائے گا تاکہ یہ خیال نہ کیا جائے کہ اس سے مقصود کسی کی عزت ہے یا کسی کی ذلت اور از آنجا کہ اس تحریر کا پورا مطلب بے فیصلہ سمجھا جانا دشوار ہے، اسی لئے حاشیہ پر (احقر نے اسے رسالہ سے پہلے سیٹ کر دیا ہے اور ☆ سے مقامات بحث واضح کر دیئے ہیں ۱۲ ساحل) فیصلہ ثالثی بھی لفظ بلفظ نقل کر دیا جائے گا۔ وما توفيقى الا بالله عليه توكلت واليه انيب وهو حسبى ونعم الوكيل۔

☆ فیصلہ ثالثی ۷۹۶ سید شاہ...... بنام سید شاہ...... مدعا علیہ۔ ۲۷ مئی ۱۹۱۸ء کو روز دوشنبہ تھا، مسل میرے پاس آئی۔ اسی روز بنام مدعی ومدعا علیہ نوٹس دے کر پانچ بجے شام کو اسی دن طلب کیا۔ مدعی ومدعا علیہ دونوں وقت پر آئے۔ دونوں فریق کا بیان سن کر ۲۸ مئی سہ شنبہ کو پانچ بجے شام کا وقت واسطے دیکھنے مقام متنازع فیہ کے دیا اور اُس وقت اس جگہ

marfat.com

پہنچے۔ مدعی ومدعا علیہ دونوں کو حاضر پایا۔ بہ موجودگی دونوں فریق کے ملاحظہ کھڑکی وچھت وغیرہ کا کیا اور بوقت ملاحظہ جو کچھ مدعی ومدعا علیہ نے اپنے عذر کو بیان کیا، اس کو سنا۔ ☆ فریقین کے بیان سننے اور مقام متنازع فیہ کے ملاحظہ کرنے سے ظاہر ہوا کہ مدعی کو تین امر کا عذر ہے۔ ایک جدید کھڑکی کا، دوسرے کھڑکی کے کواڑ کے اوپر کے دیوار میں سوراخ رہنے کا، تیسرے دیوار جس میں کھڑکی ہے، اس کے پست ہونے کا اور تینوں عذر کا منشا و باعث، خیال بے پردگی زنانہ مکان مدعی ہے۔ اور لحاظ وخیال عورتوں کے پردہ کا علاوہ شرعاً وعقلاً ضروری وشعار شرفا ہونے کے اس شہر کے رسم ورواج میں داخل ہے۔ ☆ ساتھ ان سب عذر کے مدعی کا یہ بھی بیان ہوا کہ ان تینوں کی کوئی حاجت وضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں ہے جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابلِ اعتبار ہو۔ ☆ بعد سننے اس بیان مدعی کے مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کی گئی۔ اس کے جواب میں مدعا علیہ نے بیان کیا کہ...... میرے سسرالی رشتہ دار میں ان کے یہاں کی عورتوں کی آمد ورفت کے لئے یہ کھڑکی بنائی گئی ہے۔ ☆ اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کیا۔ اور بجواب اس سوال کے کہ عورتوں کی آمد ورفت کے لئے ایک ہمسایہ کی بے پردگی کب مناسب ہے؟ ☆ مدعا علیہ نے کہا کہ یہ مکان ہمارا ابھی زنانہ ہے۔ یہاں مردوں کی آمد ورفت نہیں ہوتی ہے جس سے اندیشہ بے پردگی کا ہو۔ اس پر مدعی نے نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ کا جو عدالت میں ہوا ہے مسل سے نکال کر سنایا۔ وہ یہ ہے:

"(نمبر ۵ یہ کہ بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت وکوٹھری پر رہتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست احباب آیا کرتے ہیں۔" ☆ مدعی نے کہا کہ ان مردوں سے اور مجھ سے ایسا رشتہ نہیں ہے کہ میرے یہاں کی عورتیں ان کے سامنے ہوسکیں۔ پس میرے یہاں کی عورتوں کے لئے وہ لوگ ویسے ہی ہیں جیسے اور غیر مرد جن سے عورتوں کو ہماری پردہ کرنا ضرور ہے۔ ☆ مدعی نے مکان مدعا علیہ کے نیچے طبقہ کے متعلق مکان زنانہ کی صحن سے ایک وسیع کھڑکی مجھے دکھلائی جو...... کے عورتوں کی آمد ورفت کے لئے کھڑکی متنازع فیہ سے زیادہ مناسب بایں وجہ ہے کہ اس میں زینہ بنانے کی بھی حاجت نہیں۔ اس کی چھت کی سطح...... کی چھت کی سطح کے تقریباً برابر ہے اور یہ کہ کھڑکی متنازع فیہ ابھی اس کام کے لئے ناتمام ہے۔ اس میں زینہ بنانے کی حاجت ہے۔ بغیر اس کے کوئی عورت کیا معنی، مرد بھی...... کے مکان سے کھڑکی پر آ نہیں سکتا۔ ☆ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکان جس میں وسیع کھڑکی ہے، مدعا علیہ کی والدہ کے رہنے کا مکان ہے، کسی غیر کا مکان نہیں۔ اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگان مدعا علیہ کے وقت سے وہی راہ عورتوں کی آمد ورفت کے لئے ہے۔ چونکہ میرا خیال یہ تھا کہ دونوں فریق میں تصفیہ برضامندی وصلح باہمی ہو جاتا تو بہتر تھا کہ کسی فریق کے خلاف فیصلہ ہوتا۔ ☆ میں نے مدعا علیہ سے کہا کہ اس قدیمی راہ کو برقرار رکھئے۔ نئی کھڑکی کو جو ابھی نامرتب ہے، اس میں زینہ بنانے کی حاجت ہے، بند کر دیجئے کہ نزاع جاتی رہے۔ اس کی نسبت مدعا علیہ نے عذر کیا کہ وہ دوسرے مکان سے راہ ہے۔ اس سے ہم کو نفع نہیں۔ ☆ مگر یہ عذر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنی والدہ کے مکان کو جو...... کی قریبی رشتہ دار ہیں اور گویا سب ایک ہی ہیں، غیر کا مکان کیوں قرار دیا۔ کھڑکی جدید جس چھت پر ہے، اس کے نیچے کے مکان مدعا علیہ میں اسی

marfat.com

کھڑکی کے محاذات میں ایک الماری ہے جس میں کواڑ، چوکھٹ سب کچھ موجود ہے۔ ☆ بنظر رفع نزاع بطور صلح باہمی یہ تجویز کیا گیا کہ بجائے اس کھڑکی کے الماری کھڑکی بنادی جائے۔ جو غرض کھڑکی کی بیان مدعا علیہ سے ظاہر ہے، وہ اس سے ساتھ اس آسانی کے حاصل ہوگی کہ زینہ بنانے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ مگر اس کو بھی مدعا علیہ نے منظور نہیں کیا اور کوئی معقول وجہ بھی اس کی نامنظوری کی بیان نہ کر سکے۔ ☆ اس کے بعد مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا کہ جیسی کھڑکی متنازع فیہ ہے، ویسی ہی ایک کھڑکی...... کے گھر سے مدعی کے مکان میں جانے کے لئے ہے اور میری لڑکیاں...... کے یہاں آتی ہیں پس جیسا کہ اندیشہ مدعی کو میری چھت کی کھڑکی سے اپنے یہاں کی عورتوں کی بے پردگی کا ہے، مجھے بھی اندیشہ اس کھڑکی سے ہے۔ مدعی اس کھڑکی کو بند کردیں تو مجھے بھی اپنی کھڑکی جدید بند کرنے میں عذر نہ ہوگا۔ میں نے اس کی نسبت مدعی پر زور دیا کہ وہ کھڑکی اپنی طرف بند کردیں تب مدعی اس شرط پر اس کے بند کرنے پر راضی ہوئے کہ...... تین بھائی ہیں اور تینوں میں یہ مکان مشترک ہے۔ ☆ اگر تینوں صاحب حلفاً بیان کریں کہ جیسا کہ مجھے نئی کھڑکی سے تکلیف واندیشہ بے پردگی ہے، ویسی ہی تکلیف ان لوگوں کو بھی اس کھڑکی سے پہنچتی ہو یا اب تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو گو اس کھڑکی اور اس کھڑکی میں قدیم وجدید، مسلم ومقبول، نامسلم ونامنظور ہونے کا فرق ہے تاہم ہم کو بند کرنے میں عذر نہ ہوگا، ابھی ہم بند کر دیتے ہیں۔ ☆ اس پر...... نے اظہار تکلیف واندیشہ بے پردگی دختران مدعا علیہ کیا۔ پر ان کے دونوں بھائی...... اور نے بکمال کشادہ پیشانی حلفاً کہا کہ آج تک کوئی تکلیف یا بے پردگی ہوئی ہے، نہ آئندہ کو ایسا اندیشہ ہے۔ اس قسم کی بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ پر کوئی وجہ وضرورت معقول نئی کھڑکی کے بننے کی اور اس سے بے پردگی زنانہ مکان مدعی کے نہیں ہونے کی صورت مدعا علیہ بیان نہ کرسکے اور مدعی نے اپنے زنانہ مکان کی بے پردگی دکھلایا اور اس کی نسبت آئندہ کے لئے بھی اندیشہ معقول طریق سے بیان کیا اور خود بیان حلفی مدعا علیہ سے اس اندیشہ کو مدعا علیہ کے سامنے ثابت کردیا۔ سوراخ دیوار کے بند کرنے میں مدعا کو عذر نہیں بلکہ ایک طرف سے اس کو بند بھی کردیا ہے۔ دیوار کے بلند کرنے میں کہ جس سے بے پردگی زنانہ مکان مدعی کی بصورت کھڑے ہونے کسی مرد کے چھت پر متصل دیوار جاتی رہے۔ مدعا علیہ کو دو عذر ہوا: ایک یہ کہ اس دیوار سے متعلق ایک موری ہے جس سے موقع بلند کرنے اور دیوار پر زیادہ بار ڈالنے کا نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ اور طرف کی دیوار بھی بلند کرنی پڑے گی جس سے ہوا کارکاؤ ہو جائے گا۔ ☆ اتفاق وقت سے ایک واقف کار حال وقواعد تعمیر عمارت بھی اس وقت اس جگہ موجود تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ بغور دیکھئے کہ دیوار بلند ہوسکتی ہے یا بلند کرنے میں دیوار کے اندیشہ نقصان دیوار یا موری کا ہے؟۔ انہوں نے بغور دونوں جانب دیوار کے ملاحظہ کر کے کہا کہ کوئی نقصان کسی طرح کا نہیں ہوسکتا ہے۔ دوسرا عذر مدعا علیہ کا بھی قابل توجہ معلوم نہیں ہوا۔ اس لئے کہ اولاً ایک جانب کی دیوار ذرا بلند ہونے سے ہر جانب کی دیوار اس کے برابر ہونا، ایسا ضرور امر نہیں ہے جیسی ضرورت بوجہ زوال ضرر ہمسایہ ایک طرف کی دیوار بلند کرنے میں ہے۔ ثانیاً اور طرف کی دیوار بلند کرنے میں بھی ہوا کارکاؤ بوجہ وسیع رہنے صحن کے نہیں ہوسکتا۔ ☆ مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تاوسع اپنے بہت کوشش کی کہ صلح ورضامندی فریقین سے ثالثی کا فیصلہ کروں پر

marfat.com

مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ناچار مجھے خیال صلح کے فکر سے قطع نظر کر کے ہر عذر وا یشو کا فیصلہ کرنا پڑا۔ اس لئے میں نے کتب معتبرہ فقہ حنفیہ کی طرف رجوع کیا جس کے پابند فریقین اور خود ضعیف بھی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ عموماً ہر ایسی کارروائی سے انسان روکا جائے گا جس سے ضرر بیّن ہمسایہ کو پہنچے اور سوراخ دروازہ سے بے پردگی ہونے کی صورت میں سوراخ دروازہ بند کردیا جائے گا۔ علیٰ ھٰذا چھت پر چڑھنے سے بصورت بے پردگی زنان ہمسایہ کے تاحصول صورت پردہ منع کیا جائے گا۔ ان سب امور کی صراحت کتب فقہیہ حنفیہ میں موجود ہے۔ ان میں سے بعض عبارات اس مقام پر نقل کی جاتی ہیں۔

درمختار چھاپہ کلکتہ کے ص ۴۹۹ میں مندرجہ عبارت ہے: ''اشتریٰ دارا ودبغ وتاذیٰ جیرانه ان علیٰ الدوام یمنع وعلی الندرۃ یتحمل۔''

اس کی شرح میں ردالمحتار چھاپہ مصر جلد چہارم کے ص ۳۴۱ میں لکھا ہے: ''قال فی جامع الفصولین: والقیاس فی جنس هذه المسائل ان من تصرف فی خالص ملکه لا یمنع ولو اضر بغیره لکن ترك القیاس فی محل یضر لغیره ضررا بیّنا قیل وبه اخذ کثیر من المشایخ وعلیه الفتویٰ اه۔''

فتاویٰ خیریہ جلد ثانی چھاپہ مصر کے ص ۲۰۲ میں ہے: ''(سئل) فی الجار یرید فتح کوة علی جاره وفی ذلك اطلاع علی عوراته وحریمه اوبناء غرفة او حائط علی جدار مشترك بینهما هل یمنع من ذلك ام لا (اجاب) اما مسئلة فتح الکوة ففیها استحسان وقیاس والاستحسان المنع وعلیه الفتویٰ کما نقله فی التتارخانیة قبل مسئلة الکوة بقلیل۔ والحاصل فی هذه المسئلة واجناسها ان القیاس کل من تصرف فی خالص ملکه لا یمنع فی الحکم وان کان یودی الیٰ الحاق الضرر بالغیر لکن ترك القیاس فی مواضع یتعدی ضرر تصرفه الیٰ غیره ضررا بیّنا وقیل بالمنع مطلقاً وبه اخذ کثیر من مشایخنا وعلیه الفتویٰ انتهی۔'' ومثله فی فصول العمادی وکثیر من الکتب انتهیٰ بقدر الضرورۃ۔

تنقیح فتاویٰ حامدیہ جلد ثانی چھاپہ مصر کے ص ۲۶۵ میں ہے: ''(سئل) فیما اذا کان کل من جارین سطح بیت فی داره مساو سطح الآخر وصار الآن احدهم یصعد الی سطحه واذا صعد یقع بصره فی دار جاره علی حریمه ویرید الجار منعه من الصعود حتیٰ یتخذ سترۃ فهل للجار ذلك (الجواب) نعم انتهیٰ بقدر الحاجة۔''

مطابق حکم شرعی ومضمون عبارات مذکورہ کتب معتمدہ حنفیہ وموافق رسم ورواج شرفا شہر کے فیصلہ ہر عذر واستغاثہ کا حسب تفصیل ذیل ہے:

(۱) عذر کھڑکی: کھڑکی بند کردی جائے۔ (۲) متعلق سوراخ دیوار کھڑکی: مستحکم طور پر بند کردیا جائے۔ (۳) متعلق پستی دیوار: وہ دیوار اس قدر بلند کردی جائے کہ اگر کوئی مرد متصل دیوار یا اس چھت پر کہیں کھڑا ہو تو بے پردگی زنانہ مکان مدعی کی نہیں ہو۔ (۴) کوٹھری متنازع فیہ کے چھت پر تاحصول صورت پردہ چڑھنے کی ممانعت۔ (۵) آئندہ کے لئے مدعا علیہ کو خیال رکھنا چاہئے۔ گاہے ایسی کارروائی وعمل مدعا علیہ نہ کریں جس سے کسی طرح بے پردگی مکان مدعی کی مشہور ہو۔ (نقل

marfat.com

دستخط) تاریخ ۳۰ رمئی ۱۹۱۸ء

(۱) فیصلہ ثالثی ملاحظہ ہوا۔اس فیصلہ کو شروع سے آخر تک پڑھنے والا بآسانی اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ ہوشیار مجوز نے کسی خاص اثر سے متاثر ہوکر محض یک طرفہ فیصلہ دیا ہے۔اگر یہ فیصلہ ایسے شخص کا نہ ہوتا جو عالم مشہور ہے تو کسی طرح یہ کہنا ناجائز نہ ہوتا کہ ہوشیار مجوز نے ایسا مہمل فیصلہ دیا ہے جو کسی طرح نہ قواعد شرعیہ پر ٹھیک اترتا ہے نہ قواعد عقلیہ پر نہ عرف ورواجات رسمیہ پر۔

(۲) ظاہر ہے کہ ثالث کو فی نفسہ کوئی ولایت شرعیہ نہیں۔محض فریقین کے رضاء وقبول کی وجہ سے اس کا حکم ان لوگوں پر نافذ ہوتا ہے۔اسی لئے قبل حکم،فریقین میں ہر شخص کو رجوع کا حق حاصل ہے۔ہدایہ جلد سوم ص ۱۴۳ میں ہے:

”ولكل واحد من المحكمين ان يرجع مالم يحكم عليهما لانه مقلد من جهتهما فلا يحكم الا برضاهما جميعا۔“

اور فریقین میں سے جو شخص چاہے ثالثی کو قبل حکم توڑ سکتا ہے۔

درمختار جلد ۴ باب التحکیم ص ۳۶۳ میں ہے:”وينفرد احدهما بنقضه ای التحکیم بعد وقوعه۔“ بعد نقض ورجوع ثالث جو کچھ فیصلہ کرے گا محض باطل ونا مقبول ہوگا۔

جامع الرموز ص ۵۹۱ میں ہے:”(ولكل منهما) ای الخصمين (ان يرجع) عن التحكيم (قبل حكمه عليهما فالعزل غير محتاج الى الاتفاق بخلاف التحكيم ولذا لو حكم بعده لم ينفذ“۔

جیسا کہ ذی علم مجوز سے بھی پوشیدہ نہ ہوگا باوجود اس کے جب ۲۸ مئی روز سہ شنبہ کو وقت ملاحظہ رفتار وگفتار، اقوال وافعال سے مدعا علیہ کو شبہ ہوا اور اس نے سمجھ لیا کہ اب فیصلہ بروئے انصاف ناممکن ہے اور وہی ہوا جو اس نے خیال کیا تھا تو اس وقت اس نے اپنے چچا کو بھیج کر منع کر دیا کہ آپ تکلیف فیصلہ نہ فرمائیں، یہ مقدمہ کچہری جاکر فیصل ہوگا۔ جس پر ان کے مشیر ووزیر باتدبیر نے بھی کہا کہ مولانا اٹھایئے پھینکئے،آپ کہاں اس بلا میں پڑتے ہیں؟۔پھر اس خیال سے کہ شاید ایک آدمی کا بیان کافی نہ ہو بعد مغرب تکمیل عدد کر کے بھیجا مگر مجوز صاحب نے دردسر کا عذر فرمایا، ملاقات نہ کی اور صبح کے وقت بلایا۔صبح کو جب یہ دونوں پہونچے تو قبل اطلاع ایک لڑکے سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب کیا کر رہے ہیں؟۔معلوم ہوا کہ چند کتابیں ان کے سامنے ہیں، کچھ لکھ رہے ہیں۔جب ان لوگوں نے اطلاع کرائی تو پھر وہی رات والا جواب آیا کہ غایت دردسر کی وجہ سے پریشان ہیں، باہر نہیں آسکتے۔کہا گیا کہ ذرا پردہ کرادیا جائے کہ خود ہم دونوں حاضر ہوکر ایک بات کہہ دیں مگر یہ بھی مقبول نہ ہوا۔مانا کہ ایک دو شخص کی زبانی ممانعت کچہری کے ذریعہ ثالثی کے مقابل باوقعت نہ ہو مگر ایک مسلمان خصوصاً عالم کے لئے اتباع احکام شرعیہ مقدم ہے۔وہ بھی ایسی صورت میں کہ کچہری سے قبول ثالثی پر جبر نہیں اور شرعاً بعد فسخ تحکیم حکم ناجائز۔

(۳) بجز چند مسائل کے جن میں مسئلہ دائرہ نہیں، بالعموم ثالث مثل قاضی ہے۔

marfat.com

ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۶۲ میں ہے: ''الحکم کالقاضی۔''

اور قاضی یا ثالث کے پاس مسل اسی لئے بھیجی جاتی ہے کہ عرضی دعویٰ و بیان تحریری و دیگر ضروری مفید باتیں اس سے اخذ کر سکے جس بنا پر اسے فیصلہ دینا ہوگا۔ اسی لئے قاضی کو اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا ناجائز ہے۔

الاشباہ والنظائر ص ۳۱۷ میں ہے: ''الفتوی علی عدم العمل بعلم القاضی فی زماننا کما فی جامع الفصولین''۔

علماء کرام نے مفتی اور قاضی میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ مفتی کو چاہئے کہ اپنے علم و دیانت کے مطابق فتویٰ دے اور قاضی پر واجب ہے کہ روداد مقدمہ کی بنا پر فیصلہ فرمائے۔

بزازیہ پھر درمختار جلد ۴ ص ۳۱۸ میں ہے: ''المفتی یفتی بالدیانة و القاضی یقضی بالظاھر۔''

مگر اس فیصلہ ثالثی میں شروع سے آخر تک کسی جگہ بھی مسل سے کام نہ لیا گیا۔ ہاں ایک جگہ بیان حلفی مدعا علیہ نمبر ۵ کا تذکرہ اس لئے آیا ہے کہ اس سے مدعا علیہ کے اقوال میں تعارض ثابت کیا جائے مگر وہ بھی بے لوث رہا کہ تناقض کے لئے ہشت وحدات کی ضرورت ہے جس کا بیان عنقریب آتا ہے۔

(۴) تحکیم کے الفاظ اگرچہ ظاہراً عام ہوتے ہیں کہ یہ جو کچھ فیصلہ دیں گے، قبول ہے۔ مگر اہل عقل پر پوشیدہ نہیں کہ ثالث شرعاً شتر بے مہار نہیں کہ قلم اٹھا کر آم املی جو کچھ چاہے لکھ دے۔ بلکہ اس کو حجت و دلیل کے موافق فیصلہ دینا چاہئے ورنہ وہ نافذ نہ ہوگا۔

درمختار جلد ۴ ص ۳۶۳ میں ہے: ''حکما رجلا فحکم بینهما ببینة او اقرار او نکول ورضیا بحکمه صح لو فی غیر حد وقود ودیة علی عاقله''۔

بحرالرائق جلد ۷ ص ۲۸ میں ہے: ''وشرط ان یکون حکمه بحجة من الثلاث لیوافق حکم الشرع والا یقع باطلا وظاهره انه لا یحکم بعلمه ولم اره صریحا''۔

الاشباہ والنظائر ص ۳۶۰ میں ہے: ''الحجة بینة عادلة او اقرار او نکول عن یمین او یمین او قسامة او علم القاضی بعد تولیته او قرینة قاطعة وقد اوضحناه فی الشرح من الدعوىٰ الا ان الفتوی علی قول محمد المرجوع الیه انه لا اعتبار بعلم القاضی وفی جامع الفصولین وعلیه الفتویٰ وعلیه مشایخنا کما فی البزازیة من المسائل المخمسة من الدعویٰ''۔

علماء کرام نے تصریح فرمائی کہ ارکان قضا چھ ہیں یعنی اگر ان میں ایک بھی ساقط ہوگا تو وہ قضا، قضا نہ سمجھی جائے گی۔

درمختار جلد ۴ ص ۳۰۹ میں ہے: ''وارکانه ستة علی ما نظمه ابن الفرس بقوله ۔

اطراف کل قضیة حکمیة ستٌ یلوح بعدها التحقیق

حکم ومحکوم به وله و محکوم علیه وحاکم وطریق

marfat.com

علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "قوله وطريق، طريق القاضي الى الحكم يختلف بحسب اختلاف المحكوم به والطريق فيما يرجع الى حقوق العباد المحضة عبارة عن الدعوىٰ والحجة وهى اما البينة او الاقرار او اليمين عنه الخ"

اور ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ محض بے حجت ہے تو اسے فیصلہ کہنا اور سمجھنا ایک فرضی بات ہے ورنہ ایک ردی کاغذ ہے جو مدعی کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔

(۵) یہ سب اس صورت میں ہے کہ تحکیم صحیح ہو اور ثالث شرعاً بھی ثالث ٹھہرے، ورنہ یہاں تو سرے سے فیصلہ کنندہ شرعاً ثالث ہی نہیں۔ اس لئے کہ ثالثی کے لئے قبول ثالث ضروری ہے ورنہ اس کا حکم دینا جائز نہ ہوگا۔

بحر الرائق جلد ۷ ص ۲۷ میں ہے: "وركنه اللفظ الدال عليه مع قبول الأخر فلو حكما رجلا فلم يقبل لا يجوز حكمه الا بتجديد التحكيم كذا فى المحيط"۔

ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۶۲ میں ہے: "(قوله وركنه) اى ركن التحكيم لفظه الدال عليه اى اللفظ الدال على التحكيم كاحكم بيننا او جعلناك حكما او حكمناك فى كذا فليس المراد خصوص لفظ التحكيم (قوله مع قبول الأخر) اى المحكم بالفتح فلولم يقبل لا يجوز حكمه الا بتجديد التحكيم بحر عن المحيط"۔

ثالث صاحب کا دستخطی خط جو شیخپورہ ضلع مونگیر سے ۲ شعبان ۱۳۳۶ھ کو لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

"آپ لوگوں کے تعمیل امر میں مجھے عذر نہیں ہے لیکن بعد یاد دلانے اس امر کے کہ جامع مسجد میں آپ اور جناب اچھے میاں صاحب نے میری ثالثی کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا، اولاً میں نے تامل وعذر کیا تھا۔ من بعد اس شرط پر منظور کرنے کے متعلق سکوت کیا تھا کہ کوئی اور ایک صاحب واقف کار جو اندرونی حالات اختلاف ووجوہ نزاع سے آگاہ ہوں، میرے شامل کئے جائیں"۔

اس سے صاف ظاہر کہ ثالث صاحب نے قبول اس شرط کے ساتھ مشروط کیا کہ ایک واقف کار شامل کئے جائیں اور ظاہر ہے کہ کوئی واقف کار شامل نہ کیا گیا تو بحکم اذا فات الشرط فات المشروط قبول تحکیم فوت ہوا، جس سے عدم ثبوت تحکیم وثالثی بھی واضح ہے۔

(۶) بفرض ثبوت تحکیم اگر روداد مقدمہ سے منھ موڑ کر صرف اسی وقت کی باتوں پر فیصلہ کا ارادہ تھا تو نظر بحال زمانہ لوگوں کے بیانات قلمبند کرنا ثالث صاحب کا فرض منصبی تھا تاکہ وقت فیصلہ ان لوگوں کے واقعی بیانات پیش نظر رہتے۔ مگر ایسا نہ ہوا بلکہ مجوز صاحب نے بیانات سن کر صرف اپنی یاد پر بھروسہ کیا اور تین دن کے بعد فیصلہ دیا، جس کا لازمی نتیجہ جو ہونا تھا وہ ہوا کہ بہت سی باتیں خیال سے جاتی رہیں، بعض باتیں الٹ پلٹ فیصلہ میں درج ہیں، بعض باتیں مع حواشی وزوائد ہیں۔

فتاوی فقیہ النفس قاضی خان جلد ۳ ص ۴۷ میں ہے: "واذا ادعى المدعى شيئا على المدعىٰ عليه يكتب القاضى على بياض صورة الدعوىٰ ثم يقول للمدعىٰ عليه ماذا تقول فان اقر بما ادعاه المدعى اثبت

اقراره فی کتابه ویامر المدعیٰ علیه بایفاء الحق وان انکر یکتب انکاره فی ذلك ثم یامر المدعی باقامة البینة وهذا کان فی عرفهم اما فی عرفنا المدعی یجیء الی کاتب القاضی فیخبره بکیفیة دعواه ویصور عنده صورة الدعویٰ فیکتب الکاتب ذلك ثم یجیء الی القاضی مع خصمه ویدعی علیه فان اقر خصمه اثبت القاضی اقراره فی الکتاب ویامره بقضاء الحق وان انکر امر المدعی باقامة البینة فان جاء المدعی بشهود فشهدوا عنده علی الترتیب یکتب القاضی شهادة کل شاهد ویکتب اسمه واسم ابیه وجده"۔

''یعنی زمانہ سلف میں قضا کا یہ دستور تھا کہ جب مدعی کسی امر کا مدعا علیہ پر دعویٰ کرتا، قاضی ایک سادہ کاغذ پر اس دعویٰ کو لکھتا پھر مدعا علیہ سے پوچھتا کہ تم کیا کہتے ہو؟ اگر وہ دعویٰ کا اقرار کرتا، اس کے اقرار کو اپنی کتاب میں لکھ لیتا اور مدعی کو ڈگری دیتا اور مدعا علیہ کو ایفاء حق کا حکم کرتا اور اگر مدعا علیہ انکار کرتا تو قاضی اس کے انکار کو بھی لکھ لیتا پھر مدعی کو گواہ لانے کے لئے کہتا اور ہمارے زمانہ میں یہ طریقہ ہے کہ مدعی پیشکار کے پاس جا کر اپنا دعویٰ بیان کرتا، پیشکار اسے لکھتا پھر مدعی مع مدعا علیہ قاضی کے پاس آتا اور اس پر دعویٰ کرتا تو اگر مدعا علیہ اقرار کرتا، قاضی اس کے اقرار کو درج کتاب کر کے قضاء حق کا حکم دیتا اور اگر مدعا علیہ مدعی کے دعوی کا انکار کرتا تو قاضی مدعی کو حکم دیتا کہ گواہ پیش کرے۔ اگر مدعی گواہوں کو لاتا جو ترتیب وار گواہی دیتے۔ قاضی ہر شخص کی گواہی لکھتا اور ہر گواہ کا نام مع اس کے باپ اور دادا کے لکھتا۔''

تو صورت واقعہ میں جب کہ ذی علم ثالث نے مسل سے کام نہ لیا یا اس کے انگریزی اور ہندی ہونے کے سبب اس کے سمجھ سے قاصر تھے اور ترجمہ کرانے کی زحمت بھی گوارا نہ کی اور ان سب تحریرات کو کان لم تکن جانا تو اب اپنے اسلامی قاعدہ پر روداد مقدمہ کو بنانا چاہئے تھا۔ یعنی پہلے مدعی کا دعویٰ دریافت کر کے اس کو قلمبند کرنا تھا بعد ازاں مدعا علیہ سے دریافت کرنا تھا۔ اگر وہ اقرار کرتا اس بنا پر فیصلہ دیتے اور جب اسے انکار تھا تو مدعی سے اصل دعویٰ پر گواہان طلب کرنا تھا اور ان لوگوں کی گواہی مع نام ہر گواہ وابنیت وغیرہ لکھنا تھا تا کہ فیصلہ مطابق اصول شریعت مطہرہ ہوتا۔

(۷) مدعی کا دعویٰ دفع ضرر بے پردگی ہے۔ اس ضرر کے تین سبب اس نے بیان کئے۔ ایک جدید کھڑکی، دوسرے کھڑکی کے اوپر سوراخ، تیسرے اس دیوار کا جس میں یہ کھڑکی لگائی گئی ہے، پست ہونا۔ ہمارے ائمہ کرام کے اصل مذہب میں تو یہ دعویٰ سرے سے نامسموع ہے اور استحسان متاخرین پر اس وقت قابل سماعت ہے کہ ضرر من کل الوجوہ جانب مدعا علیہ سے ہو کہ اس کے دفع کی تدبیر مدعی کے ہاتھ میں نہ ہو ورنہ خود اپنا ضرر دفع کرنے پر قدرت رکھتے ہوئے دوسرے کی گلو گیری باطل ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔ اس قول اخیر پر کہ دعویٰ سننے کے قابل تھا قواعد شرع وعقل کے مطابق مدعا علیہ سے اس کے متعلق دریافت کرنا تھا۔ مدعا علیہ اگر اقرار کرتا کہ واقعی ضرر بے پردگی ہے، جس کا چارہ مدعی کے پاس کوئی نہیں، تو اسے اس سے منع کرنا تھا اور اگر مدعا علیہ انکار کرتا مدعی سے گواہان طلب کرنا تھا۔ مگر اس کے بالکل خلاف مسائل شرعیہ سے ذہول یا تجاہل کی وجہ سے پاؤں کی جگہ سر سے چلنا پڑا کہ اصل کو باعث ومنشا سمجھا اور باعث ومنشا کو اصل قرار دے کر تجویز میں لکھا:

marfat.com

"فریقین کے بیان سننے اور مقام متنازع فیہ کے ملاحظہ کرنے سے ظاہر ہوا کہ مدعی کو تین امر کا عذر ہے۔ ایک جدید کھڑکی کا، دوسری کھڑکی کے کواڑ کے اوپر کی دیوار میں سوراخ رہنے کا، تیسرے دیوار جس میں کھڑکی ہے اس کے پست ہونے کا، اور تینوں عذر کا منشا و باعث خیال بے پردگی زنانہ مکان مدعی ہے"۔

اس اصل فاسد کی وجہ سے جتنی کارروائیاں ہوئیں اور جس قدر زور آزمائیاں کی گئیں، سب بناء فاسد علی الفاسد ہیں۔

(۸) "مدعی نے علاوہ ان تین عذروں کے یہ بھی بیان کیا کہ ان تینوں کی کوئی حاجت وضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابل اعتبار ہو"۔ ضرورت مند آدمی اپنے غرض کا باولا ہوتا ہے۔ عربی میں ضرب المثل ہے اھل الغرض مجنون مدعی نے اگر ایسی بے علاقہ فضول بات کہی تو کیا الزام کہ وہ نہ مسائل شرعیہ کا عالم ہے، نہ مطابق شرع دعوی کرنے بیٹھا ہے۔ اس کا نصب العین حصول مقصد ہے۔ جس جس طرح ممکن ہو، ادنیٰ ادنیٰ بات جسے اپنے لئے مفید خیال کرے، پیش کرنے پر جبلۃً مجبور ہے کہ الغریق یتشبث بکل حشیش مگر تعجب اور بسا تعجب ذی علم مجوز سے ہے کہ انھوں نے اس بے تعلق بات کو نہ صرف مفید ہی سمجھا بلکہ فیصلہ کا مدار اسی کو قرار دیا کہ فرماتے ہیں:

"بعد سننے اس بیان مدعی کے مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کی گئی۔ اس کے جواب میں مدعا علیہ نے بیان کیا کہ بکو میاں میرے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ ان کے یہاں کی عورتوں کے آمد ورفت کے لئے یہ کھڑکی بنائی گئی ہے۔"

اس جگہ ذی علم مجوز کا کام تھا کہ مدعی کو روکتے اور کہتے کہ یہ عذر سرے سے لغو ہے۔

اولاً اس لئے کہ کسی شخص پر ضرور نہیں کہ صرف بقدر ضرورت وحاجت اپنی ملک سے انتفاع کرے اور دوسروں کی نفسانیت وخود غرضی کو مقدم رکھے اور مدعی کو سمجھانا تھا کہ شرعاً اشیا سے انتفاع کے پانچ مرتبے ہیں۔ ضرورت حاجت منفعت زینت فضول۔ مثلاً ضرورت وہ ہے کہ بغیر اس کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ قوی ہو۔ یہ وہ صورت ہے جس میں مردار تک کھانا جائز رکھا گیا ہے۔ حاجت وہ کہ بغیر اس کے ہلاک تو نہ ہوگا مگر معتد بہ مشقت وتکلیف ہوگی۔ یہ وہ صورت ہے کہ اس میں روزہ قضا کرنا درست ہے۔ منفعت وہ کہ بغیر اس کے نہ ہلاک ہوگا، نہ مشقت مگر تحصیل نفع ہے مثلاً گیہوں کی روٹی، بکری کا گوشت۔ زینت کہ محض لذت وتجمل مقصود ہو جیسے باقر خانی، پراٹھا، خصی کا قورمہ کھانا، عمدہ دریوں، نفیس چاندنیوں، بہترین قالینوں، اچھے گاؤ تکیوں، شیشہ وآلات سے مکان کو سجانا وغیرہ۔ فضول مال حرام یا مشتبہ سے وسعت کرنا۔

حموی شرح اشباہ صفحہ ۱۰۸ میں ہے: "فی الفتح ھھنا خمسة مراتب ضرورة وحاجة ومنفعة وزينة وفضول فالضرورة بلوغه حدا ان لم يتناول الممنوع هلك اوقارب وهذا يبيح تناول الحرام والحاجة كالجائع الذى لو لم يجد ما ياكله لم يهلك غير انه يكون فى جهد ومشقة وهذا لا يبيح الحرام ويبيح الفطر فى الصوم والمنفعة كالذى يشتهى خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم والزينة كالمشتهى بحلوى والسكر والفضول التوسع باكل الحرام والشبهة"

تو جب شرعاً یا عقلاً کسی شخص پر ہرگز ضرور نہیں کہ دوسرے کی خاطر صرف ضرورت یا حاجت پر اکتفا کرے اور اپنی

marfat.com

منفعت وزینت کو ترک کرنے پر مجبور کیا جائے۔ احکم الحاکمین عز جلالہ فرماتا ہے: ''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ'' (الاعراف: ۳۲) ''تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی زینت اور اس کی پاکیزہ دی ہوئی چیزیں'' (ساحل) تو ایسی بات کو درمیان میں لانا محض فضول ہی فضول تھا۔

ثانیاً خصوصا جب کہ مدعی کو خود اقرار ہے کہ اس کی مدعا علیہ کو حاجت ہے مگر میرے ضرر کے مقابل کم ہے۔ اگر چہ مرتبۂ ایثار اعلیٰ مرتبہ ہے مگر وہ مقدمہ دائر کر کے نہیں حاصل کیا جاتا۔ اگر اس پر فیصلہ یا فتویٰ دیا جائے تو جملہ اہل نعم کو قدر ضرورت وحاجت کے سوا بقیہ نعمتوں سے دست برداری دینی ہوگی۔ اس لئے کہ اگر چہ ایک شخص کو ادب نماز اور اپنی وضع وہیات کے استحفاظ کو کرتے کے اوپر انگرکھے یا چادر اور ٹوپی پر عمامے کی حاجت ہے، مگر ایک غریب آدمی کا ضرر سردی و بے ستری کے مقابل کم ہے۔ یا کسی کھاتے پیتے شخص کو اگر چہ بارش وغیرہ سے تحفظ کے لئے پختہ مکان کی حاجت ہے مگر اس مسکین کی ضرورت سے کم ہے جس کے چھپر پر پھونس نہیں۔ تو کوئی بیوقوف ضرورت منداس قسم کا دعویٰ دائر کر سکتا ہے اور کیا کوئی عقل سے دور مجوز اس دعویٰ کو سن کر اس متنعم سے انگرکھے اور چادر اور عمامے اور پختہ مکان کی ضرورت کا سوال کر سکتا ہے۔؟ نہیں نہیں، ہر گز نہیں۔

ثالثاً وہ تین باتیں جس کے متعلق مدعی کا بیان ہے کہ اس کی کوئی حاجت وضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابل اعتبار ہو، دیوار میں کھڑکی لگانا، کھڑکی کے اوپر دیوار میں سوراخ رہنے دینا، دیوار کا پست ہونا ہے۔ انھیں تینوں کے ضرورت نا قابل اعتبار ہونے کو مدعی نے بیان کیا اور ذی علم مجوز نے تسلیم کیا۔ حالانکہ امر سوم یعنی دیوار پست ہونے کے متعلق یہ بات کسی طرح قابل قبول نہیں۔ اس لئے کہ اس دیوار اٹھانے کا سبب خود مدعی نے بیان کیا کہ چونکہ میرے مکان سے مدعا علیہ کا مکان بے پردہ ہوتا تھا، اس بے پردگی کو دفع کرنے کو مدعا علیہ نے یہ دیوار اٹھائی ہے۔ ظاہر ہے کہ بے پردگی محاذات سے ہوتی ہے اور اس کا دفع اس کے انسداد سے اور محاذات جانبین سے ہے تو اس کا نسداد بھی اگر ہوگا، جانبین سے ہو جائے گا۔ زید و عمرو کے مکانوں میں باہم بے پردگی تھی کہ ایک دوسرے کے محاذی تھے۔ ایک دیوار بنائی گئی جس نے مکان عمرو کو محاذی مکان زید نہ رکھا۔ لیکن مکان زید اب بھی محاذی مکان عمرو ہے۔ یہ ایک ہاتھ کی تالی کیسی؟۔

فصول عمادی سے آتا ہے: ''انه ان كان يقع بصره عليهم فى السطح يقع بصرهم عليه ايضا فى السطح ۔'' تو ظاہر ہوا کہ دعویٰ باقرار مدعی باطل ومدفوع اور الزام محض ہباءً منثورا۔ یوں ہی امر دوم یعنی اس دیوار میں کھڑکی سے اوپر سوراخوں کا ہونا اور اس کی ضرورت نا قابل اعتبار ہونے کا ادعا اور اس کی وجہ سے بے پردگی کا الزام، اس نے بھی اسی طرح صاف کھول دیا کہ اصل منشاء مقدمہ، محض نفسانیت ہے اور بے پردگی کا دعویٰ محض لفظ جس کے نیچے معنی نہیں۔ اس لئے کہ دیوار کے سوراخوں کی تین شکلیں ہوتی ہیں اول وہ سوراخ کہ اندرونی وبیرونی دونوں جانب سے ایک سطح میں ہو جیسے یہ سب سوراخ ہیں۔ دوم وہ کہ بیرونی جانب اندرونی سے بلند ہو جیسے اکثر شعاع دانوں میں ہوتا ہے۔ سوم بیرونی سطح

marfat.com

اندرونی سے پست ہو جیسے قلعے کے روزن، تو پہلی صورت میں جب کہ سوراخ چھوٹے چھوٹے ہوں نگاہ سیدھی بخط مستقیم جائے گی۔ یعنی جتنی بلندی رائی (دیکھنے والے) کی آنکھ کی ہوگی، خطوط شعاعی بھی اتنی ہی بلند اپنے نہایت مسافت تک جائیں گے۔ اور شکل دوم میں جس قدر خط شعاعی دور جائے گا، سطح بصر سے بلند و بالا ہوتا جائے گا اور شکل سوم میں اس کے برعکس، جس قدر دور ہوگا اسی قدر پست ہوتا ہوا زمین تک پہونچ جائے گا۔ اور دیوار اس کے سوراخوں کے دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں کہ وہ سب سوراخ مربع ہیں جن کے اضلاع ڈھائی انچ سے زیادہ نہیں اور وہ دیوار کے اندرونی و بیرونی دونوں جانب سے ایک ہی سطح میں ہیں، تو ان سوراخوں سے کسی طرح بے پردگی ممکن ہی نہیں۔ اس لئے کہ ان سوراخوں سے مدعی کے مکان کے اوپر کی ہوا جو اس سہ منزلہ کے محاذات میں ہے البتہ دکھائی دے گی۔ اس کے سوا کوئی حصہ مکان کا یا رہنے والا ہرگز نہیں معلوم ہوسکتا تو اس کو بھی معرض عذر قرار دینا، سوا نفسانیت اور تعدی کے کیا کہا جاسکتا ہے۔ غرض امر دوم وسوم محض لغو بے معنی ہیں۔ ہاں امر اول ایک ایسا امر ہے کہ بادی النظر میں اعتراض کا منشاء اور بے پردگی کا سبب ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

(۹) ذی علم مجوز کا مدعا علیہ سے کھڑکی کی ضرورت کا سوال بھی اسی مسئلہ فقہیہ سے غفلت کی وجہ سے ہوا۔ اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کب حکم دیا کہ جس چیز کی ضرورت ہو، اسی کا کرنا جائز ورنہ ناروا؟۔ یہاں تو مدعا علیہ نے ایک دو وجہ بیان بھی کیں ورنہ اس کے لئے سب وجہوں سے بڑی وجہ یہی کافی ہے کہ ہم نے اپنے خالص ملک میں تصرف کیا ہے۔ دوسرے کو اس کی ضرورت جبراً دریافت کرنے کا کیا اختیار؟۔

الاشباہ والنظائر ص ۴۳۹ میں ہے: "له التصرف فی ملکه وان تاذی جاره فی ظاهر الروایة"

علامہ ابن الشحنہ شرح وہبانیہ میں فرماتے ہیں: "وفی حفظی عن ائمتنا الخمسة ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد وزفر والحسن بن زیاد انه لا یمنع من التصرف فی ملکه وان اضر بجاره وفی الفتاویٰ عن استاذنا انه یفتی بقول الامام وهو الذی امیل الیه واعتمده وافتی به تبعا لوالدی شیخ الاسلام اه ذکره الحموی فی شرح الاشباه ص ۴۳۹ والعلامة زین بن نجیم فی البحر الرائق جلد ۷ ص ۳۶ وارتضاه بالقبول وقال ورجح فی الفتح ایضا جواب الروایة وقال انه ظاهر المذهب"

"یعنی مالک کو اپنے ملک میں کامل تصرف کا اختیار ہے اگرچہ پڑوسی کو اس سے تکلیف پہنچے۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے اور علامہ ابن الشحنہ نے فرمایا کہ میری یاد میں ہمارے پانچوں ائمہ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ مالک اپنے ملک میں تصرف کرنے سے منع نہ کیا جائے گا اگرچہ اس سے اس کے پڑوسی کو تکلیف پہونچے۔ اور فتاویٰ میں ہمارے استاد سے ہے کہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا اور یہی وہ قول ہے جس کی طرف میں مائل ہوں اور اس پر اعتماد کرتا ہوں اور اپنے والد شیخ الاسلام کی تبعیت میں اسی پر فتویٰ دیتا ہوں"۔

تو جب حسب تصریح علماء مجھے اپنے ملک میں تصرف کا پورا پورا حق ہے اور یہ مسئلہ ہمارے ائمہ ثلثہ کیا ائمہ خمسہ کا متفق علیہا ہے تو اس کے متعلق مجھ سے ضرورت کا سوال کس قدر بے معنی اور عقل و شرع سے بعید ہے؟۔ اگر اس سے کسی کو

بے پردگی ہوتی، ہو تو وہ اپنے پردہ کا انتظام کرے۔ علماء کرام نے تو خاص اس کا جزئیہ لکھا ہے پھر اس قدر طوالت کیا معنی رکھتی ہے؟۔

فتح القدیر جلد ۳ ص ۲۰۵ میں ہے: ''لو فتح صاحب البناء فی علو بنائه با با او کوة لا یلی صاحب الساحة منعه بل له أن یبنی ما یستر جهته۔''

''یعنی اگر مکان والے نے اپنے مکان کے حصہ بالائی میں دروازہ یا روشن دان کھولا تو اس کے پڑوسی کو جس کی زمین اس کے متصل ہے، اپنی بے پردگی کی وجہ سے منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ بلکہ اس کو یہ پہنچتا ہے کہ کوئی دیوار بنا لے جو اس کی جانب کا پردہ کرے۔''

کتب فن میں اس قدر وضاحت کے ساتھ تصریح جزئیہ ہونے پر ثالث صاحب کا مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کرنا اور اس بنا پر اصل قضیہ کا خرد کر دینا کس درجہ فقاہت سے بعید ہے۔

(۱۰) ذی علم مجوز کا یہ فرمانا کہ ''اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کیا'' اس کا منشاء مسل سے منہ موڑنا اور بیانات و اظہارات کو قلم بند نہ کرنا ہے۔ مجھے بہ تحقیق معلوم ہوا کہ ۲۷ مئی کو مدعی نے اپنے دو گواہ پیش کئے۔ گواہ نمبرا نے کہا کہ میں نے اوپر جا کر نہیں دیکھا کہ اس کھڑکی سے بے پردگی ہوتی ہے یا نہیں؟ اس پر مدعی نے دریافت کیا کہ آخر آپ نے اس پر کبھی غور کیا کہ اس کھڑکی سے سوائے میری بے پردگی کے کیا فائدہ ہے، کیوں بنوائی گئی ہے؟ گواہ نے کہا کہ ہاں میں نے اس پر غور کیا ہے مگر میرے نزدیک اس کے بنوانے کی غرض آپ کی بے پردگی درست نہیں۔ اس لئے کہ مالک مکان کو بے پردگی مقصود ہوتی تو اسے پچھم طرف دیوار بنوانے اور اس میں کھڑکی لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ سرے سے دیوار ہی نہ بناتا۔ صرف منڈیر رہنے دینے سے یہ مقصد بدرجہ اولیٰ حاصل ہوتا۔ اس پر مدعی نے کہا کہ اس دیوار بنوانے کی وجہ میں بتاتا ہوں۔ جب مدعا علیہ نے دو منزلہ پر کوٹھری تعمیر کی تو وہ میرے مکان کے سامنے ہونے کی وجہ سے میرے مکان سے بے پردہ تھی۔ یہاں تک کہ میرے مکان سے اس کوٹھری کی چارپائی تک معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے مدعا علیہ کو اس دیوار کے بنوانے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ دوسرے دن ۲۸ مئی کو وقت معاینہ جس طرح بخت و اتفاق سے ایک انجینیر یا کم از کم اورسیر صاحب موجود تھے۔ جن کے متعلق ذی علم ثالث نے لکھا: ''اتفاق وقت سے ایک واقف کار حال و قواعد تعمیر عمارت بھی اس وقت اس جگہ موجود تھے''۔ اسی طرح حسب اتفاق دوسرے دن وہ گواہ صاحب بھی موجود تھے جن کو مدعی نے کھڑکی کے قریب کھڑا کر کے اپنے یہاں کی بے پردگی دکھائی اور کل کے تقریر کی تفہیم میں یوں لب کشائی کی کہ دیکھئے یہ کوٹھری میرے اس مکان سے بے پردہ ہوتی تھی۔ اس لئے ان کو اس دیوار کے بنوانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس پر اس گواہ نے کہا کہ واقعی یہ دونوں مکان اس طرح آمنے سامنے واقع ہوئے ہیں کہ ان کے مکان سے آپ کا مکان بے پردہ ہوتا ہے اور آپ کے مکان سے ان کا۔ تو جس طرح بقول آپ کے، آپ کے مکان سے اپنے مکان کی بے پردگی دفع کرنے کو مدعا علیہ نے اپنی غربی دیوار اس قدر بلند کر دی ہے جس سے وہ بے پردگی جاتی رہی۔ کیا اچھا ہو کہ آپ بھی اپنے مکان کی ان کے مکان سے بے پردگی دفع کرنے کو اپنی مشرقی دیوار بلند کر لیجئے، بے پردگی جاتی رہے گی۔ گواہ نمبر۲ سے

marfat.com

بنب کھڑکی کی ضرورت وفائدہ کا سوال ہوا، اس کے جواب میں کہا کہ سہ منزلہ کی چھت چاروں دیواروں سے گھری ہونے کی وجہ سے وہاں ہوا کی آمد بہت کم ہوگئی تھی۔ اس لئے ہوا آنے کے لئے وہ کھڑکی کھولی گئی ہے تا کہ اس کے ذریعہ آمد ورفت ہوا کی ہو اور وہ مکان رہنے کے قابل ہو۔ ذی علم مجوز کے متعلق یہ خیال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ اظہار و بیان انھیں یاد تھا اور یہ ضرورت ان کے پیش نظر تھی پھر بھی جان بوجھ کر دوسری ضرورت سے انکار کیا بلکہ یہ ساری خرابی مسل ملاحظہ کرنے کی زحمت گوارا نہ فرمانے اور بیانات کو قلم بند نہ کرنے کی ہے۔ ہاں یہ امر ضرور تعجب خیز و حیرت انگیز ہے کہ باوجودیکہ مدعی نے دو گواہ پیش کئے اور ثالث صاحب نے ان کی گواہیاں سنیں مگر مسل میں اس کا کسی جگہ تذکرہ تک نہیں۔ حالانکہ شرعی حیثیت میں ان لغویات سے، جن سے کئی صفحے سیاہ کئے گئے ہیں، کہیں زیادہ قیمتی وہ بیانات تھے کہ یہ رکن مقدمہ ہیں۔ بخلاف ان مہمل تجاویز و منشورات لایعنی کے کہ ''بجوے نمی ارزند'' سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتے۔

(۱۱) ذی علم ثالث کا مدعی کے ایک سوال کے جواب میں مدعا علیہ کا جواب نقل فرمانا کہ ''مدعا علیہ نے کہا کہ یہ مکان ہمارا ابھی زنانہ ہے۔ یہاں مردوں کی آمد ورفت نہیں ہوتی ہے جس سے اندیشہ بے پردگی کا ہو'' پھر مدعی کا اعتراض ذکر کرنا کہ ''اس پر مدعی نے نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ کا جو عدالت میں ہوا ہے، مسل سے نکال کر سنایا وہ یہ ہے: نمبر ۵ یہ کہ بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت و کوٹھری پر رہتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست واحباب آیا کرتے ہیں''۔ مقصود اس سے مدعا علیہ کے دونوں باتوں میں تعارض و تناقض ثابت کرنا ہے مگر

اولاً بیان حلفی نمبر ۵ میں خاص ایک حالت کا تذکرہ ہے کہ مدعا علیہ کی لڑکی بوجہ بیماری ہوا صاف لینے کے لئے چھت اور کوٹھری پر رہتی ہے اور عیادت کرنے والے حضرات اس کی عیادت کو آتے ہیں۔ اہل عقل جانتے ہیں کہ علالت کی حالت، عام حالتوں سے جداگانہ ہوتی ہے۔ بہت سی باتیں جسے کوئی شریف آدمی کیا گنوار تک ایک لمحہ کے لئے پسند نہیں کر سکتا، علالت کی حالت میں ان سے بدرجہا زائد مجبوراً روا رکھی جاتی ہیں۔ کیا کوئی شریف آدمی اپنے متعلقین کو کسی میدان کے کھلے ہوئے مکان میں رکھنا پسند کرسکتا ہے جہاں نہ پردے کی دیوار ہو، نہ کسی شخص کے آنے کی ممانعت۔ دوست دشمن، موافق مخالف، شریف گنوار، معزز بے عزت، چوہڑا چمار، جو شخص چاہے وہاں جاسکے، کسی کی ممانعت نہیں۔ مگر پھر بھی بہت سے مدعیان شرافت کو پہاڑوں پر قیام کی حاجت اور علالت کی وجہ سے متعلقین کو ایسے میدان میں رکھنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ تو کیا کسی عقلمند کو زیبا ہے کہ اس ضرورت کی حالت سے استناد کرے اور کہے کہ فلاں شخص کے یہاں پردہ کا رواج نہیں، میں نے اس کے متعلقین کو پہاڑ پر رہتے دیکھا ہے، جہاں بے روک ٹوک ہر شخص جا سکتا ہے۔

ثانیاً مدعا علیہ نے یہ کب کہا کہ اس مکان میں مردوں کا آنا کسی حال، کسی وقت میں ممکن ہی نہیں کہ بیان حلفی نمبر ۵ سے متناقض ہو، ''کوئی مرد نہیں آتا اور مردوں کی آمد ورفت نہیں ہوتی'' میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ دنیا میں وہ کون سا زنانہ مکان ہے جس میں کبھی کسی عذر و حاجت کے سبب مرد نہیں آتے جاتے۔

ثالثاً مسل سے جس طرح نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ سن کر فیصلہ میں اس سے کام لیا ہے۔ کاش عرضی دعویٰ و بیان

marfat.com

تحریری بھی سن لیتے تو معلوم ہوتا کہ مدعی کا دعویٰ کیا ہے؟ اور اس کی کیا کیا دلیلیں ہیں اور مدعا علیہ نے کیا جواب دیا ہے؟ اور کیا فائدہ اس کھڑکی کا بیان کیا ہے؟ اس وقت اس بات کے لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی کہ اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کی۔ اگر انصاف نصب العین ہوتا تو جس قدر بیانات حلفی فریقین کی طرف سے داخل کیے گئے تھے ان سب کو مع عرضی دعویٰ و بیان تحریری کسی ناطرفدار، دیانتدار شخص سے ترجمہ کرا کر سننا تھا پھر مدعی و مدعا علیہ سے اس کی تصدیق کرا کے اس سے فیصلہ پر پہونچنا۔

(۱۲) مدعی کا یہ کہنا کہ ”ان مردوں اور مجھ سے ایسا رشتہ نہیں ہے کہ میرے یہاں کی عورتیں ان کے سامنے ہوسکیں۔“ محض عذر بارد ہے اور ذی علم ثالث کا اسے برقرار رکھنا تعجب خیز۔

اولاً کتنے مرد ہیں جن سے شرعاً رشتہ سامنے ہونے کا نہیں ہوتا پھر بھی عورتیں ان کے سامنے ہوا کرتی ہیں۔

ثانیاً یہ کس نے کہا کہ جب کوئی شخص مدعا علیہ کی لڑکی کو دیکھنے آئے تو مدعی کی عورتیں اس کے سامنے آئیں۔ مریضہ کو دیکھنے کے لئے جب کوئی آئے گا، اطلاع کرے گا۔ جب مدعا علیہ کی عورتیں پردہ ہوں، مدعی کی عورتیں بھی اتنی دیر تک پردہ میں رہنے کی زحمت گوارا کریں۔ اس لئے کہ مدعا علیہ کے مکان میں اس کے رشتہ کی کئی عورتیں رہتی ہیں۔ اور ایک یا دو آدمی بھی ایسا نہ نکلے گا کہ وہ سب عورتیں اس کے سامنے ہوتی ہوں۔ تو ضرور ہے کہ ہر شخص کے لئے ایک نہ ایک عورت کو پردہ کے لئے اطلاع کی جائے۔

ثالثاً میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ ضرورتمند اپنے غرض کا باولا ہوتا ہے۔ جو رشتہ دار لوگ اس لڑکی کی علالت سے متاثر ہوکر اس کو دیکھنے کے لئے آئیں گے، انھیں لڑکی کی علالت کا خیال دامن گیر ہوگا یا اس وقت انھیں ادھر ادھر تاکنے جھانکنے کا خیال پیش نظر ہوگا؟ خصوصاً جانے کی حالت میں تو ان لوگوں کی پیٹھ مدعی کے مکان کی طرف ہوگی اور رخ مریضہ کی کوٹھری کی طرف، جو مکان مدعی اور سیڑھی دونوں سے پورب اتر واقع ہے اور آتے وقت عورتیں پردہ میں ہوں گی۔ تو ان عیادت کرنے والوں سے بے پردگی کا دعویٰ محض تصنع ہے۔

رابعاً مدعا علیہ کے سہ منزلہ مکان یا اس کھڑکی سے اگر بے پردگی ہوسکتی ہے تو مدعی کے چھت کی، نہ مکان کی، اور چھت شریف عورتوں کے رہنے سہنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے: ”لا تسکنوھن العلالی“ عورتوں کو بالاخانہ پر نہ رکھو۔ اسی لئے علماء کرام نے مکان کی بے پردگی اور چھت کی بے پردگی میں فرق کیا ہے اور مکان کی بے پردگی کا خیال کیا کہ وہ عورتوں کے بود و باش کی جگہ ہوتی ہے۔

فصول عمادی جلد دوم ص ۱۲۱۰ میں ہے: ”رجل اشتری حجرة سطحها و سطح جاره یستویان فاخذ جاره یتخذ سترة بین السطحین لا یجبر علیٰ ذلك لان الانسان لا یجبر علی البناء فی ملکه۔ ولو اراد ان یمنعه من صعود السطح حتیٰ یتخذ سترة قالو ان کان فی صعوده یقع بصره فی دار الجار کان له ان یمنع لان فیه ضررا زائدا و ان کان لا یقع بصره فی داره ولکن یقع بصره علیهم اذا کانوا علیٰ السطح لا یمنعه لانهما استویا فی

marfat.com

الضرر لانہ ان کان یقع بصرہ علیھم فی السطح یقع بصرھم علیہ ایضا فی السطح ذکر المسئلۃ علی ھذا الوجہ فی فتاویٰ ابی اللیث وعلی قیاس المسئلۃ التی تقدم ذکرھا وھی ما اذا فتح صاحب البناء فی جدار علوہ کوۃ لیس لصاحب الساحۃ ان یمنعہ عنہ ینبغی ان یقال فی ھذہ المسئلۃ لیس للجار حق المنع عن الصعود وان کان یقع بصرہ فی دار جارہ الا یریٰ ان محمدا رحمہ اللہ لم یجعل لصاحب الساحۃ حق منع صاحب البناء من فتح الکوۃ فی علوہ مع ان بصرہ یقع فی الساحۃ"

"یعنی کسی شخص نے ایک کوٹھری خریدی جس کی سطح اور اس کے پڑوسی (کے مکان) کی سطح برابر ہے۔ پڑوسی نے چاہا کہ وہ دونوں چھتوں کے درمیان میں دیوار بنائے (تاکہ اس کی بے پردگی نہ ہو) تو وہ شخص اس پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ اس لئے کہ کسی شخص کو اپنے ملک میں مکان یا دیوار بنانے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ اور اگر پڑوسی نے چاہا کہ جب تک یہ پردہ کی دیوار نہ بنالے اس کو چھت پر چڑھنے سے منع کرے۔ علماء نے فرمایا کہ اگر اس کی نگاہ چڑھنے میں پڑوسی کے مکان میں پڑتی ہے تو اس کو منع کرنے کا حق ہے کیونکہ اس میں سخت ضرر ہے۔ اور اگر اس کی نگاہ گھر میں نہیں پڑتی، لیکن جب وہ لوگ چھت پر ہوں تو اس کی نگاہ ان لوگوں پر پڑتی ہے، تو اس کو نہیں روکے گا۔ اس لئے کہ وہ دونوں ضرر میں برابر ہیں۔ اس لئے کہ اگر اس کی نگاہ چھت پر ان لوگوں پر واقع ہوتی ہے تو ان لوگوں کی نگاہ بھی اس پر واقع ہوگی، جب وہ شخص چھت پر ہوگا۔ اس مسئلہ کو اس تفصیل کے ساتھ فتاویٰ فقیہ ابواللیث میں بیان کیا ہے اور مسئلہ سابقہ (یعنی جب کہ عمارت والا اپنے بالا خانہ کی دیوار میں روشندان کھولے تو صحن والے پڑوسی کو منع کرنے کا حق نہیں ہے) پر قیاس کر کے لائق ہے کہ اس مسئلہ میں یوں کہا جائے کہ پڑوسی کو چڑھنے سے منع کرنے کا حق نہیں اگر چہ اس شخص کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں پڑتی ہو۔ کیونکہ امام محمد رضی اللہ عنہ نے صحن والے کو حق نہیں دیا کہ مکان والے کو کھڑکی کھولنے سے منع کرے باوجودیکہ اس کی نگاہ صحن میں پڑے گی۔" موافق ظاہر الروایہ تو اس کو مطلقاً حق ممانعت ہی نہیں اور جن علماء نے استحساناً اس کو حق بھی دیا ہے، انھوں نے بھی چھت کی بے پردگی کا عام طور پر بود وباش نہ ہونے کی وجہ سے خیال نہیں کیا اور پڑوسی کو اجازت نہ دی کہ چھت پر چڑھنے سے اس شخص کو منع کرے۔ تو صورت واقعہ میں کب قابل لحاظ ہے۔

خامساً یہ سب صورتیں تو اس وقت تھیں اب تو ع وہ سر ہی ہم نہیں رکھتے جسے سودا ہو ساماں کا، مضمون ہے۔ خداوند عالم نے اس مکان کو منہدم فرما کر یہ قصہ ہی پاک کر دیا۔ اب مدعی کا مکان نئے سرے سے بن رہا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ وہ واقف کار قواعد تعمیر عمارت اتفاق وقت سے آجائیں اور مدعی ان کے مشورہ سے ایسے طرز پر مکان بنائے جس سے بے پردگی ناممکن ہو۔ ہاں نفسانیت اور ہٹ کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں۔

(تنبیہ) فصول عمادی کی اس جامع عبارت نے نہ صرف چھت اور مکان کی بے پردگی کا فرق ہی ظاہر کیا بلکہ اس مقدمہ کے اکثر حصہ کا فیصلہ بھی کر دیا۔ اس لئے کہ اس عبارت سے اتنے مسئلے معلوم ہوئے:

(۱) کوئی شخص اپنے ملک میں مکان یا دیوار بنانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

marfat.com

(۲) کسی شخص کے چھت پر چڑھنے سے اگر مکان کی بے پردگی ہوگی تو دیوار بنائے جانے تک اس شخص کو اگر منع بھی کرسکتے ہیں تو چھت پر چڑھنے سے اور اگر دوسرے کی چھت کی بے پردگی ہوتی ہے تو اصلاً حق منع نہیں۔

(۳) بے پردگی دفع کرنے کو دیوار وہ شخص بنائے جس کی بے پردگی ہوتی ہو۔

(۴) قابل لحاظ پڑوسی، کا سخت نقصان ہے۔ جس کو بعض کتابوں میں ضرر بیّن، بعض میں ضرر فاحش، بعض میں ضرر زائد سے تعبیر کیا ہے، نہ معمولی ضرر جس کا دفع اسے آسان ہو۔

(۵) ضرر مشترک قابل لحاظ نہیں ہے۔ اگر زید کے مکان سے عمرو کا مکان بے پردہ ہو اور عمرو کے مکان سے زید کا تو دونوں اپنا اپنا انتظام کرلیں۔

(۶) مسئلہ متقدمہ جس کے قیاس پر اصلاحق منع نہ دیا، وہ مسئلہ ہے جسے اسی صفحہ میں اس مسئلہ سے متصل ذکر کیا ہے:"

وفی کتاب القسمة اذا وقع لرجل بالقسمة بناء وللآخر ساحة لا بناء فیها ففتح صاحب البناء فی جدار علوه کوة وطالبه صاحب الساحة بسدها فلیس له هذه المطالبة ولا یجب علی صاحب البناء سد الکوة لانه بفتح الکوة تصرف فی ملکه من غیر ان اتلف علی صاحب الساحة شیئا من ملکه او منفعة ملکه الا یریٰ انه لو رفع جمیع جدار علوه کان له ذلك فاذا فتح کوة کان اولیٰ۔"

"یعنی اور نوازل کی کتاب القسمة میں ہے کہ جب تقسیم سے ایک شخص کے حصہ میں مکان پڑا اور دوسرے کے حصہ میں صحن آیا۔ مکان والے نے اپنے بالا خانے کی دیوار میں روشندان کھولا اور صحن والے نے اس کے بند کرنے کا مطالبہ کیا تو اس شخص کو اس مطالبہ کا حق نہیں۔ اور مکان والے پر اس روشندان کو بند کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ روشندان کھولنے سے اس نے اپنے ملک میں تصرف کیا بغیر اس بات کے کہ صحن والے کی ملک یا منفعت میں کچھ نقصان کرے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے بالا خانے کی کل دیوار ہٹا دیتا تو اس کو یہ جائز تھا۔ تو روشندان کھولنا بدرجہ اولیٰ۔ اس عبارت نے کس قدر وضاحت سے بتا دیا کہ وہ دو شخص کہ ایک وقت میں شریک تھے اور بعد تقسیم جار ملاصق ہیں۔ جب ایک شخص کو بالا خانہ کی دیوار میں روشندان کھولنے سے دوسری کی وجہ سے منع کرنا جائز نہیں تو اس مقدمہ میں کہ مدعی نہ مدعا علیہ کا جار ہے، نہ اسے حق جوار، دونوں کے درمیان مدعا علیہ کا سرالی وسیع مکان حائل ہے۔ باوجود ان تمام باتوں کے مدعا کی کھڑکی بند کرانا کس درجہ ظلم صریح ہے۔

(۱۳) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ "مدعی نے مکان مدعا علیہ کے نیچے طبقہ کے متعلق مکان زنانہ کے صحن سے ایک وسیع کھڑکی مجھے دکھائی الخ"

اولاً اس کا منشاء وہی حقوق ضرورت وحاجت ومنفعت وزینت سے تغافل یا ذہول ہے۔ اگر یہ امر پیش نظر رہتا کہ کسی شخص کو اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حق ضرورت وحاجت پر مجبور ومقصور نہ کیا بلکہ منفعت اور زینت کی بھی اجازت دی ہے تو ہرگز اس قسم کی دور از کار باتیں لکھنے کی نوبت نہ آتی۔ مدعی نے جس وقت اس کھڑکی کے

marfat.com

دکھانے کا قصد کیا تھا، ثالث صاحب کو کہنا تھا کہ شاید آپ اپنا اور میرا منصب بھول گئے۔ آپ اس مقدمہ میں مدعی ہیں اور میں ثالث۔ آپ کا کام اپنا دعویٰ پیش کر کے مدلل کرنا ہے اور میرا کام فیصلہ دینا۔ آپ یا ہم مدعا علیہ کے مشیر نہیں کہ ان کو اپنے سسرال آنے جانے کے راستہ کی بابت مشورہ دیں کہ یہ راستہ آسان ہے یا وہ، اور اس میں بنانا اور کچھ خرچ کرنا پڑے گا اور اس میں نہیں، یوں تو بیسیوں رائیں آپ کو میں ایسی بتا سکتا ہوں جس میں آپ کی بے پردگی جاتی رہے اور اس کھڑکی کے بند کرنے کی نوبت نہ آئے مگر اس وقت ہمارا یہ فرض منصبی نہیں۔

ثانیاً نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ سے اس قدر فقرہ کہ ''اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست احباب آیا کرتے ہیں ''جو موافق مدعی تھا، خیال رہا اور اسی کے متصل کی عبارت کہ ''بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت اور کوٹھری پر رہتی ہے'' جسے فیصلہ میں نقل بھی کیا ہے، یک دم دل سے بھلا دیا۔ ورنہ ذی علم ثالث کے نزدیک اگر وہ لڑکی ہمیشہ کوٹھری اور چھت پر رہتی ہے، جس کلیت اور عموم سے تناقض ثابت کرنا چاہا تو یہ بات ادنیٰ تامل سے بآسانی سمجھ میں آ جانے کی ہے کہ اس سہ منزلہ پر رہنے والی کے لئے پانچ قدم اتر کر اپنے ننہال جانا آسان ہے یا وہاں سے ایک منزل نیچے اترے پھر دس پندرہ قدم چل کر دادی کا مکان کھلوائے، اس کے بعد پھر کچھ چل کر دوسری کھڑکی ننہال کی طرف کی کھلوائے، پھر ایک مسافت طے کر کے اسی چھت کے سامنے واپس آئے، یہ تو مغل سرائے ہو کہ شہسرام سے گیا جانا ہوا۔ زیادہ مناسب ہونے کی وجہ کا زیادہ تر تعلق فن انجینیری سے ہے۔ اسے تو شاید کوئی انجینیر صاحب سمجھیں گے یا شائد اتفاق وقت سے آ جانے والے وہ واقف کار قواعد تعمیر عمارت۔ ورنہ ادنیٰ عقل والا بھی جانتا ہے کہ جہاں جہت ایسی قریب ہو اور آنے جانے کی بکثرت حاجت پڑتی ہو، وہاں ایک مرتبہ کچھ صرف کر کے چند سیڑھی بنوا لینا آسان ہے، جس کے بعد آنے جانے میں صرف چند قدم کی مسافت رہے۔ یا ایک روپیہ کی پیٹا کا تو خیال کیا جائے اور برابر آمد و رفت میں ایک مسافت طے کی جائے وہ بھی دو دو جگہ قیام کر کے کہ وہ دونوں کھڑکیاں ہمیشہ بند رہتی ہیں، ورنہ وہ مکان بالکل غیر محفوظ ہو جائے۔

(۱۴) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ ''اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکان جس میں وسیع کھڑکی ہے، مدعا علیہ کی والدہ کے رہنے کا مکان ہے، کسی غیر کا مکان نہیں۔ اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے بزرگان مدعا علیہ الخ'' عجیب منطق اور نئی شریعت ہے۔

اولاً آج تک تو یہ معلوم تھا کہ انت ومالك لابيك۔ اب شاید نئی حدیث نکلی ہے: '' انت ومالك لابنك'' اگر وہ مکان مدعا علیہ کے بیٹے کا ہوتا جب بھی شرعاً بے اس کے اذن کے اسے اس میں تصرف ناجائز ہوتا۔ اور اگر وہ خاطر یا لحاظ سے اذن دے دیتا جب بھی دیانتاً ناجائز ہوتا کہ املاک متمائز ہیں ورنہ توریث باطل ہو، نہ کہ وہ مکان جس میں نہ صرف مدعا علیہ کی والدہ بلکہ اس کے اور بھائی بھی مع متعلقین کے رہتے ہیں۔ اس مکان کو مدعا علیہ کا اپنا مکان بتانا عجب دانشمندی ہے۔

ثانیاً اولاد کے ساتھ والدین کے جو کچھ تعلقات ہوتے ہیں، ان کے مقابل کسی ایک قطعہ مکان کی کوئی ہستی نہیں۔ مگر جب جدائی ہو جاتی ہے تو ہر شخص اپنی چیز کو خالص اپنی ملک سمجھتا ہے۔ جیسا کہ باپ بیٹوں میں مخالفت کی حالت پیش نظر رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ ہاں اگر مدعا علیہ اپنی والدہ کے ساتھ رہتا تو یہ بات قدرے معقول تھی۔ ذی علم ثالث

marfat.com

کا خیال کہ ''بزرگان مدعا علیہ کے وقت سے وہی راہ عورتوں کے آمدورفت کے لئے ہے'' میرے نزدیک بھی صحیح معلوم ہوتا ہے مگر محلہ داری یا معمولی رشتہ داری کی آمدورفت شاذ و نادر ہوا کرتی ہے اور مدعا علیہ کے سسرالی تعلق کی وجہ سے اس کے علاوہ ایک اور خاص جدید رشتہ قائم ہوگیا، جس نے اس امر کی ضرورت ظاہر کی کہ والدہ مدعا علیہ سے وہی قدیم رشتہ داری کی وجہ قدیم راستہ آمدورفت کا برقرار رہے اور مدعا علیہ سے جدید تعلق کی وجہ سے آنے جانے کی ضرورت حسب عادت زمانہ بہت زیادہ ہوگئی۔ خصوصا مدعا علیہ کی اولاد کے لئے تو گویا دونوں مکان ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں یعنی اگر یہ والد کا مکان ہے تو وہ والدہ کا۔ تو ایسی حالت میں آمدورفت کے لئے قریب تر راستہ اختیار کرنا مناسب ہے یا دوسرے مکان ہو کر انسب۔ اور نزاع جاتی رہنے کی از روے مصالحت یہ تجویز بتانا کہ کھڑکی بند کر دیجئے اور قدیمی راہ سے آمدورفت جاری رکھئے، عجب دانائی ہے۔؟ ذی علم ثالث کو خیال کرنا تھا کہ مخالفت کا اصل منشاء تو یہی ہے کہ مدعی اپنی ضد اور نفسانیت سے خواہش کرتا ہے کہ یہ کھڑکی بند ہو جائے اور مدعا علیہ کہتا ہے کہ میں کون سے حکم شرعی سے اس بات پر مجبور کیا جاتا ہوں۔ اگر آپ کی بے پردگی ہوتی ہے تو اپنی شرقی دیوار بلند کر لیجئے، جس طرح میں نے اپنی بے پردگی دفع کرنے کو غربی دیوار اونچی کر لی ہے۔ جب اس مصالحت میں بھی مدعی اپنی ناجائز ہٹ پر باقی رکھا گیا اور مدعا علیہ خلاف شرع و عقل اپنے ایک جائز حق سے مجبوراً محروم کیا گیا تو یہ محض تحکماً مدعی کو ڈگری دینا ہوا یا برضامندی و صلح باہمی تصفیہ کرنا؟۔

(۱۵) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ ''یہ عذر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنی والدہ کے مکان کو (الیٰ قولہ) غیر کا مکان کیوں قرار دیا''۔ از روئے انصاف ارشاد ہو کہ اور کون سی بات آپ کی سمجھ میں آئی ہے جو ایک اس کے سمجھ میں نہ آنے کے شاکی ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر منصفانہ حیثیت سے آپ اپنے اس فیصلہ پر ایک نگاہ فرمائیں گے تو خود اقرار کر لیں گے کہ میں نے نہ دعویٰ سمجھا ہے نہ جواب دعویٰ سمجھا، نہ اظہار سمجھا نہ بیان حلفی سمجھا، نہ اصل منشاء مقدمہ سمجھا نہ مدعی کی ہٹ دھرمیوں کو سمجھا، نہ مدعا علیہ کے معقول عذروں کو سمجھا نہ مسالک فقہاء کو سمجھا، نہ کتب فقہیہ کی عبارتوں کو سمجھا نہ اپنی پیش کردہ عبارتوں کو سمجھا، جب اتنی باتیں سمجھ میں نہ آئیں تو ''این ہم بر سر علم'' ایک یہ بھی نہیں سمجھا کہ مدعا علیہ نے اپنی والدہ کے مکان کو غیر کا مکان کیوں قرار دیا۔ ورنہ وجہ ظاہر ہے کہ والدہ مدعا علیہ، نہ عین مدعا علیہ ہیں نہ جزء مدعا علیہ، تو اگر مدعا علیہ نے غیر کہا تو کیا جرم کیا؟ علاوہ بریں اپنا مکان دو ہی طرح کہا جا سکتا ہے۔ یا وہ مکان اس کا مملوک ہو یا اسے شرعاً حق سکونت و منفعت ہو۔ اور جب وہ مکان مدعا علیہ کی والدہ کا ہے جس میں وہ مع اپنے بیٹوں کے رہتی ہیں۔ تو مدعا علیہ اس کو اپنا مکان کس طرح کہہ سکتا تھا؟ وقد صرح فی الاشباہ ص ۵۳۲: ''ان اجتماع الملکین فی محل واحد محال۔''

(۱۶) ذی علم ثالث کی یہ انوکھی تجویز کہ ''الماری توڑ کر کھڑکی بنائی جائے اور اس کو بطور صلح باہمی کہنا'' نیا تفقہ ہے۔

اولاً صلح وہ عقد ہے جو بتراضی فریقین رفع منازعت کے لئے موضوع ہو۔

فتاویٰ عالمگیری جلد۴ ص ۳۱۳ میں ہے: ''اما تفسیرہ شرعا فھو انہ عقد وضع لرفع المنازعۃ بالتراضی کما فی النہایۃ۔''

marfat.com

اور یہاں ذی علم ثالث کی تجویز ہے پھر وہ بطور صلح کیونکر ہوسکتا ہے؟ یہ تو مدعی کو پوری ڈگری دے کر مدعا علیہ کو ایک مشورہ دینا اور زبان حال سے کہنا ہے کہ میں آپ کا ایسا خیر خواہ ہوں کہ آپ کو ایک جائز حق سے مجبوراً صرف روکتا ہی نہیں ہوں بلکہ آپ کی بنی بنائی الماری بگاڑنے کی بھی راہ بتاتا ہوں اور طرفہ احسان کہ اس کا نام صلح باہمی رکھ کر تمہیں بددل ہونے سے بچاتا ہوں۔

ثانیاً شرائط صلح سے ہے کہ مصالح علیہ یعنی جس چیز پر صلح کی جائے، مال ہو۔ اگر اس کے قبضہ کی ضرورت ہے تو مال معلوم ہونا چاہئے اور اگر قبضہ کی حاجت نہیں تو معلوم و مجہول دونوں ہوسکتا ہے۔ بہرحال مصالح علیہ کا مال ہونا ضرور۔

عالمگیری ج۴ص ۳۱۳ میں ہے:" واما شرائطه فانواع (الى ان قال) ومنها ان يكون المصالح عليه مالا معلوما ان كان يحتاج الىٰ قبضه وان كان لا يحتاج الى قبضه فشرطه ان يكون المصالح عليه مالا سواء كان معلوما او مجهولا هكذا فى المحيط"

اور یہاں سرے سے مصالح علیہ ہی مفقود پھر بھی صلح موجود۔

ثالثاً صلح کا خلاصہ، مطلب مدعی کا کچھ لے کر اپنے کل یا جزء دعویٰ سے باز آجانا ہے اگر کل دعویٰ پر قائم رہے تو صلح کس بات سے ہوئی؟ یہاں دعویٰ رفع بے پردگی تھا۔ اس کے کون سے جزء سے مدعی باز آیا؟ کیا تمام وکمال بے پردگی جائز رکھی یا آدھی، پھر صلح یعنی چہ؟۔

رابعاً صلح کا حکم مدعی کے لئے مصالح علیہ کا مالک ہوجانا ہے۔

بحر الرائق جلد۷ص ۲۷۸ میں ہے:" وحكمه فى جانب المصالح عليه وقوع الملك فيه للمدعى سواء كان المدعىٰ عليه مقرا او منكرا وفى المصالح عنه وقوع الملك فيه للمدعىٰ عليه ان كان مما يحتمل التمليك كالمال وكان المدعىٰ عليه مقرا به وان كان مما لا يحتمل التمليك كالقصاص وقوع البرائة"۔

الماری کو کھڑکی بنالینے میں مصالح علیہ میں کون سی ملک مدعی کو ثابت ہوئی؟ اور شئ جب اپنے حکم سے خالی ہو، باطل ہے۔ لہذا اسے صلح کہنا محض لاحاصل ہے۔

خامساً علماء کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر کسی شخص نے ایک قطعہ مکان کا دعویٰ کیا پھر اس میں سے ایک گھر یا کسی ایک حصہ پر صلح واقع ہوئی تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ جس چیز پر اس نے قبضہ کیا وہ اس کے حق کا ایک جز ہے تو باقی میں اپنے دعویٰ پر قائم ہے۔

ہدایہ جلد۳ص ۲۴۵ میں ہے: ولو ادعىٰ دارا فصالح على بيت او قطعة منها لم يصح الصلح لان ما قبضه من عين دعواه فى الباقى۔ مکان کے دعویٰ میں اسی مکان کے ایک گھر پر صلح کرنے کو صلح نہیں قرار دیا تو مدعی کو پوری ڈگری دے کر پھر اس کا صلح نام رکھنا ذی علم ثالث کی کمال فقہ دانی ہے۔

سادساً جس مسئلہ کا جزئیہ کتب فقہ میں مصرح نہ ہو مثلاً تار، بیمہ، منی آرڈر، نوٹ، سیونگ بینک وغیرہ، عالم سے

marfat.com

اس میں غلطی ہو جائے تو چنداں جائے تعجب نہیں۔ حد سے زیادہ اس وقت ہوتا ہے کہ مدعی علم باوجود روشن تصریحات علماء کے کسی کی حمایت میں ایجاد بندہ سے کام لیتا ہے۔ اس وقت کی غلطی، غلطی نہیں کہی جاتی بلکہ خود اسی کے الفاظ پکار اٹھتے ہیں کہ یہ کچھ اور ہے۔ یہ مسئلہ کوئی ایسا نہ تھا کہ کتب فقہیہ میں کہیں مصرح نہ ہو۔

فتاویٰ عالمگیری جلد۴ ص ۳۵۱ میں فتاوی ظہیریہ سے اور فتاوی فقیہ النفس قاضیخان جلد سوم ص ۱۹۰ میں ہے:"

واللفظ للخانية "رجل له باب فی غرفة او كوة فخاصمه جاره فصالحه علی دراهم معلومة يدفعها الجار ليترك الكوة ولا يسدها كان ذلك باطلا لان الجار ظالم فی منع صاحب الكوة عن الانتفاع بمال نفسه فانما ياخذ المال فكيف عن الظلم والكف عن الظلم واجب وكذا لو كان الصلح بينهما علیٰ ان ياخذ صاحب الكوة دراهم معلومة ليسد الكوة والباب كان باطلا لان الجار انما دفع المال ليمتنع صاحب الكوة عن التصرف فی ملكه والانتفاع بمال نفسه لا علی وجه الازالة والتمليك من الغير وذلك باطل"

کسی شخص کے بالاخانہ میں دروازہ یا روشندان ہے۔ اس کے پڑوسی نے اس سے جھگڑا کیا۔ اس نے کچھ روپیہ دے کر پڑوسی سے صلح کی کہ اس روشندان کو رہنے دے اور بند نہ کرے۔ تو یہ صلح باطل ہے اس لئے کہ وہ پڑوسی ظالم ہے کہ روشندان والے کو اپنے مال سے نفع اٹھانے سے روکتا ہے۔ تو یہ روپیہ اس لئے لیتا ہے تا کہ ظلم سے رکے اور ظلم سے رکنا تو اسے یوہی واجب ہے۔ اسی طرح اگر ان میں صلح اس طرح ہو کہ روشندان والا کچھ روپیہ لے کر اس روشندان یا دروازہ کو بند کر دے جب بھی باطل ہے۔ کیونکہ پڑوسی اس لئے روپیہ دیتا ہے کہ روشندان والا اپنے مال میں تصرف کرنے اور اپنے مال سے نفع اٹھانے سے بغیر ازالہ وتملیک غیر رو کا جائے اور یہ باطل ہے۔ غرض کھڑکی کی صورت میں کسی طرح صلح صحیح نہیں۔ اگر بغیر مال صلح کیا جب باطل اور اگر مدعی مال لے کر کھڑکی کو رہنے دیتا ہے جب باطل اور اگر مدعا علیہ مال لے کر کھڑکی بند کرتا ہے جب باطل۔ تو ذی علم ثالث کا صلح تجویز فرمانا، مدعی مدعا علیہ دونوں کا نقصان کرنا، خلاف شرع راہ دکھانا ہے، جس کے باطل ہونے کی فقہائے کرام تصریح فرما چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علمائے کرام پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے کہ ساڑھے سات سو برس پہلے کیسا جزئیہ تحریر فرمایا جس نے نہ صرف صلح ہی کا خاتمہ کیا بلکہ سرے سے مقدمہ کا بھی فیصلہ کر دیا کہ ایسا شخص ظالم ہے کہ کھڑکی کے مالک کو اپنے مال سے نفع اٹھانے سے منع کرتا ہے۔ وفات امام قاضیخان کی ۵۹۲ ہجری میں ہے۔

سابعاً یہ ساری خرابیاں اس کی ہیں کہ ذی علم مجوز جیسا کہ نمبرے میں گزرا شروع ہی سے الٹی چال چلے ہیں۔ اب جس طرف جاتے ہیں مقاصد شرع وقوانین عقل سے اور دوری ہوتی جاتی ہے۔ ورنہ اگر ٹھیک راہ چلتے اور حق بقدر پہونچانا مطمح نظر ہوتا تو مدعی سے دریافت کرنا تھا کہ آپ کا مقصد اصلی کیا ہے؟ بے پردگی سے بچنا یا پردہ؟ بے پردگی سے بحث نہیں۔ مدعا علیہ نے جو اپنی دیوار میں کھڑکی لگائی ہے، اس کو بند کرانا۔ بر تقدیر اول رائے صائب اور بے مثل فیصلہ تھا کہ جس طرح مدعا علیہ نے خود آپ کے اقرار کے بموجب اپنی بے پردگی دفع کرنے کو غربی دیوار بلند کر لی ہے، آپ بھی اپنی بے پردگی

marfat.com

دفع کرنے کو اپنی شرقی دیوار بلند کر لیجئے، بے پردگی جاتی رہے گی۔ بر تقدیر دوم صاف معلوم ہو جاتا کہ مدعی متعنت ہے، دعویٰ خارج کیا جاتا۔ اس صورت میں ذی علم ثالث کو اس قسم کی دور از کار باتوں کا سامنا نہ ہوتا کہ اس فیصلہ کا دیکھنے والا تعجب سے کہتا ہے: ''یہ ثالث صاحب ہیں یا مدعی کے وکیل یا مدعا علیہ کے مشیر''۔ ورنہ جس طرح مدعا علیہ کو مشورہ دیا تھا کہ اس کھڑکی کو بند کر دیجئے، والدہ کے مکان ہو کر جو قدیم راہ ہے اسی کو برقرار رکھئے یا الماری توڑ کر کھڑکی بنا لیجئے اور اس کھڑکی کو بند کر دیجئے۔ اسی طرح دو ایک صورتیں بطور صلح باہمی مدعی کے لئے بھی تجویز کرتے کہ یہ قصہ تو اس مکان کا تھا۔ اب نئے سرے سے مکان بنا رہے ہیں، اس وضع سے بنایئے کہ بے پردگی نہ ہو یا اگر مدعا علیہ نہیں مانتے تو آپ ہی اپنی شرقی دیوار اونچی کر لیجئے، بے پردگی جاتی رہے گی یا یہ بھی نہ سہی تو اپنے قدیم رفیق جن کو رائے دے کر مقدمہ دائر کرایا تھا انھیں کو کہئے کہ وہ اپنی دوستی کی دیوار اونچی کر ڈالیں۔ ان کا بھی پردہ ہو جائے گا اور آپ کی بھی بے پردگی جاتی رہے گی۔ تب معلوم ہو جاتا کہ مدعی صاحب ان رایوں کو مانتے ہیں یا نا منظوری کی کیا وجہ بتاتے ہیں؟۔

(۱۷) ذی علم ثالث کا فرمانا ''اس کے بعد مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا کہ جیسی کھڑکی متنازعہ فیہ ہے الخ'' رفع نزاع کی بے مثل صورت اور مقبول عام فیصلہ دینے کی راہ جیسی یہ تھی، شاید دوسری نہ ہو۔ مدعا علیہ کا مطلب یہ ہے کہ بے پردگی کا الزام اگر میرے کسی فعل سے ہے تو وہ ثابت نہیں اور اگر محض کھڑکی کی وجہ سے اس کا خیال کیا جاتا ہے تو ایک ایسی ہی کھڑکی ان دونوں مکانوں میں بھی ہے۔ تو یہ دونوں کھڑکیاں بند کر دی جائیں کہ یہ قصہ ہی پاک ہو جائے اور ایک فتنہ کہ آئندہ کسی وقت اٹھنے والا ہو، ابھی سے اس کی جڑ کٹ جائے۔ مگر افسوس کہ اس وقت کے بیانات قلمبند نہ کرنے کی وجہ سے باتیں بہت بدل کر لکھی گئیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا، معقول عذر ہونے کی وجہ سے مدعی کو صاف لفظوں میں انکار کی گنجائش نہ تھی۔ مگر کمال طلاقت لسانی سے کہا کہ اگر... حلفاً کہہ دیں کہ مجھے بھی اس کھڑکی سے بے پردگی وتکلیف کا اندیشہ ہے تو میں ابھی بند کر دیتا ہوں جب... نے حلفاً اس امر کو بیان کیا تو اب بموجب اقرار کھڑکی بند کرنا چاہئے تھا۔ مگر نفسانیت کا خدا برا کرے کہ اس نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا... کے انداز اور رخ کو دیکھا کہ وہ لفظ بلفظ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ فوراً پلٹے اور کہا کہ... آپ کیا کہتے ہیں اس پر انھوں نے انکار کیا اور چھوٹے بھائی... نے بھی انہیں کا ساتھ دیا کہ نہ مجھے اس کھڑکی سے اس وقت تک تکلیف پہونچی، نہ آئندہ اندیشہ ہے۔ یہ دونوں روشندان جو آپ نے کھولے ہیں ان کو بند کر دیجئے۔ اس سے میری بے پردگی ہوتی ہے۔ اس وقت کے بیانات قلمبند نہ ہونے کی وجہ سے ذی علم ثالث نے اسے تینوں بھائیوں کے اقرار حلفی پر مشروط کرنا لکھا ہے۔ حالانکہ مدعی نے شرط کرنے میں منجھلے اور چھوٹے کا تذکرہ تک نہیں کیا تھا۔

ثانیاً یہ کون سی شریعت کا حکم ہے کہ جب تک تین شخص کی بے پردگی نہ ہو یا تین آدمی بے پردگی کے دعویدار نہ ہوں، عذر نا مسموع ہوگا۔ کیا ایک شخص کی بے پردگی قابل لحاظ نہیں؟ مانا کہ مدعی نے یہی کہا تھا تو ذی علم ثالث کا فرض تھا کہ مدعی کو سمجھاتے کہ یہ مجھے تسلیم ہے کہ یہ دونوں بھائی اس کھڑکی کی وجہ سے بے پردگی کے شاکی نہیں اور آئندہ کے لئے بھی۔

marfat.com

دستاویز دے رہے ہیں، مگر یہ مدعی نہیں کہ ان کا اقرار کافی ہو۔ مدعی تیسرا شخص ہے، ان کے اقرار کا اس پر کیا اثر پڑتا ہے۔ معہذا بے پردگی مختلف ہے۔ ممکن کہ ایک بھائی کے متعلقین کی جن لوگوں سے بے پردگی ہو، دوسری کی نہ ہو یا ایک بھائی روا نہ رکھے دوسرا اسے گوارا کرتا ہو، تو آپ کو ان کے اقرار سے کیا فائدہ تو جب ایک شخص خصوصاوہ کہ ان سب سے بڑا اور اہل علم ہے اور اہل علم ہی کو پردہ کا خیال زائد ہوتا ہے، وہ بے پردگی کا اندیشہ ظاہر کرتا ہے تو بے شک آپ کو بند کر دینا چاہئے کہ کسی ایک کی بھی بے پردگی شرعاً جائز نہیں۔

ثالثاً بیان حلفی کے الفاظ بھی جو ذی علم ثالث نے بنائے ہیں ضحکۂ اطفال ہیں ''کہ جیسا کہ مجھے نئی کھڑکی سے تکلیف واندیشہ بے پردگی ہے، ویسی ہی تکلیف ان لوگوں کو بھی اس کھڑکی سے پہونچتی ہو یا اب تکلیف پہونچنے کا اندیشہ ہوتو باوجود ان تمام تفرقوں کے ہم کو بند کردینے میں عذر نہ ہوگا'' یعنی نفس بے پردگی قابل لحاظ نہیں، جس کی وجہ سے مدعی کی کھڑکی بند ہو سکے بلکہ جس قسم کی تکلیف مدعی کو پہونچتی ہے اور آئندہ پہونچنے کا اندیشہ ہے، اسی قسم کی تکلیف پہونچتی ہو یا پہونچنے کا اندیشہ ہو تو البتہ یہ کھڑکی بند کی جا سکے گی۔ شائد اسی وجہ سے مدعی کے مکان کے وہ دونوں روشندان جن کے بند کرنے لئے ... نے کہا تھا بند نہیں کئے گئے کہ اس سے اگرچہ تکلیف پہونچتی ہے مگر اس قسم کی تکلیف نہیں پہونچتی، نہ آئندہ اندیشہ ہے۔

رابعاً قدیم وجدید، مسلم ومقبول، نا مسلم ونا منظور کا تفرقہ ہرگز مدعی نے نہیں دکھایا تھا۔ اور اگر بالفرض یہ تفرقے پیش کئے بھی ہوتے تو ذی علم ثالث کو خلاف شرع ہونے کی وجہ سے قلم زد کرنا تھا۔ جیسے بہت سی باتیں کہ حسب تحریر ذی علم ثالث اس جلسہ میں ہوئیں اور لغو جان کر ذی علم ثالث نے نہ لکھیں۔

ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۷۶ میں ہے: " قال الخیر الرملی واقول لا فرق بین القدیم والحدیث حیث کانت العلة الضرر البین لوجودها فیهما"۔

اسی ردالمحتار ص ۲۳۰ میں جہاں سے تھوڑی سی عبارت ذی علم ثالث نے نقل بھی کی ہے: وانظر مالو کانت دار قدیمة بهذا الوصف هل للجیران الحادثین ان یغیروا القدیم عما کان علیه۔ قلت الضرر البین یزال ولو قدیما کما افتی به العلامة المهمنداری ومثله فی حاشیة البحر للخیر الرملی من کتاب القضاء کما فی کتاب الحیطان من الحامدیة۔

غرض اگر یہ ضرر بین ہے تو اس کے مقابل یہ تفرقے محض لغو ہیں اور اگر بیّن نہیں تو دعویٰ ہی راساً بالاتفاق باطل و مدفوع ہے۔ جس طرح ظاہر الروایۃ ومذہب ائمہ مذہب میں مطلقا نا مسموع ہے۔

(۱۸) حاکم اور حکم کو چاہئے کہ فریقین کے ساتھ بالکل یکساں برتاؤ کرے۔ ایک مرتبہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کسی شخص سے کچھ خلاف ہوگیا۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں یہ قصہ پیش ہوا۔ آپ نے یا علی کے بدلے یا ابالحسن کہہ کر خطاب کیا، جس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناخوش ہوئے کہ آپ کو نام لے کر پکارنا تھا، آپ نے مجھے کنیت سے کیوں یاد فرمایا؟

marfat.com

مستطرف جلد اول ص ۱۳۷ میں ہے: "ادعیٰ رجل علی علیّ عند عمر رضی الله عنهما و علیّ جالس فالتفت عمر الیه وقال یا ابا الحسن قم فاجلس مع خصمك فقام فجلس مع خصمه فتناظرا و انصرف الرجل ورجع علی الیٰ مجلسه فتبین لعمر التغیر فی وجه علی فقال یا ابا الحسن مالی اراك متغیرا؟ اکرهت ما کان؟ قال نعم قال وما ذاك قال کنیتنی بحضرة خصمی هلا قلت یا علی قم فاجلس مع خصمك فاخذ عمر براس علی رضی الله عنهما فقبله ثم قال بابی انتم بکم هدانا الله وبکم اخرجنا من الظلمٰت الی النور۔

اور یہاں ذی علم ثالث کا یک طرفہ انداز شروع تحریر سے ظاہر۔ خصوصاً اس موقع پر تو حد کر دی۔ بالفرض مدعی نے تینوں بھائیوں کے بیان حلفی پر معلق کیا تھا مگر وہ لوگ آپس میں مختلف ہو گئے۔ کسی نے اقرار کیا، کسی نے انکار۔ تو از روئے انصاف اس کو اس طرح لکھنا تھا کہ اس پر تینوں بھائیوں میں اختلاف ہوا... نے اظہار تکلیف واندیشہ بے پردگی کا کیا مگر ان کے دونوں بھائیوں نے کہا کہ ہمیں اس کا اندیشہ نہیں۔ مگر بجائے اس کے فیصلہ میں اس کو اس طرح تعبیر کیا کہ" اس پر بکو میاں نے اظہار تکلیف واندیشہ بے پردگی دختر ان مدعا علیہ کیا۔ پر ان کے دونوں بھائی یحییٰ میاں اور معین میاں نے بکمال کشادہ پیشانی حلفاً کہا کہ آج تک کوئی تکلیف یا بے پردگی ہوئی ہے، نہ آئندہ کو ایسا اندیشہ ہے۔" ایک بھائی کے بیان کو کہ خلاف مدعی تھا، ایسے مرے گرے لفظوں سے تعبیر کیا اور ان دونوں کا بیان موافق مدعی ہونے کی وجہ سے بکمال کشادہ پیشانی اور حلفاً کے زیوروں سے مزین کر کے لکھا۔ حالانکہ اگر مدعی نے تینوں سے حلفاً بیان کرنے کو کہا تھا تو... کا بیان بھی حلفاً ہی ہوا ہوگا اور ضرور حلفاً ہوا، جب تو مدعی وثالث نے اسے تسلیم کیا۔ تعجب ہے کہ... اور... نے کس طرح ایسی لغو بات حلفاً بیان کی۔ مگر اس سے زیادہ تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ ذی علم ثالث نے اس خلاف شرع وعقل بات کو کس کمال کشادہ پیشانی سے قبول کیا اور اس کا کیسا پر جوش استقبال کیا ہے۔ حالانکہ ادنیٰ عقل والا جانتا ہے کہ جو امر ممکن ہو یعنی اسے وجود وعدم دونوں سے یکساں نسبت ہو تو چاہے وہ کیسا ہی مستبعد ہو مگر کوئی شخص از پیش خویش اس کے عدم وقوع پر جزم نہیں کر سکتا، نہ کہ جو کلام مثلاً زید کی قدرت میں ہو، اس پر عمرو کو اس جزم کی کیا سبیل کہ وہ کبھی اس کام کو نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ زید اگر بقسم بھی کہے کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا پھر بھی عمرو اگرچہ اس کے صدق کا کیسا ہی معتقد ہو، قسم کھا کر نہیں کہہ سکتا کہ زید اس کام کو کبھی نہیں کرے گا، مجھے اس کا اندیشہ بھی نہیں۔ اور اگر قسم کھالے تو سخت جری اور نگاہ عقلاء میں ہلکا ٹھہرے گا۔ تو اس جگہ کہ بے پردگی مدعی کا فعل ہے، نہ مدعی اس کا بقسم عہد کرتا ہے، نہ صاف سیدھے سادے لفظوں میں اس کا وعدہ ہی کرتا ہے، مگر... ہیں کہ بکمال کشادہ پیشانی حلفاً بیان کرتے ہیں کہ آئندہ کو بے پردگی ہونا درکنار، اندیشہ بھی نہیں اور جناب ثالث صاحب بکمال کشادہ پیشانی اسے قبول کرتے ہیں۔

ثانیاً حلف شرعاً وہ عقد ہے جس کے سبب حالف کا ارادہ فعل یا ترک کا قوی ہو جائے۔

درمختار جلد ۳ میں ہے: "الیمین شرعا عبارۃ عن عقد قوی عزم الحالف علی الفعل او الترک"

marfat.com

اور جب ان دونوں کے بحلف کہنے سے بے پردگی کا فعل قوی ہوا نہ ترک۔ اس لئے کہ جس کے فعل و ترک سے اس کا وجود و عدم ہو سکتا ہے، وہ ان دونوں کے قبضہ ہی میں نہیں تو پھر اسے حلف سمجھنا کمال خوش فہمی ہے۔

(۱۹) دیوار اونچی کرنے کے متعلق مدعا علیہ سے عذر دریافت کرنا بھی اسی الٹی چال چلنے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ مقتضائے عقل و شرع تو یہ ہے کہ جس کی بے پردگی ہو، وہ اپنے لئے دیوار کھینچے۔ کما صرح الفقهاء بل له ان يبني ما يستر جهته۔ یہ نئی فقاہت ہے کہ زید کے مکان سے عمرو کی بے پردگی ہوتی ہو، عمرو تو ہاتھ پاؤں توڑے بیٹھا رہے اور زید ہی اپنی دیوار اونچی کرے یا اس کے متعلق عذر بیان کرے۔

میرے نزدیک مناسب ہے کہ تمام دنیا یا ہندوستان بھر یا صوبہ بہار یا کمشنری پٹنہ یا ضلع آرہ میں نہ ہو سکے تو کم از کم اس قضیہ میں عام نوٹس دے دیا جائے کہ جس جس شخص کو خداوند عالم نے ذی مقدور بنایا ہے اور اس کا مکان دو منزلہ سہ منزلہ ہو اس کو چاہئے کہ اوپر کی چھت میں صرف منڈیر پر اکتفا نہ کرے۔ اس کو ہر چہار جانب ورنہ جس جانب کسی شخص کا مکان بھی معلوم ہوتا ہو، وہ اتنی اونچی دیوار بنائے کہ چھت پر چڑھنے سے کسی شخص کا مکان نہ معلوم ہو سکے ورنہ اس کی وجہ دکھا دے اور جو کچھ عذرات ہوں، پیش کرے۔ اور دیوار کمزور ہونے کا عذر قابل قبول نہیں جب تک واقف کار قواعد تعمیر عمارت کا سارٹیفکیٹ نہ پیش کرے۔ ہاں اگر وہ دونوں جانب سے ملاحظہ کر کے لکھ دے کہ اس میں نقصان ہے تو البتہ قابل قبول ہوگا۔ اور ایک جانب کی دیوار بلند کرنے سے اور جانب کی دیوار کی بلندی کا مسئلہ اہل دول یا انھیں واقف کار حال و قواعد تعمیر عمارت سے دریافت کرنا تھا۔ اور چھ ہاتھ چھوڑے صحن کو وسیع صحن بنانا خلیفہ مامون رشید کے سامنے اعرابی کا گڑھے کے پانی کو آب جنت سمجھ کر پیش کرنا یاد دلاتا ہے۔ ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

(۲۰) ''مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تا وسع اپنی بہت کوشش کی کہ صلح و رضامندی فریقین سے ثالثی کا فیصلہ کروں الخ'' شاید ایسا ہی ہو ورنہ فیصلہ کا ملاحظہ تو بتا رہا ہے کہ اس عبارت کو یوں ہونا چاہئے تھا۔ ''مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تا وسع اپنے اس بات کی کوشش کی کہ مدعی کو پوری ڈگری دی جائے، اس کے دعویٰ میں ذرہ بھر کمی نہ ہونے پائے اور پھر براہ ابلہ فریبی صلح و مصالحت کا سبز باغ دکھا کر مدعا علیہ کو بھی خوش رکھا جائے'' ع۔ ہم لعل بدست آید و ہم یار نہ رنجد۔

مگر اس طرح کون اپنی عقل کو پس پشت ڈالے ہوئے ہے کہ اپنے مفید اور مضر میں تمیز نہ کر سکے، اس لئے مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ناچار بحق مدعی فیصلہ دے کر اس کو بھاری بھرکم بنانے کے لئے عبارات کتب فقہیہ کی ضرورت پڑی۔ غرض اس فیصلہ پر فقہ حنفی کی چار کتابوں کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ جن میں اول محض بے علاقہ، دوم ناقص، سوم غیر مفید، چہارم مضر۔ اسی وجہ سے ہوشیار مجوز نے ان عبارتوں کا اردو ترجمہ نہیں کیا ورنہ اصل حقیقت عالم آشکار ہو جاتی۔ پہلی عبارت درمختار چھاپہ کلکتہ ص ۴۹۹ کی ہے:

" اشتری دارا ودبغ و تاذی جیرانه علی الدوام یمنع وعلی الندرة یتحمل"

یہ عبارت محض بے علاقہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے مکان خریدا اور اس میں چمڑا پکانے کا کام کیا، جس

marfat.com

سے پڑوسیوں کو اذیت ہوتی ہے۔ تو اگر یہ ہمیشہ ہوتا ہے منع کیا جائے گا اور اگر شاذ و نادر ہے، تو تکلیف برداشت کی جائے گی۔

اولاً چمڑا پکانے کی اذیت ایسی ہے کہ اس کو روکنے کی ترکیب پڑوسیوں کے اختیار سے باہر ہے۔ سوا اس کے کہ اس کو منع کر دیا جائے اور کوئی صورت اس کے ضرر سے بچنے کی نہیں۔ اس لئے کہ ہوا کی آمدورفت ہو اور دماغ صحیح میں بدبو نہ آئے، یہ عادۃً ناممکن ہے۔ اور ہوا ہر طرف سے بند کر کے رہنا بھی سخت دشوار بلکہ محال عادی ہے۔ اور یہاں مدعی اپنی شرقی دیوار بلند کر کے اپنی بے پردگی کو روک سکتا ہے۔ علماء نے ضرر فاحش، ضرر بیّن کی یہ صورت بیان فرمائی ہے کہ اس سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ اور اگر دیوار کھینچ کر تکلیف سے بچ سکتا ہے تو اس صورت میں مالک مکان کو منع نہیں کریں گے۔

بحرالرائق جلد ۷ ص ۳۶ میں ہے: "وذکر الرازی فی کتاب الاستحسان ان الدار اذا کانت مجاورة للدور فاراد صاحبها ان یبنی فیها تنورا للخبز الدائم کما یکون فی الدکاکین او رحی للطحین او مدقات للقصارین لم یجز لان ذلک یضر بجیرانه ضررا فاحشا لا یمکن التحرز عنه فانه یاتی منه الدخان الکثیر الشدید ورحی الطحن ودق القصارین یوهن البناء بخلاف الحمام لانه لا یضر الا بالنداوة و یمکن التحرز عنه بان یبنی حائطا بینه وبین جاره"۔

دیکھئے حمام بنانے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ حالانکہ اس کی تری سے پڑوسی کا نقصان ہے۔ اس لئے کہ اپنے اور پڑوسی کے درمیان دیوار کھینچ کر اس تکلیف سے بچ سکتا ہے۔ تو اسی طرح صورت واقعہ میں اگرچہ مدعی کو اپنی بے پردگی کا اندیشہ ہے مگر اپنی شرقی دیوار بلند کر کے اس تکلیف سے بچ سکتا ہے۔ پھر کیوں مدعا علیہ کو اپنی ملک میں تصرف کرنے سے روکا جائے گا۔

ثانیاً اگر دونوں صورتیں یکساں بھی ہوتیں جب بھی یہ عبارت مفید نہیں۔ اس لئے کہ اس میں تصریح ہے کہ اذیت دائمہ ہے تو منع کیا جائے گا اور نادرہ ہے تو برداشت کی جائے گی۔ اور صورت واقعہ میں حسب بیان مدعا علیہ وہ کھڑکی صرف عورتوں کی آمدورفت کے لئے ہے اور حسب بیان حلفی مدعا علیہ نمبر ۵ اس کوٹھری اور اس کی چھت پر مدعا علیہ کی لڑکی رہتی ہے۔ وہاں مردوں کا آنا بضرورت عیادت تھا۔ یہ عیادت دوامی نہیں کہ اس سے منع کیا جائے گا بلکہ شاذ و نادر ہے۔ اس لئے اس کو تحمل و برداشت کرنا ہوگا۔

دوسری عبارت ردالمحتار جلد چہارم ص ۳۲۰ کی ہے: "قال فی جامع الفصولین القیاس فی جنس هذه المسائل ان من تصرف فی خالص ملکه لا یمنع ولو اضر بغیره الخ"

اس کا مطلب یہ ہے کہ جامع الفصولین میں لکھا ہے کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی خالص ملک میں تصرف کرے، وہ روکا نہ جائے گا، اگرچہ اس سے غیر کو تکلیف پہونچے۔ لیکن یہ قیاس اس جگہ چھوڑ دیا گیا ہے، جب غیر کو بیّن ضرر پہونچے۔ کہا گیا کہ اسی کو اکثر مشائخ نے لیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

اولاً یہ ناقص ٹکڑا بے محل نقل کیا گیا ہے۔ اس لئے اس پر پورے طور سے روشنی نہیں پڑتی کہ اصل مسئلہ کیا اور هذه

marfat.com

المسائل کا مشار الیہ کیا ہے۔ اگر پوری عبارت نقل کی جاتی تو معلوم ہو جاتا کہ وہ مسئلے کیسے ہیں اور کس رتبے کے ہیں۔
عبارت کی ابتدا یوں ہے:" وفی اجارات النوازل رجل اراد ان یتخذ خراسا فی بیته ویضر ذلك بدار جاره ضررا بینا بان کان یعلم ان دوران الرحی اوریح دورانه یوهن بناء الجار یمنع عن ذلك هکذا اجاب ابو القاسم رحمه الله لانه وان کان مما یتصرف فی خالص ملکه لکن یضر بجاره ضررا بینا و کثیر من مشایخ بلخ ومشایخ بخارا وافقوه فی هذا الجواب فالحاصل ان فی هذه المسائل وفی اجناسها الخ"

ملاحظہ ہو فصول عمادی جلد دوم ص ۱۲۱۰ یعنی اجارات نوازل میں ہے کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ اپنے گھر بڑی چکی کہ گدھوں یا خچروں سے پھرائی جاتی ہے، بنائے اور اس سے پڑوسی کا سخت نقصان ہے کہ اس کے گھومنے کے صدمے یا اس کے ہوا کے تپانچے سے پڑوسی کا مکان کمزور ہوتا ہے، تو امام ابو القاسم نے فتویٰ دیا کہ اس شخص کو اس سے منع کریں گے۔ کیونکہ وہ اگر چہ اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے مگر اس سے پڑوسی کا بیّن ضرر ہے اور اکثر مشائخ بلخ و بخارا نے جواب میں ان کی موافقت کی۔ تو خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی ملک میں تصرف کرے، منع نہ کیا جائے گا۔ کہاں اس بڑی چکی کی وجہ سے پڑوسی کو تکلیف کہ اس کے صدمہ سے دیوار کمزور ہو جائے اور جار کے پاس اس کا کوئی چارہ نہیں اور کہاں یہ صورت واقعہ۔

ثانیاً پڑوسی کا محض نقصان قابل لحاظ نہیں بلکہ جب اسے سخت ضرر پہونچے جس کو بعض کتابوں میں ضرر بیّن، بعض میں ضرر فاحش، بعض میں ضرر زائد سے تعبیر کیا ہے۔ ہاں ایک سوال یہ ہوسکتا ہے کہ آخر ضرر بیّن کی حد کیا ہے؟ میرے نزدیک یہی ضرر، ضرر بیّن ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ علماء کرام نے اس تصفیہ کو بھی اٹھا نہیں رکھا ہے۔

ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۷۶ میں فتح القدیر امام ابن الہمام سے نقل کیا: والحاصل ان القیاس فی جنس هذه المسائل ان یفعل المالك ما بدا له مطلقا لانه متصرف فی خالص ملکه لکن ترك القیاس فی موضع یتعدیٰ ضرره الی غیره ضررا فاحشا وهو المراد بالبین وهو ما یکون سببا للهدم او یخرج عن الانتفاع بالکلیة وهو ما یمنع الحوائج الاصلیة کسد الضوء بالکلیة واختاروا الفتویٰ علیه فاما التوسع الیٰ منع کل ضرر ما فیسد باب انتفاع الانسان بملکه کما ذکرنا قریبا اه ملخصا۔

"خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ مالک کو حق ہے کہ مطلقاً جو کچھ چاہے کرسکتا ہے، کیونکہ وہ اپنے خالص ملک میں متصرف ہے۔ مگر یہ قیاس اس جگہ متروک ہے۔ کہ اس کی وجہ سے غیر کو سخت تکلیف پہونچے اور ضرر بین سے یہی مراد ہے کہ وہ مکان کے گرنے کا سبب ہو یا اس کی وجہ سے مکان قابل رہنے کے نہ رہے۔ یعنی حوائج اصلیہ بالکل رک جائیں مثلاً روشنی بالکل بند ہو جائے۔ اور لوگوں نے فتویٰ کے لئے اسی کو پسند کیا ورنہ ہر ضرر کی وجہ سے منع کرنا تو انسان کو اپنی ملک سے فائدہ اٹھانے کا دروازہ ہی بند کر دیتا ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا۔

اسی ردالمحتار میں بحر الرائق سے ہے، جس کی عبارت اوپر نقل ہوئی کہ ضرر فاحش وہ ہے جس سے بچنے کی کوئی

سبیل اس کے اختیار میں نہ ہو اور اگر دیوار کھینچ کر اس ضرر سے بچ سکتا ہے تو وہ ضرر، ضرر فاحش نہیں۔
رابعاً رب العزۃ جل جلالہ نے جسے نظر فقہی عطا فرمائی ہے، اس اختلاف میں فریقین کی قوت کو انداز کر سکتا ہے
۔ عبارت فصول عمادی شاہد ہے کہ یہ مذہب نہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے، نہ امام ابی یوسف سے منقول، نہ امام محمد سے مروی، نہ دیگر ائمہ مذہب سے بلکہ امام ابو القاسم رحمہ اللہ کی رائے ہے جو امام یوسف کے شاگرد کے شاگرد ہیں، جسے اکثر علماء بلخ اور مشائخ بخارا نے پسند فرمایا رضی اللہ عنہم۔ اور مطلقاً تصرف کا حکم اور پڑوسی کے نقصان کے خیال سے مالک کو اپنی خالص ملک میں تصرف کرنے سے روکنے کی ممانعت ہمارے ائمہ خمسہ، امام اعظم، امام ابی یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد کا مذہب ہے کما مر عن الحموی والبحر۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ اور فتویٰ جب مختلف ہو تو ظاہر الروایہ ہی پر عمل ہے اور فتویٰ ہمیشہ قول امام پر واجب ہے، اگرچہ صاحبین مخالف ہوں نہ کہ امام اعظم و صاحبین و بقیہ خمسہ سب متفق ہوں تو ان کا خلاف کیونکر روا ہو سکتا ہے۔؟ استحسان متاخرین، نظر بہ تبدل حالات زمانہ نہیں کہ دفع ضرر، شریعت کے مسائل قدیمہ سے ہے۔ امام اعظم، امام ابی یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن کو معلوم نہ تھا کہ لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام؟ قطعاً معلوم تھا مگر ضرر مالک کو کہ حجر عن التصرف فی ملکہ والحاقہ بذلک بالبهائم ہے، ضرر اجنبی پر مقدم رکھا۔ تو جمیع ائمہ مذہب کے خلاف بعض متاخرین کا استحسان کیونکر معمول بہ ہو سکتا ہے۔

بحر الرائق کتاب الزکوٰۃ باب الصرف میں ہے: ’’اذا اختلف التصحيح وجب الفحص عن ظاهر الرواية والرجوع اليها۔‘‘

درمختار میں ہے: ’’يفتى بقول الامام على الاطلاق ثم بقول الثانى ثم بقول الثالث ثم بقول زفر والحسن۔‘‘

فتاویٰ خیریہ میں ہے: ’’المقرر عندنا انه لا يفتى ولا يعمل الا بقول الامام الاعظم۔‘‘

شرح عقود میں ہے: ’’رايت فى بعض كتب المتاخرين نقلا عن ايضاح الاستدلال على ابطال الاستبدال لقاضى القضاة شمس الدين الحريرى احد شراح الهداية ان صدر الدين سليمٰن قال ان هذه الفتاوى هى اختيارات المشايخ فلا تعارض كتب المذهب قال وكذا كان بقول غيره من مشايخنا وبه اقول۔‘‘

ردالمحتار جلد ۴ باب الہبۃ میں ہے: ’’حيث علمت انه ظاهر الرواية وانه نص عليه محمد ورووه عن ابى حنيفة ظهر انه الذى عليه العمل۔‘‘

صاحب درمختار نے اس مسئلہ کو کتاب القسمۃ میں اس طرح لکھا: ’’له التصرف فى ملكه وان تضرر جاره فى ظاهر الرواية الكل من الاشباه وفى المجتبىٰ وبه يفتىٰ وفى السراجية الفتوىٰ على المنع قال المصنف فقد اختلف الافتاء وينبغى ان يعول على ظاهر الرواية اه‘‘

علماء نے تصریح فرمائی کہ جو کچھ ظاہر الروایہ سے خارج ہے، ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں۔ وہ اگر روایت نوادر بھی

marfat.com

ہوتو مرجوع عنہ ہے اور قول مرجوح پر افتا وقضا جہل وخرق اجماع ہے، نہ کہ مرجوع عنہ کہ وہ قول ہی نہ رہا، نہ کہ جو سرے سے قول ہی نہ ہو، لا جرم ایسے فیصلے کو منسوخ کرنے کا حکم فرمایا۔

ردالمحتار میں ہے: ”ما خالف ظاهر الرواية ليس مذهبا لاصحابنا۔“

بحر الرائق میں ہے: ”ما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه والمرجوع عنه لم يبق قولا له۔“

تصحیح قدوری ودرمختار میں ہے: ”الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع۔“

تنویر وشرح علائی میں ہے: ”ويأخذ القاضي كالمفتي بقول ابي حنيفة على الاطلاق ثم بقول ابي يوسف ثم بقول محمد ثم بقول زفر والحسن بن زياد وهو الاصح منية وسراجية وعبارة النهر ثم بقول الحسن فتنبه وصحح في الحاوي اعتبار قوة المدرك والاول اضبط نهر ولا يخير الا اذا كان مجتهدا بل المقلد متى خالف مذهبه لا ينفذ حكمه وينقض هو المختار للفتوىٰ كما بسطه المصنف في فتاواه وغيره وقدمناه اول الكتاب وسيجئ۔“

ردالمحتار میں ہے: ”القاضي مامور بالحكم باصح اقوال الامام فاذا حكم بغيره لم يصح۔“

یہ ترتیب اس وقت ہے جب ایک سے کچھ منقول نہ ہوتو دوسرے کی بات لی جائے گی اور اگر دوسرے سے بھی کچھ مروی نہ ہوتو تیسرے کی، وعلیٰ ھذا القیاس۔ اور جب کسی امر پر ائمہ ثلاثہ متفق ہوں تو پھر عدول کی گنجائش ہی نہیں۔

محیط امام سرخسی پھر فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ”لا بد من معرفة فصلين احدهما انه اذا اتفق اصحابنا في شيء ابو حنيفة وابو يوسف ومحمد رضي الله تعالى عنهم لا ينبغي للقاضي ان يخالفهم برائه الخ۔“

فتاویٰ فقیہ النفس امام قاضی خان میں ہے: ”المفتي في زماننا من اصحابنا اذا استفتىٰ في مسئلة او سئل عن واقعة ان كانت المسئلة مروية عن اصحابنا في الروايات الظاهرة بلا خلاف بينهم فانه يميل اليهم ويفتي بقولهم ولا يخالفهم برائه وان كان مجتهدا متقنا لان الظاهر ان يكون الحق مع اصحابنا ولا يعدوهم واجتهاده لا يبلغ اجتهادهم ولا ينظر الىٰ من خالفهم ولا يقبل حجته لانهم عرفوا الادلة وميزوا بين ما صح وثبت وبين ضده الخ۔“

جب مجتہد کے لئے اپنے ائمہ کے قول سے پھرنے کی اجازت نہیں تو مقلد کی کیا مجال؟۔ اس کے بارے میں تو ملتقط ودرمختار وردالمحتار میں مصرح ہے:

”وان لم يكن مجتهدا فعليه تقليدهم واتباع رائهم فاذا قضى بخلافه لا ينفذ حكمه۔“ ”یعنی اگر مجتہد نہ ہوتو اس کو ائمہ مذہب کی تقلید اور ان کے رائے کی پیروی ضروری ہے تو اگر اس کے خلاف فیصلہ دے گا نافذ نہ ہوگا۔“

غرض مقلد کو قول امام پر فیصلہ دینا بحر وغیرہ میں مصرح ہے اور اس کی تحقیق جلیل کے لئے فتاویٰ رضویہ میں مستقل رسالہ ہے ”اجلىٰ الاعلام بان الفتوىٰ مطلقا على قول الامام“ تو اسی پر فیصلہ کرنا واجب ورنہ نافذ نہ ہوگا۔

خامساً خلاف ظاہر الروایۃ ہونے کی وجہ سے اس کا مرجوح ہونا ثابت ہوگیا۔ اب نہ رہی مگر اس پر فتویٰ دیئے جانے کی وجہ سے اس کی تقویت۔ مگر عبارت درمختار سے معلوم ہو چکا کہ مفتیٰ بہ دونوں قول ہیں۔ اگر بعض علماء نے اس پر

marfat.com

فتوی دیا ہے تو بعض علماء نے اُس پر بھی فتوی دیا ہے۔

درمختار کتاب القضاء مسائل شتیٰ ج۴ص ۳۷۵ میں ہے: ''ولا یمنع الشخص من تصرفه فی ملکه الا اذا کان الضرر بجاره ضررا بینا فیمنع من ذلك وعلیه الفتویٰ بزازیه واختاره فی العمادیة وافتیٰ به قاری الهدایة حتیٰ یمنع الجار من فتح الطاقة وهذا جواب المشایخ استحسانا وجواب ظاهر الروایة عدم المنع مطلقا وبه افتیٰ طائفة کالامام ظهیر الدین وابن الشحنة ووالده ورجحه فی الفتح وفی قسمة المجتبیٰ وبه یفتیٰ واعتمده المصنف ثمه فقال وقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاهر الروایة اه۔''

تو مفتیٰ بہ ہونے کی وجہ سے تقویت دونوں میں مشترک ہے۔ اور ترجیح قول امام کو ہے، ترجیح قول ائمہ کو ہے، ترجیح ظاھر الروایہ کو ہے، ترجیح اس روایت کو ہے جو مطابق درایت ہو خصوصاً ایسی حالت میں کہ ذی علم ثالث کی منقولہ عبارت میں اس قول کو اکثر مشایخ کا اختیار کرنا، اس کا مفتیٰ بہ ہونا بلفظ قیل منقول ہے جو ضعف کا مشعر ہے اور ترجیح مقابل کے لئے مشہور۔

ردالمحتار جلد اول میں ہے: ''قالوا وقیل کلاهما مشعران بالضعف۔''

اسی میں ہے: ''الحکایة بقیل ترجیح للمقابل۔''

پھر باوجود ان تمام باتوں کے ظاھر الروایہ کو ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ پس ظاھر الروایہ کو چھوڑ کر ائمہ ثمہ کے مذہب کو چھوڑ کر مشایخ متاخرین کے قول پر فیصلہ دینا شان فقاہت و انصاف سے بعید ہے۔

تیسری عبارت فتاوی خیریہ جلد۲ ص ۲۰۲ کی ہے: ''(سئل) فی الجار یرید فتح کوة علی جاره وفی ذلك اطلاع علی عوراته وحریمه او بناء غرفة او حائط علی جداو مشترك بینهما هل یمنع عن ذلك ام لا (اجاب) اما مسئلة فتح الکوة ففیها استحسان وقیاس الخ۔''

''یعنی کسی نے علامہ خیر الدین رملی سے پوچھا کہ ایک پڑوسی روشندان کھولنے کا ارادہ کرتا ہے جس سے اس کے پڑوسی کی بے پردگی ہوتی ہے یا مشترک دیوار پر دیوار یا جھروکا بنانا چاہتا ہے۔ اس سے منع کیا جائے گا یا نہیں؟۔ آپ نے جواب دیا کہ روشندان کھولنے میں دو قول ہیں ایک استحسان دوسرا قیاس۔ استحسان منع ہے اور اسی پر فتوی ہے۔''

جیسا کہ نقل کیا اس کو فتاوی تتارخانیہ میں اور مضمرات شرح قدوری میں تہذیب سے۔ اور تتارخانیہ میں روشندان کے مسئلہ سے کچھ پہلے لکھا کہ خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی خالص ملک میں تصرف کرے، اس سے روکا نہ جائے گا اگرچہ اس سے غیر کو ضرر پہنچے۔ لیکن یہ قیاس اس جگہ متروک ہے کہ اس کے تصرف کا ضرر بیّن غیر کو پہونچے۔ اور ممانعت کا قول کیا گیا ہے مطلقاً اور اسی کو اکثر مشایخ نے لیا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ضرر بیّن ہو جس کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ وہ سب معانی یہاں متحقق نہیں۔ شاید ذی علم ثالث کو وقیل بالمنع مطلقا سے دھوکا ہوا اور اس کو قول ثالث سمجھ کر بالکل موافق مدعا پایا مگر درحقیقت یہ قول ثالث نہیں کہ مطلقاً منع کیا جائے گا، چاہے ضرر بیّن ہو یا نہ ہو۔ بلکہ یہ لفظ مطلقا عبارت خیریہ میں قلم ناسخ سے زائد ہو گیا ہے اور قیل، ترک کا معطوف ہے۔

marfat.com

علامہ شامی ردالمحتار جلد۴ص ۳۷۵ میں عبارت جامع الفصولین نقل کر کے فرماتے ہیں: ''قلت قوله وقيل بالمنع عطف تفسير على قوله ترك القياس فليس قولا ثالثا نعم وقع فى الخيرية وقيل بالمنع مطلقا الخ ومقتضاه انه قول ثالث بالمنع سواه كان الضرر بينا او لا، لكن عزا فى الخيرية ذلك الى التتارخانيه والعمادية وليس ذلك فى العمادية كما رايت فالظاهر ان لفظ مطلقا بسبق قلم۔''

چوتھی عبارت عقود الدریہ تنقیح فتاوی حامدیہ جلد ثانی ص ۲۶۵ کی ہے: ''(سئل) فيما اذا كان لكل من جارين سطح بيت فى داره مساو سطح الاخر رصار الأن احدهما يصعد الى سطحه الخ۔

''یعنی سوال ہوا کہ دو پڑوسی ہیں جن کی گھر کی چھت دوسرے کی چھت کے مساوی ہے۔ ان میں ایک شخص اپنی چھت پر چڑھتا ہے اور جب وہ اپنی چھت پر چڑھتا ہے تو اس کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں اس کے عورتوں پر پڑتی ہے اور پڑوسی کہتا ہے کہ پردہ کی دیوار بنانے تک آپ چھت پر نہ چڑھیں۔ تو کیا پڑوسی کو اس کا حق ہے؟۔ جواب دیا کہ ہاں! اسے اس کا حق ہے۔''

یہ مسئلہ تو وہی ہے جس کا مفصل بیان نمبر۱۲ میں گزرا مگر ذی علم ثالث کو اصلا مفید نہیں۔ اس لئے کہ صورت واقعہ سے محض بے علاقہ۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں اس کی عورتوں پر پڑے اور صورت واقعہ میں ایسا ہرگز نہیں۔ یہاں نگاہ صرف چھت کی فضا تک پہونچتی ہے۔ اگر کوئی شخص مدعی کی چھت پر ہو تو جو شخص مدعا علیہ کی چھت پر ہو اس سے اس کی نگاہ چار ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ تو اس عبارت سے صورت واقعہ پر استدلال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے بلکہ یہ عبارت ذی علم ثالث کے سراسر خلاف ہے۔ اس لئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کی دیوار وہ شخص بنائے جس کی بے پردگی ہوتی ہو اور یہی مطابق روایت ودرایت ہے۔ حدیث میں ہے: '' الغنم بالغرم۔ '' مثل مشہور ہے ''جس کا ٹپکے گا، وہ چھائے گا''۔ بخلاف ذی علم ثالث کے کہ انھوں نے مدعا علیہ کو حکم دیا کہ پردہ کی دیوار اس قدر بلند بنائے کہ اگر کوئی مرد متصل دیوار یا چھت پر کھڑا ہو تو بے پردگی زنانہ مکان مدعی کی نہ ہو۔ غرض ان چار عبارتوں میں اول بے علاقہ، دوم ناقص، سوم بالکل غیر مفید، چہارم مضر ہے۔

(۲۱) نمبراتِ سابقہ سے یہ بات روشن طرح پر معلوم ہوئی کہ فیصلہ محض یک طرفہ کیا گیا ہے، جو نہ شریعت مطہرہ کے مطابق ہے، نہ عقل کے موافق۔ اور عبارتیں محض بھرتی کی ہیں تاکہ نگاہ عوام میں فیصلہ مدلل معلوم ہو۔ ان عبارتوں سے جن نمبروں کا جواب اخذ کیا گیا ہے وہ ہرگز ان سے مستفاد نہیں، نہ یہ جوابات مطابق شرع ہیں۔ بلکہ ان نمبروں کے جوابات یہ ہیں:

نمبر اول: کھڑکی بند کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر مدعی کی بے پردگی ہوتی ہے تو اپنے پردہ کی دیوار کھینچے۔

بحر الرائق جلد۷ ص ۳۶ و فتح القدیر امام ابن ہمام جلد۳ ص ۲۸۵ میں ہے: ''لو فتح صاحب البناء فى علو بنائه بابا او كوة لا يلى صاحب الساحة منعه بل له ان يبنى ما يستر جهته۔''

نمبر دوم: سوراخ کے متعلق نمبر۸ میں مفصل بیان ہوا کہ ان سوراخوں سے ہرگز بے پردگی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس

marfat.com

کے ذریعہ نگاہ سیدھی سہ منزلہ کی بلندی پر جائے گی، جس سے مدعی کا کچھ نقصان نہیں۔ پھر بھی مدعا علیہ نے اسے بند ہی کر دیا ہے تو بند کئے ہوئے کو پھر سے بند کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

نمبر سوم: مدعا علیہ نے اپنی ضرورت کے لائق دیوار تیار کرائی، اس کی ضرورت اسی قدر سے دفع ہوگئی۔ اب اگر مدعی کو پردہ کی ضرورت ہے، وہ اپنی دیوار بلند کرائے۔ مدعا علیہ کو دیوار بلند کرنے کا حکم دینا محض ظلم ہے۔

فصول عمادی جلد۲ص ۱۲۱۱میں ہے: "الانسان لا یجبر علی البناء فی ملکہ۔"

نمبر چہارم: اگر متنازع فیہ کوٹھری کی چھت پر چڑھنے سے مدعی کی بے پردگی ہوتی ہے اور مدعی کی گھر میں نگاہ پہونچتی ہے اور مدعی خواستگار ہے کہ جب تک میں پردہ کی دیوار نہ کھینچ لوں اس پر نہ چڑھا جائے تو مدعی کی اس بات کا خیال کرنا چاہئے۔ اور مدعی کو چاہئے کہ جلد دیوار کا انتظام کرے ورنہ جیسا کہ ذی علم ثالث نے گول رکھا ہے کہ تاحصول صورت پردہ اور مدعی کو پردہ کی دیوار بنانے کا حکم نہیں یا، تہ ہمیشہ کے لئے مالک کو اپنی ایک مملوک چیز سے نفع اٹھانے سے محض مدعی کی خاطر بے وجہ روکنا ہے۔ نمبر ۱۶ میں عبارت خانیہ گزری کہ اگر کچھ دے کر مالک کو اپنی ملک سے نفع اٹھانے سے روکے، جب بھی باطل ہے تو یہ صورت اولیٰ بالبطلان ہوگی۔

نمبر پنجم: ہمیشہ کے لئے مدعی و مدعا علیہ دونوں کو خیال رکھنا چاہئے کہ کوئی حرکت یا کوئی کارروائی ایسی نہ کریں جس سے دوسرے کو تکلیف وضرر پہنچے۔

(۲۲) بحمد اللہ جملہ ابحاث متعلقہ فیصلہ وجواب نمبرات سے فراغ پایا۔ اتنے مختصر الفاظ فیصلہ کے متعلق یاد ہیں کہ ☆ بوجہ عدم قبول تحکیم ومشروط بشرط کرنے اور عدم وجود شرط تحکیم، ثابت نہیں ☆ بفرض وجود وثبوت قبل فیصلہ مدعا علیہ کے نقض وفسخ کی وجہ، تحکیم کالعدم ہوگئی حَکَم کو حُکم دینا روا نہیں۔ ☆ برتقدیر عدم فسخ فیصلہ ہذا بے حجت شرعیہ (بینہ ویمین ونکول) ہونے کی وجہ سے فیصلہ شرعی نہیں بلکہ ایک ردی کاغذ ہے کہ مدعی کے حوالہ کر دیا گیا بلکہ اگر یہ وجوہ نقص نہ بھی ہوتے تو از انجا کہ ثالث مقلد نے اپنے جمہور خمسہ امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف، ظاہر الروایۃ کے خلاف، درایت کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ اس لئے محض باطل وغیر نافذ ہوگا۔ یہ فیصلہ، فیصلہ شرعی نہ ہوگا۔ واللہ یقول الحق ویھدی السبیل وھو حسبی ونعم الوکیل واللہ سبحنہ وتعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفر لہ

صدر مدرس مدرسہ عالیہ، شہر ام

☆☆☆☆☆

marfat.com

کتاب الاضحیۃ ۱۰

مسئلہ مرسلہ از اٹاوہ از جانب محمد روح اللہ ۱۱ رصفر ۴۲ ۱۳ھ

مسئلہ اولیٰ: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بندوق سے بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر شکار مارا اور پھر بعد گرنے شکار کے، اس کے ذبح کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے پہنچنے تک شکار مر گیا۔ اب اس کا کھانا درست ہے اور وہ حلال ہے یا نہیں؟

مسئلہ ثانیہ: اس ملک میں اکثر ہندو کھٹک بکری کا گوشت فروخت کرتے ہیں اور مذبح میں ایک مسلمان ذبح کرنے والا مقرر ہے، وہی ذبح کرتا ہے۔ وہاں سے کھٹک اپنی دکان پر لے جا کر گوشت فروخت کرتے ہیں اور ان کی دوکان پر کوئی مسلمان نگراں نہیں رہتا۔ ان سے گوشت خرید کر کھانا درست ہے یا نہیں؟

مسئلہ ثالثہ: زید باوجود قدرت اس بات کے کہ زمین یا تخت پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن بلا عذر اپنے پلنگ پر نماز پڑھتا ہے۔ یہ نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) حلال نہیں کہ بندوق کا حکم تیر کے مثل نہیں۔ یہاں آلہ وہ چاہئے کہ اپنے دھار سے قتل کرے اور گولی چھرہ میں دھار نہیں ہوتی۔ بندوق کاٹ نہیں کرتی بلکہ قوت کرتی ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "لا يخفى ان الجرح بالرصاص انما هو بالاخراق و الثقل بواسطة اندفاعه العنيف اذ ليس له حد فلا يحل وبه افتى ابن نجم۔" والله تعالىٰ اعلم۔

(۲) صورت مستفسرہ میں اس گوشت کا خریدنا، کھانا اور کھلانا سب ناجائز ہے۔ حیوان جب تک زندہ تھا، حرام تھا کہ اس کا یا اس کے کسی جز کا کھانا یا کھلانا سب حرام تھا۔

حدیث میں ہے: "مايقطع من البهيمة وهي حية فهو ميتة۔"

پھر ذبح شرعی سے حلال ہوگا۔ اور وہ بر بنائے قول کھٹک ثابت نہیں کہ یہ امر دیانت متعلق حلت وحرمت کے ہے اور دیانت میں کافر کی خبر محض نامعتبر۔

درمختار میں ہے: "خبر الكافر مقبول بالاجماع في المعاملات لا في الديانة۔"

ہاں اگر مذبح سے اس کے دوکان تک کوئی مسلمان ساتھ آیا اور دوکان پر بھی کوئی مسلمان موجود رہا، غرض اگر مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو تو اب اس مسلمان کی خبر کی بنا پر کہ وہی گوشت ہے جو مسلمان نے ذبح کیا تھا، اس کا خریدنا اور کھانا اور کھلانا سب جائز ہے کہ اب وہ خبر مسلم ہے نہ کہ خبر کافر۔ اور خبر، مسلم کی دیانت ومعاملات ہر جگہ معتبر ہے بشرطیکہ

marfat.com

عادل ثقہ ہو۔ ورنہ قلب پر اس کا صدق جمنا شرط ہوگا۔ فی التنویر: "شرط العدالة فی الدیانات وتجری فی الفاسق المستور۔" واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ جو چیز ایسی ہو کہ سجدہ میں سر اس پر مستقر ہو جائے یعنی اس کا دبنا ایک حد پر ٹھہر جائے کہ پھر کسی قدر مبالغہ کرے، اس سے زائد نہ دبے، اس چیز پر نماز جائز ہے۔ خواہ وہ چار پائی ہو یا زمین پر رکھا ہوا گاری کا کھٹولہ یا کوئی شئ اور۔ تو اگر چار پائی اس قدر سخت ہو، اس پر نماز جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

غنیہ میں ہے: "ضابطه ان لا يستفل بالتسفيل فحينئذ جاز سجوده عليه۔"

ردالمحتار میں ہے: "تفسیره ان الساجد لو بالغ لا يتسفل راسه ابلغ من ذلك فصح علىٰ طنفسة وحصير وحنطة وشعير وسرير وعجلة ان كانت على الارض اه" مختصرا من العطايا النبوية فی الفتاوی الرضوية وتمامه فيها۔ والله تعالىٰ اعلم وعلمه جل مجده احكم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از رامپور مدرسہ عالیہ مرسلہ مولوی ولی اللہ طالب علم بنگالی رجب ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمایند علماء دین دریں مسئلہ کہ اگر شخص مسلمان، جانورے بنام اصنام ہنود رہا کند۔ گوشت آں جانور خوردن حلال است یا نہ؟ وآں جانور در ملک وے ماند یا نہ؟ وحکم آں کس چہ؟ علیٰ ھذا اگر ہنود بنام اصنام خود جانورے رہا کند یا چیزے بدہد، استعمال وخوردن آں از روئے شرع شریف جائز است یا نہ؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

از رہائی جانور بنام اصنام ہنود حرام نمی شود۔ قال تعالیٰ: "مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ" ۝ (المائدة: ۱۰۳) "اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی۔ ہاں! کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افترا باندھتے ہیں اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں"۔ (کنز الایمان)

قال فی المدارك: "يفترون على الله الكذب فی نسبتهم هذا التحريم اليه واكثرهم لا يعقلون ان الله تعالىٰ لم يحرم ذلك۔"

در ملک او بلاشبہ باقی میماند کہ وقت رہا کردنش نمی گوید: ہر کہ بگیرد ملک اوست ونہ ایں را در ملک غیر دارند۔

در فتاویٰ عالمگیری است: "من له دابة وقال "لا حاجة لی اليها" ولم يقل "هی لمن اخذها" فاخذها انسان لا تكون له۔"

بدیں وجہ گرفتن وذبح کردن غیر آں جانورے درست نیست۔ لانه ملك الغير فان اجازه جاز بلا شبهة۔

وامار ہا کردن مسلم بنام صنم پس اگر بنیت تعظیم وتقریب بآں بت باشد، البتہ کفر است۔ وآنکہ آں جانور ملک از

marfat.com

املاک مرتد باشد۔ اگر آں کس براند، او خود برد مال ارتداداو، بسائے مسلمین می شود۔ اگر اسلام آرد، خود ملک اوست۔ کما فی الدر المختار: ”ویزول ملک المرتد عن مالہ والّا موقوفا فان اسلم عاد ملکہ وان مات او قتل علیٰ ردتہ ورث کسب اسلامہ وارثہ المسلم بعد قضاء دین اسلامہ وکسب ردتہ فیٔ بعد قضاء دین ردتہ۔“

واگر نیت تعظیم وتقرب نداشت، خودکم نہ ازآں کہ گناہ کبیرہ است۔ فاما از ملک او بیروں نرود۔ وحکم ہمانست کہ بالا گذشت۔

درفتاویٰ عالمگیریہ است: ”فمن اعتق عبدہ للشیطان او للصنم عتق الا انہ یکفر ھکذا فی السراج الوھاج۔ اقول: لکن الارفق بحال المسلم والحذر عن الاجتراء علیٰ تکفیر المسلم، التفصیل الذی قد بیناہ کما فی الاشباہ والنظائر ”فان اعتق للصنم او الشیطان صح واثم“ اما المسلم اذا اعتق لہ قاصدا تعظیمہ کفر کذا فی الطحطاوی والکلام علیٰ التوزیع فان اعتق لھما من غیر قصد تعظیم ثبت الحرمۃ من غیر کفر وصرح فی مقام اخر لقولہ اما اذا لم یقصدہ فلا یکفر۔“

ودردرمختار است: ”ویصح ایضا بتحریر (لوجہ اللہ والشیطان والصنم وان) اثم و(کفربہ) ای بالاعتاق للصنم (المسلم عند قصد التعظیم) لان تعظیم الصنم کفر۔“ (کتاب العتق ۳/۶۵۰) والا فلا کما قدمنا عن الاشباہ والطحطاوی واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆☆

مسئلہ از کلکتہ ڈاکخانہ نیل گچھا اولا استھان مرسلہ عبدل میانجی باڑی والے یکم محرم ۱۳۲۵ھ

جناب قبلہ وکعبہ مولانا مولوی محمد احمد رضا خانصاحب دام فیوضکم۔

آداب نیاز کے بعد گزارش ہے کہ چند سوالات بطور استفتا ارسال خدمت اقدس ہے۔ امید کہ جواب اس کا واسطے درستی خیال وعقیدت ناواقف لوگوں کے محرر فرماکر بصیغۂ بیرنگ روانہ فرمایئے۔

(امر اول) اکثر اس نواح میں اقوام ہنود بکرا ومینڈھا وغیرہ بطریق چڑھانے کے، بت کے سامنے لے جاتے ہیں اور محض ایک کان اس کا کاٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کو لوگ پکڑ کر فروخت کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان خرید کر کھائے یا قربانی کرے تو جائز ہے یا ناجائز۔؟

(امر دوم) اگر کسی مسلمان نے کوئی راس مویشی خواہ گائے یا بکری ومینڈھا وغیرہ کسی مسلمان کو یہ لفظ کہہ کر دیا کہ تم اس کی قربانی لے جاکر کرواپنے نام سے، تو اس کا ثواب قربانی کرنے والے کو پورا ملے گا یا کچھ مویشی دینے والے کو بھی ملے گا؟

(امر سوم) خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، عقیقہ کرنے کی مدت کس عمر تک ہے؟ دوم یہ بھی ضروری ہے کہ وقت عقیقہ کے سر کے بال اتارے جاتے ہیں یا اگر جوانی میں عقیقہ کیا جائے تو بھی لڑکا خواہ لڑکی کے سر کے بال اتارے جائیں گے؟ فقط

marfat.com

الجواب

(جواب اول) نہ لوگوں کو اسے پکڑ کر بیچنا جائز، نہ خریدنا روا، نہ اسے کھانا حلال۔ نہ اس کی قربانی کافی۔ لانہ باع مالا یملکہ۔ ہنود جو چیز اپنے بت گنگا جمنا خاک بلا کے نام سے اس پر چڑھا کر چھوڑ دیتے ہیں، اس سے ان کی ملک نہیں زائل ہوتی۔ وہ بدستور ان کی ملک پر باقی رہتی ہے۔ ہاں صراحۃ یا دلالۃ جب معلوم ہو جائے کہ اس غرض سے چھوڑا ہے، جو پکڑ لے اس کی ملک ہے، تو البتہ اسے پکڑنا اور بیچنا جائز ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "لو سیب دابته وقال لا حاجة لی الیها ولم یقل هی لمن اخذها فاخذها انسان لا تکون له۔"

ردالمحتار میں ہے: "القیٰ شیئا وقال من اخذه فهو له فمن سمعه او بلغه ذلك القول ان یاخذه والا لم یملکه۔"

اور دلالت حال یہ کہ عرف عام اس طور پر ہو کہ یہ چھوڑنا اور پھینکنا اس غرض سے ہو کہ جو پالے اس کی ملک ہے۔ جیسے لوگ شادیوں میں روپے پیسے یا محرم میں روٹیاں بسکٹ لٹاتے، پھینکتے ہیں۔ اب خریدنے والے کو اس کا کھانا حلال ہے۔ اور جب یہ مالک ہو گیا تو قربانی بھی حلال ہے اگر تہائی یا زیادہ کان کاٹ کر جدا نہ کر دیا ہو ورنہ قربانی نہ ہو سکے گی۔

تنویر الابصار میں ہے: "ولا یضحی بمقطوع اکثر الاذن مختصرا والثلث فصاعدا وهو ظاهر الروایة وصححه فی الخانیة وعلیه الفتویٰ ومشی علیها فی مختصر الوقایة والاصلاح۔"

مگر ان چھوڑنے والوں کا یہ تقصیر ہرگز نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ ان کے ملک سے خارج نہیں ہوتا اور ان کا کھانا قربانی کرنا کچھ روا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(دوم) دونوں کو ثواب ملے گا۔ حدیث میں ہے: "والدال علی الخیر کفاعله۔" رواه البزار والطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود والامام احمد فی مسنده وابو یعلیٰ والضیاء عن بریدة وابن ابی الدنیا فی قضاء الحوائج عن انس رضی الله تعالیٰ عنهم۔ والله تعالیٰ اعلم۔

(سوم) ولادت سے بلوغ تک عقیقہ کا وقت ہے۔ جب چاہے کرے۔ مگر بہتر ساتواں دن ہے۔

شرح عباب علامہ ابن حجر پھر عقود الدریہ علامہ ابن عابدین شامی میں ہے: "وقتها بعد تمام الولادة الی البلوغ فلا یجزیٔ قبلها وذبحها فی الیوم السابع۔"

سراج الوہاج میں ہے: ولو قدم یوم الذبح قبل یوم السابع او اخر عنه جاز الا ان یوم السابع افضل۔

بلکہ تا بقائے جان، عقیقہ ممکن۔ حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ظہور نبوت خود اپنا عقیقہ فرمایا۔ عقیقہ کے ساتھ وہ بال جدا کئے جاتے ہیں جو پیٹ سے پیدا ہوئے اور جب وہ ایک بار جدا ہو گئے تو اب عقیقہ کے ساتھ بال تراشنا کوئی ضروری نہیں۔ احادیث میں "واسیطوا عنه الاذیٰ" فرمایا ہے یعنی پیٹ سے جو بال لے کر پیدا ہوا، وہ دور کر دئے

marfat.com

جاتے ہیں۔ اس واسطے اس کو عقیقہ کہتے ہیں کہ اصل عقیقہ کے معنی وہ بال ہیں جو لڑکے کے سر پر وقت پیدائش کے ہوتا ہے۔ کما فی الکرمانی شرح البخاری عن الاصمعی۔ خصوصاً اگر لڑکی کا عقیقہ جوانی میں کیا جائے کہ عورت کو سر کا بال مونڈانا حرام ہے، مثل داڑھی کے، واسطے مردوں کی۔

درمختار میں ہے: ''قطعت شعر راسها اثمت ولعنت زاد فی البزازیة وان باذن الزوج، لانه لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیته۔'' واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ ظفر الدین البہاری

☆☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ منشی کلیم الدین، پورنیہ ڈاکخانہ بیسی ہاٹ موضع چوپڑا۔ ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

سوال اول: یہ کہ نمازی، پرہیزگار وصوفی شخص اگر بے نمازی، گناہگار کے ساتھ شریک ہو کر قربانی کرے تو ایسی قربانی کی فضیلت وثواب پرہیزگار کو ملے گا یا نہیں اور اس کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے اس صوفی کے ثواب میں کمی تو نہ ہوگی۔؟

سوال دوم: حدیث فعلی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خصی ابلق سنگدار اپنی طرف سے قربانی کیے اور دوسرا ایک خصی بصفتِ مذکورہ ساری امت کی طرف سے قربانی کیے۔ پس ہم لوگ امتان محمدی کو دو چار آدمی شریک ہو کر نا جائز ہونے کی کون سی قولی حدیث ودلیل ہے؟ جواب مدلل تحریر فرمایا جائے۔

سوال سوم: اس ملک میں رواج ہے کہ لڑکوں کے ختنے میں طعام داری، طویل خواہ قلیل کرتے ہیں و برادروں و یگانوں کو دعوت کرتے ہیں۔ ایسی دعوت کھانا اور اس مولود شریف میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

سوال چہارم: ملّا نکاح باندھ دینے والے مالدار، اہل نصاب، صاحب زکوٰۃ کو دولہا کی طرف سے عقد خوانی میں کچھ روپیہ پیسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال پنجم: جن شخصوں نے کبھی دلہن کو نہ دیکھا ہے، نہ اس کی آواز پہچانتا ہے، ایسے شخصوں کی شہادت سے نکاح جائز ہوتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ بجائے اس دلہن کے بوجہ شرارت ودشمنی کے دوسری کسی رذیل قوم کی لڑکی سے ایجاب کرادے اور گواہان کو تمیز نہ ہو کہ یہ منسوب شدہ لڑکی ہے یا دوسری ہے؟

سوال ششم: کسی شخص نے اپنی جورو سے جھگڑا و مار پیٹ کر کے یوں کہا کہ میں نے تم کو چھوڑ دیا، تم میرے گھر سے نکل جاؤ۔ اتنا کہنے پر وہ عورت اپنے شوہر کے گھر سے نکل گئی۔ بعد گذرنے تین چار ماہ کے اس کا شوہر چاہتا ہے کہ اس بی بی کو لے آوے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ چھوڑنے کا لفظ کہنے کے سبب اس پر طلاق پڑ گئی ہے۔ یہ سن کر وہ عورت چاہتی ہے، دوسرا شوہر کروں۔ پس وہ عورت دوسرا شوہر کر سکتی ہے یا نہیں؟

سوال ہفتم: ایک شخص زنا میں پکڑا گیا۔ بستی کے سردار و پنچائتان نے مل کر اس زانی سے مثلاً سو روپیہ لے کر اس

marfat.com

روپیہ سے شامیانہ یا فرش ومصلاّ خرید کیا۔اس شامیانہ کے نیچے،فرش اور مصلا کے اوپر بیٹھنا،نماز ومولود شریف پڑھنا، مستحق ثواب ہوگا یا نہیں؟

الــــــجــــــــــواب

(۱) نمازی وپرہیزگار اگر بے نمازی اور گناہگار کے ساتھ قربانی میں شریک ہو تو اس کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے ثواب میں کمی نہ آئے گی۔ہاں مشرک کے شریک ہونے سے قربانی نہ ہوگی۔اس لئے کہ شرکت بنیت قربت ہونی چاہئے اور مشرک قربت کا اہل نہیں۔

ردالمحتار جلد پنجم ص ۲۰۷ میں ہے:"والمراد انها تجزى بنية القربة من كل منهم ولو اختلف جهات القربة۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) حدیث قولی وفعلی سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے، بیشک اس پر عمل کرنا چاہئے اور سنت جان کر عمل کرنے والوں کو بہت ثواب ملے گا۔یعنی ہر شخص ایک خصی بصفات قربانی اپنی طرف سے کرے اور دوسرا خصی اپنے تمام بھائی مسلمانوں کی طرف سے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔حضور نے یہ تو نہیں کہا کہ چند اشخاص جن پر قربانی واجب ہے، ان سب کو فرمایا ہو کہ تم کو الگ الگ خصی کرنے کی ضرورت نہیں، ایک ہی میں شریک ہو جاؤ۔ایک کسی کار خیر میں لوگوں کو شریک کر لینا اور ایک اس پر سے سقوط واجب جاننا، ان دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ وهذا ظاهر لمن له عقل كامل وفهم سالم۔ والله تعالى اعلم۔

(۳) ایسی طعام داری کی شرکت میں کوئی مضائقہ نہیں، نہ مولود شریف ناجائز بلکہ بہتر اور باعث ثواب ہے۔ قال تعالیٰ:" وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ"(الضحیٰ: ۱۱) اور خوشی ومسرت کے موقع پر عزیز واقارب، دوست واحباب کی دعوت بھی مسنون ہے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورہ بقرہ تمام کیا تو اونٹ ذبح کیا اور لوگوں کی دعوت کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) اگر دولہا، نکاح کرنے والے قاضی کو کچھ بطور ہدیہ پیش کرے، اگرچہ وہ شخص مالدار، صاحب ثروت ہو، لینے میں مضائقہ نہیں۔اس لئے کہ یہ زکوٰۃ کا پیسہ نہیں کہ اغنیاء کو لینا حرام ہو بلکہ ہدیہ وتحفہ ہے۔اس کے لینے میں مضائقہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) مسئلہ نکاح میں عام طور پر ایک غلط فہمی ہو رہی ہے۔وہ یہ کہ جو لوگ عورت سے توکیل کے لئے جاتے ہیں، جن کے سامنے عورت توکیل کا اقرار کرتی ہے، انہیں کو نکاح کا گواہ سمجھا جاتا ہے۔حالانکہ وہ دو شخص جوزنانے میں جا کر عورت سے اجازت لیتے ہیں، وہ صرف توکیل کے گواہ ہیں۔یعنی ان دونوں کے سامنے عورت نے فلاں شخص کو نکاح پڑھانے کی اجازت دی۔نکاح کے گواہ وہ سب مجمع والے ہیں اور وہ لوگ جن کے کہنے سے شوہر نے اقرار وقبول کیا۔غرض جن جن لوگوں نے اقرار وقبول کے الفاظ سنے، وہ سب کے سب نکاح کے گواہ ہیں۔اب اگر کسی رذیل قوم کی لڑکی سے کسی نے

marfat.com

اقرار نکاح کیا تو اس نکاح کے گواہ سب مجمع والے ہوں گے۔ پھر اس عورت نے اگر واقعی اس کو وکیل نہ کیا تو پھر یہ نکاح، نکاح فضولی ہوگا، عورت کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر اجازت دے گی جائز ہوگا ورنہ باطل۔ اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ خود عورت جوان، عاقلہ، بالغہ ہو ورنہ اگر کمسن لڑکی ہے تو اس کے ولی کی توکیل کافی ہے۔ وھذا کلہ ظاھر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) اس کہنے سے بیشک وہ عورت مطلقہ ہوگئی۔ شوہر اول نکاح کے بعد البتہ اس کو رکھ سکتا ہے، بشرطیکہ ایک ہی مرتبہ کہا ہو، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے۔ اور اگر تین مرتبہ کہا تو حرمت غلیظہ ہوگی، صرف نکاح کافی نہیں، بغیر حلالہ جائز، درست نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) اس طرح سے جرمانہ کرنا شرعاً درست نہیں۔

ردالمحتار جلد ۳ ص ۱۸۴ میں ہے: ”قولہ لا یاخذ المال فی المذھب قال فی الفتح وعن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان باخذ المال وعندھما وباقی الائمۃ لا یجوز اہ مثلہ فی المعراج وظاھرہ ان ذلک روایۃ ضعیفۃ عن ابی یوسف قال ولا یفتیٰ بھذا لما فیہ من تسلیط الظلمۃ علیٰ اخذ مال الناس فیاکلونہ ومثلہ فی شرح الوھبانیۃ عن ابن وھبان۔“

توجب مفتیٰ بہ مذہب پر جائز نہیں ہے تو یہ مال لینا غصب کے حکم میں ہوگا۔ اس سے ان چیزوں کا بنانا جائز نہیں۔ ہاں! اگر وہ شخص بخوشی اجازت دے کہ میں نے شامیانہ، فرش، مصلیٰ کے لئے یہ رقم بخوشی دی تو اس پر نماز پڑھنے، مولود شریف پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ورنہ اگرچہ نماز ہوجائے گی مگر مکروہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی کبیرالدین صاحب از بین ضلع پٹنہ ۴ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھال کی قیمت سے عین مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

تعمیر مسجد از سر نو باحرمت اس کے قربانی کی کھال بلکہ اس کے گوشت کی قیمت سے بھی بلاشبہ جائز ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: ”ویتصدق بجلدھا او بجزء منھا و کان لہ التصدق والانتفاع بہ لا بیعہ بالدراھم لینفق علی نفسہ وعیالہ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح ولو باعھا بالدراھم لینفق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق اہ۔“

”اور مستحب ہے کہ صدقہ کرے اضحیہ کے چمڑے کو کہ چمڑہ اس کا جزء ہے اور اس کا حق تصدق اور نفع اٹھانا ہے۔ نہیں جائز ہے بیچنا کھال کا داموں سے تاکہ اپنے اور گھر والوں کے صرف میں لائے اور صحیح مذہب میں گوشت کھال کے مرتبے میں ہے اور اگر کار خیر میں صرف کرنے کے لئے بیچا تو جائز ہے“۔ ھکذا فی الکافی والھدایۃ والتبیین

marfat.com

والبحر والحلية وخزانة المفتيين وفتح الله المعين۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "کلوا وادخروا وتصدقوا" کھاؤ اور جمع رکھو اور صدقہ کرو۔ رواہ مسلم والبخاری واحمد عن عائشة ولابی داؤد عن نبشة الهذلی: "کلوا واشربوا وادخروا وائتجروا۔" کھاؤ اور پیو اور جمع کر رکھو اور وہ کام کرو جس میں ثواب ہو۔

اور شک نہیں کہ تعمیر مسجد، کار ثواب ہے بلکہ اس کا ثواب اتنا نہیں کہ کوئی بتا سکے کہ وہ مالا عين رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علىٰ قلب بشر جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی دل پر اس کا خطرہ گذرا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ان مما يلحق المومن من عمله بعد مماته مسجدا بناه" بیشک مسلمان کے ان عملوں سے جن کا ثواب بعد موت بھی ملتا ہے، مسجد ہے، جو اس نے بنائی۔ اخرجه ابنا خزيمة وماجة والبيهقی عن ابی هريرة رضی الله عنه۔

دوسری حدیث میں ہے: "من يبنى لله مسجدا" جو شخص خدا کے لئے مسجد بنائے" وفى رواية ولو كمفحص قطاة" اگرچہ قطاۃ کے گھونسلے جیسی" وفی رواية او اصغر" یا اس سے بھی چھوٹی" وفی رواية يذكر الله عز وجل فيه" تاکہ اس میں ذکر خدا ہوئے (نہ کہ مسجد ضرار کہ تفریق بین المسلمین و تقلیل جماعت کی غرض سے بنائی جائے)" بنى الله له بيتا فی الجنة" اللہ اس کے لئے گھر جنت میں بنائے گا فی رواية" من درر وياقوت" موتی اور یاقوت کے رواه ابن ماجه وابن حبان وسيدنا ابو حنيفة وابن خزيمة والبزار فی مسنده والطبرانی فی الصغير والترمذی وهو فی الكبير والاوسط وابن عدی والنسائی عن سيدنا عثمان وعمرو جابر بن عبد الله وابی ذر وانس بن مالك وابی امامة وابی هريرة واسماء بنت الصديق وعمرو بن عبسة رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعين۔

پھر یہ ثواب صرف اسی پر نہیں کہ ساری مسجد خود بنائے یا مال کثیر سے شرکت کرے۔ بلکہ ہر شرکت والے کو بے کم وکاست اتنا ہی ثواب ملے گا۔ "لا ينقص عن اجورهم من شئ۔"

بالجملہ تعمیر مسجد قیمت جلود اضحیہ سے بلاشبہ درست ہے۔ چاہئے کہ کھال مہتمم تعمیر کے حوالہ کریں کہ وہ اُسے بیچ کر تعمیر میں لگائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

"اعلام الساجد بصرف جلود الاضحية فی المساجد" (۱۳۲۵ھ)

مسئلہ مسئولہ جناب شیخ محی الدین اشرف رئیس بین ضلع پٹنہ اواخر ذی الحجہ الحرام ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پوست اضحیہ سے تعمیر مسجد جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو کس کس کام میں لا سکتے ہیں۔؟ فقہائے کرام جو "يتصدق بجلدها" فرماتے ہیں، اس سے مراد صدقہ واجبہ ہے یا نافلہ؟۔ بینوا توجروا۔

marfat.com

الجواب

بلاشبہ پوست اضحیہ کوتعمیر مسجد کے لئے دینا، اس سے مسجد کی تعمیر، مرمت، قلعی کرنا، اس کے لئے جانماز، بوریا، چٹائی ،لوٹے، رسی، ڈول، جھاڑو، چراغ، میٹھا تیل خریدنا جائز ہے۔ (مٹی کا تیل مسجد کے لئے نہ خریدیں کہ اس کا مسجد میں جلانا یا کسی اور بدبودار چیز کا مسجد میں لے جانا، دیا سلائی کھینچنا سب مکروہ تحریمی ہے۔ احکام وآداب مسجد میں ہے کہ وہ ہر بدبودار چیز سے بچائی جائے جس سے لوگوں کوایذا پہنچتی ہو۔ اسی لئے احادیث میں کچا لہسن، کچی پیاز کھانے والے کومسجد کے قریب آنے سے بھی ممانعت آئی ہے۔ زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں جس شخص کے منہ سے لہسن، پیاز کی بو آتی، بقیع شریف تک نکال دیا جاتا۔

صحیح مسلم شریف میں ہے: ''ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطب یوم الجمعة فذکر:" انکم ایها الناس تاکلون شجرتین لا اریهما الا خبیثتین هذا البصل و الثوم ولقد رایت رسول الله صلی الله علیه و سلم اذا وجد ریحهما من الرجل فی المسجد امر به فاخرج الیٰ البقیع "رواہ عن معدان بن ابی طلحة رضی الله تعالیٰ عنه ۔''

اسی بناپر علماء کرام نے، جس شخص کے آنے سے نمازیوں کونفرت ہوتی ہو، انہیں ایذا پہنچتی ہو، اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دی اور تصریح فرمائی کہ وہ مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ مثل قصاب، ماہی فروش، جذامی، مبروص، گندہ دہن، گندہ بغل، وغیرہ وغیرہ۔

درمختار والاشباہ والنظائر میں ہے: ''یکره دخوله لمن اکل ذا ریح کریهة ویمنع عنه و کذا کل موذ ولو بلسانه اه وفی الطحطاویة کمغتاب و نمام اه"

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری پھر ردالمحتار حاشیہ درمختار شرح تنویرالابصار میں ہے: "یلحق بما نص علیه فی الحدیث کل ماله رایحة کریهة ماکولا او غیره و القصاب و السماك و المجذوم و الابرص اولیٰ بالالحاق۔"

نووی شرح صحیح مسلم میں ہے:'' قال العلماء ویلحق بالثوم و البصل و الكراث کل ماله رایحة کریهة من الماکولات وغیرها۔ قال القاضی ویلحق به من اکل فحلا و کان یتحشی قال وقال ابن المرابط ویلحق به من به بخر فی فیه او به جرح له رایحة۔ وفیه تحت قوله "فاخرج الیٰ البقیع "فیه اخراج من وجد منه ریح الثوم و البصل ونحوهما من المسجد و ازالة المنکر بالید لمن امکنه اه)۔ "

مسجد کے لئے حسب حاجت جھاڑ وفانوس، ہانڈی، مومی بتی وغیرہ خریدنا، مسجد کے لئے حدود حرم سے باہر کنواں، غسل خانہ، استنجا خانہ، پاخانہ بنوانا، امام موذن جاروب کش مسجد کی تنخواہیں دینا، سب کچھ جائز ودرست ہے۔ ظاہر ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصود قربانی سے ہرگز ہرگز گوشت و پوست، شعر و وبر، صوف وشحم نہیں، نہ ان کا نام قربانی ہے۔ بلکہ وہ ایام مخصوصہ میں اراقت دم مخصوص تقربا الیٰ اللہ ہے۔ اس واسطے ایام نحر میں اس جانور کے زندہ صدقہ کرنے سے

marfat.com

قربانی ادا نہیں ہوتی بلکہ غنی پر دوسرے جانور کی قربانی واجب ہوتی ہے۔

ردالمحتار جلد پنجم میں جوہرہ نیرہ شرح قدوری سے ہے: "والدلیل علیٰ انہا الاراقۃ لو تصدق بعین الحیوان لم یجز و التصدق بلحمہا بعد الذبح مستحب ولیس بواجب۔"

اسی میں ہے: "فان تصدق بعینہا فی ایامہا فعلیہ مثلہا مکانہا لان الواجب علیہ الاراقۃ۔"

نہ قبل از ذبح یا مذبوحہ قبل از وقت کے دودھ، اون، گوشت یا کسی جز سے انتفاع درست اور اگر دودھ دوہ لیا یا اون کاٹ لی تو اسے اپنے مصرف میں نہیں لا سکتا۔ بلکہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اور بعد قربانی کرنے کے اس میں ہر قسم کے تصرف کا، سوا تمول کے، مجاز مختار ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ جلد پنجم میں ہے: "ولو اشتریٰ شاۃ للاضحیۃ یکرہ ان یحلبہا او یجز صوفہا فینتفع بہ لانہ عینہا للقربۃ فلا یحل لہ الانتفاع بجزء من اجزائہا قبل اقامۃ القربۃ بہا کما لا یحل لہ الانتفاع بلحمہا اذا ذبحہا قبل وقتہا بدائع۔ ولو حلب اللبن من الاضحیۃ قبل الذبح او جز صوفہا یتصدق بہ ولا ینتفع بہ کذا فی الظہیریۃ واذا ذبحہا فی وقتہا جاز لہ ان یحلب لبنہا ویجز صوفہا وینتفع بہ لان القربۃ اقیمت بالذبح والانتفاع بعد اقامۃ القربۃ مطلق کالاکل کذا فی المحیط اھ" مختصرا۔

یعنی اقامت قربت اضحیہ سے انتفاع جائز نہیں۔ اور بعد قربانی کرنے کے اس کے دودھ، گوشت، صوف سب سے انتفاع روا کہ قربت تو ذبح ہی سے حاصل ہوگئی اور بعد اقامت قربت انتفاع مطلقا جائز ہے۔ جس طرح اور جس وجہ سے ہو، نفع اٹھا سکتا ہے۔ دینی ہو یا دنیاوی۔ گوشت کو انہیں دنوں میں کھائے یا بعد کے لئے اٹھا رکھے۔ پوست کی کوئی چیز استعمال مثل ڈول، مشک، چھلنی، پوستین، توشہ دان، فرش، تکیہ، ترازو، چھاگل، دسترخوان، بستر بند، جلد کتاب، بیگ، جوتہ موزہ، تسمہ، جانماز، زین، ساز، لگام، پرتلہ، کپی، دھونکنی، وغیرہا بنائے یا اس سے کوئی ایسی چیز بدل لے جو بعینہ استعمال میں آتی ہو جیسے برتن، کپڑا، کتاب، قلمدان، الماری، بکس، فانوس، لیمپ، میز، کرسی، تخت، تپائی، ٹیبل، کواڑ، سماوار، چائدان، پرچ، پیالیاں، ٹفن بکس، کیش بکس، پیٹی، صندوق، لالٹین، جھینکا، دیوارگیر، کھونٹی، کھڑاون، وغیرھا۔ ہاں وہ چیزیں نہ بدلے جن سے انتفاع بعد استہلاک ہوتا ہو۔ جیسے گوشت، ترکاری، غلہ، نمک، مسالہ، مٹھائی، حلوا، ربڑی، برف، مکھن، دودھ، دہی، گھی، چاول، دال وغیرھا کہ اس قسم کی چیزیں بدلنا نہ گوشت پوست سے جائز، نہ اس کی چربی، سرا، پائے، اون، بال، دودھ وغیرہا سے روا۔

عالمگیریہ جلد ۵ میں بدائع شرح تحفۃ الفقہاء سے ہے: "ولا یحل شحمہا واطرافہا وراسہا وصوفہا ووبرہا وشعرہا ولبنہا الذی یحلبہ منہا بعد ذبحہا بشیء لا یمکن الانتفاع بہ الا باستہلاک عینہ من الدراہم والدنانیر والماکولات والمشروبات۔"

مگر یہ یاد رہے کہ اپنے لئے برتن وغیرہ سے اشیاء مستعملہ بعینہا کو چمڑے سے بدلنا جائز ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کھال یا

marfat.com

گوشت یا اس کے کسی جزء کو روپوں سے بیچیں پھران روپوں سے یہ سب چیزیں خریدیں کہ یہ درست نہیں۔

ردالمحتار جلد ۵ میں طحطاوی حاشیہ درمختار سے ہے: ''قوله (بما ينتفع بعينه) ظاهر انه لا يجوز بيعه بدراهم ثم يشترى بها ما ذكره ويفيده ما تذكره عن البدائع۔''

کہ اپنے لئے کھال یا گوشت، روپوں سے بیچنا مطلقا ممنوع ہے۔ بیچ لیا تو اس میں روپوں کو اپنے صرف میں لانا جائز نہیں بلکہ اس کا تصدق واجب۔ لانه حصل بوجه خبيث لحديث التمول المنهى عنه وكل مال صفته هكذا يجب تصدقه۔ قال فى الهداية:" ولو باع الجلد او اللحم بالدراهم او بمالا ينتفع به الا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لان القربة انتقلت الىٰ بدله اه" وسبيلها التصدق اه عناية قلت كذا علله فى الكافى حيث قال تصدق بثمنه لان معنى التمول سقطه عن الاضحية فاذا تمولها بالبيع انتقلت القربة الىٰ بدله فوجب التصدق۔

چاہے پھران روپوں کو اپنے پاس رکھے یا ان سے کوئی چیز خریدے کہ ہر طرح تمول ہے اور اضحیہ سے تمول مطلقا ناجائز۔ اس واسطے اگر کسی نے پوست یا گوشت قربانی فقیر کو بہ نیت زکوٰۃ دیا، زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔ اور اگر اس نے کسی امیر کو ہدیہ دیا اور اس نے بہ نیت زکوٰۃ فقیر کو دے دیا، اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ اس لئے کہ صورت اولیٰ میں تمول پایا گیا کہ اس پر جتنا روپیہ پوست میں منہا ہوا، اتنا اسے بچ رہا۔ بخلاف دوسری صورت کے کہ اس نے غنی کو ہدیہ دیا اور ہدیہ دینا اغنیا کو درست ہے۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے: ''ولا باس بان يهدى الاغنياء۔''

عالمگیریہ میں فتاویٰ غیاثیہ سے ہے: "ويهب منها (اى من الاضحية) ماشاء للغنى والفقير۔''

اور بعد قبول ہبہ وہ پوست اس کے تمامی املاک کی طرح اس کی ملک ہے۔ جس طرح اپنے مال کو زکوٰۃ میں دے سکتا ہے اس کا دینا بھی درست اور صحیح ہے۔

ردالمحتار جلد ۵ میں قہستانی سے ہے: ''اذا دفع بنية الزكوٰة لا يحسب عنها فى ظاهر الرواية لكن اذا دفع لغنى ثم دفع الغنى بنيتها (الزكوٰة) يحسب۔''

دینی فائدہ یہ کہ گوشت اپنے عزیز واقارب، احباب واصحاب کو کھلائے یا ان کے گھر بھیج دے۔ پوست کسی فقیر یا غنی کو بعینہ یا اس کی چیز موزہ، پوستین، تکیہ، وغیرہ بنوا کر ہدیہ دے یا اس سے کوئی چیز مستہلک یا غیر مستہلک بدل کر یا روپیوں سے بیچ کر صدقہ کرے یا کسی نیک کام میں صرف کرے یعنی نفع عام کی کوئی چیز مدرسہ، حوض، پل، نہر، سرائے، کنواں، مسجد، شفاخانہ، قبرستان کی حفاظت وغیرہ کی تعمیر کرائے۔ غرض ہر اس کام میں جس میں ثواب ہو، صرف کرنا بلاشبہ جائز ہے۔

عالمگیریہ میں تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق سے ہے: "ويتصدق بجلدها او يعمل منه نحو غربال وجراب ولا باس بان يشترى به ما ينتفع بعينه مع بقائه استحسانا وذلك مثل ما ذكرنا ولا يشترى به

marfat.com

مالا ینتفع الا بعد استهلاکه نحو اللحم والطعام ولا یبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علیٰ نفسه وعیاله واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح حتیٰ لا یبیعه بما لا ینتفع به الا بعد الاستهلاك ولو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق کذا فی التبین۔ وهکذا فی الهدایة والکافی۔"

"یعنی اور مستحب ہے کہ کار خیر میں لگائے پوست اضحیہ کو یا اس سے چلنی اور موزہ یا کوئی اور چیز اس کے مثل بنائے۔ اور نہیں مضائقہ کہ خریدے اس سے وہ چیز کہ بعینہ اس چیز سے نفع اٹھایا جاتا ہو مثل اول چیزوں کے کہ ذکر کیا ہم نے اور نہ خریدے اس سے وہ چیز جس سے قبل از استهلاک نفع غیر متصور ہو جیسے گوشت غلہ اور پوست کو روپیوں سے تا کہ اپنے اور اپنے عیال کے صرف میں لائے اور صحیح مذہب میں گوشت پوست کے حکم میں ہے۔ اسی لئے نہیں بیچ سکتے اس چیز سے جس سے قبل استہلاک نفع نہ اٹھایا جاتا ہو۔ اور اگر بیچے اس کو روپیوں سے تا کہ صدقہ کرے ان روپیوں کو تو جائز ہے کیونکہ یہ بھی قربت ہے مثل صدقہ کرنے کھال کے (اور ہر قربت جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے) یہ علامہ زیلعی کی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے اور ایسا ہی علامہ برہان الدین مرغینانی کی ہدایہ شرح بدایہ اور علامہ عبد اللہ ابو البرکات نسفی کی کافی شرح وافی میں ہے"

عبارت ہذا تحریر بالا کی روشن دلیل ہے۔ اور اس سے ہر ذکی، متفطن، سلیم الطبع، جزئیات مسائل متعلقہ پوست اضحیہ ادنیٰ تامل سے نکال سکتا ہے۔ مگر تعمیم نفع کے لئے ایک ضابطہ وقاعدہ کلیہ لکھا جاتا ہے جو قلب فقیر پر ارواح طیبہ اساتذۂ کرام ومشائخ عظام خصّهم الله العلام باللطف العام سے فائض ہوا۔ جس سے ہر عاقل فہیم تمامی جزئیات بآسانی نکال سکتا ہے۔ وما توفیقی الا بالله وهو حسبی ونعم الوکیل

ظاہر ہے کہ پوست، گوشت اضحیہ دونوں منتفع بہ ہیں اور شریعت مطہرہ نے بعد اراقت دم اس سے انتفاع کا حکم دیا کما قدمنا عن الهندیة عن المحیط اور انتفاع دو حال سے خالی نہیں۔ دینی ہوگا یا دنیاوی۔ اول ہر طرح جائز ہے، عین سے ہو یا بدل سے۔ لما مر من قوله ویتصدق بجلدها وقوله ولو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا بعینہ ہوگا یا بدلہ۔ اول مطلقاً جائز ہے، لما فی غرر الاحکام: " او یجعله آلة کجراب وخفّ وفروا ه وفی الخانیة ولا باس بان یتخذ من جلد الاضحیة فروا او بساطا او متکئا یجلس علیه اه وفی الکافی والهدایة او یعمل منه الة تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوها اه" کالدلو والسفرة والقرب عینی۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں یا بدل ثمن ہوگا یا نہیں۔ اول نا جائز ہے۔ تکملہ بحر الرائق وتبیین وخلاصہ میں ہے:" ولا یبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علیٰ نفسه وعیاله"۔

ثانی یعنی بدل ثمن نہ ہو بلکہ مثمن ہو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا مستہلک ہوگا یا غیر مستہلک، اول نا جائز ہے۔

marfat.com

لما فی الھدایۃ والتبیین والکافی والطحاوی وخزانۃ المفتیین:" ولا یشتری بہ مالا ینتفع بہ الا بعد استھلاکہ کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراھم والمعنی فیہ انہ تصرف علیٰ قصد التمول۔"

ثانی جائز ہے لما فی الھدایۃ وشرح الکنز لملا مسکین والکافی والتبیین والطحاوی وخزانۃ المفتیین:" ولا باس بان یشتری بہ ما ینتفع بعینہ فی البیت مع بقائہ استحسانا۔"

یا یوں خیال کیا جائے کہ قربانی کرنے والا گوشت اضحیہ کو اپنے صرف میں لائے گا یا غیر کے۔ عام ازیں کہ کوئی شخص معین ہو یا غیر معین جیسے رفاہ عام۔ ثانی ہر طرح جائز ہے۔ اور اپنے صرف میں لانے کی چار صورتیں ہیں دو جائز، دو نا جائز (۱) اس کی کوئی چیز بنائے (۲) اس سے کوئی غیر مستہلک چیز بدلے تو جائز ہے اور (۳) اگر روپیوں سے بیچا (۴) کوئی مستہلک چیز خریدی تو نا جائز وممنوع۔ وقد مضت الادلۃ آنفاً۔

پوست اضحیہ کا صدقہ، واجب نہیں بلکہ نافلہ ہے۔

اولا اگر واجب ہوتا تو مثل زکوٰۃ وصدقہ فطر اپنے نفس وعیال پر اس کا صرف کرنا یا کسی غنی یا ذمی کو ہدیہ دینا یا گھر رکھ کر چھوڑنا ہرگز جائز نہ ہوتا۔

عالمگیری جلد ۵ میں ہے:" ولیس للمتصدق ان یاکل صدقتہ ولا ان یعطی غیرہ من الاغنیاء۔"

ہدایہ میں ہے:" ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الیٰ ذمی۔"

اور نہیں جائز ہے کہ صدقہ کرنے والا اپنے صدقے سے کھائے اور نہ یہ جائز ہے کہ کسی غنی کو کھلائے اور نہ یہ جائز کہ کسی ذمی کو دے۔ حالانکہ اس کا کھانا اور غنی کو کھلانا یعنی اپنے صرف میں لانا، اپنے گھر رکھ چھوڑنا، غنی اور ذمی کو دینا، سب کچھ جائز ہے۔

کنز الدقائق، بحر الرائق، تبیین الحقائق، درر الحکام، غرر الاحکام، برجندی۔

رد المحتار جلد ۵ میں ہے:" ویاکل من لحم الاضحیۃ ویوکل غنیا ویدخر "اور کھائے گوشت اضحیہ سے اور کھلائے غنی کو اور جمع کر رکھے بعد کو کہ صرف میں لائے"

فتاویٰ غیاثیہ پھر فتاویٰ ہندیہ میں ہے:" ویھب منھا ای من الاضحیۃ ماشاء للغنی والفقیر والمسلم والذمی۔"

بلکہ اہل وعیال والے کے لئے یہی مستحب ہے کہ صدقہ نہ کرے بلکہ اپنے بچوں کے لئے جمع کر رکھے تاکہ خوب فراغ کے ساتھ کھائیں۔

درمختار، ہندیہ، بدائع، شرح شرعۃ الاسلام، شرح وقایہ، درر غرر، شرنبلالیہ، ذخیرہ، منتقی، برجندی، شرح مختصر وقایہ وخزانۃ المفتیین میں ہے: واللفظ للاول "ویندب ترکہ ای التصدق لذی عیال وسعۃ علیھم۔"

"اور مستحب ہے عیال والے کے لئے نہ صدقہ کرنا تاکہ وسعت ہو ان پر"۔

ثانیاً شریعت مطہرہ نے یہاں مخیر بنایا کہ چاہے کل کو صدقہ کریں یا کل اپنے صرف میں لائیں یا اغنیا کو ہدیہ دیں۔

marfat.com

قال فی البدائع: "والافضل ان یتصدق بالثلث ویتخذ الثلث ضیافة لاقربائه واصدقائه ویدخر الثلث ویستحب ان یاکل منها ولو حبس الکل لنفسه جاز لان القربة فی الاراقة والتصدق باللحم تطوع۔"

اور تخییر منافی وجوب ہے۔ کما فی الهدایة قبیل فصل القرائة۔

ثالثاً خود علماء نے تصریح فرمادی کہ تصدق مستحب ہے، واجب نہیں۔

شرح لباب ومنسک متوسط ومسلک متقسط میں ہے: "لا یجب التصدق بکله ولا ببعضه۔" "اور نہیں واجب ہے صدقہ کرنا گوشت اضحیہ کا، نہ کل کا، نہ بعض کا"

جوہرۂ نیرہ شرح قدوری پھر ردالمحتار میں ہے: "والتصدق بعد الذبح مستحب ولیس بواجب۔" "اور ذبح کرنے کے بعد صدقہ کرنا مستحب ہے واجب نہیں"۔ اس واسطے اگر کل صدقہ کردیا یا کل کھالیا یا دوسرے دن کے لئے اٹھار کھا تو کچھ حرج نہیں، جائز و درست ہے۔

بدائع پھر عالمگیریہ میں ہے: "ولو تصدق بالکل جاز ولو حبس الکل لنفسه جاز وله ان یدخر الکل فوق ثلاثة ایام۔" "اور اگر کل کسی کو دے دیا یا کل اپنے لئے رکھ لیا یا تین دن سے زیادہ روک لیا تو یہ سب جائز ہے"۔ لقوله علیه الصلوٰة والسلام بعد النهی عن الادخار "کنت نهیتکم عن لحوم الاضاحی فوق ثلاث لیتسع ذو الطول علیٰ من لا طول له فکلوا ما بدالکم واطعموا وادخروا" رواه الترمذی عن بریدة رضی الله تعالیٰ عنه وقال فی الباب عن ابن مسعود وعائشة ونبشة وابی سعید وقتادة بن النعمان وانس وام سلمة وحدیث بریدة حسن صحیح والعمل علیٰ هذا عند اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وغیرهم اه رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم والامام احمد عن ابی هریرة والبخاری عن سلمة بن الاکوع ومسلم عن بریدة وابوداؤد وابن ماجه عن نبیشة الهذلی والنسائی عن عائشة والحاکم وابن حبان عن ابی سعید الخدری وابن ابی شیبة شیخ الشیخین والبیهقی وعبد بن حمید عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین بالفاظ متقاربة عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔

بعض حضرات کا وتصدق بجلدها سے صدقہ واجبہ سمجھنا اور صرف تملیک یا اباحت فقیر پر اقتصار کرنا، معانی تصدق سے قصور پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ تصدق کے تین معنی ہیں۔ ایک اخص کہ فقط تملیک فقیر ہے کما صرح به فی الخانیة وغیرہ۔ از کوٰۃ وصدقۂ فطر میں یہی معنی مراد ہے۔ اس میں فقیر کے لئے اباحۃ بھی نہیں آسکتی ولہذا اپنے دسترخوان پر جو کچھ فقیروں کو اباحت سے کھلادیا۔ زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہوسکتا۔ فی الدر فلو اطعم یتیما ناویا للزکوٰة لا یجزیه۔ دوسرے خاص جس میں اباحت فقیر بھی داخل ہے جیسے کفارات۔ تیسرے عام جس میں اباحۃ بلکہ صلۂ رحم ومواسات احباب اغنیا بھی داخل، جس کا حاصل وہی مطلق تقرب ہوگا۔

بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے: "الصدقة تکون علیٰ الاغنیاء ایضا وان کانت مجازا عن الهبة عند

marfat.com

بعضهم وصرح فی الذخیرة بان فی التصدق علیٰ الغنی نوع قربة دون قربة الفقیر"۔

ولہٰذا نفع عام کے لئے تصرف مال بغیر تملیک واباحۃ کو بھی صدقہ کہتے ہیں۔ اسی بنا پر حدیث شریف میں کنواں کھود کر وقف کردینے کو صدقہ فرمایا۔ بلکہ کبھی قطع نظر غیر سے اپنے اہل وعیال پر صرف کرنے کو بھی صدقہ کہتے ہیں جبکہ نیت صالحہ ہو۔ وہ بھی قربت ہے۔

طبرانی معجم کبیر میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ما انفق الرجل فی بیته واهله وخدمه فهو صدقة۔" "جو کچھ خرچ کرے آدمی اپنے گھر میں اپنی بی بی، اپنے بچوں، اپنے خادم پر، وہ اس کے لئے صدقہ ہے۔ بلکہ بہ نیت محمودہ اپنے نفس پر صرف کرنے اور خود اپنے خرچ میں لانے کو بھی صدقہ کہتے ہیں۔

حدیث میں ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: "ما اطعمت زوجتك فهو لك صدقة وما اطعمت ولدك فهو لك صدقة وما اطعمت خادمك فهو لك صدقة وما اطعمت نفسك فهو لك صدقة۔" "یعنی تو اپنے نفس کو کھلاوے وہ بھی تیرے لئے صدقہ ہے۔ رواه الامام احمد فی مسنده والطبرانی فی الکبیر عن مقدام بن معدی کرب رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم وحسنها السیوطی۔"

جب صدقہ اور تصدق اتنے معنوں میں مستعمل ہے، تو اب یہ دیکھنا ہے کہ یہاں کون کون سے معنی مراد ہو سکتے ہیں "ظاہر ہے کہ اول وثانی یعنی خاص تملیک واباحۃ فقیر ہرگز ہرگز مراد نہیں ہو سکتے کہ وہ صرف صدقہ واجبہ زکوۃ وصدقۂ فطر اور کفارہ میں ہوتا ہے اور یہ صدقہ واجبہ نہیں ہے بلکہ نافلہ ہے۔ کما قدمنا اور خود تستعمل فی البیت سے اپنے اور اپنے عیال کے صرف میں لانا اور یؤکل غنیا سے اغنیا کو دینا، سب کا جواز ثابت ہو چکا ہے۔ لاجرم معنی ثالث یعنی تقرب مراد ہے۔ اور یعمل منه نحو غربال وغیرہ کا اس پر عطف بایں معنی کہ اپنے صرف میں لانا بے کسی خاص نیت محمودہ کے ہو، جو اسے حد صدقہ میں داخل کردے اور جب مطلق تقرب کا ارادہ لازم اور تصریح امام زیلعی لانه قربة کالتصدق اس پر جازم۔ تو اضحیہ کے چمڑے سے کوئی کام رفاہ عام کا کرنا جس سے ثواب حاصل ہو بلاشبہ جائز ہوا۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ مسجد بنانے میں وہ ثواب عظیم ہے کہ لا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر "جو کسی آنکھ نے نہ دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل پر خطرہ گزرا"۔

حدیث میں ہے:

(۱) "من بنی لله مسجدا ولو کمفحص قطاة بنیٰ الله له بیتا فی الجنة" رواه امام الائمة، سراج الامة سیدنا ابو حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت عبد الله بن ابی اوفیٰ یقول سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول من بنی الحدیث۔ قلت فیه تصریح بتابعیة الامام والحمد لله الملك المنعام

marfat.com

(۲) ورواه الامام احمد فی مسنده عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما وزاد لبیضها بعد قوله قطاة۔

(۳) واخرج الامام احمد فی مسنده والشیخان فی صحیحیهما والترمذی وابن ماجه فی سننهما عن عثمان بن عفان یقول "سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول من بنیٰ مسجدا قال بکیر حسبت انه قال یبتغی به وجه الله بنی الله له مثله فی الجنة"۔

(۴) ورواه ابو موسی المدینی فی کتاب الصحابة عن عمر بن مالك وزاد "لله" و"بیتا"۔

(۵) واخرج الترمذی عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "من بنیٰ لله مسجدا صغیرا کان او کبیرا بنی الله له بیتا فی الجنة۔"

(۶) واخرج النسائی عن عمرو بن عبسة ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال" من بنیٰ مسجدا یذکر الله عز وجل فیه بنی الله له بیتا فی الجنة"۔

(۷) واخرج ابن ماجه وابن حبان فی صحیحه عن عمر بن الخطاب قال" سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من بنیٰ مسجدا یذکر فیه اسم الله بنیٰ الله له بیتا فی الجنة"۔

(۸) واخرج الطبرانی فی الکبیر عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم "من بنیٰ مسجدا یصلی فیه بنی الله له بیتا فی الجنة افضل منه"۔

(۹) واخرج هو والضیاء فی المختارة عن ابی قرصافة انه سمع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول "ابنوا المساجد واخرجوا القمامة منها فمن بنیٰ لله بیتا بنیٰ الله له بیتا فی الجنة قال یا رسول الله وهذه المساجد التی تبنیٰ فی الطریق قال نعم واخراج القمامة منها مهور حور العین"۔

(۱۰) واخرج هو فی الکبیر عن ابی امامة قال:" من بنیٰ لله مسجدا بنیٰ الله له فی الجنة اوسع منه"۔

(۱۱) ورواه ابو نعیم عن اسماء بنت یزید وزاد "بیتا" وابوالفرج فی کتاب العلل وزاد و"من علق فیه قندیلا صلی علیه سبعون الف ملك حتی یطفی ذلك القندیل ومن بسط فیه حصیرا صلی علیه سبعون الف ملك حتی ینقطع ذلك الحصیر ومن اخرج منه قذاءة کان له کفلان من الآجر"۔

(۱۲) واخرج هو فی اوسطه والبیهقی فی شعب الایمان عن ابی هریرة قال من بنیٰ بیتا یعبد الله فیه حلالا بنیٰ الله له بیتا فی الجنة من الدر والیاقوت"۔

(۱۳) واخرج ابو نعیم عن انس رضی الله تعالیٰ عنه "من بنیٰ مسجدا لله فی الدنیا یرید به وجه الله بنیٰ الله له بیتا فی الجنة قالوا اذا نکثر یا رسول الله قال کل بناء وبال علیٰ صاحبه یوم القیمة الا مسجدا فان له به قصرا فی الجنة من لؤ لؤ"۔

(۱۴) وعن ابی امامة :"لا بنیٰ احد مسجدا لله الا بنیٰ الله له بیتا اوسع منه۔"

marfat.com

"یعنی جو شخص مال حلال سے اللہ کے واسطے مسجد بنائے جس میں ذکر الٰہی ہوتا ہو، چھوٹی ہو یا بڑی، اگر چہ قطاۃ کے گھونسلے برابر یا اس سے بھی چھوٹی، (قطاۃ ایک چھوٹی سی چڑیا کا نام ہے) اللہ اس کے لئے جنت میں مثل اس کے یا اس سے وسیع تر اور افضل گھر موتی اور یاقوت سے بنائے۔ پھر یہ کچھ ضروری نہیں کہ ساری ہی مسجد اپنی طرف سے بنائے بلکہ ہر ایک شرکت کرنے والے کو اسی قدر ثواب ہے۔ فدفع ما يتوهم ان هذا الاجر لمن بنیٰ مسجدا ولما یمکن ان یبنی رجل مسجدا ولو اصغر من اصغر من جلد الاضحية لا سيما جلود الغنم۔

بااین ہمہ اگر وساوس کسی پر غلبہ کریں تو اس کا سہل علاج یہ ہے کہ کسی متدین مسلمان کو کھال ہبہ کر دے کہ وہ اسے بیچ کر تعمیر مسجد وغیرہ میں لگائے۔ وہ شخص اگر فقیر ہے جب تو اظہر ہے۔ اور اگر غنی ہے تو اسے بھی ہدیہ دینا صحیح ہے، لانہ لما جاز التصرف لنفسه فجواز الهدية اولیٰ كما استدل في الهداية لجواز اطعام الغني بقوله متیٰ جاز اكله وهو غني جاز ان يؤكل غنيا۔

اور بعد قبول ہدیہ، شے اس کی ملک ہے جہاں چاہے صرف کرے، کسی مسکین کو دے یا کسی سید صاحب کو نذر کرے یا مردے کو کفن دے یا مسجد تعمیر کرائے یا سرائے، حوض، مدرسہ، شفا خانہ بنائے۔ رہا یہ شبہہ کہ مسجد اپنی ملک سے تعمیر کرنا چاہئے اور پوست اضحیہ اس شخص کی ملک نہیں۔ اس لئے اس کو اپنے لئے روپیوں سے بیچنا یا کوئی چیز مستہلک خریدنا صحیح نہیں، حالانکہ اپنی ملک میں آدمی کو ہر طرح تصرف کا اختیار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلا شبہ ایک تعمیر مسجد کیا، تمامی میراث وخیرات اپنی ملک سے ہی چاہئے کہ حدیث میں ہے: "لا يقبل الله صدقة من غلول ولا صلوٰة بغير طهور" رواه ابو داؤد وابن ماجه عن اسامة رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم عن ابن عُمر رضي الله تعالیٰ عنهما بُنِيًا للمفعول والبخاري مرسلا۔

مگر یہ دعویٰ کہ پوست اضحیہ مضحی کی ملک نہیں۔ محض باطل وجہالت وخلاف درایت وروایت ہے۔ اگر وہ اس کی ملک نہیں تو "ويتصدق بجلدها" کے کیا معنی؟ کیا شریعت مطہرہ اس کا حکم دیتی ہے کہ پرائے مال پر یا حسین کرو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ حسب تصریحات فقہاء جو مال حرام کو صدقہ کر کے اس پر ثواب کی نیت رکھے، وہ کافر ہے۔

خلاصہ، عالمگیریہ، خزانہ میں ہے: واللفظ للاول "رجل تصدق من الحرام ويرجوا الثواب يكفر۔"

علاوہ بریں خود فقہاء نے تصریح فرما دی کہ پوست اضحیہ مضحی کی ملک میں رہتا ہے۔ اس کی ملک سے نکل نہیں جاتا ہے۔ اسی واسطے طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بیچنا درست اور جائز ہے۔

ہدایہ، تبیین الحقائق، بحر الرائق، کافی، ردالمحتار میں ہے: "اما البيع فجائز لقيام الملك والقدرة على التسليم۔" اگر چہ بسبب حدوث تمول منہی عنہ مکروہ ہے۔ اور ایسی حالت میں اس ثمن کا صدقہ کرنا واجب۔ اور ہر ایک اس کام میں، جس میں تمول پایا جاتا ہو، لگانا ناجائز۔ اس لئے اجرت قصاب یا ذابح میں دینا درست نہیں۔

بدائع، عالمگیریہ، خانیہ، سراجیہ میں ہے: واللفظ للاول: "ولا (يحل) ان يعطي اجرة الجزار والذابح منها۔"

marfat.com

اسی لئے اگر کسی غنی یا فقیر نے نذر کر لی کہ میں اللہ کے واسطے قربانی کروں گا تو اس میں سے نہ کھا سکتا ہے، نہ کسی غنی کو کھلا سکتا ہے بلکہ اس کا تصدق واجب ہے۔ اب اس سے مسجد نہیں تعمیر کر سکتا۔

فتاویٰ عالمگیریہ ورد المحتار میں تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق سے ہے: ''ان وجبت بالنذر فلیس لصاحبها ان یاکل منها شیئا ولا ان یعطی غیره من الاغنیاء کان الناذر غنیا او فقیرا لان سبیلها التصدق ولیس للمتصدق ان یاکل صدقته ولا ان یعطی الاغنیاء کذا فی التبیین وهکذا فی النهایة۔''

اسی طرح اگر گوشت یا پوست اضحیہ سے اپنے لئے کوئی مستہلک چیز خرید لی یا روپیوں سے بیچا تو اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ ان روپیوں کو مسجد میں نہیں لگا سکتا۔ لانه حصل بوجه خبیث واللہ طیب لا یقبل الا الطیب۔

اسی طرح اگر کسی فقیر نے قربانی کے لئے جانور خرید لیا تو اسے مسجد میں نہیں لگا سکتا۔ لان شرائه لها یجری مجری الایجاب وهو النذر بالتضحیة وقد سبق انه ان وجبت بالنذر الخ۔ اسی طرح اگر کسی نے میت کی طرف سے اس کے حکم سے قربانی کی تو مسجد میں نہیں لگا سکتا۔

ردالمحتار میں بزازیہ سے ہے: ''من ضحیٰ عن المیت یصنع کما یصنع فی اضحیة من التصدق والاکل والاجر للمیت والملک للذابح قال الصدر والمختار انه ان یامر المیت لا یاکل منها والا یاکل۔''

درمختار میں وہبانیہ سے ہے: ''وعن میت بالامر الزم تصدقا والا فکل منها وهذا المخیر ای المختار کما قدمنا عن البزازیة سابقا اه شامی۔''

اسی طرح اگر قربانی کا جانور خرید کر کے چھوڑ دیا۔ ذابح پر اس کی قیمت لازم ہے۔ اس سے دوسرا جانور خرید کر ایام نحر میں قربانی کرے۔ اس کا قربانی کرنا واجب ہے۔ نہ اس میں سے خود کھا سکتا، نہ کسی دوسرے کو کھلا سکتا، نہ مسجد میں صرف کر سکتا ہے۔ اور اگر ایام نحر نکل گئے تو اس کی قیمت فقرا پر تصدق کرے۔

درمختار میں خانیہ سے ہے: ''شریٰ اضحیة وامر رجلا بذبحها فقال ترکت التسمیة عمداً لزمه قیمتها لیشتری الآمر بها اخریٰ ویضحی ویتصدق ولا یاکل لو ایام النحر باقیة والا تصدق بقیمتها علیٰ الفقراء۔'' خانیة افاد العلامة الشامی فی حاشیته علیه وکذا فی الذخیرة والخلاصة وغیرهما ونظمها ابن وهبان وابن الشحنة اه۔''

بالجملۃ سوا بعض صورتوں کے، جہاں خود اپنے صرف میں لانا یا غنی کو دینا جائز نہیں، عام طور پر مطلقا بلا شبہ پوست اضحیہ سے تعمیر مسجد جائز ہے۔ لانه قربة من القربات ویجوز صرفه الیٰ سائر القربات واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم وانما اطنبنا الکلام لان المقام من مزال الاقدام وتراکم الشکوك والاوهام فقد زل قدم بعض الاعلام والحمد للہ العلی العلام الذی هدانا لهذا وما کنا لنهتدی لولا ان هدانا اللہ والصلاة والسلام علیٰ رسوله سید الانام وعلیٰ آله وصحبه وحزبه واولیاء امته وعلماء ملته اجمعین ما تقاربت الصفوف والاقدام۔

marfat.com

مسئلہ از میرٹھ صدر بازار مرسلہ حافظ عزیز الدین صاحب یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) یہ کہ چرم قربانی یا اس کی قیمت مدارس میں دینا جائز ہے یا نہیں اور قیمت اور چرم کے احکام میں متولی مدرسہ کو کچھ فرق کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ درصورت جواز متولی کو ضروریات مدرسہ کے واسطے چرم قربانی بیچ کر کتابیں یا فرش وغیرہ بلا تملیک خریدنا جائز ہے یا نہیں اور قیمت کا یہی حکم ہے یا نہیں؟

(۳) درصورت عدم جواز اگر متولی نے بباعث عدم علمی ایک رقم کثیر کی کتابیں حسب دستور دیگر مدارس اسلامیہ خریدی ہیں، تو اس کے لئے اپنے مواخذۂ اخروی سے بچنے کی کیا سبیل ہے؟

(۴) یہ کہ مدرسہ میں تین قسم کا چندہ آتا ہے۔ مد قربانی وزکوٰۃ ودوامی اور متولی کو یہ امر دشوار معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے زر چندہ کو علیحدہ علیحدہ تھیلی میں رکھے۔ بلکہ وہ تفصیل اس قسم کی کہ آمد وخرچ کے کاغذات حساب میں کمی بیشی دکھاتا ہے لیکن روپیہ سب ایک تھیلی میں رکھتا ہے یا خازن مدرسہ بطریق قرض دے دیتا ہے کہ مدرسہ کے حساب میں سے روپیہ مارا نہ جائے اور مسروق ہوجانے پر خازن سے وصول کرلیا جائے۔ اس کے جواز کی کوئی سبیل ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

جو مدارس تعلیم علوم دینیہ کے لئے چندہ سے مقرر ہوں، اس میں قربانی کی کھال، خواہ بیچ کر اس کی قیمت بھیجنا کہ مصارف مدرسہ مثل تنخواہ مدرسین وخوراک طلبہ وخرید کتب وغیرہ میں صرف کی جائے، بلاشبہ جائز ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''کلوا وادخروا وائتجروا'' ''کھاؤ اور جمع کر رکھو جس سے ثواب حاصل ہو۔ اور شک نہیں کہ اس سے مدارس دینیہ کی اعانت، قربات سے ہے اور قربات میں صرف کرنے کے لئے گوشت وپوست قربانی بیچنے کی بھی مطلقاً اجازت ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ''لا یبیعه بالدراهم لینفق علیٰ نفسه وعیاله واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح ولو باعها بالدراهم لینفق بها جاز لانه قربة کالتصدق اه هکذا فی الکافی والهدایة والبحر والخلاصه والسراجیة والخانیة وفتح الله المعین۔''

متولی بلا تملیک اس سے کتابیں خرید سکتا ہے کہ اس میں مثل زکوٰۃ، تملیک فقیر شرط نہیں۔

منسک متوسط میں ہے: ''یجب التصدق به''۔ اس کی شرح میں ہے: ''لا بکله ولا ببعضه۔'' اسی وجہ سے اس کے کھانے کی بھی اجازت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''کلوا واطعموا وادخروا'' کھاؤ اور کھلاؤ اور جمع رکھو۔ اخرجه احمد والشیخان عن سلمة بن الاکوع رضی الله عنه والتفصیل بما لا مزید علیه فی الرسالة المبارکة ''المحاکمة الملیة فی حکم جلود الاضحیة'' لعالم اهل السنة مد ظلهم الاقدس والله تعالیٰ اعلم۔

marfat.com

اگرچہ جب چند اشخاص اپنے اموال زکوٰۃ ایک شخص مثلاً زید کو بغرض ادا و تقسیم فقرا دیں اور وہ انھیں ملائے اور فقرا نے اسے اپنے لئے زکوٰۃ لینے کا وکیل نہ کیا ہو تو ان صورتوں میں زید ان اموال کا مالک ہو جاتا ہے۔ اور اصل مالکوں نے اگر بعد خلط اسے ازسرِ نو اجازت ادا بفقرا نہ دی ہو تو ان کے اموال کا تاوان دینا، زید پر لازم آتا ہے۔ ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ جو کچھ دیا زید کی طرف سے صدقہ نافلہ ہوتا ہے۔

بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے: ''فی الفتاویٰ رجلان دفع کل واحد منھما زکوٰۃ مالہ الیٰ رجل لیودی عنہ فخلط مالھما ثم تصدق ضمن الوکیل وکذا لو کان فی ید رجل اوقاف مختلفۃ فخلط اموال الاوقاف فاذا ضمن لا تسقط الزکوٰۃ عن اربابھا فاذا ادیٰ صار مودیا مالَ نفسہ کذا فی التجنیس وھکذا فی حاشیۃ العلامۃ الشلبی علیٰ التبیین وکذا فی الھندیۃ وخزانۃ المفتیین والخانیۃ وفتح اللہ المعین۔''

مگر مالکوں نے اگر اسے ملا لینے کی اجازت صراحۃً دے دی ہو، خواہ بوجہ جریان عرف... ہو تو اس صورت میں خلط بھی روا اور زکوٰۃ بھی ادا۔

ردالمحتار میں ہے: ''ضمن وکان متبرعا لانہ ملکہ بالخلط وصار مودیا مال نفسہ فی التتار خانیہ الا اذا وجد الاذن او اجاز المالکان او وجد الاذن بالخلط کما جرت العادۃ بالاذن بخلط ثمن الغلات وکذلک المتولی اذا کان فی یدہ اوقاف مختلفۃ وخلط غلاتہ ضمن الخ۔''

اور شک نہیں کہ مدارس کا عرف عام جاری ہے کہ اموال زکوٰۃ خلط بھی کرلیتے ہیں۔ سخت معسر ہے کہ وہ چند شخص کے زکوٰۃ کا روپیہ جدا تھیلی میں رکھیں اور ایک کی زکوٰۃ دوسرے سے ملنے نہ دیں۔ پس اگر اصحاب زکوٰۃ بھی اس عرف سے آگاہ ہیں تو ان کی جانب سے اذن دلالت پایا گیا اور اب خلط کرلینے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اسلم یہ ہے کہ جو لوگ مد زکوٰۃ میں دیں، متولی اسی وقت ان سے خلط کرنے کا اذن لے لیا کرے کہ پھر اصلا دقت نہیں۔

ردالمحتار میں ہے: ''یتصل بھذا العالم اذا سال للفقراء شیئا وخلط یضمن قلت ومقتضاہ لو وجد العرف لیکون اذنا منہ دلالۃ۔''

رہا خازن کو قرض دینا، اس کی اجازت ہرگز نہیں۔ اگرچہ وہ بزعم خود آئندہ کے لئے احتیاط کرتا ہے۔ مگر قرض ابتداءً تبرع ہے اور اسے مال غیر میں بے اذن، تبرع حرام ہے اور یہاں اذن صریح ہرگز نہیں۔ نہ اصلا شیوع صرف ہے کہ اذن دلالۃً پایا جائے اور آئندہ میں بھی دونوں پہلو ہیں۔ جب خازن کو قرض دیا گیا، وہ مالک ہوگیا۔ اپنے جس صرف میں چاہے لاسکتا ہے اور بعد صرف ممکن ہے کہ نکلنا دشوار ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں صدقۂ فطر اور زکوٰۃ کا روپیہ براہ راست مدرسہ میں صرف کیا جاسکتا ہے؟ یعنی مدرس کی تنخواہ میں؟ یا کتب خانہ ومدرسہ کی کتابوں میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

marfat.com

(۲) قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف کیے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ ایک عالم نے اپنی کتاب ''بہشتی زیور'' میں لکھا ہے کہ ''قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف نہیں کرنا چاہئے''۔ بکر اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے عالم حضرت مولانا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا فتویٰ اخبار ''روز افزوں بریلی'' میں سالہا سال ہوئے، چھپ چکا ہے کہ ''کھال قربانی کی قیمت، مسجد میں صرف ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں زید و بکر میں کس کا قول حق و صواب ہے؟ بکر کا قول حق ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

(۳) مثلاً ہندہ کا تعلق ناجائز زید سے ہو گیا۔ اسی سلسلہ میں ہندہ کے حمل بھی زید ہی سے قرار پا گیا۔ بعد دریافت ہونے اس بات کے یعنی حمل کے، زید کا اسی ہندہ سے نکاح کر دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں دریافت طلب یہ بات ہے کہ آیا یہ نکاح جو اسی حالت میں کر دیا گیا ہے، جائز ہوا یا نہیں؟ بعض لوگ برادری و پنچائت والے اس نکاح کو ناجائز خیال کرتے ہیں اور ہندہ و زید کا حقہ پانی بند کیے ہوئے ہیں اور برادری ترک کرنے پر مصر ہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ جبکہ دونوں نے توبہ کر لی اور نکاح بھی ہو گیا، پھر اس سے میل جول میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ بلا تاویل فتویٰ دے کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔ المستفتی محمد عبد اللہ، از مین پوری۔

الجواب

(۱) زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، صدقہ واجبہ ہے۔ اس کے لئے تملیک ضروری ہے۔ اس لئے براہ راست مدرسہ میں صرف کرنا یعنی مدرسین کی تنخواہ میں دینا یا قیمت کتاب ادا کرنا یا دوسری ضروریات یا کتب خانہ میں صرف کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) زید اور بکر دونوں کا قول مجمل ہے۔ ضرورت تفصیل کی ہے۔ مسئلہ حق یہ ہے کہ قربانی کی کھال اگر اپنے صرف میں لانے کے لئے بیچا ہے تو اس کا صدقہ کر دینا ضروری ہے۔ ایسے دام کو مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں۔ اور اگر اپنے لئے نہیں بیچا بلکہ مسجد ہی کے لئے بیچا تو اس دام کو مسجد میں صرف کرنا، ناجائز نہیں بلکہ جائز ہے۔ مثلاً کسی جگہ مسجد بن رہی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس مسجد کی کھال دیں تو عین کھال دور دراز جگہ بھیجنے سے رہے۔ اس لئے متولی یا منتظم مسجد کی نیابت میں کھال بیع کر دی تا کہ روپیہ مسجد کے لئے بھیجنے میں آسانی ہو۔ تو ایسے مال کو مسجد میں صرف کرنے میں مضائقہ نہیں۔ اور میں نے اس باب میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ''اعلام الساجد لصرف جلود الاضحیۃ الی المساجد'' رکھا۔ اس میں پوست قربانی کے مصرف کو بہت ہی واضح طریقہ پر بہت ہی تفصیل سے لکھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۳) یہ نکاح زید کا ہندہ سے جائز ہے۔ برادری، پنچائت کے لوگوں کا اس نکاح کو ناجائز خیال کرنا، غلط و خلاف شرع ہے۔ اور زید و ہندہ کا حقہ پانی بند کرنا ان پر ظلم صریح ہے۔ وہ لوگ زن و شو ہیں۔ ان کو اس سے باز رکھنا اور اس فعل کو ناجائز قرار دینا، افتراء علی الشرع ہے۔

ھدایہ میں ہے: ''وان تزوج حبلیٰ من زناء جاز النکاح'' یعنی اگر کسی شخص نے اس عورت سے نکاح کیا جو زنا سے حاملہ ہے تو یہ نکاح جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

marfat.com

کتاب الحظر والاباحۃ

مسئلہ مرسلہ شیخ رحیم بخش از راولپنڈی بازار لال کرتی ۱۵ ارجب ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ حدیث "لولاك لما خلقت الافلاك" کس کتاب کی حدیث ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باعثِ ایجادِ خلق ہیں یا نہیں؟ اور اس حدیث کی موید اور کوئی حدیث ہے یا نہیں؟ اور اگر اس حدیث کے ضمن میں کوئی رسالہ ہو تو روانہ فرمائیں۔

الجواب

بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم باعثِ تخلیق آدم علیہ السلام وعالم ہیں۔ اگر حضور نہ ہوتے تو عرش وفرش، لوح وقلم، آسمان وزمین، جنت ودوزخ، شجر وحجر، برگ وثمر، ماء ومدر کچھ نہ بنائے جاتے۔ احادیث عدیدہ متعددہ اس مضمون میں وارد ہیں۔

(حدیث اول) حاکم مستدرک اور بیہقی دلائل النبوۃ اور طبرانی کبیر میں اور ابو نعیم حلیہ اور ابن عساکر تاریخ دمشق میں حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: "قال قال رسول الله صلى الله عليه وعلىٰ اله واصحابه وبارك وسلم: "لما اقترف آدم الخطيئة قال يا رب! اسئلك بحق محمد لماغفرت لى فقال الله تعالىٰ يا آدم! وكيف عرفت محمدًا ولم اخلقه بعد؟ قال يا رب! لانك ونفخت فيه من روحك، رفعت راسى فرأيت علىٰ قوائم العرش مكتوباً "لا اله الا الله محمد رسول الله" فعلمت انك لم تضف لما خلقتنى بيدك الىٰ اسمك الا احب الخلق اليك فقال الله تعالىٰ صدقت يا آدم انه لاحب الخلق الىّ واذا سالتنى بحقه فقد غفرت لك ولولا محمد ما خلقتك۔"

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب آدم علیہ السلام سے لغزش واقع ہوئی، عرض کی: الٰہی! میں تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔ ارشاد ہوا: اے آدم تو نے محمد کو کیونکر پہچانا حالانکہ میں نے ابھی اسے پیدا نہ کیا؟ عرض کی: الٰہی! جب تو نے مجھے اپنی قدرت سے بنایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی، میں نے سر اٹھا کر تو عرش کر پایوں پر لکھا دیکھا۔ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" تو میں نے جانا کہ تو نے اس کے ہی نام کو اپنے نام پاک کے ساتھ ملایا ہوگا جو تجھے تمام جہان سے پیارا ہوگا۔ رب تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا، بیشک محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجھے تمام مخلوق سے پیارا ہے اور جب تو نے اس کا واسطہ دے کر سوال کیا تو میں نے تیرے لئے مغفرت فرمائی۔ اگر محمد نہ ہوتا، تو میں تجھے نہ بناتا۔" صححه الحاكم وقرره فى الحلية وقال السبكى فى شفاء السقام تبين لنا صحته والشهاب فى النسيم هو حديث صحيح۔

marfat.com

(حدیث دوم) حاکم صحیح مستدرک اور ابوالشیخ طبقات الاصفہانیین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: "اوحی الله الیٰ عیسیٰ ان امن محمدا و امر امتك ان یومنوا به فلولا محمد ما خلقت ادم ولا الجنة ولا النار۔"

"یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی: اے عیسیٰ! تم محمد پر ایمان لاؤ اور اپنی امت کو حکم دو کہ ان پر ایمان لاویں۔ اگر محمد نہ ہوتے، تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا، نہ جنت و دوزخ کو بناتا"۔ صححه الحاکم والشیخ تقی الدین السبکی فی شفاء السقام وشیخ الاسلام البلقینی فی فتاواہ وابن حجر فی افضل القرآن۔

(حدیث ثالث) دیلمی مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: "قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اتانی جبرئیل فقال یا محمد! ان الله تعالیٰ یقول: "لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار۔"

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر تم نہ ہوتے میں جنت نہ بناتا اور اگر تم نہ ہوتے تو میں دوزخ نہ بناتا" اشار الیٰ صحته القاری فی تذکرة الموضوعات۔

(حدیث رابع) ابن عساکر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: "هبط جبریل علیٰ النبی صلی الله علیه وسلم فقال ان ربك یقول: "لقد خلقت الدنیا واهلها لاعرفهم کرامتك ومنزلتك عندی ولولاك ما خلقت الدنیا۔"

"یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضر ہو کر عرض کی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنی بارگاہ میں تم سے زیادہ عزت والا کسی کو پیدا نہیں کیا۔ دنیا اور اہل دنیا کو، سب کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہاری جو قدر و عزت میرے حضور میں ہے، ان پر آشکارا کروں۔ اگر تم نہ ہوتے میں دنیا کو نہ بناتا۔ افادها کلها العلامة سیدنا الاستاذ فی فتاواہ۔

(حدیث خامس) علامہ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "وفی روایات اخر لولاہ ما خلقت السماء والارض والطول ولا العرض ولا وضعت فیها ثواب ولا عقاب ولا خلقت الجنة ولا نارا ولا شمسا ولا قمرا"

"یعنی ان روایتوں میں آیا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو میں پیدا نہ کرتا آسمان اور نہ زمین اور نہ طول، نہ عرض کو اور نہ رکھا جاتا اس میں ثواب وعذاب۔ اور نہ بناتا جنت اور نہ دوزخ نہ آفتاب، نہ مہتاب کو اور اس کے سوا اس کی مؤید اس مضمون کی اور بہتیری حدیثیں ہیں، جنہیں اعلیٰ حضرت قبلہ و کعبہ مد ظلہم الاقدس نے اپنی کتاب مستطاب میں یعنی "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین" میں ذکر فرمایا ہے اور شک نہیں کہ ائمہ دین وعلمائے شرع متین شرقاً غرباً، عجماً عرباً، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سبب تخلیق آدم و عالم لکھتے اور کہتے چلے آئے۔ اگر ان کے اقوال جمع کیے جائیں، ایک مبسوط

marfat.com

کتاب ہو۔ لکن مالا یدرک کله لا یترک کله فاقول و بالله التوفیق

(قول اول) علامہ سیف الدین ابو جعفر بن عمر الحمیری الحنفی۔ "الدر التنظیم فی مولد النبی الکریم" میں فرماتے ہیں۔" ویروی انه لما خلق الله تعالیٰ ادم الهمه ان قال یا رب لم کنیتنی ابا محمد؟ قال الله تعالیٰ یا ادم ارفع راسك فرفع راسه فرأی نور محمد فی سرادق العرش فقال یا رب ما هذاالنور؟ قال نبی من ذریتك، اسمه فی السماء احمد وفی الارض محمد۔ لولاه ما خلقتك و لا خلقت سماء و لا ارضا۔"

"یعنی جب کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، ان کو الہام کیا کہ سوال کریں کہ اے اللہ میری کنیت ابو محمد کیوں رکھی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم اپنا سر اٹھا۔ پس سر اٹھایا تو حضور کا نور عرش کے پردوں میں دیکھا۔ عرض کی یا اللہ! یہ کس کا نور ہے؟ فرمایا تیری ذریت میں سے ایک نبی ہے۔ اس کا نام آسمان پر احمد ہے اور زمین میں محمد ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو میں نہ تجھے پیدا کرتا نہ آسمان، نہ زمین کو۔"

(قول ثانی) سیدی ابو الحسین حمدونی شاذلی اپنے قصیدہ دالیہ میں فرماتے ہیں۔

روح الوجود حیاة من هو واجد لولاه ما تمّ الوجود لمن وجد

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام ہستی عالم کی جان ہیں، حیات جملہ موجودین کے سبب ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے، کسی شی کا وجود نہ ہوتا۔"

(قول ثالث) علامہ شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بوصیری قدس سرہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

وکیف ندعو الیٰ الدنیا ضرورة من لولاه لم تخرج الدنیا من العدم

"اور کیوں کر بلائے گی دنیا کی طرف ایسے کو ضرورت کہ اگر وہ نہ ہوتا تو دنیا نیستی سے نہ نکلتی یعنی پیدا نہ کی جاتی۔"

(قول رابع) علامہ شیخ ابراہیم بیجوری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:"ای لولا وجوده صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لاستمرت الدنیا علیٰ عدمها ولم توجد فوجوده صلی الله علیه وسلم علة فی وجودها والاصل ان قال الله تعالیٰ لآدم ولولاه ما خلقتك فوجود آدم علیه الصلوٰة والسلام متوقف علیٰ وجوده صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم کانت الدنیا انما خلقت لاجله فیکون صلی الله تعالیٰ علیه وسلم هو السبب فی وجود کل شیء۔"

"یعنی اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معدوم رہتے تو دنیا کبھی موجود نہ ہوتی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا: اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔ آدم علیہ السلام تمامی بشر کے باپ ہیں۔ اور زمین میں جو کچھ ہے، سب بشر کے لئے بنا ہے۔ اور جب آدم علیہ السلام حضور کے سبب مخلوق ہوئے تو بلا شبہ تمامی دنیا حضور ہی کی وجہ سے بنائی گئی۔ تو حضور سبب وعلت تمامی اشیاء کے وجود کی ہیں۔

(قول خامس) علامہ خالد ازہری اس بیت کے نیچے فرماتے ہیں:"فان الدنیا ما اخرجت من العدم الیٰ

marfat.com

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ محمد طالب میلاد خواں ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب قرآن شریف سے ثابت ہے یا نہیں؟ آیات صریح ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بیشک عطائی علم غیب (یعنی ان اشیاء کا علم کہ حواس ظاہری وباطنی سے پوشیدہ ہوں اور اس کے اسباب وعلامات بھی عقل میں نہ آئیں کہ عقل اسے بداہۃً یا استدلالاً جان سکے کما فی البیضاوی) نصوص قطعیہ، متعدد آیات قرآنیہ سے ثابت ہے۔ جن کا منکر نہ صرف گمراہ، بددین بلکہ کافر، منکر منصوص بالیقین ہے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک کا منقص ہے اور منقص شان سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق کافر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: " ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والأخرۃ واعد لھم عذابا مھینا" ۔ (الأحزاب: ۵۷) "بیشک جو لوگ کہ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، پھٹکار دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے دونوں جہان میں اور ان کے لئے رسوائی کا عذاب مہیا کردیا۔

امام قاضی عیاض مالکی یحصبی اپنی کتاب مستطاب "الشفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ" قسم رابع باب اول ص ۳۲۰ میں فرماتے ہیں: "اعلم وفقنا اللہ وایاك ان جمیع من سبّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او عابہ فھو سابّ لہ والحکم فیہ حکم السابّ بقتل وھذا اجماع من العلماء وائمۃ الفتویٰ من لدن الصحابۃ رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین الیٰ ھلمّ جرّاً"۔

(نص اول) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ" (آل عمران: ۴۴/ یوسف: ۱۰۲) "یہ غیب کا بتلانا ہے جو ہم وحی کرتے ہیں طرف آپ کے"

(نص دوم) مولیٰ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: "مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَاءُ۔" (آل عمران: ۱۷۹)

اللہ وہ نہیں ہے جو تمہیں اے عام لوگو! اپنے غیب پر مطلع کردے لیکن اللہ چنتا ہے اس کے لئے اپنے رسولوں سے جسے چاہے"۔

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کما فی التفسیر لیمنی۔

(نص سوم) رب العزۃ جل جلالہ فرماتا ہے: "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْماً"۔ (النساء: ۱۱۳) "اللہ نے انہیں سکھایا جو کچھ غیب وشہادت کی باتیں نہ جانتے تھے اور اللہ کا فضل تم پر بہت بڑا ہے"۔

(نص چہارم) حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖ اَحَداً اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ"۔ (الجن: ۲۶) "غیب کا جاننے والا تو خدا ہے۔ مطلع نہیں فرماتا مگر جسے چن لے اپنی رسالت کے لئے، اسے مسلط فرمادیتا ہے۔

marfat.com

(نص پنجم) باری تعالیٰ فرماتا ہے: "وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ"۔ (التکویر: ٢٤) "اور نہیں ہے وہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب پر بخیل"۔

تو جب علم غیب ہے ہی نہیں تو پھر بخل وسخا کے کیا معنی ہیں۔ وغیرها من الآيات الكثيرة التي ذكرت جلها في رسالة مستقلة في هذا الباب۔ والله اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از مرادآباد مدرسہ امدادیہ مرسلہ مولوی نعیم الدین صاحب ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ

فخر العلماء، وارث الانبیاء، ناصر دین متین، جناب مولانا صاحب ادام اللہ ظلالکم!

بعد از ادائے سلام مسنون عرض یہ ہے کہ علم نبی کریم کو ازلی و ابدی کہنا، درست ہے یا نہیں؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، بلکہ کسی صفت کو کسی مخلوق کی ازلی کہنا ممنوع ہے۔ ابدی کہنا البتہ حق و درست ہے کہ بتصریح علمائے دین، تمامی صفات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی علیٰ حالها بلکہ ترقی پذیر ہیں۔ قال تعالیٰ: "وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ" (الضحیٰ: ٤) "اور بے شک پچھلی تمہاری پہلی سے بہتر ہے" (کنز الایمان) اسی طرح ازلی کہنا بھی اگرچہ ایک معنی کر درست ہے کہ ازلی زمانہ مدید ممتد فی سبیل الماضی کو بھی کہتے ہیں۔ تاہم اس سے احتراز لازم بما فيه من ابطال التوحيد۔ اور بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ذات الٰہی اور اس کی صفات کا ہے، جو ہر آن ترقی پر ہے، نہ اس معنی پر کہ اللہ تعالیٰ کو باحاطہ تامہ جان لیا، یہ محال ہے۔ كما هو المشهور وفي الكتب مسطور صرح به الاكابر الصدور۔ والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

تمامی مسلمانان اہلسنت کا اعتقاد ہے کہ حضرت رب العزت جل جلالہ نے جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی اولین و آخرین یعنی بدء خلق سے الیٰ یوم القیامۃ جو کچھ ہوگا، سب بتلا دیا۔ اور وہابیہ اس کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں اور اپنے دعویٰ کے لئے اسی حدیث سوال جبرئیل سے استدلال لاتے ہیں۔ اگر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو آپ نے جس طرح اور سوالوں کا جواب دیا، اس کا بھی جواب دیدیتے اور اگرچہ آپ نے صراحۃً لا اعلم نہ فرمایا، لیکن اسے ٹال دیا اور ایک آیت شریفہ پڑھی، جس سے مطابقۃً معلوم ہوتا ہے کہ پانچ چیزوں کو اللہ ہی جانتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا۔

الجواب

اولاً "متیٰ الساعۃ" کے جواب میں "ما المسئول عنها اعلم من السائل" فرمانے کا یہ مطلب نہیں کہ میں

marfat.com

نہیں جانتا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ '' لا اعلم '' فرماتے۔ پس جاننا چاہئے کہ کسی سوال کا جواب نہ دینا، اس بات کو مستلزم نہیں کہ مسئول عنہ جانتا نہیں ہے۔ دیکھو کہ جس وقت رب العزۃ جل جلالہ سے سوال اھلّۃ'' ، کا ہوا تو اس کا جواب ''قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ'' الآیۃ (البقرۃ : ۱۸۹) ''وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے لیے'' (کنز الایمان) ارشاد ہوا۔ حالانکہ یہ اس سوال کا ہرگز جواب نہیں ہوسکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ سوال ان کا محض بے کار تھا، اس لئے جواب وہ عنایت ہوا جس سے ان کو فائدہ پہنچے۔ علی ھذا القیاس یہاں پر بھی وہی ہے جیسا کہ بمضمون حدیث الحدیث بعضھا بیان لبعض۔ دوسرے واقعہ سے ظاہر ہے کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اگر اس کے لئے سامان مہیا کیا ہے تو تمہیں کیا غم؟ جب چاہے، ہو اور اگر تم نے سامان نہیں مہیا کیا تو اس کے بارے میں پوچھنے کا کیا فائدہ؟ پوچھنا عبث ہے۔

ثانیاً آپ کا نہ بتانا میرے دعوئی کو ضرر رساں نہیں۔ کیونکہ میں نے کب دعوئی کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدائشی علم غیب ہے، جو کسی وقت کے عدم جواب ہی سے میرا قول ٹوٹ جائے۔ بلکہ حسب مضمون ''نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ'' (النحل : ۸۹) ''اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے'' (کنز الایمان) آپ کا علم روز بروز ترقی قبول کرتے کرتے جس وقت کہ نزول، قرآن پاک کا پورا ہوا تو آپ کا علم بھی پورا ہوگیا۔ لیکن یہ معنی نہیں کہ آپ کے علم میں ترقی نہیں ہوئی بلکہ غایت کو پہنچ گئی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جمیع مکتوبات لوح محفوظ ہر صغیر و کبیر، ہر رطب و یابس کو آپ نے ذرہ ذرہ جان لیا۔ پس اگر کوئی شخص اعتراض کرے لا یعلمھن صیغہ مضارع کا ہے، جس کے معنی حال واستقبال کے آتے ہیں۔ قد لا یعلمھن نہ کہا، جس سے صرف زمانہ حال مراد لے کر تعارض وتناقض دفع کیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس سے زمانہ استقبال مراد لیا جائے اور معنی یہ ہوں کہ ان چیزوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، تو سخت خرابی لازم آئے گی۔ وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ تو اعظم وارفع ہے، ان کے صحابہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت منجملہ وصایا کے حضرت عائشہ سے یہ فرمایا کہ یہ مال تمہارے دو بھائی اور دو بہنوں کے لئے ہے، وہ متحیر ہوئیں کہ دو بھائی تو البتہ ہیں، لیکن دو بہنیں کون ہیں؟ انہوں نے اپنی بیوی کا نام لے کر فرمایا کہ اس کے حمل ہے، جس سے لڑکی پیدا ہوگی۔ حالانکہ یہ خلاف تخصیص ''وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ'' (لقمان : ۳٤) اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے''۔ (کنز الایمان) کے ہے۔ دیکھئے وہ صدیق تھے، نہ جادوگر، نہ مسمریزم جاننے والے، یالاف گو، یا نجومی تو جب حضرت ابوبکر نے جان لیا تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاننے میں کیا استحالہ ہے؟ تو اب معنی حال ہی کے کہیں گے ورنہ کذب باری تعالیٰ لازم آئے گا۔ حالانکہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ جمیع آیات کلام مجید راست وحق ہے۔ ہم کو سب پر ایمان لانا فرض ہے۔ اسی قاعدہ کلیہ کی وجہ سے اہلسنت مسئلہ حق پر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

marfat.com

(سوال دستیاب نہ ہوسکا-۱۲ساحل)

۱- حضرت سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن ہلکا کردیا گیا تو اپنے گھوڑے کے کسنے کے متعلق حکم فرماتے اور یہ قرآن شریف (زبور) پڑھنا شروع کرتے تھے اور قبل اس کے کہ سواری کس کر تیار ہو آپ ختم فرمالیتے۔ رواہ الامام احمد والبخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲- حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی سواری کس کر آتی۔ آپ بایاں قدم رکاب میں رکھتے اور قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور صاف صاف، درستی الفاظ وفہم معنی کے ساتھ قران پڑھتے اور داہنا قدم رکاب تک پہنچنے بھی نہیں پاتا کہ پورا ختم فرما چکتے۔ ذکرہ القاری فی المرقاۃ۔

۳- حضرت ......امیر المومنین رضی اللہ عنہ ملتزم کے قریب سے قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور باب کعبہ تک نہ پہنچتے کہ پورا ختم فرمادیتے ذکرہ الشیخ المحقق الدھلوی فی اشعۃ اللمعات۔

۴- امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں مجھے زیادہ سے زیادہ خبر اس کی ملی ہے جس نے رات دن میں آٹھ ختم کئے چار دن میں چار رات میں۔

۵- امام نووی کا یہ قول نقل کر کے امام عینی فرماتے ہیں کہ میں نے خود ایک حافظ کو دیکھا جس نے شب قدر کی وتر کی ہر رکعت میں ایک ایک ختم کر کے تین ختم کیا۔ ذکرہ فی عمدۃ القاری۔

۶- امام قسطلانی نووی کا یہ قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میں نے ۸۶۷ھ میں بیت المقدس میں ابوطاہر کو دیکھا اور ان سے سنا کہ وہ رات دن میں دس ختم سے زیادہ کرتے ہیں۔ ذکرہ فی ارشاد الساری۔

۷- یہی علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام برہان بن ابی شریف رات دن میں پندرہ ختم کرتے تھے۔ ذکرہ عبد الغنی النابلسی فی الحدیقۃ الندیۃ۔

۸- ارشاد میں ہے کہ نجم الدین اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یمنی شخص کو دیکھا کہ اس نے ایک ختم قرآن ایک چکر اور سات ختم سات میں کیا۔ ذکرہ ایضا النابلسی قدسنا بسرّہ القدسی

۹- مجھے بعض ثقہ لوگوں سے معلوم ہوا کہ ہمارے شیخ عارف باللہ حضرت عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مغرب وعشاء کے درمیان دو ختم قرآن شریف کیا۔ ذکرہ ایضا فی الحدیقۃ۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از مقام پونی ضلع جھنتارہ ممالک متوسطہ مرسلہ حافظ عبد الحکیم وغیرہ محرم ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب سلمہ تعالیٰ!

بعد آداب قدم بوسی کے واضح ہو کہ عرض خدمت میں یہ ہے کہ ہم لوگ حضرت پیر مولانا عبد اللہ مسولی کے مرید ہوئے ہیں۔ انہوں نے لا الہ الا اللہ تین مرتبہ فرض نماز کے بعد بتلایا ہے۔ ہم لوگ ضرب لگایا کرتے تھے اور ہیں۔ تو یہاں پر الٰہی

marfat.com

بخش صاحب مولوی تشریف لائے۔ تو انہوں نے بھی اپنے مرید کئے اور فرماتے ہیں کہ ضرب مارنا منع ہے۔ اور ہم لوگوں کو نصیحت کر کے مسجد میں ذکر بند کرا دیئے ہیں اور اپنے مریدوں کو سکھا دیئے ہیں کہ یہ لوگ وہابی ہیں۔ فقط ضرب مارنے کے سبب سے ہم لوگ وہابی کہلاتے ہیں۔ ہم اگر ذرا بولیں تو وہ لوگ مارتے ہیں۔ ہم لوگوں کا بازار وغیرہ جانا مشکل ہے۔ اس لئے ہم لوگ آپ کو وسیلہ جان کر برائے خدا ہم لوگوں پر رحم کریئے اور اس آفت سے بچایئے۔ آپ حضرات عالم دین ہو، حق ناحق جانتے ہو، سچ جان کر لا الٰہ الا اللہ ضرب مارنا جائز ہے یا نہیں؟ ہم لوگوں کو لکھئے اور بڑی بڑی آفتوں میں ہم لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ اب ہم لوگ آپ کے بھروسہ پر ہیں۔ ہم لوگوں کو بتایئے ضرب لگانا بعد نماز فرض کے تین مرتبہ قرآن شریف وحدیث شریف میں کوئی آیت ہے کہ نہیں۔ اس کو تار سمجھ کر بہت جلد ہم کو فتویٰ روانہ فرمائیں اور قرآن شریف میں کون سی آیت ہے، وہ بھی ہم کو لکھئے۔ لوگ بولتے ہیں کہ ذکر جلی کے واسطے قرآن شریف میں کوئی آیت نہیں ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں؟

الجواب

ذکر رب العزۃ جل جلالہ ہر حال و ہر وقت، موجب نزول رحمت رب العلمین و باعث اطمینان قلوب مسلمین ہے۔ خود ارشاد فرماتا ہے: ''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔'' (الرعد: ۲۸) ''سن لو! اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے''۔

رہا ذکر خفی یا جلی۔ احادیث کثیرہ دونوں کی موید اور فقہا کا ذکر جلی کو مکروہ لکھنا خلاف مصلحت ہے یا لزوم مضرت کے ساتھ مقید اور یہی وجہ تطبیق، تبیین الاحادیث ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں تحریر فرمایا ہے:

''جاء فی الحدیث ما اقتضیٰ طلب الجهر وهناك احادیث اقتضت طلب الاسرار والجمع بینهما ان ذلك یختلف باختلاف الاقوال والاشخاص كما جمع بین الاحادیث الدالة علیٰ طلب الجهر بالقراة والدالة علیٰ الاسرار فحیث خیف الریاء او تاذی المصلین او النیام فالاخفاء افضل وعلیه یحمل خیر الذكر الخفی والجهر افضل حیث خلا عما ذكر لانه اكثر عملا وتتادی فائدته للسامعین ویوخذ قلب الذاكر۔''

علاوہ احادیث قولیہ ذکر جلی، خود فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت۔ صحیح مسلم شریف میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی: ''قال كان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا سلم من صلاته یقول بصوته الاعلیٰ: ''لا اله الا الله وحدہٗ لا شریك له، له الملك وله الحمد وهو علیٰ كل شیء قدیر'' ذكره فی المشكوٰة۔

شیخ محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: ''ایں حدیث صریح است در جہر بذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بآواز بلند می خواند۔ اما بعضے گفتہ اند کہ بلند خواندن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برائے تعلیم اصحاب بود، اما افضل اخفا است۔ (الیٰ قولہ) حق آنست کہ اوقات مختلف است۔ گاہے ذوق حضور در اخفاء دست دہد وگاہے در جہر شوق افزاید۔ اما جہر بذکر مشروع است بلاشبہ۔

marfat.com

فاضل نامی علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:فی حاشیة الحموی عن الامام الشعرانی "اجمع العلماء سلفا وخلفا استحباب الجهر جماعة فی المساجد وغیرها من غیر نکیر الا ان یشوش جهرهم علیٰ نائم او مصل او قاری کما هو مقرر فی الکتب الفقهیة اھ۔"

پس جب معلوم ہوا ذکر بالجہر مثل ذکر خفی مشروع اور سلفا وخلفا اس کے استحباب پر اجماع منقول۔ تو اس سے منع کرنا ہرگز نا جائز ہے۔ نہ کہ معاذ اللہ وہ جبروتی حکم وہابیت لگانا، مسائل اختلافیہ میں حکم بحرمت قطعیہ کا بھی محل نہیں، چہ جائے کہ ضلالت ووہابیت بفرض باطل، اگر ذکر جلی مکروہ ہی ہوتا، تاہم ایسے احکام باطلہ کی شناعت اس سے ہزار درجہ سخت وبدتر ہے۔ یہ دقائق تدلیس وتلبیس ابلیس لعین سے ہے کہ آدمی کو نہی عن المنکر کے پردہ میں اشعروانکر کا مرتکب کر دیتا ہے۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از جالندھرا مستفتی محمد احمد خاں محلہ راستہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شوہر نے اپنی عاقبت کی بہبودی، حصول محبت الٰہیہ، تزکیہ نفس اور منازل سلوک کے طے کرنے کے واسطے ایک شیخ کامل ومکمل عامل شریعت وواقف طریقت سے بیعت کرلی ہے اور اسی بیعت پر اسے کچھ عرصہ گزر گیا ہے۔ یہ شخص دن بھر اپنے معاش کا کام کرتا ہے اور رات کے وقت صرف دو گھنٹے حسب طریق نقشبندیہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقے میں شامل ہوتا ہے اور فیضان باطنی حاصل کرتا ہے۔ یہ شخص نہایت پرہیزگار وتہجد خواں وغیرہ بنسبت سابقہ ہوگیا ہے، نیز اس عرصہ میں اس کے دو مقام بھی ذکر سے جاری ہوگئے ہیں۔ مگر اس کا باپ جس پر حرص دنیاوی، جہالت اور ضد غالب ہے، اس لڑکے کو اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکتا ہے۔ اس شخص کے باپ نے اس کو کئی دفعہ زدوکوب بھی کیا ہے کہ میں تم کو مرشد کے پاس ہرگز نہ جانے دوں گا اور میری اس میں سخت ناراضگی ہوگی۔ چونکہ اس شخص پر محبت الٰہیہ کا اثر جو دامن گیر ہورہا تھا اور مرشد کی تعلیم ظاہری وباطنی گھر کرگئی تھی، اس نے باپ کے سامنے کبھی اف تک نہیں کی۔ بڑے استقلال اور بردباری سے مار کھارہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ میں مرشد کے پاس جانا کبھی نہیں چھوڑوں گا، اس لئے کہ وہاں جانے سے محبت الٰہیہ بڑھتی ہے۔ اگر نہیں جاتا تو محبت الٰہیہ کمی پر ہوتی نظر آتی ہے۔ صوم وصلوٰۃ ودیگر احکامات شرعیہ میں سستی وارد ہوتی ہے۔

(۱) اس حدیث سے محبت الٰہیہ کا حاصل کرنا، والدین کی خدمت سے بڑھ کر فرض ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ وہ حدیث یہ ہے: "عن انس ابن مالك رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ: "لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من ولده ووالده والناس اجمعین"

(۲) حقوق اللہ، حقوق عباد پر غالب ہیں یا نہیں؟

(۳) یہ شخص جو باپ کو ناراض کرکے واسطے حصول محبت الٰہیہ اور طے کرنے منازل سلوک کے، مرشد کے پاس

marfat.com

جاتا ہے۔آیا یہ شخص گنہگار ہے یا نہیں؟

(۴) اس طرح عبادت کرنے سے اس کی عبادت قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

(۵) محبت الٰہی کے حاصل کرنے کے لئے اس طرح باپ کی ناراضگی میں مرشد کے پاس جانا، والدین کی خدمت سے بڑھ کر ہے یا نہیں؟

(۶) اس کا باپ اس طرف سے روکنے میں خطا پر ہے یا نہیں؟ اور ایک نقل مکتوب مقدس حضرت مجدد علیہ الرحمہ اس مسئلے کے متعلق استفتاء کے ساتھ علیٰحدہ شامل کی جاتی ہے۔آپ ملاحظہ فرمالیویں۔اس کا جواب مدلل طور پر بحوالہ کتب معتبرہ مع عبارت ارقام فرماکر بہت جلد ارسال فرماویں۔اس لئے کہ یہ مسئلہ پندرہ روز کو ایک علمائے کرام کے جلسہ میں پیش ہونا ہے اور اس میں جس قدر علمائے کرام کے دستخط ومواہیر ثبت ہوں گی، بندہ آپ کا تہ دل سے شکر گذار ہوگا۔فقط

الجواب

(۱) اللہ ورسول جل وجلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاد پر ابوین کے اس قدر حقوق رکھے ہیں کہ حد تحریر واحاطۂ تقریر سے باہر ہیں۔قال اللہ تعالیٰ: ”وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا (الاحقاف: ۱۵) “اور ہم نے تقیید کی آدمی کو ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کی“ وقال تعالیٰ: ”وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ۔ (لقمان: ۱۴) “تاکید کی ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے حق میں، پیٹ میں رکھا اسے اس کی ماں نے سختی پر سختی اٹھا کر اور اس کا دودھ چھٹنا دو برس میں ہے، یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ وقال تعالیٰ: ”وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (الاسراء: ۲۳) حکم فرمایا تیرے رب نے سوا اس کے کسی کو نہ پوجو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔

وقال تعالیٰ: ”فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا۔ (الاسراء: ۲۳، ۲۴) “اور والدین کو ”ہوں“ نہ کہو اور نہ ان کو جھڑک اور ان سے عزت کی بات کہہ اور ان کے لئے نرم دلی سے ذلت کا بازو بچھا اور یوں عرض کر کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے چھٹپن میں پالا“

آیہ شریفہ میں اگر چہ اف کرنے کی ممانعت ہے۔مگر دلالۃ النص سے ان تمام باتوں سے، جو ان کو ناگوار اور ان کے مزاج کے خلاف ہوں، ممانعت ثابت ہے۔ فقد اخرج ابن ابی حاتم عن السدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الآیۃ قال: ”لاتقل لھما اف مما سواہ“ واخرج الدیلمی عن انس بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنھما مرفوعا: ”لو علم اللہ شیأ من الحقوق ادنیٰ من اف لحرمہ۔

تفسیر ابو السعود میں ہے: ”وبھذا النھی یفھم النھی عن سائر مایؤذیھما بدلالۃ النص۔“

marfat.com

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "افضل الاعمال الصلوٰۃ لوقتها و بر الوالدین"۔ "حقوق اللہ میں سب سے بہتر وقت پر نماز پڑھنا اور حقوق العباد میں سب سے افضل والدین کی ساتھ نیک برتاؤ کرنا ہے" رواہ مسلم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والخطیب فی التاریخ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزاد الجهاد فی سبیل اللہ ۔

دوسری حدیث میں ہے: "بر الوالدین افضل من الصلوٰۃ والصدقة والصوم والحج والعمرة والجهاد فی سبیل اللہ"۔ "والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا، نماز، زکوۃ اور روزہ اور حج اور عمرہ اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، سب سے بہتر ہے۔ ذکرہ الامام حجة الاسلام محمد محمد محمد الغزالی قدس سره العالی فی احیاء علوم الدین۔

تیسری حدیث میں ہے: "رضا الرب فی رضا الوالد و سخط الرب فی سخط الوالد"۔ "اللہ کی خوشنودی، باپ کی رضامندی اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناخوشی میں ہے۔ رواہ الترمذی والحاکم عن ابن عمرو بن العاص والبزار عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنهم والبخاری فی ادب المفرد عن ابنہ رضی اللہ تعالیٰ عنهما ولفظہ "رضاء اللہ" واخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلفظ "رضا الرب فی رضا الوالدین وسخطه فی سخطهما" والحاکم وصححه والبیهقی عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولفظهما "رضا اللہ فی رضا الوالدین"

چوتھی حدیث میں ہے: "ایک شخص نے عرض کی، یارسول اللہ! حق والدین کا اولاد پر کیا ہے؟ فرمایا: "جنتك ونارك" وہ دونوں تیری جنت و دوزخ ہیں۔ یعنی اگر تو ان کی فرمانبرداری کرے تو وہ تیرے لئے جنت ہیں اور انہیں ناراض رکھے تو وہی تیرے لئے دوزخ ہیں۔ رواہ ابن ماجة عن ابی امامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پانچویں حدیث میں ہے: "الجنة تحت اقدام الامهات"۔ "جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے"۔ رواہ مسلم عن نعمان ابن بشیر والخطیب فی الجامع عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنهم۔ ولقد احسن واجاد من قال و افاد ؎

جنت کہ رضائے مادر آنست — اندرتہ پائے مادر آنست

روزی بکن ای خدائے مارا — چیزیکہ رضائے مادر آنست

وغیرها من الاحادیث الکثیره الصحیحة الشهیرة۔

پس صورت مستفسرہ میں جب کہ باپ اس کا شیخ کے یہاں جانے، حلقے میں شامل ہونے سے روکتا اور کہتا ہے کہ اس میں میری سخت ناراضگی ہوگی، ہرگز اس شخص کو اجازت نہیں کہ والدین کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہو۔

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد کی اجازت مانگی، ارشاد فرمایا؟ تیرے ابوین زندہ ہیں؟ عرض کی ہاں! ارشاد ہوا" فیهما فجاهدا"۔ تو توانہیں میں جہاد کر یعنی ان کے ساتھ نیک سلوک کر کہ تیرے لئے جہاد کے قائم مقام ہے۔ رواہ الامام احمد فی مسنده والشیخان فی صحیحهما وابوداؤد والترمذی والنسائی وعبد الرزاق

marfat.com

وابن ابی شیبة عن ابن عمرو بن العاص رضی الله تعالیٰ عنه۔

دوسری حدیث میں ہے: ''ایک صحابی یمنی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب جہاد کا ارادہ کیا۔ ارشاد ہوا، تیرے ماں باپ نے اجازت دی؟ عرض کی نہیں! فرمایا: ''فارجع الیٰ ابویك فاستأذنهما فان فعلا فجاهد والا خبرهما فان ذالك افضل مماتلقیٰ الله به بعد التوحید''۔ ''لوٹ اپنے ماں باپ کی طرف اور ان سے اجازت مانگ۔ اگر اجازت دیں تو جہاد کر ورنہ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کر۔ یہ بعد توحید وایمان سب اعمال سے افضل ہے۔ رواہ الامام احمد و ابن حبان عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه۔

تیسری حدیث میں ہے: ''ایک صاحب حاضر خدمت اقدس ہوئے اور ہجرت پر بیعت چاہی اور کہا کہ ماں باپ کو رولا کر آیا ہوں۔ فقال: ''ارجع واضحکهما کما ابکیتهما''۔ ''لوٹ جا ان کے پاس اور انہیں ہنسادے جیسا کہ رولایا ہے''۔ رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجة وعبد الرزاق فی المصنف والبخاری فی الادب المفرد والبیهقی فی شعب الایمان والحاکم عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما وقال صحیح الاسناد۔

چوتھی حدیث میں ہے: ''حضرت جاہمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد میں جانے کے بارے میں رائے اقدس دریافت کرنے کو حاضر ہوئے۔ فرمایا: کیا تیری ماں ہے؟ عرض کی ہاں! فرمایا: ''فالزمها فان الجنة عند رجلیها''۔ اسی کی خدمت میں لگا رہ کہ یقینی جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔ رواہ النسائی وابن ماجة والحاکم من حدیث معاویة بن جاهمه وقال صحیح الاسناد۔

پانچویں حدیث میں: ''بر الوالدین یجزی عن الجهاد'' ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا جہاد سے کفایت کرتا ہے۔ رواہ ابن ابی شیبه رضی الله تعالیٰ عنهما

پس جب بے اجازت والدین جہاد کی اجازت نہ ہوئی، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاهِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ اَجْراً عَظِیْمًا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً''۔ ''اور بزرگی دی اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے ثواب سے اپنے پاس کے درجوں اور بخشش اور مہربانی میں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''لغزوة فی سبیل الله احب الیّ من اربعین حجة''۔ ''البتہ ایک مرتبہ جہاد کرنا مجھے محبوب ہے چالیس حج سے'' رواہ عبد الجبار الخولانی فی تاریخ راویا عن مکحول مرسلا۔

باپ کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہونے کی کیونکر اجازت دیجائے گی؟ اس شخص کو چاہئے کہ شیطان کے دھوکہ سے باز آئے، والد کی فرمانبرداری کرے، ان کو ایذا نہ دے، عاق نہ بنے، والدین کی رضا بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرے۔ حدیث میں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: ''من اصبح مرضیا لابویه اصبح له بابان مفتوحان الیٰ الجنة وکذلك من امسیٰ مثل ذلك وان کان واحدا فواحد وان ظلما وان ظلما''۔

"جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ اپنے ماں باپ کی رضا چاہتا ہے، اس کے واسطے دو دروازے جنت کے کھلے ہوئے ہیں۔ اور ایسا ہی جو شخص شام کرے اور اگر ماں باپ میں سے ایک ہے تو ایک دروازہ جنت کا کھلا ہے۔ اگر چہ ماں باپ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں۔ اور جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ ماں باپ کو ناراض کرنے والا ہے، اس کے لئے دروازے جہنم کے کھلے ہیں۔ اور اگر ایک ناراض کیا تو ایک اور ایسا ہی جو شام کرے۔ اگر چہ ماں باپ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں۔" رواہ ابن شیبہ والبیھقی فی شعب الایمان وابن عساکر فی التاریخ والدیلمی فی الافراد ونحوہ للبخاری فی الادب المفرد وابن النجار عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما وللدار قطنی من حدیث زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دوسری حدیث میں ہے: "لایدخل الجنة منان ولا عاق ولا مدمن خمر"۔ "جنت میں نہ جائے گا احسان جتانے والا اور ماں باپ کو ایذا دینے والا اور شرابی۔ رواہ النسائی والدارمی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما مرفوعا۔

تیسری حدیث میں ہے: "لایدخل عاق ولا ولد زنا ولا مدمن خمر ولا منان"۔ "جنت میں والدین کو ستانے والا نہ جائے گا اور نہ حرامی اور نہ شرابی، نہ دے کر احسان جتانیوالا"۔ رواہ ابن ابی شیبہ والبخاری والحاکم والبیھقی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً۔

چوتھی حدیث میں ہے: "لایدخل الجنة عاق والدیہ ولا منان ولا ولد زنیة ولا مد من خمر ولا قاطع رحم ولا من اتیٰ ذات رحم"۔ "جنت میں نہ جائیگا ماں باپ کو ایذا پہونچانے والا، نہ احسان جتانے والا، نہ ولد الحرام، نہ شراب نوش، نہ تفرقہ ڈالنے والا اور نہ خاندانی محرمات سے زنا کرنے والا۔ رواہ ابن ابی شیبہ وعبد الرزاق والنسائی والبیھقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔

پانچویں حدیث میں ہے: "ان الجنة یوجد ریحھا من مسیرة خمس مائة عام ولا یجد ریحھا عاق"۔ "یقینی جنت کی ہوا پانچ سو برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے اور اس کی بو نہ پائے گا والدین کو ناراض کرنے والا۔ رواہ الطبرانی فی الصغیر من حدیث ابی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفی الاوسط من حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفیہ من مسیرة الف"۔

"یعنی جنت کی خوشبو ہزار برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے۔"

اور محرومی کو یہی کیا کم ہے، پانچ سو برس کی راہ جنت سے دور ہے۔ سو معصیت کے تمامی باتوں میں والدین کی فرمانبرداری فرض ہے۔ جس بات سے ایذا، ہو اس کا کرنا حرام۔

امام خاتمۃ المجتہدین علامہ تقی الدین سبکی پھر علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں: "عقوق، والدین کی ایذا رسانی ہے، جس قسم سے ہو تھوڑی ہو یا بہت، وہ منع کریں یا نہ، اور ان کے اوامر ونواہی کی مخالفت ہے

marfat.com

بشرطیکہ وہ معصیت نہ ہو"۔العقوق ایذائهما بای نوع کان من انواع الاذیٰ قل او کثر نهیا عنه او لم ینهیا او یخالفهما فیما یامران او ینهیان بشرط انتفاء المعصیة فی الکل"۔ بلکہ انہیں علامہ نے امام ابوبکر طوسی مالکی سے نقل فرمایا کہ ایک یا دو مرتبہ سنت مؤکدہ کے ترک کا حکم کریں تو ان کی فرمانبرداری چاہئے۔واخرج عبد الرزاق فی المصنف عن انس رضی الله تعالیٰ عنه انه سئل مابر الوالدین؟ :قال:" تبذل لهما ما ملکت و ان تطیعهما فیما امراك به الاان یکون معصیة۔" "حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا، بروالدین کیا ہے؟ فرمایا: اپنی سب ملک کا انہیں مالک جان اور سوا معصیت جس کام کے لئے حکم کریں، بجالا۔

بیہقی کی روایت میں ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے:"وان امراك ان تخرج من کل شیٔ فاخرج"۔ "اور اگر وہ تجھے حکم کریں کہ اپنی سب چیزیں چھوڑ کر نکل جا تو تو نکل جا۔"

صرف استقلال و بردباری سے مار کھالینا اور زبان سے اف تک نہ کرنا، اسے بارّ (فرمانبردار) نہیں کرسکتا۔ جب صاف صاف باپ کے قول کے خلاف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ باپ کہتا ہے کہ میں تم کو مرشد کے پاس ہرگز نہ جانے دوں گا اور میری اس میں سخت ناراضگی ہوگی۔اور یہ شخص کہتا ہے کہ میں مرشد کے پاس جانا کبھی نہیں چھوڑوں گا۔روزانہ دو گھنٹے کے لئے چل دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:"مابرّ اباہ من حدّ الیه الطرف"۔ "جو شخص اپنے باپ کی طرف تیز نگاہ سے دیکھے،اس نے برّ نہیں کیا" رواہ ابن مردویه والبیهقی فی شعب الایمان عن ام المؤمنین الصدیقه رضی الله تعالیٰ عنها۔

یہ حدیث قدسی نہیں بلکہ حدیث میں محبت محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہے کہ محبت محمدی جب تک سب سے غالب نہ ہو ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا۔ چاہے باپ ہو یا اولاد یا کوئی،جس سے محبت الٰہیہ کا حاصل کرنا والدین کی رضا سے ثابت ہو۔ اگرچہ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت کی فرضیت، رسول اللہ وحبیب اللہ ہونے کی وجہ سے ہے ﷺ ۔مگر جس محبت کا حدیث میں ذکر ہے، وہ باپ کو ناراض کر کے رات کو دو گھنٹے حسب طریقہ نقشبندیہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقے میں شامل ہونے سے نہیں ہوتی۔وہ تو ایک نور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے مسلمان کے قلب میں ڈال دیتا ہے۔جس کی وجہ تمامی کائنات ایک پلہ میں اور دامن اقدس ایک پلہ میں رکھ کر تولا جائے تو یہی پلہ غالب ہو۔ اس کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ والدین کو ہرگز ناراض نہ کرے کہ وہ اس محبت جلیلہ کی کمی پر دال ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے،اس کو کسی کی حاجت نہیں اور عباد محتاج ہیں۔اس لئے علماء نے تصریح فرمائی کہ حق اللہ اور حق العباد میں حق العباد مقدم ہے۔درمنتقیٰ پھر درمختار میں ہے:"دین العباد یقدم لو اجتمع مع دین الله لانه تعالیٰ هو الغنی و نحن الفقراء"۔ "اگر جمع ہوں حق اللہ اور حق العباد تو بوجہ فقر عباد کے بندوں کا حق مقدم ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:"اذا اجتمع الحقان قدم حق العبد لا حتیاجه علیٰ حق الله تعالیٰ لغنائه"۔

marfat.com

غمز العیون والبصائر میں ہے فتاوی ولوالجیہ اور اس میں فتاوی صدر الشہید سے ہے: "اذا اجتمع الحقان قدم حق العبد و ذلك كما لو وجد صيدا و مال انسان يذبح الصيد و لا ياخذ مال المسلم لانهما استويا فی الحرمة الا ان الصيد حرام حقالله تعالیٰ و مال المسلم حرام حقا للعبد فكان الترجيح لحق العبد لحاجة اليه۔"

(۳-۴) یہ شخص ضرور گنہ گار ہے۔ اسے ہرگز روا نہیں کہ رضائے والد واجب کو چھوڑ کر شغل واشغال ایک مستحب کام میں مشغول ہو۔

(۵) کسی کی عبادت قبول کرنا یا اس کے منہ پر مار دینا، اللہ کی مرضی ہے۔ اس کا ہمارے پاس ٹھیکہ نہیں کہ قبولیت یا مردودیت عبادت کا پروانہ دیا جائے۔ مجھے اپنا ہی حال معلوم نہیں کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے یا معاذ اللہ نہیں۔ ہاں اس کے فضل سے امید کی جاتی ہے کہ جو اس کی مرضی کے موافق ہو، اپنی رحمت سے قبول فرمائے۔ مگر والدین کی ناراضی میں ہرگز اس کی رضا نہیں۔

(۶) محبت الٰہی فرض اہم ایمان بلکہ رکن ایمان بلکہ عین ایمان ہے۔ بغیر ایمان کے نہ رضائے والدین کام دے، نہ کوئی دوسرا عمل۔ قال الله تعالیٰ: "وَ قَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (الفرقان: ۲۳)۔ "اور جو کچھ انہوں نے کام کیے تھے، ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کردیا"۔ (کنز الایمان)

وقال تعالیٰ: "اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔" (آل عمران: ۲۲) "یہ ہیں وہ جن کے اعمال اکارت گئے"۔ (کنز الایمان)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "لا يقبل عمل بلا ايمان"۔ "اللہ تعالیٰ کوئی عمل بے ایمان کے قبول نہیں فرماتا" رواه الطبرانی عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه باسناد حسن اس لئے اس شخص کو سلوک کی تحصیل کے لئے باپ کو ایذا دے کر مرشد کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ کما قدمنا

(۷) اگر اس کا باپ اسے روکنے میں کوئی مصلحت شرعیہ دیکھتا ہے یا اسے اپنی ایذا کا خیال ہے کہ اسے تنہا چھوڑ کر وہ اپنا کام نہ کر سکے گا، تو کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کا کوئی حرج نہیں تو ذکر و فکر، شغل واذکار سے وہ اپنے بیٹے کو نہ روکے۔ کیونکہ اس کو اجازت نہیں کہ وہ کام کرے جو اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہو۔ حضرت مجدد کے مکتوب کا بھی خلاصہ یہی سمجھنا چاہئے۔ ورنہ آیات واحادیث اس سے پہلے ذکر ہو چکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ محمد بخش صاحب جنوب گنج پیر بھی ۲۲ صفر ۱۳۲۳ھ

علمائے دین کیا ارشاد فرماتے ہیں، ایک شخص ہندو بظاہر ہے مگر عقائد بہت اچھے ہیں۔ یعنی نماز مثل مسلمانوں کے

marfat.com

ادا کرتا ہے۔ اب اس کو قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ ہوا ہے۔ اس حالت میں روزہ اس کا کیسا ہے؟ اور نیت اس کی مسلمان ہو
نے کے لئے ہے مگر ابھی مسلمان نہیں ہوا ہے اور کلام مجید پڑھانے والے کے لئے باعث ثواب ہے یا معصیت یا کیا؟
ہندوؤں کی جتنی بدعت ہوتی ہیں، وہ سب ترک ہے۔ محرم میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ کرانا اور غوث پاک
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دینا اور کلام مجید میں ہاتھ لگانا کیسا ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

ہندو کہ بلا اکراہ مذہب اسلام ظاہر نہ کرے، اسی کفر پر بمار ہے، اگرچہ ہندوؤں کی بدعتیں چھوڑ دے، فاتحہ امام حسین وغوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کرے، قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ رکھے بلکہ پڑھے، لیکن جب تک علی الاعلان اپنا اسلام ظاہر نہ کرے، ہرگز مسلمان نہیں۔ لیکن اگر کسی سخت مجبوری واکراہ شرعی کے سبب ظاہر نہ کرے اور دل اس کا ایمان پر مستقیم ہو تو مضائقہ نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: " اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ۔" (النحل: ۱۰۶) "سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو" ۔ (کنزالایمان)

مگر مال کا جانا یا باپ، ماں، عورت، اولاد کا چھوٹنا، اپنی قوم سے، برادری سے نکالا جانا، کوئی وجہ شرعی نہیں۔ اسے قرآن مجید پڑھانا گناہ نہیں بلکہ امید ثواب ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ اسے اس کے طفیل میں ہدایت عطا فرمائے۔

قاضی خان میں ہے: " الحربی او الذمی اذا طلب تعليم القرآن يعلم و كذا اذا طلب تعليم الفقه رجاء ان يهتدى الى الحق لكنه يمنع عن المصحف مالم يغتسل هكذا فى الصغيرى ۔"

خزانۃ المفتیین میں ہے: "واذا قال الكافر لمسلم علمنى القران فلا باس بان يعلمه لكن لا يمس المصحف وان اغتسل او مسه لا باس به ۔"

"یعنی اگر کوئی کافر حربی یا ذمی مسلمان سے قرآن شریف یا فقہ سیکھنا چاہے تو سکھانے میں حرج نہیں۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کردے لیکن بغیر غسل قرآن شریف کو ہاتھ نہ لگائے اور اگر نہایت پاک صاف ہو کر مصحف شریف کو چھوئے تو کوئی حرج نہیں"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اصاب من اجاب کتبہ فقیر غلام محمد بہاری۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد، بیتھو شریف ضلع گیا ڈاک خانہ چاکند ۶ صفر ۱۳۲۳ھ

علم میں لفظ محمد اور احمد دونوں شرعی حیثیت سے جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً ظہور احمد، محمد عنایت احمد کیسا ہے؟

الجواب

بلاشبہ جائز ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے نام پر نام رکھا اس کی شفاعت کروں گا۔

علامہ محمد بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

marfat.com

فان لی ذمة منه بتسميتی محمدا وهو اوفی الخلق بالذمم

اور محمد اور احمد دونوں نام پاک ہیں اور دونوں کا جمع بھی جائز ہے کہ مجموعہ حسن اور حسین۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد از بیتھو شریف ضلع گیا ڈاکخانہ کند ۶ رصفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عالم رویاء میں بیعت ہونا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

جائز وصحیح ومقبول ہے۔ حضرت شاہ ابو بکر بن ہوار رضی اللہ عنہ کا سلسلہ منامیہ صدیقیہ عالم رویاء ہی میں بیعت سے ہے۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! خرقہ عنایت ہو؟ فرمایا: ''اے ابن ہوار! میں تیرا نبی ہوں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ تیرے شیخ ہیں''۔ پھر فرمایا: ''اے ابو بکر! اپنے ہمنام ابو بکر بن ہوار کو خرقہ عنایت کرو''۔ صدیق اکبر نے خرقہ وکلاہ عنایت فرمایا۔ جب بیدار ہوئے کلاہ مبارک سر پر رکھی دیکھی اور خرقہ پہنے پایا۔

شیخ نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی شافعی اپنی کتاب بہجۃ الاسرار شریف میں ارقام فرماتے ہیں: "اخبرنا قاضی القضاة، شيخ الشيوخ، شمس الدين، ابو محمد عبد الله محمد المقدسی قال سمعت الاشياخ الثلثة الشيخ العارف ابا الحسن علی بن سليمان البغدادی المعروف بالخباز و الشيخ الصالح ابا زكريا يحيیٰ بن يوسف ابن يحيیٰ الصرصری و الشيخ العالم كمال الدين ابالحسن علی بن محمد بن محمد بن وضاح الشهر بانی قالوا سمعنا الشيخ الجليل ابا محمد علی بن ادريس اليعقوبی يقول سمعت شيخنا الشيخ علی ابن الهيتی رضی الله عنه يقول سمعت شيخنا تاج العارفين ابا الوفا رضی الله عنه يقول سمعت شيخنا الشيخ ابا محمد الشنبكی يقول شيخنا كان الشيخ ابو بكر بن هوار رضی الله عنه شاطرا يقطع الطريق بالبطائح ومعه رفقاء و كان مقدمهم و كانوا يجلسون علیٰ تلك المعابر يقتسمون اموال الناس فسمع ليلة امرء ة تقول لزوجها:" انزل ههنا لئلا ياخذنا ابن هوار واصحابه" فاتعظ وبكیٰ وقال:" الناس يخافوننی وانا لا اخاف الله تعالی" وتاب فی وقته ذلك وتاب معه اصحابه وانقطع مكانه متوجها الیٰ ربه عزوجل علیٰ قدم الصدق والاخلاص فی ارادته ووقع عنده ان يسلم نفسه الیٰ من يوصله الیٰ ربه تعالیٰ ولم يكن بالعراق يومئذ شيخ مشهور من اهل الطريق فرأی فی منامه رسول الله صلی الله عليه وسلم وابا بكر الصديق رضی الله عنه فقال له يا رسول الله البسنی خرقة فقال له يا ابن هوار! انا نبيك وهذا شيخك واشار الیٰ الصديق رضی الله تعالیٰ عنه ثم قال يا ابا بكر البس سميك ابن هوار كما امرت فالبسه الصديق رضی الله عنه ثوبا وطاقية ومرّ بيده علیٰ راسه ومسح علیٰ ناصيته وقال

marfat.com

بارك الله فيك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا ابابكر! بك تحيىٰ سنن اهل الطريق من امتى بالعراق بعد موتها ويقوم مناد ارباب الحقائق مع احباب الله تعالىٰ بعد دروسها وفيك تكون المشيخة بالعراق الىٰ يوم القيامة وقد هبت نسمات الله بظهورك وارسلت نفحات الله بقيامك ثم استيقظ فوجد الثوب والطاقية بعينهما عليه وكانت علىٰ راسه ثواليل فلم يرها اه (بهجة الاسوار ومعدن الاسرار ص ۱۳۳ مطبوعه مصر)

وعلیٰ ھذا انجملہ سائر سلاسل رضویہ عزیزیہ علویہ منامیہ بھی اسم با مسمیٰ ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی مشرف بزیارت خاتم الخلفاء امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ ہوئے۔ عرض کیا: بیعت لیجئے۔ امیر المومنین نے دست اقدس بڑھا کر بیعت سے مشرف فرمایا۔ ولله الحمد والله تعالىٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ از بنگال ضلع نواکھالی ڈاکخانہ راج گنج محلہ رگورام پور مدرسہ انوار العلوم از مولوی عبد الجبار۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) پیر ومرشد سے توجہ لینا جائز ہے یا نہیں: اور بعض مولوی وہابیہ کہتا ہے کہ حرام ہے اور توجہ لینے والا اور دیئے والا کافر ہیں۔

(۲) اولیاء اللہ کو مکاشفہ ہوتا ہے یا نہیں؟ وہ شخص اس کا بھی منکر ہے اور کہتا ہے جو شخص مکاشفہ کا قائل ہو، وہ کافر ہے۔

(۳) پیر بزرگ کے ہاتھ یا قدم چومنا جائز ہے یا نہیں؟ وہ شخص کہتا ہے کہ حرام ہے اور قدم بوسی کرنے والا مشرک ہوگا۔

(۴) اجرت پر وعظ کہنا مثلاً ۴۰ روپے دینا ہوگا، نہیں تو میں وعظ نہیں کہوں گا۔

(۵) مولود شریف وقیام جائز ہے یا نہیں؟ وہ شخص قیام مولود شریف کو حرام اور اس کے کرنے والا کو بدعتی کہتا ہے۔ جواب مسئلہ کا بحوالہ کتب مع صفحہ ارشاد فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے اجر پاویں۔

الجواب

توجہ لینا اپنے پیر ومرشد سے اور مرشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔

کتاب الترغیب والترہیب حافظ ذکی الدین عبد العظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۳۰۱ س ۹ پر ہے: ''وعن يعلىٰ ابن شداد قال حدثنى ابى شداد ابن اويس وعبادة بن الصامت حاضر يصدّقه قال كنا عند النبى صلى الله عليه وسلم فقط فقال هل فيكم غريب يعنى اهل الكتاب قلنا لا يا رسول الله! فامر بغلق الباب وقال ارفعوا ايديكم وقولوا لا اله الا الله۔ فرفعنا ايدينا ساعة ثم قال الحمد لله اللهم انك بعثتنى بهذه

marfat.com

الکلمة ووعدتنی علیها الجنة وانت لا تخلف المیعاد ثم قال ابشروا فان اللہ قد غفر لکم۔"

"یعنی مروی ہے یعلیٰ بن شداد سے، کہا مجھ سے، بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن اوس نے اور حضرت عبادۃ بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے۔ کہا، تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی یہودی یا نصرانی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا الہ الا اللہ کہو تو ایک ساعت تک ہم لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر حضور نے دعا فرمائی کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ الٰہی! تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلاف نہیں فرماتا۔ پھر فرمایا کہ خوش ہو کہ عزوجل نے تم کو بخش دیا"۔ رواہ الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرھما۔

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزئیہ ہے ورنہ لاالہ الا اللہ کی تعلیم کو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کی طرف بھیجے گئے۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ هل فیکم غریب تم میں کوئی اجنبی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے ہی پر بس نہ فرمایا بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا کہ غیر کا دخل نہ ہو؟ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص تلقین لا الہ الا اللہ تھی جس میں خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے۔ اور یہ وہی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ وللہ الحمد واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اولیائے کرام کا مکاشفہ بلاشبہ حق ہے۔ کتب تصوف اس سے مملوو مشحون ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور اللہ"۔ "تم مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے" رواہ البخاری فی التاریخ والترمذی عن ابی سعید الحکیم والطبرانی فی الکبیر وابن عدی فی الکامل عن ابی امامة وابن جریر عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهم ذکرہ الامام الجلیل الجلال السیوطی فی الجامع الصغیر ص۷

حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

نظرتُ الیٰ بلاد اللہ جمعا   کخردلة علیٰ حکم اتصال

"میں نے خدا کے تمام شہروں کو بحکم اتصال رائی کے دانہ کی طرح دیکھا۔"

نیز فرماتے ہیں: "وان بؤبؤ عینی فی اللوح المحفوظ"۔ "اور یقیناً میری آنکھ کی پتلی لوح محفوظ میں لگی ہوئی ہے۔ یعنی میں تمامی مکتوبات لوح محفوظ کو مشاہدہ کررہا ہوں۔" (بہجۃ الاسرار شریف)

"نفحات الانس فی حضرات القدس" کے ص ۴۹ میں عارف نامی مولانا جامی قدس سرہ السامی تحریر فرماتے ہیں: "حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ می فرمود کہ حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ والرضوان می گفتہ اند کہ زمین در نظر ایں طائفہ چوں سفرۂ ایست کہ ما می گوئیم کہ چوں روی ناخن است۔ ہیچ چیز از نظر ایشاں غائب نیست"۔

marfat.com

یعنی سب چیزوں کو دیکھ رہے ہیں۔اس کے سوا اور مکاشفہ نام کس کا ہے؟ ذلك من فضل الله علیٰ الناس ولکن الوهابية قوم لا يفقهون۔ والله تعالیٰ اعلم۔

(۳) بیشک بزرگان دین، مرشدان عظام واساتذہ کرام وآبائے کرام وپادشاہان اسلام ودیگر معززان واجب الاحترام کے دست وپا کا بنظر محبت اسلامی وتکریم میں چومنا جائز ودرست ہے۔

مشکوۃ شریف مطبوعہ اصح المطابع باب المصافحۃ والمعانقہ ص ۴۰۳ میں ہے: "وعن زارع وكان فی وفد عبد القيس قال:" لما قدمنا المدينة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل يد رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم ورجله۔" "یعنی مروی ہے زارع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (اور تھے وہ عبدالقیس کی جماعت میں) کہا جب ہم حاضر ہوئے مدینہ میں۔جلدی کی اپنی سواریوں سے اترنے میں پس چوما دست وپا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا"۔

شیخ محقق محدث دہلوی لمعات میں فرماتے ہیں: "وفی الحديث دليل علیٰ جواز تقبيل الرجل وجاء فی غير هذا الحديث ايضا"۔

اشعۃ اللمعات ترجمہ فارسی مشکوۃ جلد رابع مطبع نولکشور ص ۲۷ س ۱۱: "دریں جا تجویز پائے بوس معلوم شد۔ چنانچہ سابقہ بر آں اشارت کردیم"۔

ردالمحتار جلد ۵ کتاب الحظر والاباحۃ ص ۳۷۸ س ۵ میں رسالہ علامہ شرنبلالی سے حدیث نقل کی: "قال ثم اذن له فقبل راسه ورجليه۔ طحطاوی جلد ٤: قال الشرنبلالی فعلم مجموع ما ذكرنا اباحة تقبيل اليد والرجل والراس والكشح كما علم من الاحاديث المتقدمة اباحتها علیٰ الجبهة وبين العينين وعلیٰ الشفتين اذا كان علیٰ المبرة والاكرام۔"

رہا حضرات وہابیہ کا ان سب باتوں کو کفر یا شرک کہنا، ان سے ان کی کیا شکایت؟ مثل مشہور ہے الاناء يترشح بما فيه ان بزرگوں کو آبائی ترکہ مسلسلا عن الکنگوہی عن الدہلوی عن النجدی عن مجتہد الفلک السادس، اسی شرک وکفر کا ملا ہے۔اب اس کے سوا لوگوں کو کیا دیں اور کہاں سے دیں؟ بات بات میں شرک وکفر نہ ہو تو پھر مولویت کیسی؟ جس کو ان کے کفریات کی بہار دیکھنا ہو، ان کی ایمانی کتاب تقویۃ الایمان اٹھا کر دیکھے۔ ہر ورق کیا، ہر صفحہ میں کفریات بھری ہیں اور وہ کسی ایک دو کی تکفیر نہیں، عامہ تامہ شاملہ کاملہ جس سے کوئی انسان کیا کوئی مخلوق بلکہ خالق تک مبرا نہیں۔

اعلیحضرت خاتم المحققین، مجدد مائۃ حاضرہ، سیدی وسندی، جناب مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب مدظلہم الاقدس نے اپنی کتاب مستطاب "الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلا" میں ساٹھ آیتوں اور تین سو حدیثوں سے ثابت فرمایا کہ مذہب وہابیہ حق ہے تو آدمیوں سے لے کر فرشتوں اور امتوں سے لے کر رسولوں، بندوں سے لے کر خدا تک کوئی شرک سے محفوظ نہیں۔سب مشرک ومشرک گر ہیں۔ وہ قرآن شریف جو شرک کو بیخ برکندہ کرنے کے لئے آیا، معاذ اللہ ان کے طور پر شرک سے مملو ہے۔انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کہ توحید سکھانے کو مبعوث فرمائے گئے، عیاذا باللہ ان کے

marfat.com

مذہب پر سب خود مشرک ومشرک گر تھے۔نعوذ باللہ من شرور الشیطان والابالسۃ والدجاجلۃ اجمعین۔

اشراک نجدیین کہ ناحق برسد مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

"قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ" واللہ تعالیٰ اعلم۔ (التوبۃ: ۳۰/ المنافقون: ۴) "اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں"۔(کنز الایمان)

(۴) اجرت پر وعظ کہنے کی نسبت درمختار میں تصریح فرمائی کہ ضلالت وگمراہی وسنت یہود ونصاریٰ ہے۔

درمختار نولکشوری ص ۴۳۳ س ۱۴ پر ہے: "التذکیر علی المنابر للوعظ والاتعاظ سنۃ الانبیاء والمرسلین ولریاسۃ ومال وقبول عامۃ من ضلالۃ الیہود والنصاری۔"

یہاں اس سے قطع نظر کر کے حضرات وہابیہ اگر بغیر کسی اجرت کے مفت ہی وعظ کہیں بلکہ سامعین کے لئے اپنے پاس سے اجرت مقرر کر کے وعظ سنائیں تو بھی ان کا وعظ سننا حرام ہے کہ وہ عقائد باطلہ زائغہ کو بیان کریں گے۔اوران کا ضرر کفار کے ضرر سے اشد ہے۔اور بالفرض کوئی وہابی صاحب خالی نماز، روزے ہی کا وعظ کریں جب بھی انہیں وعظ کے لئے بیٹھانا حرام ہے کہ منبر پر بٹھانا اور واعظ مسلمانان بنانے میں ان کی تعظیم ہے اور ہم کو ان کی توہین کا حکم دیا گیا ہے۔اس لئے علماء نے تصریح فرمائی کہ ان کو امام بنانا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا، گناہ اور جو نماز ان کے پیچھے پڑھی گئی واجب الاعادہ ہے۔رد المحتار ج ۱ باب الامامۃ ص ۵۸۵ س ۱۴ المبتدع تکرہ امامتہ بکل حال۔ طحطاوی ج ۱ ص ۲۴۴ س ۱۱: الکراھۃ فیہ تحریمیۃ علیٰ ما سبق صغیری۔ ص ۲۷۰ س ۱: ویکرہ تقدیم الفاسق کراھۃ تحریم۔ غنیہ مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۵۱۳: لہ قدموا فاسقا یاثمون۔ مبتدع اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اگر امام بنائیں گے، گنہگار ہوں گے۔درمختار وکل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتہا۔ان کی تعظیم کو دین کا ڈھانا فرمایا۔

مشکوٰۃ شریف ص ۲۳: "وعن ابراھیم بن مسیرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علیٰ ھدم الاسلام"۔ جس نے کسی بدمذہب کی تعظیم کی، اس نے دین کے ڈھانے میں مدد دی۔

شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۷۰ س ۸: "حکم المبتدع البغض والعداوۃ والاعراض عنہ والاھانۃ والطعن واللعن۔"

رہا ان کا فاسق اور مبتدع ہونا، وہ کوئی چھپی بات نہیں، عالم آشکار وکالشمس فی رابعۃ النہار ہے۔علمائے عرب وعجم نے بے شمار رسائل اور فتاویٰ ان کی تضلیل وتفسیق میں تحریر فرمائے اور وہ چھپے اور شائع ہوئے۔ اور یہ تضلیل وتفسیق بھی اسی حالت تک ہے کہ ضروریات دین کے منکر نہ ہوں اور اگر منکر ضروریات دین ہیں، معاذ اللہ! رب العزت اصدق الصادقین جل وعلا کو کاذب بالفعل کہیں یا ختم نبوت کا انکار کریں، اعلم الخلق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے ابلیس لعین کے علم کو زیادہ بتائیں یا حضور جیسا علم غیب ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کو جانیں جیسا کہ ان کے کبراء

marfat.com

میاں رشید احمد گنگوہی وقاسم نانوتوی وخلیل انبیٹھی واشرف علی تھانوی وغیرھم خذلھم اللہ نے اپنے فتاوی ورسائل میں لکھے یاان کے اقوال پر مطلع ہوکران کوعلمائے دینی یااقل درجہ ان کومسلمان ہی جانیں یالااقل ان کے کفر میں شک کریں تو کافر مرتد ہیں۔ ان کا وعظ سننا تو درکنار، ان کے پاس جانا، ان سے کسی طرح کا معاملہ کرنا، سب سخت حرام واشد کبیرہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق وبہ الھدایۃ فی البدایۃ والنھایۃ۔ اللھم طھر عنھم حوزۃ الدین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم آمین! واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) مجلس میلاد، فیض بنیاد، حضور پرنور سید الاسیاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگرچہ خیر القرون میں بہیئت کذائی نہ تھا، بعد کو حادث ہوا۔ مگر بلاشبہ مستحسن ومندوب ہے۔ روز حدوث مولود سے آج تک اس عمل مقدس کا عرب وعجم، روم وشام ودیگر بلاد اسلام خصوصاً حرمین محترمین میں شیوع عام ورواج تام پانا اور قرناً فقرناً طبقۃً فطبقۃً ہزارہا اکابر دین متین وسواد اعظم مسلمین وجماہیر ائمہ ملت ومشاہیر اجلہ امت کا بکمال عقیدت ورسوخ ارادت اس کا کرنا، اس میں شریک ہونا، اس کے استحباب واستحسان پر شاہد عدل ہیں۔

"اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام" طبع بریلی ص ۸۱ س ۱۱ میں حافظ الدین عماد الدین کثیر سے ناقل: "قد اثنیٰ علیہ الائمۃ منھم الحافظ ابو شامہ شیخ النووی فی کتاب "الباعث علی انکار البدع والحوادث" وقال ومثل ھذاالحسن یندب الیہ ویشکر فاعلہ ویثنی علیہ۔"

اسی کے ص ۸۳ س ۵ پر ہے: امام علامہ صدر الدین بن عمر شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ویثاب الانسان بحسب قصدہ فی اظھار السرور والفرح بمولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔ "انسان اپنی نیت کے موافق اظہار سرور وفرحت مولد میں ثواب دیا جاتا ہے۔"

امام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "یستحب لنا ایضا اظھار الشکر بمولدہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاجماع واطعام الطعام ونحو ذلک من وجوہ القربات واظھار المسرات"۔ یہ بھی ہمارے حق میں مستحب ہے کہ ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شکر مجمع کر کے کھانا کھلانے اور اس کے مثل اور اعمال قربت واظہار سرور وفرحت سے بجالائیں۔

الکوکب الانور علیٰ عقل المجوھر ص ۹۰ س ۱۸: "(قد استحسن القیام) ای عدّہ حسنا وحکم باستحبابہ وندبہ شرعا (عند) ای لدی وصول القاری للمولد ای (ذکر مولدہ الشریف ائمۃ ذوو روایۃ) بکسر الرای ای نقل من یقتدی بہ کالصحابۃ والتابعین والمجتھدین" (وذوو روایۃ)۔

"القول المنجی علیٰ مولد البرزنجی" المطبوع علیٰ ھامش الکوکب ص ۹۰ س ۵: "فی مولد المدابغی جرت العادۃ بقیام الناس اذا انتھیٰ المداح الیٰ ذکر مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی بدعۃ مستحبۃ لما فیھا من اظھار الفرح والسرور والتعظیم" الیٰ غیر ذلک من نصوص العلماء وان اردت تفصیل

marfat.com

المقام و تنقیح المرام وازاحۃ الشکوک والاوہام فعلیک" باذاقۃ الآثام" لتاج العلماء المحققین راس الکملاء المدققین مولانا المولوی محمد نقی علی خاں امطر اللہ علیہ شآبیب الرضوان و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ اجمعین۔

☆☆☆☆☆

۱- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے: حضرت سیدنا بدیع الدین، قطب المدار، مکن پور شریف کا سلسلہ بیعت سوخت ہے یعنی سلسلہ مداریہ میں پیری مریدی ناجائز ہے اور عمرو کہتا ہے کہ جائز ہے اور آپ کا سلسلہ سوخت نہیں ہے۔ اور بکر کہتا ہے کہ آپ کا سلسلہ تو سوخت ہے مگر تبرکاً بیعت جائز ہے۔ ان میں سے کون حق پر ہے؟

۲- سلاسل مشہورہ چشتی قادری سہروردی نقشبندی کو برا کہنے والا کافر ہے یا نہیں؟

۳- مکن پور کا ہر شخص پیری مریدی سلسلہ مداریہ میں کرتا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

۴- حضرت سیدنا بدیع الدین مدار کی نسل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس جگہ؟ آپ کس قوم سے تھے؟

۵- آپ سے قبل وبعد بیعت کا سلسلہ متصل ہے یا نہیں؟

۶- منقطع سلسلہ میں بیعت جائز ہے یا نہیں۔

۷- جس میں تعین اوساط مشائخ کا یقین نہ ہو، بلکہ مختلف ہو ایسے سلسلہ میں بیعت جائز ہے یا نہیں؟

۸- پیری مریدی کا سلسلہ، خلافت پر منحصر ہے یا نہیں؟ مدار صاحب نے کسی کو خلیفہ بنایا یا نہیں؟

۹- سلسلہ مداریہ میں ابتدائی بیعت جائز ہے یا نہیں؟

۱۰- جو لوگ سلسلہ مداریہ میں بیعت کر چکے ہیں، وہ اسی پر قائم رہیں یا نہیں؟

۱۱- اگر قائم نہ رہیں تو کون سے خاندان میں بیعت ہوں؟

۱۲- بیعت مروجہ کے لئے کیا شرائط ضروری ہیں۔ جاہل سے بیعت جائز ہے یا نہیں؟ سید سے بیعت ہونا بمقابلہ غیر سید افضل ہے یا نہیں؟ المستفتی محمد ارشاد حسین شیش گڈھ ضلع بریلی یوپی

(نوٹ) چند مقامات سے استفتاء کا جواب طلب کیا مگر کہیں نہ ملا، یہاں تک کہ ٹکٹ بھی ہضم کر لئے گئے۔ یہاں یہ مسئلہ معرکہ آرا بنا ہوا ہے۔ اب جو فتویٰ کا جواب آپ عنایت فرمائیں گے، طرفین اُسی پر عمل کریں گے۔ مفصل واقعہ لکھنے کی گنجائش نہیں۔ جواب جلد از جلد مرحمت ہو، مدلل ہو، جواباً لفافہ حاضر ہے۔

الجواب

زید کا خیال صحیح ہے۔ واقعی طریقہ بیعت حضرت سیدنا بدیع الدین مدار قدس سرہ العزیز کا سوخت ہے۔ حضرت نے چند آدمیوں کے سوا کسی کو بیعت نہ کیا اور جن لوگوں کو مرید کیا ان میں سے کسی کو خلیفہ نہ بنایا۔

marfat.com

سبع سنابل شریف میں ص ۸۶ پر ہے: ''شیخ مدار گفتند: من چند کس را مرید کردہ ام۔ بعد ازیں تاریخ ہیچ کس را مرید نخواہم گرفت وخلافت بکسے ندادہ ام۔''

اخیر وقت میں حضرت نے اپنے دست مبارک سے بہت سے خطوط لکھ کر اطراف وجوانب میں بھیج دیا کہ میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا ہے۔

اسی میں ہے ص ۸۷: ''چون حضرت شاہ مدار وقت رحلت قریب رسید، بفراست باطن دانستند کہ مریدان من گمراہ کردہ عالمے ہستند۔ از ایشان البتہ بے فرمانی وبے دیانتی صادر خواہد شد۔ رقعات فراواں بخط خود نبشتہ در اطراف وجوانب فرستادند کہ ما کسے را خلافت ندادہ ام''۔

ان کاغذات وخطوط سے ایک خط حضرت شیخ مخدوم سعد قدس سرہ کو بھی ملا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔ اسی میں ہے ص ۸۷: ''چنانچہ کاغذے از دست خط حضرت شاہ مدار بدست مخدوم شیخ سعد افتادہ بود وشاہ مدار نبشتہ بودند کہ من کسے را خلافت ندادہ ام''۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲- سلاسل مشہورہ چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی کو برا کہنے والا برا ہے۔ البتہ جو بیعت کو کفر کہے، وہ کافر ہوگا۔ کما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ''فقد باء بہ احدھما'' اور ظاہر ہے کہ ان سلاسل میں سیکڑوں کیا، ہزاروں، لاکھوں اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔ تو ان کو کافر کہنے والا ضرور کافر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳- بغیر شرائط پیری بیعت لینا جائز نہیں۔

''سبع سنابل شریف ص ۸۳ میں ہے: ''اے برادر! از پیری ومریدی رسمے واسمے پیش نماندہ است وآن رسم واسم نیز مبنی بر چند شرائط میداں کہ بے آن شرائط اصلا پیری ومریدی درست نیست'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴- حضرت شاہ بدیع الدین مدار کے والد ماجد کا نام ابو اسحاق اور بقولے علی، والدہ ماجدہ کا نام بی بی ہاجرہ ہے۔ اصل وطن آپ کا حلب ملک شام ہے اور آپ اولا د امجاد سے حضرت ہارون علیہ السلام کے تھے۔ آپ ۱۲ برس تک عالم صمدیت میں رہے، کچھ کھایا پیا نہیں۔ اس عرصہ میں جو آپ نے ایک بار کپڑا پہنا، نہ کبھی میلا ہوا، نہ پھٹا۔ کتابوں میں آپ کے غرائب احوال اور عجائب انوار لکھے ہیں۔ مگر کسی جگہ آپ کے اولاد کا تذکرہ نظر سے نہ گذرا۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ آپ عالم تجرید وتفرید میں تھے۔ آپ نے نہ شادی کی، نہ کوئی اولاد ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵- آپ سے قبل سلسلہ متصل ومسلسل ہے اور آپ کے بعد وہ اتصال وتسلسل باقی نہ رہا کہ خود حضور نے اس سلسلہ کو ختم کر دیا اور کسی کو اپنا خلیفہ نہ بنایا۔ واللہ اعلم

۶- منقطع سلسلہ میں بیعت جائز نہیں۔ اس لئے کہ اصل مبدء فیض حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے اور یہ مشائخ کرام کی ذات بمنزلہ جداول نہر ہے۔ تو اگر نہر سے نالیاں ملی ہوں گی، پانی پہنچتا رہے گا۔ اور جو جدول نہر سے منقطع ہو، اس سے سیرابی ممکن نہیں۔

marfat.com

کتاب جامع الاصول فی الاولیاء میں ہے: "والتعلیم من شیخ ماذون اجازۃ صحیحۃ مستندۃ الیٰ شیخ صاحب طریق وھو الیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔ "یعنی تعلیم ایسے شیخ ماذون سے چاہئے جس کی اجازت مستند ہو شیخ صاحب طریق تک اور ان کا طریقہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل ہو۔"

سبع سنابل شریف میں ہے: "اے پسر! شرط صحت بیعت در طریقت اجازت سلف است"۔ اسی میں ہے: "اما نخست از شرائط پیری یکے آنست کہ پیر مسلک صحیح داشتہ باشد۔ دوم از شرائط پیری آنست کہ پیر در اداء حق شریعت قاصر ومتہاون نباشد۔ سوم از شرائط پیری آنست کہ پیر را عقائد درست بود موافق مذہب سنت وجماعت"۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۷- نہیں کما مرّ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸- خلافت پر منحصر ہے۔ حضرت شاہ بدیع الدین صاحب نے کسی کو خلیفہ بنایا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۹- نہیں واللہ اعلم

۱۰- اس بیعت پر قائم رہنا جائز نہیں۔ وہ بیعت بیکار ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ پھر سے کسی طریقہ میں بیعت کریں۔

"کاغذے از دست خط حضرت شاہ مدار بدست مخدوم شیخ سعد افتادہ بود وشاہ مدار نبشتہ بودند کہ من کسے را خلافت ندادہ ام۔"

سبع سنابل میں ہے: "بدان سبب شیخ مخدوم سعد مریدان شاہ مدار را بازمی گردانیدند از روئے دیانت، نہ از روئے اہانت۔ وخلفاء حضرت مخدوم سعد نیز مردم را ازیں بیعت رجوع میفرمودند۔ چنانکہ مخدوم شیخ صفی را این بچشم خود دیدہ است ومخدوم شیخ محمد مسکین کہ در مقام ملاوہ آسودہ اند وبندگی شیخ نظام الدین کہ در مقام امبٹی آسودہ اند نیز مردم را ازیں بیعت وانابت بازمیگردانیدہ اند"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱- ان لوگوں کو اختیار ہے کہ جس سلسلہ میں چاہیں مرید ہوں۔ مگر بہتر ہے کہ سلسلہ علیہ عالیہ قادریہ شریفہ میں داخل ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲- بیعت مروجہ کے شرائط جواب نمبر ۶ میں گذرے کہ پیر میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

اول یہ کہ وہ صاحب اجازت، خلیفہ اپنے شیخ کا ہو اور وہ اپنے شیخ کا وعلیٰ ھذا القیاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اس کا مسلسل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسائل شرعیہ ضروریہ سے واقف اور اس کا عامل ہو اور ادائے حقوق شرع میں قاصر ومتہاون نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عقیدۂ اہل سنت وجماعت ہو، بدمذہب نہ ہو۔ جاہل سے بیعت درست نہیں کہ ع

بے علم نتواں خدا را شناخت۔ جو شخص خود خدا کو نہیں پہچانتا دوسرے کو کیا پہچنوائے گا ع

اوخویشتن گم ست کرا رہبری کند۔ مشہور مقولہ ہے "جاہل پیر شیطان کا ٹٹو ہے"

marfat.com

ابریز میں ہے: ''اذا لم یکن علم لدیه بظاهر ولا باطن فاضرب به لجج البحر قال الشیخ رضی الله عنه مراده بعلم الظاهر علم الفقه والتوحید ای القدر الواجب منهما علیٰ المکلف ومراده بعلم الباطن معرفة الله تعالیٰ۔''

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ پیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی مدرسہ سے دستار فضیلت پائے ہوئے ہو بلکہ اس کو علم باللہ اور علم باحکام اللہ ہو۔ مسائل اعتقادیہ وعملیہ فقہ وقلبیہ تصوف سے بے بہرہ و بے علم نہ ہو۔ حضرات سادات کرام کی فضیلت سید ہونے کی وجہ سے سر اور آنکھوں پر ہے۔ مگر یہاں نسبی بزرگی کی ضرورت نہیں بلکہ مرید ایسے شخص سے ہونا چاہئے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے تربیت مرید کے لئے اعلیٰ وافضل ہے، ورنہ اس کو بیعت نہ کرنی چاہئے۔

ابریز فی علم سیدنا عبدالعزیز میں ہے: ''لا تقدمن قبل اعتقادك انه مربّ ولا اولی بها منه فی العصر (ای) ولا تقدمن علیٰ شیخ بقصد الدخول فی صحبته حتیٰ تعتقد انه من اهل التربیة وانه لا احق منه بها فی زمنه۔''

''یعنی مرید ہونے کے لئے کسی کی خدمت میں اقدام نہ کرو اور اس کی صحبت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرو۔ جب تک یہ اعتقاد نہ کرلو کہ یہ شخص تربیت کا اہل ہے اور اس زمانہ میں اس سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے قابل نہیں''۔

تو اگر کسی غیر سید کے ساتھ اس کو اس طرح وابستگی ہے تو اسی کے ہاتھ پر مرید ہونا چاہئے۔ اور سید صاحب کے ساتھ ہے تو اس کے ہاتھ پر ہو۔ غرض یہ معاملہ معشوق بنانے کا ہے۔ کسی عاشق سے پوچھئے کہ سید پر عاشق ہونا چاہئے یا غیر سید پر؟ جو جواب اس کا ہے، وہی جواب اس کا سمجھئے۔

ہمہ شہر پرز خوباں، منم وخیال ماہے   چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے
احب الصالحین ولست منهم   لعل الله یرزقنی صلاحا

آمین آمین اله الحق آمین! وصلی الله علی خیر خلقه محمد واله واصحابه اجمعین۔

☆☆☆☆☆

نصرة الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیه و سلما

مسئلہ مرسلہ مولوی سید محی الدین صاحب تمنا عمادی پھلواروی بتوسط پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ۔ علمائے ملت اسلامیہ مندرجہ ذیل سوالات کے مفصل جوابات مرحمت فرمائیں۔

marfat.com

۱- مردوں کے لئے ایصال ثواب کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے نہیں؟ اگر بتایا گیا ہے تو وہ کیا ہے؟ مع نقل آیات، جواب مرحمت ہو۔

۲- رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہائے مبارک میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کا کوئی معمول بہ دستور تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو وہ کیا تھا؟ مع نقل روایات وحوالہ کتب وتعین صفحہ ونام جواب ارشاد ہو۔

۳- رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اہل بیت واصحاب میں سے جو لوگ وفات پاتے گئے، مثلاً حضرت خدیجہ الکبریٰ زوج النبی ام المومنین رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ ورضی اللہ عنہا و حضرت خبیب وحضرت حمزہ وحضرت جعفر طیار ودیگر شہدائے جنگ بدر وخیبر واحد وحنین وتبوک وغیرہا رضوان اللہ علیہم اجمعین، ان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے خود یا آپ کے حکم مبارک سے اور صحابہ یا اہل بیت نے کبھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے؟ اور ایک بار کیا یا برابر کرتے رہے؟ اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خاص آنحضرت ﷺ کے لئے یا پہلے یا اپنے وقت کے اموات وشہدا کے لئے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے کیا؟ اور ایک بار یا برابر کرتے تھے؟ جواب با صواب مع نقل روایات وحوالہ کتب وتعیین صفحہ ونام مطبع مرحمت ہو۔

۴- فقہ حنفی میں کوئی طریقہ ایصال ثواب کا لکھا ہے یا نہیں؟ اگر لکھا تو وہ کیا ہے اور خود حضرت امام اعظم وصاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی روایت اس کی منقول ہے یا نہیں معہ حوالہ کتاب وعدد صفحہ پوری عبارت لکھئے۔

امید ہے کہ ان سوالوں کے مفصل جوابات جلد سے جلد مرحمت ہوں گے۔ اخی الاعظم مولانا عبید اللہ صاحب المجیبی مدظلہ، حبی الاکرم مولانا ظفر الدین صاحب، حبی الاکرم مولانا اصغر حسین صاحب، حبی الاکرم مولانا عبد السبحان صاحب، حبی الاکرم مولانا دیانت حسین صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، خصوصیت کے ساتھ ان سوالوں کی طرف توجہ فرمائیں اور ان کے علاوہ ہر ہر مدرس مدرسہ سے بادب استدعا ہے۔ بینوا توجروا واجرکم علیٰ من بیدہ ازمۃ التوفیق و ہو نعم المولیٰ و نعم الرفیق

المستدعی تمنا العمادی المجیبی الفلواروی پھلواری شریف ضلع پٹنہ۔ ۲۰/اگست ۱۹۳۵ء

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

مکرمی! اکرمکم اللہ تعالیٰ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ سوالات پہنچے، دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا کہ جناب کو نفس مسئلہ ایصال ثواب میں کلام نہیں۔ ہاں اس کے طریقے کے متعلق سوال ہے کہ کس طریقے سے ہونا چاہئے۔ قرآن د

marfat.com

حدیث سے کیا ثابت ہے، حضور اقدس علیہ وصحابہ کرام کا معمول بہ دستور کیا تھا؟ بعض بلند پایہ حضرات تو نفس ایصال ثواب ہی میں کلام کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مردوں کو ثواب پہنچتا ہی نہیں۔ میرے ملنے والوں میں ایک صاحب اسی خیال کے ہیں۔ ایک دن کہنے لگے کہ لوگ جو قرآن شریف وغیرہ پڑھ کر مردوں کو بخشتے ہیں۔ اس کا ثواب ان کو نہیں پہنچتا۔ میں نے کہا کہ جناب کو یہ کس نے کہہ دیا یا خود جا کر عالم برزخ میں دیکھ آئے ہیں کہ مسلمانوں کا کیا دھرا اکارت جاتا ہے۔ جن کو بھیجا جاتا ہے، انہیں نہیں پہونچتا۔ کیا راستہ میں رہزن رہتے ہیں کہ راہ ہی میں لوٹ لیتے ہیں، وہاں نہیں پہونچنے دیتے؟ بولے کیا آپ کے پاس پہونچنے کا کوئی ثبوت ہے؟ میں نے کہا بلاشبہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات، علمائے کرام کی تصریحات جن لوگوں نے بھیجا ان کا مشاہدہ، جن کے لئے بھیجا گیا ان کی تصدیق۔

”عن انس ان رجلا سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انا نتصدق عن موتانا و نحج عنهم و ندعو لهم فهل يصل اليهم ذالك فقال نعم انه يصل اليهم و يفرحون كما يفرح احد كم بالطبق اذا اهدى اليه“۔ رواه ابو حفص الكبير۔ ”امام ابوحفص کبیر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم میت کی طرف سے صدقہ دیتے، حج کرتے، دعا کرتے ہیں تو کیا یہ سب چیزیں ان کو پہونچتی ہیں؟ فرمایا ہاں۔ وہ ان کو ضرور پہنچتی ہیں اور اس سے وہ خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے ایک آدمی خوش ہوتا ہے، جب اس کے پاس طباق ہدیہ دیا جاتا ہے۔“ (عینی شرح ہدایہ ج ۲ کشوری ص ۶۱۲)

ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲ مصری ص ۲۸۶ میں فرماتے ہیں:

”اخرج القاضی ابو بکر بن عبد الباقی الانصاری رحمه الله فی مشیخته عن سلمة بن عبید قال قال حماد المکی خرجت لیلة الیٰ مقابر مکة فوضعت راسی علیٰ قبر فنمت فرايت اهل المقابر حلقة حلقة فقلت قامت القیامة؟ فقالو الا ولکن رجل من اخواننا قرء قل هو الله احد و جعل ثوابها لنا فخن نقسمه منذ سنة“۔ ”قاضی ابوبکر بن عبد الباقی انصاری رحمہ اللہ اپنے مشائخ میں سلمہ بن عبید سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: حماد مکی نے فرمایا کہ میں ایک شب مکہ کے قبرستان میں گیا۔ ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا تو قبرستان والوں کو دیکھا کہ حلقہ کئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا قیامت قائم ہوگئی؟ ان لوگوں نے کہا کہ نہیں، لیکن ہمارے بھائیوں سے ایک شخص نے قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب ہم لوگوں کو بخشا ہے تو اس کو ایک سال سے ہم لوگ بانٹ رہے ہیں“۔ اگر ثواب پہونچا ہی نہیں تو کس چیز کو تقسیم کرتے تھے؟

اسی میں ہے ص ۲۸۱: ”قال النووی فی الاذکار“ قال محمد بن احمد المروزی سمعت

marfat.com

احمد بن حنبل یقول اذاد خلتم المقابر فاقرؤا فاتحۃ الکتاب والمعوذتین و قل ھو اللہ احد و اجعلو اثواب ذلک لاھل المیقابر فانہ یصل الیھم"۔ "امام نووی شافعی کتاب الاذکار میں تحریر فرماتے ہیں: محمد بن احمد مروزی تلمیذ فربری متوفی ۳۷۱ھ نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا، فرماتے ہیں کہ جب تم قبرستان جاؤ تو سورۂ فاتحہ اور قل اعوذبرب الفلق و قل اعوذبرب الناس، قل ھو اللہ احد پڑھو اور اس کا ثواب اس قبر ستان والوں کو بخشو کہ وہ ان کو پہنچتا ہے"۔

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی مکتوبات جلد دوم ص ۵۹ مکتوب ۳۶ میں ہے: "پیش ازیں بچند سال داب فقیر آں بودہ کہ اگر طعام می پخت، مخصوص بہ روحانیت مطہرہ آل عبا می ساخت و بآں سرور، حضرت امیر و حضرت فاطمہ وحضرات امامین راضم می کرد علیہم الصلوات والتسلیمات۔ شبے درخواب می بیند کہ آں سرور حاضرست علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ فقیر برایشاں عرض سلام می کند، متوجہ فقیر نمی شوند و رو بجانب دیگر دارند۔ دریں اثنا بفقیر فرمودند کہ من طعام درخانہ عائشہ می خورم ہر کہ مرا طعام فرستد بخانہ عائشہ فرستد۔ ایں زماں فقیر دریافت کہ سبب عدم توجہ شریف ایشاں آں بودہ کہ فقیر حضرت صدیقہ را درآں طعام شریک نمی ساخت۔ بعد ازاں حضرت صدیقہ را بلکہ سائر ازواج مطہرات را کہ ہمہ اہلبیت اند، شریک می ساخت وبجمیع اہلبیت توسل می نمود"۔

"اس سے چند سال پہلے فقیر کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کھانا پکاتا تھا تو ارواح مطہرہ آل عبا کے ساتھ مخصوص کرتا تھا اور آں حضور کے ساتھ، حضرت امیر المومنین علی اور حضرت فاطمہ اور حضرات امامین کو شامل کرتا تھا علیھم الصلوت والتسلیمات۔ ایک رات بندہ خواب میں دیکھتا ہے کہ آں سرور تشریف فرما ہیں علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام۔ فقیر ان پر سلام عرض کرتا ہے۔ متوجہ فقیر کی طرف نہیں ہوتے ہیں اور چہرہ اقدس دوسری طرف پھیرے ہوئے ہیں۔ اسی درمیان میں فقیر سے فرماتے ہیں (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہ میں کھانا عائشہ کے گھر میں کھاتا ہوں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ جو مجھے کھانا بھیجے عائشہ کے گھر میں بھیجے۔ اسی وقت فقیر نے سمجھا کہ حضور کے عدم توجہ کا سبب یہ تھا کہ فقیر حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کھانے میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد حضرت صدیقہ کو بلکہ تمامی ازواج مطہرات کو رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کہ سب کی سب اہل بیت ہیں، شریک کرتا تھا اور تمامی اہلبیت کے ساتھ توسل کرتا تھا"۔

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی جن کی جلالت شان ہر کہ ومہ پر ظاہر ہے الدر الثمین فی مبشرات البنی الامین ص ۸ میں تحریر فرماتے ہیں: "الحدیث الثانی والعشرون اخبرنی السیّد الوالد قال کنت اصنع طعاما صلۃ بالنبی ﷺ فلم یفتح لی سنۃ من السنین شیء اصنع بہ طعاما فلم اجد الا حمصا مقلیا فقسمتہ بین الناس فراءیتہ ﷺ و بین یدیہ ھذا الحمص متبھجاً بشاشاً"۔ "بائیسویں حدیث

marfat.com

مجھے میرے سردار والد ماجد نے خبر دی کہ میں ہر سال نبی ﷺ کی ایصال ثواب کے لئے کھانا پکوایا کرتا تھا۔ ایک سال کچھ فتوح نہ ہوا جس سے میں کھانا پکوا سکوں تو میں نے بھنا چنا منگوایا اور اسی کو لوگوں میں تقسیم کیا تو میں زیارت حضور اقدس ﷺ سے مشرف ہوا۔ دیکھا کہ حضور کے سامنے وہ بھنا ہوا چنا رکھا ہے اور آپ بہت خوش اور بشاش ہیں''

معلوم ہوا کہ ثواب بدنی ہو جیسا کہ پہلے دو واقعہ میں یا مالی ہو جیسا کہ حضرت شیخ مجدد اور شاہ عبد الرحیم صاحب کے واقعہ میں یا دونوں کا مجموعہ جیسا کہ حدیث شریف کی مثال سے واضح، سب مردہ کو پہنچتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز ایصال ثواب کے لئے پکائی جاتی اور تقسیم کی جاتی ہے وہ بعینہ پہونچتی ہے۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ قبل تحریر جواب اگر لفظ ثواب اور ایصال کی تحقیق کر لی جائے تو بہتر ہے۔ ثواب وہ عمل نہیں جس کی مقدار معین ہو اور ہر کام کرنے والے کو ملے۔ بہتیرے کام کرنے والے ہیں۔ جن کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۔ وقال تعالیٰ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصْلٰی نَارًا حَامِيَةً۔ ''اور قصد کیا ہم نے طرف اس کے جوانہوں نے عمل کیا تو اس کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا''۔ ''عمل کرنے والی مشقت اٹھانے والی داخل ہوں گی بھڑکتی آگ میں۔''

بلکہ وہ اجر اس عمل مقبول کا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے، اسی لئے اس کے لئے کوئی حد نہیں۔ حسن نیت اور اخلاص عمل پر دس سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ جس کے لئے خدا چاہے، ملتا ہے۔

قال تعالیٰ: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ ''ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو صرف کرتے ہیں مثل اس ایک دانہ کے ہے جس سے سات بالیں اگیں۔ ہر بال میں سو دانے ہیں (تو مجموعہ سات سو ہوا) اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے اور زیادہ فرمائے''

آیت کریمہ اگرچہ مال کے متعلق وارد ہے مگر یہ مخصوص اسی کے ساتھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس عمل پر جس کو چاہے اجر عطا فرمائے۔ کسی کو کسی عمل پر اجر بے پایاں دے تو خدا کو کوئی روکنے والا نہیں۔ اب رہا ایصال، یہ خدا کو وکیل کرنا نہیں کہ اس امر کا ثواب میرے نامۂ اعمال میں نہ لکھا جائے بلکہ فلاں شخص کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے، اس کو دیا جائے۔ اس لئے کہ توکیل اس میں صحیح ہے جو کام انسان خود کر سکتا ہے۔

ہدایہ جلد۳ ص ۱۷۶ میں ہے: ''کل عقد جاز ان یعقده الانسان بنفسه جاز ان یوکل غیره''۔ ''جس کام کو انسان خود کر سکتا ہے اس میں دوسرے کو وکیل کرنا جائز ہے۔

marfat.com

اور ظاہر ہے کہ ثواب یہ شخص نہ خود لے سکتا ہے، نہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے تو اس میں کسی دوسرے کو وکیل بھی نہیں کرسکتا۔ بلکہ ایصال ثواب خداوند عالم سے دعا ہے کہ خداوندا میں نے جو یہ نیک کام تیرے لئے کیا ہے، اس کا ثواب مجھ کو اور میرے ساتھ فلاں فلاں اشخاص کو بھی اپنے فضل وکرم سے عطا فرما۔

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم ص ۵۵ میں لکھتے ہیں: ''ہر عبادت کہ از مسلمان ادا شود، ثواب آں بروح کسے از گزشتگان رساند۔ طریق رسانیدن آن دعائے خیر بجناب الٰہی ست پس ایں خود البتہ بہتر و مستحسن ست و اگر آن کس کہ ثواب بروحش می رساند از اہل حقوق است، بہ مقدار حق وے خوبی رسانیدن ایں ثواب زیادہ تر خواہد شد۔ پس درخوبی ایں قدر امر از امور مروسومہ فاتحہ واعراس ونذر ونیاز کہ اموات شک وشبہ نیست''۔ ''جو عبادت مسلمان سے ادا ہو، اس کا ثواب اپنے گزرے ہوؤں میں سے کسی کی روح کو پہونچائے اور اس دعائے خیر کے پہونچانے کا طریقہ جناب الٰہی کے ذریعہ ہے تو یہ خود البتہ بہتر اور مستحسن ہے۔ اور اگر وہ شخص کہ جس کی روح کو ثواب پہونچاتا ہے، اس کے اہل حقوق سے ہے تو اس کے حق کے مقدار کے موافق اس ثواب کے پہونچانے کی خوبی بہت زیادہ ہوگی۔ پس وہ امور جو میت کے لئے مروج ہیں مثلاً فاتحہ اور اعراس اور نذر ونیاز کے، ان سب کی خوبی میں شک وشبہ نہیں''۔

اسی کے ص ۶۴ میں ہے: ''ہرگاہ ایصال نفع بمیت منظور دارد، موقوف بر اطعام نہ گذارد۔ اگر میسر باشد بہتر ست والا صرف ثواب سورۂ فاتحہ واخلاص بہترین ثواب است''۔ ''جس وقت کسی کو میت کو نفع پہونچانا منظور ہو تو چاہئے کہ وہ اس نفع کو کھانا کھلانے پر موقوف نہ رکھے۔ اگر بروقت کھانا میسر ہوجائے تو بہتر ورنہ صرف سورہ فاتحہ، اخلاص کا ثواب ہی بہترین ثواب ہے''۔

اسی لئے علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایک آیت یا ایک سورہ پڑھ کر مثلاً دس آدمی کو اس کا ثواب بخشے تو دسوں کو پورا پورا ثواب اس آیت یا سورہ کا ملے گا۔

علامہ شامی جلد اول رد المحتار ص ۸۴۵ میں فرماتے ہیں: ''سئل ابن حجر المکی عما لو قراء لاھل المقبرة الفاتحہ ،ھل تقسم الثواب بینھم او یصل لکل منھم مثل ثواب ذلك کاملا ؟فاجاب بانہ افتیٰ جمع بالثانی و ھو اللائق بسعة الفضل''۔ ''علامہ ابن حجر سے سوال ہوا کہ کوئی شخص مقبرہ والوں کو فاتحہ پڑھ کر بخشے تو کیا سورہ فاتحہ کا ثواب انہیں بٹ کر ملے گا یا سب کو پورا پورا ثواب سورہ فاتحہ کا پہونچے گا تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک جماعت کا فتویٰ یہ ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا اور یہی اللہ تعالیٰ کے وسیع فضل کے لائق ہے''۔

مکتوبات امام ربانی جلد سوم مکتوب بست وہشتم ص ۵۴ میں ہے: ''اگر بروحانیت یکے تصدق کردہ سائر

marfat.com

مومناں راشریک سازد، ہمہ برسد وازآں شخص کہ بنیت اوداده بود ہیچ نقصان نہ کند ان ربك واسع المغفرة"۔ "اگرایک کی روحانیت کے لئے صدقہ کر کے سارے مومنین کو شریک کرلے تو سب کو (ثواب برابر) پہونچے گا اور جس کی نیت سے (صدقہ) دیا گیا، اس میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ بے شک تیرا رب (تبارک وتعالیٰ) وسیع مغفرت والا ہے"۔

نیز یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ ایصال ثواب جس طرح مردوں کے لئے ہوتا ہے۔ زندوں کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔ ثواب پہنچانے کے لئے مردہ ہونا کچھ ضروری نہیں، یہ محض عامیانہ خیال ہے۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ثواب مردہ ہی کو بخشا جاسکتا ہے۔ زندوں کے لئے ایصال ثواب سن کر ان کو سخت حیرت ہوتی ہے۔

شامی جلد۲ص ۲۴۲ میں ہے: "قوله بغيره اى الا حياء والا موات بحرعن البدائع"۔ "ان کا کہنا ہے کہ اس کا ثواب کسی مردہ یا زندہ کو بخشنا تو جائز ہے۔ یعنی ماتن نے جو کہا کہ "الا صل ان كل من اتى بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره" یعنی اس بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص کوئی عبادت کرے اس کو حق ہے کہ اوس کا ثواب غیر کو دے۔ چاہے وہ غیر زندہ ہو یا مردہ دونوں کو ثواب پہونچا سکتا ہے"۔

شامی جلد اول ص ۸۴۴ میں ہے: "وفى البحر من صام اوصلىٰ او تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جازو يصل ثوابها اليهم عنداهل السنة و الجماعة كذافى البدائع ثم قال و بهذ اعلم انه لافرق بين ان يكون المجعول له ميتا اوحيا والظاهر انه لا فرق بين ان ينوى به عندالفعل للغيراو يفعله لنفسه ثم بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره لاطلاق كلامهم وانه لا فرق بين الفرض والنفل اه"۔ "بحرالرائق میں ہے کسی نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا صدقہ دیا اور اس کا ثواب کسی مردہ یا زندہ کو بخشا تو جائز ہے اور اہل سنت کے نزدیک اس کا ثواب ان لوگوں کو پہونچے گا۔ اسی طرح بدائع میں ہے۔ پھر کہا اس سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جس کو ثواب بخشیں وہ مردہ ہو یا زندہ اور نہ فرق اس میں ہے کہ کام کرتے وقت اس غیر کی نیت سے کیا جائے یا اپنے لئے کریں اور اس کے بعد اس کا ثواب دوسرے کو بخشیں۔ اس لئے کہ کلام ان کا مطلق ہے اور اس بارے میں فرض اور نفل میں بھی کوئی فرق نہیں"

بالجملہ ایصال ثواب کسی عمل خیر فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح ومجاز شرعی، بدنی یا مالی یا دونوں کے مجموعہ کا کسی کے نفع اخروی کی نیت سے کرنا یا بغیر نیت کسی دوسرے کے خود اپنے لئے کرے، اس وقت یا کچھ بعد زبان سے یا فقط دل سے خداوند عالم سے دعا کرنا ہے کہ اس کا ثواب فلاں شخص یا اشخاص مردہ یا زندہ کو پہونچے۔ اب ان تمام تمہیدات کے بعد اصل سوالوں کے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ فاقول و باللہ التوفیق۔

marfat.com

قرآن شریف میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کے متعدد طریقے بتائے گئے ہیں۔ ان میں جس طریقہ کو انجام کرے گا، مردے کو ثواب ملے گا اور اگر کوئی شخص سب طریقے بجالائے تو اور بہتر ہے۔

(اوّل) مغفرت کی دعا کرنا

”قال تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ جَاؤُ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ“۔ (سورہ حشر) ”اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ لوگ جو ان کے بعد آئے، کہتے ہیں، خداوندا! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت کر جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں“۔

تفسیر کبیر جلد ۸ ص ۱۷۹ میں اس آیۂ کریمہ کے تحت میں ہے: ”اعلم ان قوله والذين جاؤ امن بعد هم عطف ايضا على المهاجرين وهم الذين هاجروا من بعد و قيل التابعون باحسان و هم الذين يحيئون بعد المهاجرين و الانصار الىٰ يوم القيمة و ذكر تعالى انهم يدعون لانفسهم و لمن سبقهم بالايمان وهو قوله يقولون ربنا اغفرلنا و لاخواننا الاية واعلم ان هذه الايات قداستوعبت جميع المومنين لانهم اماالمهاجرون او الانصارا و الذين جاء وامن بعد هم و بين ان شان من جاء بعد المهاجرين والانصار ان يذكر السابقين وهم المهاجرون والانصار بالدعاء والرحمة فمن لم يكن كذالك بل ذكر هم بسوء كان خارجا من جملة اقسام المومنين بحسب نص هذه الآيه“۔

اللہ تعالیٰ کا قول والذين جاؤ امن بعد هم عطف ہے المهاجرين پر اور وہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے بعد کو ہجرت کی اور بعضوں نے کہا کہ جو لوگ بھلائی کے ساتھ ان کے تابع ہوئے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان کے بعد قیامت تک آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ان کی صفت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے لئے دعا کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو ایمان لانے میں ان سے سابق ہوئے اور وہ باری تعالیٰ کا ارشاد يقولون ربنا اغفرلنا الایہ ہے۔ اور جان لو کہ ان آیات نے مسلمانوں کی تمام قسموں کا استیعاب کرلیا۔ اس لئے کہ مومنین یا مہاجرین ہیں یا انصار یا جو لوگ کہ ان کے بعد ہوئے اور بیان فرمایا کہ مہاجرین وانصار کے بعد جو لوگ ہوئے، ان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اگلے لوگوں یعنی مہاجرین وانصار کو دعائے خیر اور رحمت کے ساتھ یاد کریں اور جو شخص ایسا نہیں بلکہ انہیں برائی کے ساتھ یاد کرے تو وہ بحکم آیۂ کریمہ مسلمانوں کے تمام اقسام سے خارج ہے“۔

جمل حاشیہ تفسیر جلالین مصری ج ۴ ص ۳۱۷ میں ہے: ”قوله الذين سبقونا بالايمان كل واحد من القائلين لهذاالقول ان يقصد بمن سبقه من انتقل قبله من غير فاضل و ينتهى الىٰ عصر النبى ﷺ فيدخل فى اخوانه الذين سبقوه بالايمان جميع من تقدمه من المسلمين و لايقصد بالذين سبقوه

خصوص المهاجرين والانصار لقصوره وان كان اصل سبب النزول اه شيخنا يعنى الذين سبقونا بالايمان۔'' ''الذين سبقونا بالايمان سے مراد یہ ہے کہ ہر کہنے والا اس قول کا من سبقه سے ان کو مراد لے جو لوگ اس زمانہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک انتقال کر چکے ہیں تو اس صورت میں اس کے اخوان سابقین بالایمان میں تمامی وہ سب مسلمان داخل ہوں گے جو اس سے پہلے انتقال کر چکے ہیں اور اس سے فقط مہاجرین وانصار مراد نہ لے کہ اس میں تنگی اور کمی ہے اگرچہ وہی لوگ اس آیت کے اصل سبب نزول ہیں''۔

اسی طرح صاوی حاشیہ تفسیر جلالین ج ۴ ص ۱۹۶ میں ہے: وعبارته هكذا الذين سبقونا بالايمان اى بالموت عليه فيبنغى لكل واحد من القائلين لهذا القول ان يقصد بمن سبقه من انتقل قبله من زمنه الىٰ عصر النبى صلی اللہ علیہ وسلم فيدخل جميع من تقدمه من المسلمين''۔ ''جب مسلمان دعا کرے اور اس میں اغفرلنا ولا خواننا الذين سبقونا بالايمان' کہے تو اس سے یہ قصد کرے کہ جو لوگ ہم سے پہلے سابق بالایمان ہوئے ہیں یعنی جو لوگ اس کے زمانہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک تک انتقال کر چکے ہیں تو اس میں تمامی گزشتہ مسلمان داخل ہو جائیں گے''۔

قنوی حاشیہ تفسیر بیضاوی مصری جلد ۷ ص ۱۵۶ میں ہے: ''قوله يقولون الاية وفيه ترغيب للخلف للدعا للسلف لا سيما العلما الاقدمين فانهم ابآء تعليم الذين و ان الدعاء بالمغفرة اهم''۔ ''اس آیہ کریمہ میں خلف کو رغبت دینا ہے سلف کے لئے دعا کرنے کی خصوصاً اگلے علما کے لئے کہ وہ دینی تعلیم کے باپ ہیں اور یہ مغفرت کی دعا سب سے اہم ہے''۔

حاشیہ شہاب خفاجی علی البیضاوی مصری جلد ۸ ص ۱۸۰ ہے: ''وجملة يقولون حالية والمراد بدعاء اللاحق للسابق و الخلف للسلف انهم متبعون لهم اوهو تعليم لهم بان يدعو لمن قبلهم ويذكروهم بالخير''۔ ''اس آیہ کریمہ میں جملہ یقولون الاية جملہ حالیہ ہے اور سابق کے لئے لاحق اور سلف کے لئے خلف کی دعا کا یا تو یہ مطلب ہے کہ وہ ان کے متبع ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں یا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ تعلیم ہے کہ خلف کو چاہئے کہ سلف کے لئے دعا کیا کریں اور ان کو بھلائی کے ساتھ یاد کیا کریں''۔

تفسیر روح البیان مصری جلد ۵ ص ۲۱۰ میں ہے: ''وفى الاية دليل علىٰ ان الترحم و الاستغفار واجب علىٰ المومنين الآخرين للسابقين منهم لا سيما لابائهم و معلميهم امور الدين'''' آیہ کریمہ ربنا اغفرلنا میں اس امر پر دلیل ہے کہ گزشتہ مسلمانوں کے لئے رحمت کی دعا کرنا اور مغفرت چاہنا پچھلے مسلمانوں پر واجب ہے۔ خصوصاً اپنے آباواجداد اور دینی علوم کے اساتذہ کرام کے لئے''۔

marfat.com

قوت القلوب حضرت ابوطالب مکی جلد۲ ص ۲۴۸ میں ہے: ’’قال بعض العلما لولم یکن فی اتخاذ الاخوان الا ان احدهم یبلغه موت اخیه فیترحم علیه و یدعو له فلعله یغفر له بحسن نیته و یقال من بلغه موت اخیه فترحم علیه و استغفر له کان شهد جنازة و صلی علیه و قد روینا عن رسول الله صلی الله علیه وسلم مثل المیت فی قبره مثل الغریق یتعلق بکل شیء ینتظر دعوة من ولد او والد او اخ وانه لیدخل علیٰ قبور الاموات من دعاء الاحیاء من الانوار امثال الجبال و یقال الدعاء للاموات بمنزلة الهدایا للاحیاء فی الدنیا قال فیدخل الملك علیٰ المیت معه طبق من نور علیه مندیل من نور فیقول هذه هدیة من عند اخیك فلان من عند قریبك فلان قال یفرح بذلك كما یفرح الحی بالهدیة‘‘۔

’’بعض علما کہتے ہیں کہ اگر اخوان بنانے میں اور کوئی فائدہ نہ ہو تو یہ کیا کم ہے کہ کسی شخص کو اس کے دینی بھائی کے مرنے کی خبر پہونچتی ہے، وہ اس پر ترحم کرتا، اس کے لئے دعا کرتا ہے تو شاید دعا کرنے والے کی نیک نیتی سے اس میت کی مغفرت کردی جائے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جس شخص کو اس کے بھائی کے مرنے کی خبر پہونچی پس اس نے اس پر ترحم کیا اور مغفرت کی دعا کی تو گویا اس کے جنازہ میں حاضر ہوا اور جنازہ کی نماز پڑھی اور ہمیں رسول اللہ ﷺ سے روایت پہونچی ہے کہ میت کی مثال قبر میں ایسی ہے جیسے کوئی ڈوبتا ہر چیز کا سہارا ڈھونڈھتا ہے۔ وہ دعا کے انتظار میں ہے کہ لڑکا دعا کرے یا باپ یا بھائی اور بیشک زندوں کی دعا کی برکت سے مردوں کی قبور میں پہاڑ ایسے انوار داخل ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ مردوں کے لئے دعا کرنا ایسا ہے جیسے دنیا میں زندوں کو ہدیہ دینا۔ کہا کہ فرشتہ میت کے پاس جاتا ہے۔ اس کے ساتھ نور کا طباق ہوتا ہے جو نور کے رومال سے چھپا ہے اور کہتا ہے: یہ تحفہ تیرے فلاں بھائی کا ہے جو فلاں جگہ کا رہنے والا ہے تو وہ مردہ یہ دیکھ کر خوش ہوتا ہے جس طرح زندہ ہدیہ پاکر خوش رہتا ہے‘‘۔

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم مصری جلد ۱۰ ص ۳۶۷ میں فرماتے ہیں: ’’عن ابن عباس عن النبی ﷺ ماالمیت فی قبره الاشبه الغریق المتغوث تنتظر دعوة من اب اوام او صدیق ثقة فاذ الحقته کان احب الیه من الدنیا و ما فیها لان الله عزوجل لیدخل علیٰ اهل القبور من دعاء اهل الدنیا امثال الجبال و ان هدیة الاحیاء للاموات الاستغفار لهم و الصدقة عنهم‘‘ (رواه الدیلمی فی مسند الفردوس ورواه البیهقی فی شعب الایمان)

’’دیلمی مسند الفردوس اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا راوی کہ نہیں، ہے مردہ اپنی قبر میں مگر مثل ڈوبتے ہوئے کے، طالب، فریادرس بے انتظار کررہا ہے باپ یا ماں یا معتمد دوست

marfat.com

کی دعا کا، تو جب دعا اسے پہونچتی ہے اس کی دنیا و مافیہا سے بڑھ کر محبوب ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں کی دعا سے اہل قبور پر پہاڑ جیسے خیر و برکات و انوار داخل کرتا ہے اور بیشک مردوں کے لئے زندوں کا تحفہ ان کی مغفرت چاہنا اور ان کی طرف سے صدقہ دینا ہے''۔

حضرت شیخ مجدد اکثر تعزیتی خطوط میں اسی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے دعا و صدقہ کی ہدایت فرماتے ہیں۔

مکتوبات جلد اول ص ۱۱۰ مکتوب ہشتاد و نہم میں ہے: ''مرحومہ شما دریں اواں بسے مغتنم بودند۔ الحال بر شمایاں لازم است کہ مکافات احسان باحسان بکنید و بدعا و صدقہ ساعت بساعت مدد نمائند فان المیت کالغریق ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او اخ او صدیق''۔ ''تمہارے (میت) مرحومہ بڑے احسان کرنے والے تھے۔ اب تم پر یہ لازم ہے کہ احسان کا بدلہ احسان سے دو اور دعا اور صدقہ سے ہر وقت ان کی مدد کرو۔ اس لئے کہ میت مثل غریق کے ہے۔ انتظار کرتا ہے اپنے رشتہ داروں باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی دعاؤں کا جو اسے پہونچتی ہے''۔

نیز مکتوب جلد اول ص ۱۲۱ مکتوبات صد و چہارم میں ہے: ''مصیبت بر رفتن نیست بر حال رونده الی الحبیب ست تا باوچہ معاملہ کنند۔ بدعا و استغفار و تصدق امداد باید نمود قال رسول اللہ ﷺ ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او صدیق الی قولہ وان ہدیتہ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم''۔ ''مصیبت جانے پر نہیں ہے (بلکہ) دوست کی طرف جانے والے کے حال پر ہے یہاں تک کہ مردہ منتظر رہتا ہے کہ دیکھیں لوگ کس طرح (میرے دوست) معاملہ کرتے ہیں (لہذا) دعا اور استغفار اور تصدق کے ذریعہ مدد کرنی چاہئے۔ (جیسا کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میت قبر میں مثل ڈوبنے والے، فریاد کرنے والے کے ہے۔ انتظار کرتا ہے ان دعاؤں کا جو پہونچتی ہیں اس کو باپ یا ماں یا دوست کی طرف سے۔ الی قولہ۔ بیشک زندوں کے تحفے مردوں کے لئے ان کے (مردوں) لئے استغفار کرنا ہے''۔

قرآن شریف کی آیت، تفاسیر کی عبارت، علمائے کرام کی صراحت، احادیث کی دلالت نے مردوں کے لئے ایصال ثواب کے طریقہ کو بہت صاف طور پر واضح کر دیا کہ مسلمانوں پر نہ صرف مستحب بلکہ بقول علامہ حقی واجب ہے کہ گزشتہ مسلمانوں خصوصاً اپنے آباؤ اجداد و علمائے کرام و مشائخ عظام کے ایصال ثواب کے لئے ان کی مغفرت کی دعا کیا کریں ورنہ حسب تصریح امام رازی مسلمانوں کی تیسری قسم بھی شامل ہونا معلوم۔

(دوم) ماں باپ کے لئے خدائے تعالیٰ سے رحم و کرم چاہنا

قال تعالیٰ: وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (بنی اسرائیل رکوع ۳) ''ماں باپ کے لئے دعا کرو اور کہو کہ خداوندا ان دونوں پر رحم فرما جس طرح ان دونوں نے بچپنے میں مجھے پالا''۔

marfat.com

تفسیر روح المعانی مصری جلد۳ ص ۵۰۸ میں ہے:"والظاهر ان الامر للوجوب فيجب على الولدان يدعولو الديه بالرحمه"۔''اس آیت سے ظاہر یہ بات ہے کہ اولاد پر واجب ہے کہ والدینکے لئے رحمت کی دعا کیا کریں''۔اس لئے کہ امر وجوب کے لئے آتا ہے۔

جمل مصری حاشیہ تفسیر جلالین جلد۲ ص ۶۲۲ میں ہے:''قوله وقل رب ارحمهما اى ادع لهما ولو خمس مرات فى اليوم والليلة"(كذا فى الصاوى جلد ٢ ص ٢٧١) ''آیۂ کریمہ و قل رب ارحمهما کے یہ معنی ہیں کہ ماں باپ کے لئے رحمت کی دعا کیا کرے اگر زیادہ نہیں تو کم از کم دن رات میں صرف پانچ ہی دفعہ سہی''۔

تفسیر روح البیان جلد۵ ص ۱۴۸ میں ہے:"وقل رب ارحمهما و ادع الله ان يرحمهما برحمته الباقية ولاتكتف برحمتك الفانيه"۔ ''اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اپنی رحمت باقی کے ساتھ ان پر رحم کرے۔تم فقط اپنی رحمت فانی پر اکتفانہ کرو کہ جہاں تک ہو سکے ان کے ساتھ سلوک کرو''۔

اسی میں ہے:"سئل ابن عيينه عن الصدقة عن الميت فقال كل ذلك واصل اليه ولا شئ انفع له من الاستغفار ولو كان شئى افضل منه لامرت به فى الابوين و يعضده قوله عليه السلام ان الله ليرفع درجة العبدفى الجنة فيقول باستغفار ولدك وفى الحديث من سار قبر ابويه او احد هما فى كل جمعة كان باراً۔ ''ابن عیینہ سے سوال ہوا کہ مردہ کی طرف سے صدقہ کرنا کیسا ہے اور یہ پہونچتا ہے کہ نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو کچھ اس کے لئے کیا جائے گا،سب اس کو پہونچے گا اور کوئی چیز استغفار سے بڑھ کر نہیں۔اس لئے کہ اگر کوئی چیز استغفار سے افضل ہوتی تو والدین کے حق میں اسی کا حکم ہوتا اور اس کی تائید حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے بندہ کا درجہ بلند فرمائے گا۔وہ بندہ کہے گا میرے مولیٰ یہ رتبہ مجھ کو کس طرح ملا؟ ارشاد ہوگا کہ تیرے لڑکے کے استغفار کی وجہ سے اور حدیث شریف میں کہ جو شخص جمعہ کے دن ماں باپ یا ان میں کسی ایک کی قبر کی زیارت کیا کرے،وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں باریعنی نیکو کار گنا جائے گا''۔

تفسیر ابی مسعود علی ہامش تفسیر کبیر جلد۵ ص ۵۷۲ میں ہے:''ولا تكتف برحمتك الفانية بل ادع الله لهما برحمته الواسعة الباقية وقل رب ارحمهما برحمتك الدنيوية والاخروية التى من جملتها الهداية الى الاسلام فلاينافى ذلك كفرهما"۔ ''والدین کے حق میں فقط اپنی فانی رحمت پر اکتفانہ کر بلکہ ان دونوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس کی وسیع باقی رحمت کے لئے دعا کر اور یوں کہہ کہ خداوندا! ان دونوں پر اپنی دنیوی واخروی رحمت کے ساتھ رحم فرما اور منجملہ اخروی رحمت کے اسلام کی طرف رہبری بھی ہے تو اگر کسی کے ماں باپ کافر

marfat.com

ہوں، جب بھی اس دعا میں مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ کفر اس دعا کے منافی نہیں''۔

(سوم) میت کے لئے نماز جنازہ پڑھنا:

قال تعالیٰ: وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (سورہ براۃ رکوع ۱۳)

''اور ان کے مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھئے اس لئے کہ آپ کا ان پر نماز جنازہ پڑھنا ان کے لئے سکون و وقار ہے''۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ اول دعا مغفرت کرنا۔ اس معنی کر یہ پہلے طریقہ کی دلیل ہوگی اور بعض علما نے اس آیت کی تفسیر نماز جنازہ سے کی ہے۔ تب یہ آیت تیسری صورت کی دلیل ہوگی۔

تفسیر البحر المحیط جلد ۵ ص ۹۵ میں ہے: ''قال فی الکافی الصلوٰۃ علی المیت مشروعۃ لقولہ تعالیٰ وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم''۔ ''کافی میں ہے کہ جنازہ کی نماز مشروع ہے اور اس کی دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم ہے''۔

تفسیر روح المعانی جلد ۳ ص ۳۲۵ میں ہے: ''والحمل علی صلاۃ المیت بعید و ان روی عن ابن عباس رضی اللہ عنھما''۔ ''آیۃ کریمہ وصل علیھم سے نماز جنازہ مراد لینا بعید ہے۔ اگرچہ یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے''۔

اس عبارت نے اتنا پتہ دیا کہ صل علیھم سے نماز جنازہ مراد لینا نہ صرف صاحب البحر المحیط اور صاحب کافی کی ذاتی رائے ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ تفسیر مروی ومنقول ہے۔ رہا علامہ آلوسی بغدادی مولف روح المعانی کا باوجود روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کو بعید بتانا، عقل وعلم سے بعید ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جلالتِ شان علمی اور وہ بھی خاص فن تفسیر میں اس سے ظاہر کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعاء اللھم علمہ الکتاب فرمائی۔ وہ اس آیت کی یہ تفسیر فرماتے ہیں اور الفاظ قرآن اس کو مقتضی۔ علمائے کرام نماز جنازہ کے ثبوت واستدلال میں اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔ روح البیان والے اس کو نقل کر کے مقرر رکھتے ہیں۔ باوجود ان سب باتوں کے علامہ آلوسی اس کو بعید کہتے ہیں۔ ثابت بالحدیث اور صحابی کے قول کو تفسیر قرآن میں بعید بتانا، سخت جرأت اور شان علم وعقل سے بہت ہی بعید ہے۔

امام جلال الدین سیوطی تفسیر الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۷۵ میں اس آیت کی تفسیر میں منجملہ اور احادیث کے ایک یہ حدیث لکھتے ہیں: ''واخرج ابن ابی شیبہ عن خارجۃ بن زید عن عمہ یزید بن ثابت و کان اکبر من زید قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما وردنا البقیع اذاھو بقبر جدید فسأل عنہ

فقالوا فلانة فعرفها قال افلا اذ نتمونی بها فقالوا کنت قائلا فکرهنا ان نؤذیك فقال لا تفعلوا امامات منکم میت مادمت بین اظهرکم الا اذنتمونی فان صلاتی علیه رحمة"۔ "ابن ابی شیبہ نے حضرت یزید بن ثابت سے روایت کیا کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے۔ جب جنت البقیع پہونچے تو حضور نے ایک نئی قبر ملاحظہ فرمائی۔ آپ نے پوچھا۔ لوگوں نے کہا کہ فلاں عورت کی قبر ہے تو آپ نے اس کو پہچان لیا۔ ارشاد ہوا کہ تم لوگوں نے مجھے کیوں نہ خبر دی؟ لوگوں نے کہا حضور قیلولہ فرما رہے تھے، اس لئے ہم نے ناپسند کیا کہ حضور کو تکلیف دیں۔ ارشاد ہوا کہ ایسا نہ کیا کرو۔ جب تک میں تم میں ہوں تو نہ انتقال کرے تم میں کوئی شخص مگر مجھے ضرور خبر دیا کرو۔ اس لئے کہ میرا نماز پڑھنا میت کے لئے رحمت ہے"۔ "والحدیث رواہ بن ماجة فی سننه و ابن حبان فی صحیحه والحاکم فی المستدرك فی الفضائل وسکت عنه و روی نحوه البخاری ومسلم ص ۳۱۰ و ابوداؤد الطیالسی ص ۳۲۱۔

اس مسئلہ کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا: لاتصل علیٰ احد منهم مات ابدا (سورہ براءۃ) یعنی منافقین میں جو شخص مرجائے اس کی جنازہ کی نماز آپ نہ پڑھیں۔

تفسیر بیضاوی شریف میں اس آیت کریمہ کے تحت میں ہے: "والمراد من الصلاة الدعاء للمیت والاستغفار له وهو ممنوع فی حق الکافر"۔ "صلاۃ سے مراد میت کے لئے دعا اور اس کے لئے مغفرت چاہنا ہے اور کافر کے لئے یہ منع ہے"۔

حاشیہ خفاجی علی البیضاوی جلد ۴ ص ۳۵۲ میں ہے: "ان المراد بالصلاة علیه صلاة المیت المعروفة وانما منع منها علیه لان صلاة المیت دعاء واستغفار و استشفاع له و قد منع من الدعاء لمیتهم فیما تقدم فی هذه السورة لقوله تعالیٰ سواء علیهم استغفرت لهم اولم تستغفر لهم لن یغفر الله لهم و قوله تعالیٰ ان تستغفر لهم سبعین مرة فلن یغفر الله لهم"۔ "اس آیت میں صلاۃ سے مراد نماز جنازہ معروفہ ہے اور منافقین کے لئے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ میت پر نماز پڑھنا، دعا و استغفار اور شفاعت کرنا ہے اور منافق مردوں کے لئے دعا کرنا پہلے غیر مفید و ممنوع ہو چکا ہے۔ ان پر ایک سا ہے تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو۔ اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہرگز انہیں نہ بخشے گا"۔

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب منافقین کے لئے استغفار، دعا، نماز جنازہ ممنوع ہے تو ضروری ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ سب باتیں نہ فقط جائز بلکہ مامور و مشروع ہوں ورنہ ان کی تبکیت و تذلیل کیا ہوگی؟

marfat.com

امام رازی تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۷۰۹ میں اس آیت کریمہ کے تحت میں ارشاد فرماتے ہیں: "اعلم انہ تعالیٰ امر رسولہ بان یسعیٰ فی تخذ یلھم و اھانتھم و اذلا لھم فالذی سبق ذکرہ فی الآیۃ الاولی وھو منعھم من الخروج معہ الیٰ الغزوات سبب قوی من اسباب اذلالھم واھانتھم وھذاالذی ذکرہ فی ھذہ الآیۃ وھو منع الرسول من ان یصلی علیٰ من مات منھم سبب اخر قوی فی اذلالھم و تخذیلھم"۔ "اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ منافقین کے رسوا کرنے، اہانت کرنے، ذلیل کرنے کی کوشش کریں تو آیت گزشتہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں جانے کی ممانعت کرنا، ایک قوی سبب ان کے ذلت وا ہانت کا ہے اور جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی نبی ﷺ کو ان کی نماز جنازہ سے روک دینا، ان کی تذلیل و رسوائی کا دوسرا قوی سبب ہے"۔

(چہارم) مسلمان میت کی قبر کی زیارت کرنا اور اس جگہ ٹھہرنا

قال تعالی: وَ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ (سورہ براءہ رکوع ۱۱)

تفسیر بیضاوی میں ہے: "ولا تقف عند قبرہ للدفن اوللزیارۃ"۔

حاشیہ قنوی علی البیضاوی جلد ۴ ص ۱۷ میں ہے: "ای النھی عن القیام نھی عن الوقوف مطلقا کنایۃ اومجاز اوکان ﷺ یقوم علیٰ قبورالمنافقین ویدعولھم ثم نھی عن ذلك حین مات رئیس المنافقین"۔ "قیام سے ممانعت مطلقاً ٹھہرنے سے کنایتاً یا مجازاً ممانعت ہے اور حضور اقدس ﷺ پہلے منافقین کی قبروں پر بھی ٹھہرتے اور ان کے لئے دعا کرتے تھے۔ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی مرا تو اس سے ممانعت ہوگئی"۔

تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۷۱۰ میں ہے: "ثم قال و لا تقم علیٰ قبرہ وفیہ و جھان۔ الاول قال الزجاج کان رسول اللہ ﷺ اذادفن المیت وقف علیٰ قبرہ و دعالہ فمنع ھھنا منہ الثانی قال الکلبی لا تقم باصلاح مھمات قبرہ"۔ "آیت کریمہ ولا تقم علیٰ قبرہ کی دو تفسیریں ہیں۔ اول زجاج نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب کسی میت کو دفن کرتے، اس کی قبر پر ٹھہرتے اس کے لئے دعا کرتے تو اس سے منع کر دیئے گئے کہ مہمات قبر کی اصلاح کے لئے آپ منافقوں کی قبر پر نہ ٹھہریں"۔

تفسیر ابوسعود جلد ۴ ص ۷۰۲ میں ہے: "ای لا تقف علیہ للدفن اوللزیارۃ اوللدعاء"۔ "منافق کی قبر پر آپ کھڑے نہ ہوں، نہ دفن کے لئے، نہ زیارت کے لیے، نہ دعا کے واسطے"۔

تفسیر روح البیان جلد ۲ ص ۵۵۹ میں ہے: "ولا تقم علیٰ قبرہ ای لاتقف عند قبرہ للدفن اوللزیارۃ والدعاء وکان النبی ﷺ اذادفن المیت وقف علیٰ قبرہ ودعالہ انھم کفرو اباللہ و رسولہ تعلیل

للنهی علیٰ ان الا ستغفار للمیت والو قوف علیٰ قبره انما یکون لا ستصلا حه و ذلك مستحیل فی حقهم لا نهم استمر وا علیٰ الكفر بالله و برسوله مدة حیاتهم قال الحافظ۔

بہ آب کوثر وزمزم سفید نتواں کرد گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

آیت کریمہ ولا تقم علی قبرہ کے یہ معنی ہیں کہ آپ منافق کی قبر پر نہ ٹھہریں دفن یا زیارت اور دعا کے لئے اور حضور اقدس علیہ السلام کی عادت کریمہ تھی کہ جب مردہ دفن کیا جاتا تو اس کی قبر پر ٹھہرتے اور اس کے لئے دعا کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد انھم کفروا باللہ و رسولہ اس نہی کی علت ہے۔ اس لئے کہ میت کے لئے استغفار اور اس کی قبر پر ٹھہرنا، اس کی اصلاح کے لئے ہوتا ہے اور یہ منافقوں کے حق میں محال ہے، چونکہ وہ مدۃ العمر اللہ و رسول کے ساتھ کفر پر مستمر رہے، جیسا کہ حضرت حافظ شیرازی فرمایا۔

''جس کے نصیبے کے گلیم کی بنت ہی سیاہ ہو، اسے کوثر وزمزم کا پانی بھی سفید نہیں کرسکتا۔ ۱۲ ساحل''۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ان سیہ بختان قسمت کے حق میں ان کے کفر کے سبب غیر مفید ہونے کی وجہ سے جب قبر پر ٹھہرنا منع کردیا گیا تو مسلمانوں کے لئے وہ حکم بدستور باقی رہا چونکہ ان کے لئے مفید ہے۔

بالجملہ قرآن شریف کی ان آیات کریمہ سے ایصال ثواب کے چار طریقے ثابت ہوئے۔ اول دعائے مغفرت، دوم دعائے رحمت، سوم نماز جنازہ چہارم قبر پر ٹھہرنا اور دعا کرنا۔ ان میں نماز جنازہ کی ترکیب تو مفصل طریقے پر کتب فقہ میں مذکور ہے۔ رہا دعائے مغفرت و دعائے رحمت کرنا اور قبر پر ٹھہرنا تو قرآن شریف میں اس کا مفصل بیان مذکور نہیں کہ کس طرح دعا کرنی چاہئے اور اس کے آداب و شرائط کیا ہیں؟ لیکن اہل علم وفہم پر مخفی نہیں کہ جب یہ دعا ہے تو جو آداب و شرائط دعا کے اپنی جگہ مرقوم و مکتوب ہیں، اس دعا کے لئے بھی ان کا لحاظ ضروری ہے۔ وہ بہت امور ہیں جن کا مفصل بیان اعلیٰ حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز کی مستقل تصنیف ''احسن الوعاء لآداب الدعاء'' اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت شیخ الاسلام والمسلمین (۱۳۴۰ھ) سیدی مرشدی مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ القوی کے حاشیہ مسمی بہ ''ذیل المدعا لاحسن الوعا'' میں مذکور ہے۔ اگر ان سب امور کا لحاظ نہ کرسکیں تو کم از کم دو تین بات کا خیال کرنا ضروری ہے تاکہ جو دعا کریں، امید قبولیت قوی ہو۔

اوّل: کچھ سورتیں یا آیتیں قرآن شریف کی پڑھیں کہ قرآن شریف پڑھنے کے بعد دعا قبول ہوتی ہے

کنز العمال جلد اص ۱۲۹ ہے: ''عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان لقاری القرآن دعوة مستجا بة فان شاء صاحبها عجلها فی الدنیا و ان شاء اخرها الیٰ الآخرة''(رواہ بن

marfat.com

امردویہ)''قرآن شریف پڑھنے والے کی دعا قبول ہوتی ہے تو اگر چاہے دنیا میں جلد لے لے اور اگر چاہے آخرت کے لئے موخر کرے''۔

اسی میں ہے ص۱۳۲:''عن ابی امامة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ خیر کم من قرء القران واقراٗہ لحامل القرآن دعوة مستجابة یدعو بھا فیستجاب له ''(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)''تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف پڑھے اور قرآن شریف پڑھائے اور حافظ قرآن کی دعا مستجاب ہوتی ہے جو دعا کرتا ہے قبول کی جاتی ہے''۔

اسی میں ہے ص۱۳۳:''عن عمران ابن حصین قال قال رسول اللہ ﷺ من قرء القرآن فلیسا ل اللہ به فانه سیاتی اقوام یقرؤن القرآن ویسألون به الناس''(رواہ ابن ابی شیبة والطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی شعب الایمان) ''جو شخص قرآن شریف پڑھے، اسے چاہئے کہ خداوند عالم سے اس کے وسیلے سے سوال کرے اس لئے کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو قرآن پڑھے گی اور لوگوں سے اس کے ذریعے سوال کرے گی''۔

اب رہی یہ بات کہ کون کون سورہ پڑھے۔کون کون آیتیں پڑھے؟اس میں اختیار ہے۔کوئی خاص سورہ ضروری نہیں۔ہاں!جن جن سورتوں کا ثواب خصوصیت کے ساتھ مذکور ہے، جیسے سورۂ فاتحہ یا اول وآخر بقرہ، آیۃ الکرسی،سورہ یٰسین،انا اعطینا،قل یایھا الکفرون،قل ھو اللہ،معوذتین وغیرہا ان کا پڑھنا افضل واعلیٰ ہے۔

کنز العمال جلد۱ص۱۳۹ میں ہے:''عن ابی رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ ماانزل اللہ فی التوریة والانجیل مثل ام القران وھی السبع المثانی''(روداہ الترمذی والنسائی)''توریت و انجیل میں کوئی سورہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کے مثل نہیں نازل کی اور یہ سبع مثانی ہے''۔

اسی میں ہے ص۱۳۹:''عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ ﷺ فاتحة الکتاب تجزی مالا تجزی شیء من القرآن ولوان فاتحة الکتاب جعلت فی کفة المیزان وجعل القرآن فی الکفة الاخری لفضلت فاتحة الکتاب علیٰ القران سبع مرات''(رواہ الدیلمی مسند الفردوس)''سورہ فاتحہ اس کام میں کفایت کرتی ہے کہ کوئی چیز قرآن سے کفایت نہیں کرتی اور اگر سورہ فاتحہ ایک پلہ میں رکھی جائے اور بقیہ قرآن دوسرے پلہ میں تو سورۂ فاتحہ اس سے سات گنا زیادہ ہو۔اس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کیا ہے''۔''وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ افضل القرآن الحمد اللہ رب الغلمین''(رواہ الحاکم والبیھقی فی شعب الایمان) سورۂ فاتحہ قرآن شریف میں سب سے افضل ہے''۔

اسی میں ہے:''عن ابی امامة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ اربع انزلت من کنز

marfat.com

تحت العرش ام الکتاب وایۃ الکرسی و خواتیم البقرۃ و الکوثر "(رواہ الطبرانی فی الکبیر وابو الشیخ وا الضیاء)" چار سورتیں ہیں جو اس خزانہ سے نازل کی گئیں جو عرش کے نیچے ہے سورۂ فاتحہ آیۃ الکرسی خواتیم سورۂ بقرہ اور سورۂ کوثر"۔

اسی میں ہے ص ۱۴۰: "عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم لکل شیء سنام وان سنام القرآن سورۃ البقرۃ وفیھا ایۃ ھی سیدہ ای القرآن آیۃ الکرسی "(رواہ الترمذی)" ہر چیز کے لئے چوٹی ہے اور قرآن شریف کی چوٹی سورۂ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت ہے جو قرآن کی تمام آیتوں کی سردار ہے یعنی آیۃ الکرسی"۔

اسی میں ہے ص ۱۴۱: "عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سورۃ البقرۃ فیھا ایۃ سیدہ ای القران لا تقرء فی بیت وفیہ شیطان الا خرج منہ ایۃ الکرسی"۔ "سورہ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآن کے تمام آیتوں کی سردار ہے۔ نہیں پڑھی جائے گی یہ آیت کسی ایسے گھر میں جس میں شیطان ہو مگر اس کی برکت سے شیطان دفع ہو جائے گا، وہ آیت الکرسی ہے"۔

اسی میں ہے ص ۱۴۴: "عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان لکل شیء قلب وقلب القرآن یٰس۔ من قراء یٰس کتب لہ بقرآءتہ قرآءۃ القران عشر مرات"۔ "ہر چیز کے لئے دل ہوتا ہے اور قرآن شریف کا دل سورہ یٰس ہے جو شخص سورہ یٰس پڑھے۔ اس کے لئے اس کے پڑھنے کا اجر و ثواب دس مرتبہ قرآن شریف پڑھنے کے برابر لکھا جائے گا"۔

اسی میں ص ۱۴۴ پر ہے: "من قرء یٰس ابتغاء وجہ اللہ غفر اللہ لہ ما تقدم من ذنبہ فاقرء وھا عند موتاکم (رواہ البیھقی فی شعب الایمان عن معقل بن یسار)"۔ "جو شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کو لئے سورہ یٰس پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے اگلے گناہ بخش دے گا تو اس سورہ کو اپنے مردوں کے پاس پڑھا کرو"۔

اسی میں ہے: "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ ﷺ قل یاایھا الکفرون تعدل ربع القرآن" (رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم)۔ "قل یاایھا الکفرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے"۔

اور قل ھو اللہ احد کا تو کیا کہنا کے اس کے فضائل اظہر من الشمس ہیں۔

کنز العمال جلد اول ص ۱۴۵ میں ہے: "عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ قل ھو اللہ احد تعدل ثلث القران۔ (رواہ الامام مالک والامام احمد والبخاری وابو داؤد الترمذی ورواہ مسلم عن ابی الدرداء و رواہ الترمذی وا بن ماجۃ عن ابی ھریرۃ و رواہ النسائی

marfat.com

عن ابی ایوب و رواہ الامام احمد و ابن ماجة عن ابی مسعود الانصاری و رواہ الطبرانی عن ابن مسعود و رواہ البزار عن جابر و ابی عبیدة عن ابن عباس رضی اللہ عنھم اجمعین"۔
"ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قل ھو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اس کو امام مالک اور امام احمد اور بخاری اور ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے ابودرداء سے روایت کیا اور روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے اور روایت کیا اس کو نسائی نے ابوایوب سے اور روایت کیا اس کو امام احمد اور ابن ماجہ نے ابومسعود انصاری سے اور روایت کیا اس کو طبرانی نے ابن مسعود سے اور روایت کیا اس کو بزار نے جابر اور ابوعبیدہ سے اور انہوں نے ابن عباس سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین"۔
اسی میں ہے: "عن عقبة بن عامر قال قال رسول اللہ ﷺ انزل علی ایات لم یر مثلهن قط قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس (رواہ الامام احمد و الترمذی و النسائی) و فی روایة اقرء المعوذتین فانك لن تقرء مثلها"۔ (رواہ الطبرانی عنه) و فی روایة یا عقبة الا اعلمك خیر سورتین قرء تا قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس یا عقبة اقرء بهما کلما نمت و قمت ما سئال سائل و لا استعاذ مستعیذ بمثلهما" (رواہ الامام احمد و النسائی و الحاکم عن عقبت بن عامر)۔ "مجھ پر چند آیتیں نازل ہوئیں کہ ان کے مثل کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔ وہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں۔ معوذتین پڑھا کرو، اس لئے کہ تم ہرگز ان کے مثل نہ پڑھو گے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں بے مثل ہیں"۔ ایک روایت میں ہے: اے عقبہ! کیا میں تمہیں دو بہترین صورتیں نہ بتاؤں قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس۔ اے عقبہ، ان دونوں سورتوں کو پڑھو جب سوؤ اور جب کھڑے ہو۔ نہیں سوال کیا کسی کرنے والے نے اور نہ پناہ پکڑا کسی پناہ پکڑنیوالے نے کسی چیز کے ساتھ جو مثل ان دو سورتوں کے ہو یعنی یہ دونوں ہر چیز سے بہتر ہیں"۔
دوم: اول و آخر درود شریف پڑھیں کہ دعا آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک رسول اللہ ﷺ اور ان کی آل پر درود شریف نہ پڑھی جائے۔
کنز العمال جلد اول ص ۱۲۳ میں ہے: "عن علی کرم اللہ وجهه کل دعاء محجوب حتیٰ یصلی علی النبی ﷺ"۔ (رواہ البیهقی فی شعب الایمان و رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه)۔ "بیہقی شعب الایمان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے راوی۔ ہر دعا اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہونے سے رکی ہوئی ہوتی ہے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھے"۔
اسی میں ص ۲۱۳ ہے: "عن سعید بن المسیب عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنهما قال ان

الدعاء موقوف بین السماء والارض ولا یصعد منه شیء حتیٰ تصلی علیٰ نبیك صلی الله علیه و سلم۔ رواه الترمذی قال الحافظ العراقی فی شرحه وهوان کان موقوفاعلیه فمثله لایقال من قبل الرائي وانما هوامر توقیفی فحکمه حکم المرفوع کماصرح به جماعة من الائمة اهل الحدیث والاصول"۔ ''حضرت سعید بن میتب، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ دعا آسمان وزمین میں رکی ہوئی رہتی ہے، وہ اوپر بلند نہیں ہوتی جب تک رسول اللہ ﷺ پر درود شریف نہ بھیجا جائے۔اسے ترمذی نے روایت کیا، حافظ عراقی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگر چہ موقوف ہے مگر ایسی بات اپنی عقل سے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا ہے۔یہ تو شارع ہی کی طرف سے معلوم ہوسکتا ہے۔اس لئے اس کا حکم حدیث مرفوع کا ہے، جیسا کہ ائمہ حدیث و علمائے اصول نے تصریح فرمائی۔

"عن عمر قال ذکرلی ان الدعاء یکون بین السماء والارض لایصعد منه شیء حتی یصلی علیٰ النبی صلی الله علیه وسلم رواه ابن راهویه بسند صحیح"۔ ''محدث ابن راہویہ نے صحیح سند سے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔مجھ سے ذکر کیا گیا کہ دعا آسمان وزمین کے درمیان رہتی ہے، بلند نہیں ہوتی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ بھیجا جائے''۔

"عن عمر قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذادعا الداعی فان الدعاء موقوف بین السماء والارض فاذاصلیٰ علیٰ النبی صلی الله علیه واله وسلم رفع رواه الدیلمی وعبد القادر الرهاوی فی الاربعین وقال وروی عن عمر موقوفا من قوله وهوا صح من المرفوع"۔ ''حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو اس کی دعا آسمان وزمین کے درمیان ٹھہری رہتی ہے۔جب نبی صلی اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہے تب وہ بلند ہوتی ہے۔اس حدیث کو دیلمی اور عبدالقادر رہاوی نے اربعین میں روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حضرت عمر سے موقوفا بھی مروی ہے اور وہ باعتبار سند، مرفوع سے اصح ہے''۔

اسی میں ص ۲۱۴ ہے: ''عن علی رضی الله عنه قال کل دعا محجوب عن السماء حتیٰ یصلی علیٰ محمد و علیٰ ال محمد رواه عبید الله بن ابی حفص العیشی فی حدیثه و عبدالقادر الرهاوی فی الاربعین والطبرانی فی الکبیر و البیهقی فی شعب الایمان"۔ ''کوئی دعا آسمان تک نہیں جاتی، جب تک محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوران کی آل پر درود شریف نہ پڑھا جائے''۔۱۲ ساحل۔

اس حدیث میں علی محمد کے بعد وعلیٰ آل محمد زائد ہے۔اس لئے بہتر یہی ہے کہ درود شریف کامل پڑھے جس

marfat.com

میں آل واصحاب سب کا ذکر ہو۔

سوم: دعا سے پہلے کوئی عمل صالح کرے کہ خداوند عالم کی رحمت اسکی طرف متوجہ ہو

خصوصاً صدقہ کہ اس باب میں اثر تمام رکھتا ہے: ”قال تعالیٰ: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْابَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰیکُمْ صَدَقَۃً (سورہ مجادلہ رکوع ۲)“

”مسلمانو جب تم رسول خدا سے مناجات کرنا چاہو تو قبل مناجات صدقہ دے لو“۔

تفسیر خازن جلد ۴ ص ۲۴۱ میں ہے: ”یعنی اذا اردتم مناجاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان الانسان اذاوجد الشئی بمشقۃ استعظمہ وان وجدہ بسھولۃ استحقرہ ونفع کثیر من الفقراء بتلک الصدقۃ المقدمۃ قبل المناجاۃ و مثلہ فی التفسیر الکبیر جلد ۸ ص ۱۶۶“۔ ”یعنی اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات کا ارادہ کرو تو قبل سرگوشی کرنے کے صدقہ دو اور اس صدقہ دینے کا فائدہ رسول سے مناجات کی تعظیم ہے۔ اس لئے کہ آدمی جب کسی چیز کو مشقت اٹھا کر حاصل کرتا ہے تو اس کی قدر ہوتی ہے اور جو چیز بے دردسر حاصل ہوتی ہے وہ بے قدر ہوتی ہے۔ دوسرا فائدہ اس صدقہ کا بہتیرے فقرا کو نفع پہنچانا ہے“۔

مقام غور ہے کہ جب رسول سے مناجات کی یہ قدر ہے تو خدا سے مناجات وعرض حاجات کی اہمیت کا مقتضیٰ اسی سے ظاہر ہے۔ یہ مانا کہ اب یہ حکم مامور ومفروض نہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ استحباب ومندوبیت میں کلام نہیں اور فقراء کو اس سے نفع پہونچنا تو ہر شخص آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے: یہی آیت مسلمانوں کے اس دستور اور معمول بہ کی اصل اصیل ہے کہ جب بزرگوں کے مزار پر فاتحہ وزیارت کے لئے جاتے ہیں تو شیرینی وغیرہ کوئی چیز فقراء پر تصدق کرنے کے لئے لے جایا کرتے ہیں۔ اب ان سب آیتوں اور حدیثوں کو عملاً جمع کرنے کے بعد ایصال ثواب کی بہترین صورت یہ ثابت ہوئی کہ جب کسی میت بزرگ یا خرد، استاد یا مشائخ کے لئے ایصال ثواب چاہیں تو قبر پر اس کے جائیں اور شیرینی وغیرہ صدقہ کے لئے لائیں پھر قرآن شریف کی سورتیں یا آیتیں پڑھیں پھر اول آخر درود شریف پڑھ کر اس میت کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید قبولیت کی ہے اور یہی طریقہ ہے جو سلفاً خلفاً مسلمانوں میں ایصال ثواب کا شائع ومروج ہے واللہ تعالیٰ علم۔

(جواب سوال دوم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہائے مبارک میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کے متعدد طریقے تھے، جن میں سے غور وتامل کے بعد اس وقت فقیر

marfat.com

کے خیال میں پچیس طریقے احادیث قولی وفعلی واقوال علمائے کرام سے صراحۃً ثابت ہوتے ہیں نیز اس وقت تک علما ومشائخ کے تعامل وتوارث سے ان کی تائید وتقویت ہوتی ہے۔ فاقول وباللہ التوفیق و بہ الوصول الیٰ ذریٰ التحقیق۔

پہلا طریقہ: سورہ یٰسین شریف پڑھنا ہے جس کا کرنا وقت احتضار ہی سے ثابت ہے

سنن ابی داؤد جلد۲ ص ۸۹ میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اقرء وایس علیٰ موتا کم'' (ورواہ ابن ماجۃ والنسائی واعلہ ابن القطان و صححہ ابن حبان)''۔ ''اپنے مردوں پر سورہ یٰس پڑھو''۔

مرقات شرح مشکوٰۃ جلد۲ ص۲۸۲ میں ہے: ''قال القرطبی حدیث اقرء وا علیٰ موتا کم یٰس ھذا یحتمل ان تکون عند قبرہ کذاذ کرہ السیوطی فی شرح الصدور''۔ ''علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اقراء و اعلی موتا کم یس اس حدیث کا دو مطلب ہے۔ اول یہ کہ مرنے والے کے پاس اس کی حیات میں پڑھی جائے اور دوسرا یہ کہ اس کی قبر پڑھی جائے۔ اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور میں ذکر کیا ہے''۔

''وعن معقل بن یسار قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرء یٰس ابتغاء وجہ اللہ غفر اللہ لہ ماتقدم من ذنبہ فاقرؤ ھا عند موتا کم''۔

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سورہ یٰس پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے سب گزشتہ گناہ معاف کردے تو تم اسے مردوں کے پاس پڑھا کرو''۔ (ورواہ البیہقی فی شعب الایمان، کنز العمال جلد اول ص ۱۴۴)

مرقات شرح مشکوہ جلد۲ ص۶۰۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ''(فاقرؤ ھا عند موتاکم) ای مشرفی الموت او عند قبور امواتکم فانھم احوج الیٰ المغفرۃ''۔ ''موتیٰ سے مراد وہ ہیں جو قریب مرگ ہیں یا یہ مطلب ہے کہ مردوں کی قبور کے پاس سورہ یٰس پڑھو۔ اس لئے کہ وہ لوگ مغفرت کے زیادہ تر محتاج ہیں۔

دوسرا طریقہ: میت کو چومنا اور بوسہ دینا

''عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللّٰہ عنہا قالت ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل عثمان بن مظعون وھو میت وھو یبکی حتی سال دموع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ وجہ عثمان'' (رواہ ابو داؤ دالترمذی وا بن ماجۃ ورواہ ابوداؤد الطیالس ی الیٰ ص ۲۰۱ قولہ وھو میت)۔ ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا جبکہ وہ مردہ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے تھے، یہاں تک کہ حضور کے آنسو حضرت عثمان کے چہرے پر بہے''۔

marfat.com

''وعنها قالت اقبل ابو بکر رضی اللّٰہ عنہ علیٰ فرسہ من مسکنہ بالسخ حتی نزل فد خل المسجد فلم یکلم الناس حتی دخل علیٰ عائشہ رضی اللّٰہ عنہا فتیمم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو مسجی ببرد جرۃ فکشف عن وجھہ ثم اکب علیہ فقبلہ فبکی الحدیث'' ۔(رواہ البخاری وروی الترمذی وابن ماجۃ وابو دائود الطیالسی ص ۲۳۷ و مثلہ مختصر اولفظ ابی دائود فقبل جبھتہ و عنھا ان ابابکر قبل بین عینی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھومیت (رواہ النسائی فی باب تقبیل المیت واین یقبل منہ)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر اپنے مکان سے جو سخ میں واقع تھا آئے، یہاں تک کہ گھوڑے سے اترے، مسجد میں داخل ہوئے تو کسی سے کلام نہ کیا، یہاں تک کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لائے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد فرمایا اور آپ بردیمانی اوڑھادیئے گئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کا چہرہ مبارک کھولا اور آپ کی طرف جھکے پس آپ کو بوسہ دیا اور روئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اس حال میں کہ آپ وصال فرما چکے تھے۔

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری جلد۴ ص ۱۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ''فیہ جواز تقبیل المیت بفعل ابی بکررضی اللہ عنہ و کان ابو بکر فی تقبیلہ النبی ﷺ لم یفعلہ الا قدوۃ بہ علیہ الصلوۃ والسلام لما روی الترمذی مصححا ان رسول اللہ ﷺ دخل علیٰ عثمان بن مظعون وھو میت فاکب علیہ وقبلہ ثم بکی حتی رایت الدموع تسیل علیٰ وجنتیہ''۔ ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو بوسہ دینا جائز ہے بوجہ فعل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو نہیں کیا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اقتدا سے، جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا اور اس حدیث کو صحیح بتایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن مظعون کے پاس ان کے انتقال کے بعد تشریف لے گئے اور ان پر جھکے اور بوسہ دیا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ حضور کے آنسو دونوں رخساروں پر بہہ رہے ہیں۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر کہتا ہے۔ شاید مسلمانوں میں بوسہ قبر کا رواج اسی حدیث کی بنا پر ہوا ہو کہ زائر کی خواہش دلی تو یہ ہوتی ہے کہ صاحب مزار کو بوسہ دے لیکن جب وہ متعذر ہے تو اوپر ہی سے بوسہ دے لینا کافی خیال کرتا ہے اور جس طرح قبر کی مٹی مردے کے دیکھنے اور زائر کا کلام سننے میں حارج نہیں، اسی طرح بوسہ دینے میں بھی مانع نہیں۔ اس لئے کہ قبر کی مٹی ان لوگوں کے لئے بمنزلہ شیشہ کے ہے۔

marfat.com

علامہ مرتضی زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۷ میں فرماتے ہیں: "قال الحافظ ابن رجب انبانی علی بن عبدالصمد بن احمد البغدادی عن ابیہ قال اخبرنی قسطنطین بن عبداللہ الرومی سمعت اسد بن موسیٰ یقول کان لی صدیق فمات فرائیتہ فی المنام وھو یقول سبحان اللہ جئت الیٰ قبر فلان صدیقک قرأت عندہ و ترحمت علیہ و انا ماجئت الی ولا قربتنی قلت لہ و ماید ریک قال لماجئت الیٰ قبر صدیقک فلان رایتک قلت کیف رائیتنی والتراب علیک قال مارایت الماء اذا کان فی الزجاج مایبین قلت بلیٰ قال فکذالک نحن نریٰ من یزورنا"۔ "حافظ ابن رجب اپنی سند کے ساتھ اسد بن موسیٰ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے تھے کہ میرے ایک دوست کا انتقال ہوگیا۔ اس کو خواب میں دیکھا کہ کہتا ہے سبحان اللہ! تم فلاں دوست کی قبر کے پاس اس کی زیارت کو آئے اور قرآن شریف پڑھا اور رحمت کی دعا کی اور نہ میرے پاس آئے اور نہ نزدیک ہوئے؟ میں نے ان سے پوچھا، تمہیں کیا معلوم؟ اس نے کہا کہ جب اپنے فلاں دوست کے پاس آئے تو میں نے تم کو دیکھا۔ میں نے کہا، تم نے مجھ کو کیسے دیکھا تم پر تو مٹی کا انبار تھا؟ کہا کہ تم نے نہیں دیکھا، پانی جب شیشہ میں ہوتا ہے کیا نہیں ظاہر ہوتا؟ میں نے کہا کیوں نہیں کہا کہ اسی طرح ہم اس کو دیکھتے ہیں جو ہماری زیارت کو آئے"۔

اس بوسہ قبر کی مثال ویسی ہی ہے کہ عام طور پر مسلمان قرآن شریف کو غلاف و جزودان کے ساتھ بوسہ دیتے ہیں۔ یہ بوسہ غلاف و جزدان کے کپڑے کو کوئی نہیں سمجھتا بلکہ قرآن شریف کو بوسہ دینا سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح قبر کے اوپر بوسہ اس بزرگ کو بوسہ دینا خیال کیا جائے ولنعم من قال ؎

اگر بوسہ بر قبر مرداں زنی بمردی کہ پیش آیدت روشنی

علاوہ ازیں افعال صحابہ کرام سے بھی بوسہ قبر کی اصلیت معلوم ہوتی ہے۔

ابن عساکر بسند جید ابو درداء رضی اللہ عنہ سے راوی: "لما رحل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ من فتح بیت المقدس فصار الی جابیۃ سألہ بلال ان یقرہ بالشام ففعل و ذکر قصۃ نزولہ بداریا قال ثم ان بلالا رائی النبی ﷺ وھو یقول ماھذہ الجفوۃ یابلال! اما آن لک ان تزورنی یا بلال! فانتبہ حزینا وجلا خائفا فرکب راحلتہ وقصد المدینۃ واتیٰ قبر النبی ﷺ فجعل یبکی عندہ و یمرغ وجھہ علیہ فاقبل الحسن والحسین رضی اللہ عنھما فجعل یضمھما و یقبلھما الخ"۔ "جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس فتح کرکے واپس ہوئے اور جابیہ پہونچے تو حضرت بلال نے کہا کہ ان کو شام میں مقرر کریں۔ امیر المومنین نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد راوی نے ان کے وہاں پہونچنے اور داریا میں اترنے کا واقعہ بیان کیا

marfat.com

اور کہا کہ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اے بلال یہ کیا ظلم ہے؟ تیرے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ تو میری زیارت کو آئے؟ اس خواب کو دیکھ کر وہ بہت پریشان، خوفزدہ ہو کر بیدار ہوئے اور راحلہ پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ کا قصد کیا۔ جب مدینہ پہونچے تو روضۂ مطہرہ پر حاضر ہوئے۔ قبر شریف کے پاس پہونچ کر رونے اور اپنا چہرہ قبر انور پر ملنے لگے۔ اتنے میں حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ پس حضرت بلال ان دونوں کو لپٹانے اور چومنے لگے''۔ (وفاء الوفا باخبار دار المصطفےٰ جلد۲ص ۴۰۸)۔

اگر بوسہ قبر مطلقاً ناجائز ہوتا تو حضرت بلال کے یمرغ وجھہ علیہ کے کیا معنی ہوں گے کہ یہ تو اس سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

اسی میں ہے:''قال العزفی کتاب العلل والسوالات لعبداللہ بن احمد بن حنبل عن ابیہ روایۃ علی بن الصوف عنہ قال عبداللہ سألت ابی عن الرجل یمس منبر رسول اللہ ﷺ ویتبرک بہ ویقبلہ ویفعل بالقبر مثل ذلک رجاء ثواب اللہ تعالیٰ قال لا باس بہ''۔''عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت امام احمد بن حنبل سے پوچھا اس شخص کے بارے میں جو رسول اللہ ﷺ کے منبر کو مس کرتا اور اس کو بوسہ دیتا ہے اور قبر مبارک کے ساتھ بھی یہی کرتا یعنی بوسہ دیتا اور مس کرتا اور اسی میں خداوند عالم سے ثواب کی امید رکھتا ہے (اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟)۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں حرج نہیں۔

وفا، الوفا جلد۲ص ۴۴۳ میں ہے: ابوالحسین یحییٰ بن حسین اخبار مدینہ میں تحریر فرماتے ہیں:''اقبل مروان بن الحکم فاذار جل ملتزم القبر فاخذ مروان برقبتہ ثم قال ھل تدری ماتصنع؟ فاقبل علیہ فقالہ نعم انی لم ات الحجر ولم آت اللبن انماجئت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتبکوا علیٰ الدین اذاولیہ اھلہ ولکن ابکوا علیہ اذاولیہ غیر اھلہ قال الحنطب و ذلک الرجل ابو ایوب الانصاری''۔''مروان بن الحکم روضہ اقدس پر حاضر ہوا۔ دیکھا کہ ایک شخص قبر مبارک کو لپٹا ہوا ہے۔ مروان نے ان کی گردن پکڑی اور پوچھا تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو؟ وہ شخص اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہاں میں پتھر کے پاس نہیں آیا اور نہ اینٹ کے پاس آیا ہوں۔ میں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں۔ مت رؤو دین پر جب اہل اس کے والی ہوں، البتہ اس وقت رؤو جب نااہل والی ہوں۔ مطلب بن عبداللہ بن حنطب راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص جو قبر مبارک کو لپٹے ہوئے تھے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے''۔

وفاء الوفا جلد۲ص ۴۴۳ میں ہے: حضرت امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی:''لمار مس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاءت فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوقفت علیٰ قبرہ صلی

marfat.com

الله علیه و سلم واخذت قبضة من تراب القبرو وضعت علیٰ عینیها و بکت وانشاء ت تقول"۔

ماذا علیٰ من شم تربة احمد　　ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائبٌ لو انها　　صبت علیٰ الا یام صرن لیا لیا

"جب حضور اقدس صلی اللہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں۔ قبر مبارک کے پاس کھڑی ہوئیں اور تھوڑی سی خاک پاک قبر مبارک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لے کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور رونے لگیں اور یہ دو شعر پڑھے۔ جس شخص نے روضۂ اقدس کی خاک پاک سونگھنے کا شرف حاصل کیا ہو، اگر زمانہ تک کوئی خوشبو نہ سونگھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مجھ پر ایسی مصیبتیں گزریں کہ اگر دنوں پر وہ مصیبتیں پڑتیں تو مارے غم کے دن رات ہو جاتے"۔

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۱۴۴۴ ہی میں ہے: "وذکر الخطیب ابن حملة ان ابن عمر رضی الله عنهما کان یضع یده الیمنیٰ علیٰ القبر الشریف و ان بلالا رضی الله عنه وضع خدیه علیه ایضا"۔ "خطیب بن حملہ نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر اپنا دایاں ہاتھ قبر شریف پر رکھتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما نے اپنے دونوں رخساروں کو بھی قبر مبارک پر رکھا"۔

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۱۴۴۴ میں ہے: "قال الحافظ ابن حجرا ستنبط بعضهم من مشر وعیة تقبیل الحجر الاسود جواز تقبیل کل من یستحق التعظیم من آدمی و غیره فاماتقبیل یدآدمی فسبق فی الادب واما غیره فنقل عن احمد انه سئل عن تقبیل منبر النبی صلی الله علیه و سلم و قبره فلم یربه بـاسأ واستبعد بعض اتبا عه صحته عنه و نقل عن ابن ابی الصیف الیمانی احد علماء مکة من الشا فعیة جواز تقبیل الصحف واجزاء الحدیث و قبور الصالحین وانشد"۔

امر علی الدیار دیار لیلیٰ　　اقبل ذاالجدار و ذا الجدار

وما حب الدیار شغفن قلبی　　ولکن حب من سکن الدیار

و نعم من قال۔

چوں بگزری اے باد بصحرائے مدینہ　　یاد آر ازیں عاشق شیدائے مدینہ

کن عرض سلام بہ نیاز یکہ تو داری　　بر کوچہ و بازار و مکانہائے مدینہ

"حافظ ابن حجر نے تقبیل حجر اسود کے مشروع ہونے سے ہر اس چیز کے بوسہ کا جواز ثابت کیا ہے جو مستحق تعظیم ہے، خواہ آدمی ہو یا غیر آدمی لیکن آدمی کے ہاتھ کا چومنا ادب میں گذر۔ الیکن غیر انسان کا بوسہ تو امام احمد سے

marfat.com

منقول ہے کہ ان سے منبر نبوی وقبر مبارک کے بوسہ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مضائقہ نہیں مگر بعض اتباع امام احمد نے اس کا انکار کیا۔ ابن ابی الصیف یمانی شافعی عالم سے منقول ہے کہ آپ نے قرآن شریف کا چومنا، اجزائے حدیث کا چومنا اور صالحین کے قبر کا بوسہ جائز رکھا اور طیب ناشری نے محب طبری سے نقل کیا کہ قبر کو بوسہ دینا اور اس کو چھونا جائز ہے اور کہا کہ اسی پر علما صالحین کا عمل ہے اور یہ شعر پڑھا: میں گذرتا ہوں گھروں پر یعنی لیلیٰ کے گھروں پر تو بوسہ دیتا ہوں اس دیوار کو اور اس دیوار کو اور ان گھروں کی محبت میرے دل میں نہیں کبھی لیکن اس کی محبت جو ان گھروں میں رہتا ہے"۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد۴ص ۶۰۷ میں فرماتے ہیں: "واما تقبیل الاماکن الشریفة علیٰ قصد التبرک و کذلک تقبیل ایدی الصالحین وارجلهم نهو حسن محمود باعتبار القصد والنیة وقد سأل ابوهریرة رضی الله عنه ان یکشف له المکان الذی قبله رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو سرته فقبله تبرکا باثاره وذریته صلی الله علیه وسلم وقد کان ثابت البنانی لایدع یدانس رضی الله عنه حتی یقبلها و یقول: ید مست یدرسول الله صلی الله علیه وسلم و قال ایضاو اخبرنی الحافظ ابو سعید بن العلائی قال رایت فی کلام احمد بن حنبل فی جزء قدیم علیه خط بن ناصر و غیره من الحفاظ ان الامام احمد سئل عن تقبیل قبر النبی صلی الله علیه وسلم و تقبیل منبره قال لا باس به قال فاریناه للشیخ تقی الدین ابن تیمیه فصار یتعجب من ذلك و یقول عجبت احمد عندی جلیل یقوله هذ کلامه اومعنی کلامه وقال وای عجب فی ذلك وقدروینا عن الامام احمد انه غسل قمیصاللشافعی و شرب الماء الذی غسله به واذا کان هذا تعظیمه لاهل العلم فکیف بمقادیر الصحابة و کیف بآثار الانبیاء علیهم الصلوة والسلام"۔

"ہمارے شیخ زین الدین نے فرمایا کہ متبرک مقامات کا بقصد تبرک بوسہ دینا اور اسی طرح بزرگوں کے ہاتھ پاؤں کو چومنا بہتر اور پسندیدہ ہے باعتبار قصد اور نیت کے اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اس جگہ کو کھولئے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا تھا اور وہ جگہ ناف ہے۔ پس حضرت ابو ہریرہ نے اس جگہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور ذریت کے ساتھ برکت لینے کے لئے بوسہ دیا اور ثابت بنانی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ اس پر بوسہ دیتے اور کہتے کہ یہ وہ ہاتھ ہے جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مس کیا ہے اور فرمایا کہ مجھے حافظ ابو سعید ابن علائی نے خبر دی کہ میں امام احمد ابن حنبل کا کلام ایک پرانے جز میں دیکھا، جس پر علامہ ابن ناصر وغیرہ حفاظ کی تحریر ہے کہ امام احمد ابن حنبل سے کسی

marfat.com

نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور منبر شریف کو بوسہ دینے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں حرج نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کو دکھایا، وہ تعجب کرنے لگے اور کہتے کہ تعجب ہے امام احمد بن حنبل میرے نزدیک بزرگ ہیں۔ وہ ایسی بات کہتے ہیں۔ یہ کہا یا اس کے مثل کہا۔ میرے شیخ نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ہمیں امام احمد بن حنبل سے روایت پہونچی ہے کہ انہوں نے امام شافعی کا کرتا دھویا اور اس کا سالہ پیا تو جب وہ اہل علم کی اس قدر عزت و تعظیم کرتے ہیں تو صحابہ کی تعظیم کی قدر کو کون بتا سکتا ہے پھر آثار انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم کا کیا کہنا''۔

تیسرا طریقہ: کسی بزرگ کے پہنے ہوئے متبرک کپڑے میں کفن دینا

"عن ام عطیة الانصاریة رضی اللہ عنہا قالت دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین توفیت ابنته فقال اغسلنها ثلاثا او خمسا او اکثر من ذلک ان رایتن ذلک بماء وسدر واجعلن فی الآخرة کافورا او شیئا من کافور فاذا فرغتن فاذننی فلما فرغنا اذناه فاعطانا حقوه فقال اشعرنها ایاه تعنی ازاره"۔

''حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ جس وقت حضور کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ خالص پانی یا بیر کے پتے جوش دئے ہوئے پانی سے تین یا پانچ مرتبہ غسل دو اور اگر ضرورت دیکھو تو اس سے زیادہ اور آخر میں کافور لگاؤ اور جب غسل دینے سے فارغ ہو تو مجھ کو خبر دو۔ وہ کہتی ہیں کہ جب ہم لوگ غسل دے کر فارغ ہوئے تو حضور کو خبر دی۔ حضور نے اپنا تہبند مبارک عنایت فرمایا کہ اسے متصل رکھو۔

(رواہ البخاری ج ۱ ص ۱۶۹ و مسلم و ابوداؤد و الترمذی و النسائی)

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۴۶ میں فرماتے ہیں: "والحکمة فیه التبرک بآثاره الشریفة وانما اخره الی فراغهن من الغسل ولم یناولهن ایاه اولا لیکون قریب العهد من جسده الشریف حتی لا یکون بین انتقاله من جسده الی جسدها فاصل وهو اصل فی التبرک بآثار الصالحین"۔ ''اس میں مصلحت برکت حاصل کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ کے ساتھ ہے اور حضور نے ان عورتوں کے غسل سے فارغ ہونے تک اس کو موخر کیا اور پہلے ہی سے عطانہ فرمادیا تاکہ قریب العہد آپ کے جسد مبارک سے ہو یہاں تک کہ حضور کے جسد مبارک سے اترنے اور حضرت کی صاحبزادی کی پہننے میں کوئی فاصل نہ رہے اور یہ حدیث آثار صالحین کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کی اصل اور دلیل ہے''۔

علامہ قسطلانی شرح بخاری جلد ۲ ص ۲۱۵ میں فرماتے ہیں: ''انما فعل ذلک لینالها برکة ثوبه''۔ ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لئے کیا تاکہ آپ کے لباس مبارک کی برکتیں انہیں پہونچیں''۔

marfat.com

امام نووی شرح مسلم ج ا ص ۲۰۵ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''والحکمة فی اشعار ھا به تبریکھا به ففیه التبرك بآثار الصالحین ولباسھم''۔ ''حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو تہبند مبارک پہنانے میں حکمت اس لباس کی سبب برکت دینا ہے''۔ تو اس حدیث میں آثار صالحین اور ان کے لباس سے برکت لینے کی دلیل ہے۔

بخاری شریف جلد اول ص ۱۴۱ میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جس میں ایک عورت کے چادر نذر دینے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیب تن فرمانے پھر ایک صحابی کے مانگنے پر قوم کے اعتراض کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ان صحابی رضی اللہ عنہم کا جواب مذکور ہے: ''قال انی واللہ ماسئالته لالبسه انما سئالته لتکون کفنی قال سھل فکانت کفنه''۔ ''سائل نے کہا کہ بخدا میں نے زندگی میں پہننے کے لئے اسے نہیں مانگا بلکہ اس لئے کہ یہ متبرک کپڑا حضور کا پہنا ہوا کپڑا میرا کفن ہو''۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ واقعی وہ چادر ان کے کفن میں دی گئی۔

علامہ عینی جلد ۴ ص ۱۷۰ میں اس کی شرح میں اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''وفیه التبرك باثار الصالحین وفیه برکة مالبسه مما یلی جسده''۔ ''اس حدیث میں برکت لینا ہے آثار صالحین کے ساتھ اور نیز اس حدیث میں اس کپڑے کا متبرک ہونا ہے جو حضور کے جسد مبارک سے نزدیک ہوا ہے''۔

''وروی ابن عبدالبر عن ابن عباس قال لماماتت فاطمة ام علی بن ابی طالب البسھا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قمیصه واضطجع معھافی قبرھا فقالو امارائناك صنعت ما صنعت بھذہ فقال انه لم یکن احد بعد ابی طالب ابرلی منھا انما البستھا قمیصی لتکسی من حلل الجنة واضطجعت معھالیھون علیھا'' وفاء الوفا جلد ۲ ص ۸۸۔

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت علی کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص مبارک ان کو پہنائی اور ان کے ساتھ قبر میں لیٹے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حضور نے آج وہ بات کی جو کبھی نہیں کی تھی۔ ارشاد ہوا کہ ابو طالب کے بعد میرے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے والا ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ میں نے ان کو اپنا کرتہ اس لئے پہنایا کہ یہ جنت کا لباس پہنیں اور میں ان کے ساتھ اس لئے لیٹا کہ ضغطۂ قبر آسان ہو''۔

دوسری روایت میں ہے: ''ثم نزع قمیصه فامران تکفن فیه ثم صلی علیھا عند قبرھا فکبر تسعا وقال ماعفی احد من ضغطة القبرالافاطمة بنت اسد قیل یا رسول اللہ ولا القاسمه قال ولا ابراھیم وکان ابراھیم اصغر ھما''۔ ''حضور نے اپنی قمیص مبارک اوتار کر حکم دیا کہ اس میں انہیں کفناؤ پھر ان کی قبر کے پاس ان کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اس میں نو تکبیر فرمائی اور ارشاد ہوا کہ ضغطۂ قبر سے کوئی نہیں بچا سوائے فاطمہ بنت

marfat.com

اسد کے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! حضور کے صاحبزادے حضرت قاسم؟ ارشاد ہوا ابراہیم بھی نہیں اور یہ حضرت قاسم سے چھوٹے تھے''۔ وفاء الوفا ج ۲ ص ۸۸۔

علامہ ابن عبدالبر استیعاب جلد اول ص ۲۶۲ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حالت علامت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فافاق معاوية قال يا بنى انى صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم فخرج لحاجته فاتبعته باداوة فكسانى احدثوبيه الذى كان على جسده فخبأته لهذااليوم واخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم من اظفاره و شعره ذات يوم ماخذ ته وخباته لهذاليوم فاذاانا مت فاجعل ذلك القميص دون كفنى مما يلى جلدى و خذ ذلك الشعرو الاظفار فا جعله فى فمى و علىٰ عينى و مواضع السجود منى فان نفع شئ فذاك والاّ فان الله غفور رحيم''۔

''پس افاقہ پایا حضرت امیر معاویہ نے تو کہا اے میرے بیٹے! میں رسول اللہ کی خدمت میں رہا پس حضور قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تو میں حضور کے پیچھے پانی کا برتن لے کر چلا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تو مجھ کو اپنے دو کپڑوں میں سے جو بدن مبارک پر تھا، ایک عطا فرمایا تو اس کو میں نے آج کے دن لئے چھپ رکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخن مبارک اور موئے مبارک ترشوایا تو اس کو بھی میں نے لے لیا اور آج کے دن کے لئے چھپا رکھا ہے تو میں جب مر جاؤں تو اس قیص کو میرے کفن کے نیچے بدن سے متصل رکھنا اور ناخن اور موئے مبارک کو میرے منھ اور میری آنکھوں اور سجدہ کی جگہوں پر رکھنا تو اگر کوئی چیز نفع بخش ہوگی تو یہ ہوگی، نہیں تو خداوند غفور رحیم ہے''۔

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۷۰۹ میں آیہ کریمہ وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ الایة کی شان نزول میں تحریر فرماتے ہیں: ''عن ابن عباس رضى الله عنهما انه لما اشتكى عبدالله ابن ابى ابن سلول عاده رسول الله صلى الله عليه وسلم فطلب منه ان يصلى عليه اذامات ويقوم علىٰ قبره ثم انه ارسل الىٰ الرسول عليه السلام يطلب منه قميصه ليكفن فيه فارسل اليه القميص الفوقانى فرده و طلب الذى يلى جلده ليكفن فيه''۔

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی بن ابن سلول بیمار پڑا، ارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عیادت کو تشریف لے گئے، اس نے حضور سے خواہش ظاہر کی کہ جب وہ مر جائے تو حضور اس کی جنازہ کی نماز پڑھیں اور اس کی قبر پر ٹھہریں پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیص کے لئے آدمی بھیجا تا کہ اسی قیص میں کفنایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر والی قیص بھیج دی اس نے واپس کر دی اور جو

marfat.com

قمیص مبارک جسد اقدس سے متصل ہے، کفن کے لئے اسے طلب کیا''۔

علامہ عینی شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰ لما توفی کے تحت میں عبداللہ بن ابی کے شوال میں بیمار ہونے، بیس دن بیمار رہنے، ذیقعدہ ۹ ھ میں اس کے مرنے کے ضمن میں حضور کا عیادت کے لئے تشریف لے جانا اور اس کو نصیحت کرنے کے واقعہ کو بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں: ''ثم قال یا رسول اللہ !الیس ھذا بحین عتاب ھو الموت فان مت فاحضر غسلی و اعطنی قمیصك الذی یلی جسدك فکفنی فیه وصل علیٰ و استغفر لی ففعل ذلك به رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وقال الحاکم کان علیٰ النبی صلی اللہ علیه وسلم قمیصان فقال عبداللہ واعطنی قمیصك الذی یلی جسدك فاعطاہ ایاہ''۔

''عبداللہ بن ابی نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ وقت مرنے کا ہے، عتاب کا وقت نہیں۔ جب میں مر جاؤں تو حضور میرے غسل کے وقت تشریف لائیں اور مجھ کو اپنی قمیص مبارک جو جسد اطہر سے متصل ہے، عنایت فرمائیں اور اسی میں مجھے کفنائیں اور میری جنازہ کی نماز پڑھیں اور میری مغفرت کی دعا کریں تو حضور نے ایسا کیا۔ حاکم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دو قمیص پہنے ہوئے تھے تو عبداللہ نے کہا کہ مجھے وہ قمیص مبارک عطا فرمائیں جو جسم شریف سے متصل ہے''۔

مقام غور ہے کہ عبداللہ بن ابی جیسا منافق اور نہ صرف منافق بلکہ رئیس المنافقین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک سے برکت چاہتا ہے اور اس میں کفنائے جانے کی آرزو کرتا، اس کو بعد موت وسیلہ اجر و مغفرت بناتا ہے۔ حسرت وافسوس اس نام نہاد مسلمان پر ہے جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت و عظمت اور ان کے لباس مبارک و آثار شریفہ کی اہمیت و عزت اس منافق کے دل کے اتنی بھی نہ ہو ع

شرم دارد کفر از اسلام او

یہ مانا اس کا قمیص مبارک کفن کے لئے طلب کرنا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمانا، اس میں کفنایا جانا اس کی نجات کا باعث نہ ہوا۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان قمیصی لا یغنی عنه من اللہ شیئا مگر یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اس کا یہ عقیدہ اور قمیص مبارک طلب کرنا، حضور کا قمیص مبارک پہنانا بالکل بے اثر رہا۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ اس کی برکت سے اس کی قوم سے ہزار آدمی کامل الایمان ہو گئے۔

تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۷۰۹ میں ہے: ''وکان المنافقون لا یفارقون عبداللہ بن ابی فلما راوہ یطلب ھذا القمیص ویرجوا ان ینفعھا اسلم منھم یومئذ الف''۔ ''منافقین کبھی عبداللہ بن ابی کو نہیں چھوڑتے تھے جب ان لوگوں نے دیکھا کہ وہ قمیص مبارک طلب کرتا ہے، اس کے نفع کا امیدوار ہے تو ان لوگوں سے ہزار آدمی اسی

marfat.com

دن مسلمان ہو گئے"۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ فارسی جلد ا ص ۶۷۱ میں تحت حدیث ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں: "درینجا استحباب تبرک ست بلباس صالحین وآثار ایشاں بعد از موت در قبر چنانکہ قبل موت نیز ہم چنیں بودہ"۔

لمعات میں فرماتے ہیں: "ھذا الحدیث اصل فی التبرک بآثار الصالحین ولباسھم کما بفعل بعض مریدی المشائخ من لبس اقمصتھم فی القبر"۔ "یہ حدیث آثار صالحین اوران کی لباس سے برکت حاصل کرنے کی اصل ہے۔ جس طرح بعض مریدین مشائخ کی قیصوں کو پہنا کر دفن کئے جاتے ہیں"۔

شیخ اسمٰعیل حقی تفسیر روح البیان جلد ۲ ص ۵۹۹ میں تحریر فرماتے ہیں: "قال فی الاسرار المحمدیۃ نووضع شعر رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم او عصاہ او سوطہ علیٰ قبر عاص لنجا ذلک العاصی ببرکات تلک الذخیرہ من العذاب وان کان فی دارانسان او بلدۃ لایصیب سکانھا بلاء ببرکتہ وان لم یشعروابہ ومن ھذاالقبیل ماء زمزم والکفن المبلول بہ و بطبانۃ استار الکعبۃ والتکفن بھاو کتابۃ القرآن علیٰ القراطیس والوضع فی ایدی الموتیٰ"۔

"اسرار محمدیہ میں ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک یا عصا شریف یا حضور کا کوڑا کسی گنہگار کی قبر پر رکھا جائے تو ان تبرکات کی برکت سے وہ عاصی عذاب سے نجات پائے اور اگر کسی آدمی کے گھر یا کسی شہر میں ہو تو وہاں کے رہنے والوں کو اس کی برکت سے کوئی مصیبت نہ پہونچے گی اگر چہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور اسی قسم سے آب زمزم اور اس میں ترکیا ہوا کفن ہے اور خانہ کعبہ کا غلاف شریف اور اس میں کفن دینا ہے اور قرآن شریف کو کاغذ پر لکھنا اور اس کو مردہ کے ہاتھوں پر دینا ہے"۔

چوتھا طریقہ: میت کے کفن پر کوئی آیت کلمہ طیبہ یا عہد نامہ یا کوئی دعا لکھنا

مصنف عبدالرزاق اوران کے طریق سے معجم طبرانی پھر حلیہ ابونعیم میں ہے: "اخبر نامعمر عن عبداللہ بن محمد بن عقیل ان فاطمۃ رضی اللہ عنھا لما حضر تھا الوفاۃ امرت علیا فوضع لھا غسلا فاغتسلت و تطھرت ودعت بثیاب اکفانھا فلبستھا ومست من الحنوط ثم امرت علیا ان لاتکشف اذا ھی قبضت وان تدرج کماھی فی اکفانھا فقلت لہ ھل علمت احداء فعل نحو ذلک قال نعم کثیربن عباس و کتب فی اطراف اکفانہ یشھد کثیربن عباس ان لا الہ الا اللہ۔"

"حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے وصال کا وقت ہوا تو حضرت علیٰ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ ان کے نہانے کے

marfat.com

لئے پانی رکھیں پس نہائیں اور کفن منگوا کر پہنا اور حنوط لگایا پھر حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم سے کہا کہ میرے انتقال کے بعد کوئی مجھے نہ کھولے اور اسی کفن میں دفن کر دی جائیں۔ میں نے پوچھا کہ کسی نے بھی ایسا کیا؟ کہا ہاں! کثیر بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے اور انہوں نے اپنے کفن کے کناروں پر لکھا تھا: کثیر بن عباس گواہی دیتا ہے لا الہ الا اللہ"۔

امام ترمذی معاصر امام بخاری نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" من کتب هذا الدعاء وجعله بين صدر الميت و كفنه فی رقعة لم ينله عذاب القبر و لايرى منكر او نكير او هو هذا"۔ جو شخص یہ دعا کسی پرچہ پر لکھ کر میت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھے اسے عذاب قبر نہ ہو اور نہ منکر نکیر نظر آئیں اور وہ دعا یہ ہے: لااله الاالله والله اكبر لااله الاالله وحده لاشريك له لااله الاالله له الملك وله الحمد لااله الاالله ولاحول ولا قوة الابالله العلى العظيم"۔

یہی حکیم ترمذی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھے:"اللهم فاطر السموات والارض عالم الغيب و الشهادة الرحمن الرحيم انى اعهد اليك فى هذه الحياة الدنيا بانك انت الله لااله الا انت وحدك لاشريك لك وان محمد اعبدك ورسولك فلا تكلنى الىٰ نفسى فانك ان تكلنى الىٰ نفسى تقربنى من السوء تباعدنى من الخير وانى لااثق الابرحمتك فاجعل رحمتك لى عهدا عندك تؤديه الىٰ يوم القيمة انك لاتخلف المعياد"۔"فرشتہ اسے لکھ کر مہر لگا کر قیامت کے لئے اوٹھا رکھے۔ جب اللہ تعالیٰ اس بندہ کو قبر سے اٹھائے، فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے اور ندا کی جائے عہد والے کہاں ہیں؟ انہیں وہ عہد نامہ دیدیا جائے۔

امام نے اسے روایت کر کے فرمایا:" و عن طاؤس انه امر بهذه الكلمات فكتبت فى كفنه"۔"امام طاؤس کی وصیت سے یہ عہد نامہ ان کے کفن میں لکھا گیا"۔ امام فقیہ بن عجیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا:"اذا كتب هذا الدعاء وجعل مع الميت فى قبره وقاه الله فتنة القبر و عذابه"ھ۔"جب یہ دعا لکھ کر میت کی قبر میں رکھ دیں تو اللہ تعالی اسے سوال نکیرین و عذاب قبر سے امان دیدے گا"۔

درمختار ص ۱۲۶ میں ہے:"كتب علىٰ جبهة الميت او عمامته او كفنه عهد نامه يرجى ان يغفر الله للميت اوصى بعضهم ان يكتب فى جبهته وصدره بسم الله الرحمن الرحيم ففعل ثم رئى فى المنام فسئل فقال لماوضعت فى القبر جاء تنى ملئكة العذاب فلما راؤا مكتوبا علىٰ جبهتى بسم الله الرحمن الرحيم قالو امنت من عذاب الله"۔

"مردے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے بخشش کی امید ہے۔ کسی صاحب نے

marfat.com

وصیت کی تھی کہ ان کی پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھدیں، لکھ دی گئی پھر خواب میں نظر آئے۔ حال پوچھنے پر فرمایا جب میں قبر میں رکھا گیا، عذاب کے فرشتے آئے۔ جب میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا دیکھا ، کہا تجھے عذاب الٰہی سے امان ہے''۔

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں: ''قولہ کتب علیٰ جبھۃ المیت اخذمن ذلک جواز الکتابۃ ولو بالقران ولم یعتبروا کون مالہ الیٰ التنجیس بما یسیل من المیت''۔ ''مصنف کے اس قول کتب سے لکھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، اگر چہ قرآن شریف کی آیت ہی ہو اور اس کے مال کا کوئی اعتبار نہ کیا گیا کہ اس لکھے ہوئے مردہ کے بدن سے ریم یا خون بہہ کر نجس کر دے گا''۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ بنام تاریخی ''الحرف الحسن فی الکتابۃ علیٰ الکفن'' تحریر فرمایا۔ یہ روایتیں اسی رسالہ سے ماخوذ ہیں۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیثیں اور نصوص علمائے کرام اس معمول بہ کی اصل ہیں کہ مریدوں کے قبر میں مشائخ کرام کا شجرہ رکھتے ہیں کہ الاسم عین المسمی کما صرح بہ فی کتب العقائد۔ اور ظاہر ہے کہ نام کی مسمّیٰ پر دلالت تراشا ناخن کی دلالت سے افزوں ہے تو خالی اسماء ہی ایک ذریعہ تبرک وتوسل ہوتے نہ کہ اسلامی سلاسل علیہ عالیہ کہ اسناد اتصال بہ محبوب ذی الجلال وبہ حضرت عزت وجلال ہیں اور اللہ اور محبوب واولیاء کے سلسلہ کرم کرامت میں منسلک ہونے کی سند تو شجرہ طیبہ سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ توسل چاہئے۔

اس جگہ ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ اس میں بزرگان دین کے ناموں کی اہانت ہے، اس لئے کہ مردے کے بدن سے خون پیپ وغیرہ سے تلوث کا اندیشہ ہے۔ مگر اندیشہ ووہم موجب ممانعت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کے چوپایوں پر باوجود احتمال تلوث حبیس فی سبیل اللہ لکھوایا تھا۔ علاوہ بریں تلوث بہ نجاست کا احتمال بھی مطرد نہیں، اس لئے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ دس شخصوں کے بدن قبر میں سلامت رہتے ہیں: انبیا، اولیا، علمائے دین، شہدا، حفاظ، موذن کہ للّٰہ اذان کہا کرتا ہو، سرحد اسلام پر حفاظت بلاد اسلامیہ کے لئے قیام رکھنے والا، جو طاعون سے صابر ومحتسب مرے، ذکر الٰہی بکثرت کرنے والا، بے گناہ بندہ تو اگر وہ شخص جس کی قبر میں شجرہ رکھتے ہیں، ان میں سے کوئی ایک ہے جب تو عدم تلوث ظاہر ورنہ ممکن کہ شجرہ شریفہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ یہ عزت اسے عنایت فرمائے پھر بھی شجرہ کے لئے کچھ ضرور نہیں کہ کفن ہی میں رکھیں بلکہ قبر میں قبلہ کی طرف خواہ سرہانے طاق بنا کر رکھیں۔

marfat.com

جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ”شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگاں ست لیکن ایں را دو طریق ست۔ اول اینکہ بر سینہ مردہ درون کفن یا بالائے کفن گزارند وایں طریق را فقہامنع می کنند و می گویند کہ از بدن مردہ خون وریم سیلان می کند و موجب سوئے ادب با سمائے بزرگاں می شود۔ طریق دوم این ست کہ جانب سر مردہ اندرون قبر طاقچہ بگزارند و دراں کاغذ شجرہ رانہند۔“

پانچواں طریقہ: جنازہ کو دیکھ کر تعریف کرنا اور میت کی خوبیوں کو بیان کرنا

”عن انس قال مروا بجنازۃ فاثنوا علیها خیرا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم و جبت ثم مروا باخری فاثنوا علیها شرا فقال و جبت فقال عمر ما و جبت فقال هذا اثنیتم علیہ خیرا فوجبت له الجنہ و هذا اثنیتم علیہ شرا فوجبت له النار انتم شهداء اللہ فی الارض“ (رواہ البخاری و مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ وابو داؤد الطیالسی ص ۲۷۵)۔

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی: ایک جنازہ لے کر لوگ گزرے۔ صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہوگئی، پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے۔ لوگوں نے برائی بیان کی حضور نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور! کیا واجب ہوگئی؟ ارشاد ہوا پہلے جنازہ والے کی تم لوگوں نے تعریف کی تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور دوسرے کی تم لوگوں نے برائی کی تو اس کے لئے جہنم کی آگ واجب ہوئی تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ ونعم من قال۔

بھلا کہے جسے خلقت اسے بھلا سمجھو
زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

”وعن ابی الاسود قال قدمت المدینۃ فجلست الی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فمرت بهم جنازۃ فاثنوا علی صاحبها خیرا فقال عمر رضی اللہ عنہ و جبت ثم مروا باخری فاثنوا علی صاحبها خیرا فقال عمر و جبت ثم بالثالثۃ فاثنی علی صاحبها شرا فقال عمر و جبت فقال ابو الاسود فقلت وما و جبت یا امیر المومنین! قال قلت کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایما مسلم شهد له اربعۃ بخیر ادخله اللہ الجنۃ قلنا و ثلثۃ قال و ثلثۃ قلنا و اثنان قال و اثنان ثم لم نسئله عن واحد“۔
(رواہ البخاری والنسائی)

”ابو الاسود کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں پہنچا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک جنازہ گذرا۔ لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واجب ہوگئی، پھر دوسرا جنازہ گذرا لوگوں

marfat.com

نے اس کی بھی تعریف کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واجب ہوگئی پھر تیسرا جنازہ گذرا لوگوں نے برائی کی، حضرت عمر نے کہا واجب ہوگئی۔ ابوالاسود کہتے ہیں، میں نے کہا: کیا واجب ہوگئی یا امیرالمومنین! فرمایا میں وہ بات کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے لئے چار مسلمان اچھے ہونے کی گواہی دیں اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ ہم نے کہا اور تین شخص؟ ارشاد ہوا تین آدمی؟ پھر ہم لوگوں نے کہا کہ اور دو آدمی ارشاد ہوا کہ اور دو آدمی پھر ہم نے ایک آدمی کے بارے میں نہیں پوچھا"۔

"وعن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم يرويه عن ربه عزوجل مامن عبد مسلم يموت فيشهد له ثلاثة ابيات من جيرانه الا دنين بخيرالاقال الله عزو جل قد قبلت شهادة عبادی علیٰ ماعلموا و غفرت لهم ماعلم" ۔(رواه الامام احمد وروى ابويعلی و ابن حبان فی صحيحه۔ ولفظهما اربعة اهل ابيات من جيرانه)

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رب العزت جل جلالہ سے کہ جب کوئی مسلمان بندہ مرے اور اس کے لئے تین قریب گھر والے پڑوسی بھلائی کی گواہی دیں تو اللہ عزوجل فرمائے گا کہ میں نے اپنے بندوں کی گواہی اس بارے میں جو ان کے علم میں ہے، قبول کی اور جو خطا قصور اس کا میں جانتا ہوں، اس کو بخش دیا۔ ابویعلی اور ابن حبان نے اس حدیث کو روایت کیا اور اس میں تین گھر کی جگہ چار گھر کا لفظ ہے"۔

چھٹا طریقہ: نماز جنازہ اور کثرت مصلیان کا فائدہ

نماز جنازہ پڑھنا ہے اور تکثیر مصلیان مرغوب ومطلوب ہے۔ اس لئے کہ ہر نمازی اس میت کا سفارشی ہے اور کثرت سفارش اہمیت کی دلیل ہے۔

"عن كريب عن ابن عباس من انه مات له ابن بقديد او بعسفان فقال يا كريب انظر ما احتمع له من الناس قال فخرحت فاذ اناس قداجتمعو اله فاخبرته فقال تقول هم اربعون قال: نعم قال اخرجوه فانی سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول مامن رحل مسلم يموت فيقوم علیٰ جنازه اربعون رجلا لايشركون بالله شئيا الا شفعهم الله فيه" (رواه الامام احمد مسلم وابو داؤد ابن ماجة)

"حضرت کریب سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے کا انتقال مقام قدید یا عسفان میں ہوا تو آپ نے فرمایا دیکھو کتنے آدمی جمع ہوئے ہیں؟ کریب کہتے ہیں کہ میں نکلا، دیکھا کہ لوگ جمع

marfat.com

ہیں۔ میں نے ان کو خبر دی۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے پوچھا کہ چالیس آدمی ہوں گے؟ کریب نے کہا ہاں! ابن عباس نے کہا کہ اب میت کو باہر لاؤ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے ہیں کہ جو مرد مسلمان انتقال کرے اور اس کی جنازہ کی نماز ایسے چالیس آدمی پڑھیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی شفاعت اس میت کے حق میں قبول فرمائے گا"۔

"و عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه و سلم مامن میت یصلی علیه امة من المسلمین یبلغون مائة کلهم یشفعون الا شفعوا فیه" (رواه مسلم ص ۳۰۸ و الترمذی) و قال حدیث حسن صحیح ورواه النسائی ولفظه مائة فما فوقها) "جس مسلمان میت کی نماز جنازہ میں ایک جماعت مسلمانوں کی پڑھے جس کی تعداد ۱۰۰ تک پہونچی ہو اور وہ سب اس کی شفاعت کریں تو ان لوگوں کی شفاعت اس میت کے حق میں قبول ہوگی۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ سو یا زیادہ آدمی اس کی سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا"۔

"و عن مالك بن هبیرة قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم ما من میت یموت یصلی علیه ثلاثه صفوف من المسلمین الا اوجب قال فکان مالك اذاا ستقل اهل الجنازة جزاهم ثلثة صفوف للحدیث (رواه ابو داؤد جلد ۲ ص ۹۵ ورواه الترمذی وحسنه وصححه الحاکم و فی روایة له الا غفرله)"۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مردہ کی نمازِ جنازہ مسلمانوں کی تین صفیں پڑھیں، اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ کہتے ہیں کہ جب جنازہ میں شریک ہونے والے افراد جمع ہو جاتے تو مالک ابنِ ہبیرہ اس حدیث کی وجہ سے انہیں تین صفوں میں تقسیم کر دیتے"۔

ساتواں طریقہ: مقدس جگہ اور صالحین کی پڑوس میں دفن کرنا

"عن ابی هریرة قال ارسل ملك الموت الیٰ موسیٰ علیه الصلاة والسلام فلما جاء ه صکه فرجع الیٰ ربه، فقال ارسلتنی الیٰ عبد لا یرید الموت فرد الله عینه فقال ارجع فقل له یضع یده علیٰ متن ثور فله بکل ما غطت یده بکل شعرة سنة قال ای رب ثم ماذا؟ قال ثم الموت قال فالان فسال الله تعالی ان یدنیه من الارض المقدسة رمیة بحجر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فلو کنت ثم لا ریتکم قبره الیٰ جانب الطور عند الکثیب الاحمر" (رواه البخاری و مسلم والنسائی)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس بھیجے گئے تو جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے، انہوں نے ایک طمانچہ مارا جس سے ایک آنکھ جاتی رہی۔ پس خدا

marfat.com

وند عالم کے پاس واپس گئے اور کہا کہ خداوندا تو نے مجھ کو ایسے بندہ کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا تو اللہ تعالی نے ان کی آنکھ ان کو واپس دی اور فرمایا کہ جاؤ اور موسیٰ سے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کے پیٹھ پر رکھیں۔ ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال عمران کو اور دی جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اس کے بعد پھر کیا ہوگا؟ فرمایا موت۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو پھر ابھی! پھر اللہ تعالی سے استدعا کی کہ مجھ کو بیت المقدس کے قریب کر دے ایک پتھر پھینکنے کے فاصلے پر۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں وہاں ہوتا تو ضرور تمہیں ان کی قبر دکھا دیتا طور کے پاس سرخ ٹیلہ کے نزدیک''۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۱۶۵ میں فرماتے ہیں: ''اذ سأل الله تعالى الدنو من بيت المقدس ليدفن فيه دنو الو رمىٰ رامى الحجر من ذلك الموضع الذى هو الآن موضع قبره لو صل الىٰ بيت المقدس وانما سئال ذلك لفضل من دفن فى الا رض المقدسة من الانبياء و الصالحين فاستحب مجاورتهم فى الممات كما فى الحيوة ولان الناس يقصدون المواضع الفاضلة ويزورون قبورها و يدعون لاهلها''۔

''خداوند عالم سے سوال کیا بیت المقدس کی نزدیکی کا تا کہ وہاں دفن ہوں اس قدر نزدیک کہ اگر کوئی پتھر پھینکنے والا اس جگہ سے، جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر کی جگہ ہے، پتھر پھینکے تو ضرور وہ پتھر بیت المقدس تک پہونچے اور یہ سوال اسی لئے کیا کہ جو لوگ انبیا و صالحین سے بیت المقدس میں دفن ہیں، ان کی بزرگی کے سبب ان کی مجاورت کو بعد موت پسند کیا، جس طرح اچھے لوگوں کی مجاورت زندگی میں پسند کرتے ہیں اور اس لئے کہ لوگ متبرک مقامات کا قصد کرتے ہیں اور وہاں کی قبور کی زیارت کرتے ہیں اور قبر والوں کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں''۔

اسی میں ہے: ''وفيه استحباب الدفن فى المواضع الفاضلة والقرب من مدافن الصالحين''۔ ''اس حدیث سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے کہ متبرک مواضع میں دفن کرنا مستحب ہے اور مدفن صالحین کی نزدیکی بہتر ہے''۔

''عن عمر بن ميمون الازدى قال رايت عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال يا عبدالله! اذهب الىٰ ام المومنين عائشة رضى الله عنها فقل يقرء عمر بن الخطاب عليك السلام، سلها ان ادفن مع صاحبى قالت كنت اريده نفسى فلا وثرنه اليوم علىٰ نفسى فلما اقبل قال له مالديك؟ قال اذنت لك ياامير المومنين! قال ما كان شئى اهم الى من ذلك المضجع''۔

''عمر بن میمون ازدی سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو، انہوں نے اپنے

marfat.com

صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمر کو فرمایا کہ تم ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں جاؤ اور سوال کرو کہ میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جاؤں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے اس جگہ کو اپنے لئے رکھا تھا لیکن اب میں ترجیح دیتی ہوں حضرت عمر کو اپنے نفس پر۔ پس جب حضرت عبداللہ ابن عمر واپس آئے، امیر المومنین نے پوچھا کیا خبر ہے؟ عرض کی حضرت عائشہ نے اجازت دیدی۔ فرمایا کوئی چیز مجھے اس جگہ دفن ہونے سے زیادہ اہم نہ تھی"۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۲۵۵ میں فرماتے ہیں: "فيه الحرص على مجاورة الصالحين في القبور طمعافي اصابة الرحمة اذا نزلت عليهم و في دعاء من يزورهم من اهل الخير"۔ "اس حدیث میں اچھے لوگوں کے جوار میں دفن ہونے پر حرص ہے کہ جب ان پر رحمت نازل ہو تو صاحب قبر کو بھی پہونچے اور جو اہل خیر ان لوگوں کی قبر کی زیارت کریں وہ اس صاحب قبر کے لئے بھی دعا کریں"۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۳۷۵ حديث ردو االقتلىٰ الىٰ مضا جعهم کے تحت اس بحث میں کہ مردہ کو ایک شہر سے منتقل کر کے دوسرے شہر میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں، لکھتے ہیں: "قال صاحب الهداية و ذكران من مات في بلدة يكره نقله الىٰ اخرىٰ لانه اشتغال بما لايفيد بما فيه تاخير دفنه و كفىٰ بذلك كراهة قلت فاذاكان يترتب عليه فائدة من نقله الىٰ احد الحرمين اوالى قريب احد من الانبياء والاولياء اوليزوره اقاربه من ذلك البلد وغيره ذلك فلا كراهة الامانص عليه من شهداء احد اومن في معناهم من مطلق الشهداء"۔

"صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی شہر میں انتقال کرے، اس کو دوسرے شہر میں دفن کے لئے لے جانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ غیر مفید کام میں مشغول ہونا اور اس میں تاخیر دفن بھی ہے جو کراہت کے لئے کافی ہے۔ میں کہتا ہوں تو جب اس پر کوئی فائدہ مرتب ہو جیسے احد الحرمین لے جانا یا کسی نبی یا ولی کے مزار کے پاس دفن کرنا یا تاکہ اس شہر کے اس کے عزیز و قریب اس کی زیارت کیا کریں وغیرہ ذٰلک تو نقل میں کراہت نہیں۔ ہاں! جہاں ممانعت منصوص ہو جیسے شہدائے احد یا دیگر شہدائے کرام تو ان کو نقل کرنا البتہ مکروہ ہوگا"۔

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور میں تحریر فرماتے ہیں: "واخرج ابونعيم عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ادفنوا موتكم و سط قوم صالحين فان الميت يتاذى بجار السوء"۔ "راوی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیٰ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مردوں کو اچھے لوگوں کے درمیان دفن کرو۔ اس لئے کہ مردے برے پڑوسی سے اذیت پاتے ہیں"۔

marfat.com

اسی میں ہے: ''واخرج ابن عساکر عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذامات احد کم المیت فاحسنوا کفنه وعجلوا انجاز وصیته واعمقواله من قبرو جنبوه جار السوء قیل یا رسول الله وهل ینفع الجار الصالح فی الاٰخرة قال هل نفع فی الدنیا قال نعم قال کذٰلک نفع فی الاٰخرة''۔

''ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی انتقال کرے تو اس کا کفن اچھا دو اور اس کی وصیت کو جاری کرنے میں جلدی کرو اور اس کی قبر گہری کھودو اور اسے بُرے پڑوسی سے بچاؤ۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا اچھا پڑوسی آخرت میں کچھ نفع پہونچاتا ہے؟ ارشاد ہوا کہ دنیا میں نفع پہونچاتا ہے؟ کہا ہاں! فرمایا اسی طرح آخرت میں بھی فائدہ پہونچاتا ہے۔''

''واخرج ابن ابی الدنیا عن عبدالله بن نافع المزنی قال مات رجل بالمدینة فدفن بها فراٰه رجل کانه من اهل النار فاغتم لذٰلک ثم اریه بعد سابعة وثامنة کانه من اهل الجنة فساله قال دفن معنا رجل من الصالحین فشفع فی اربعین من جیرانه فکنت فیهم''۔

''ابن ابی الدنیا نے عبداللہ بن نافع مزنی سے روایت کیا کہ ایک آدمی مدینہ طیبہ میں مرا پس وہیں دفن کیا گیا۔ کسی شخص نے اس کو خواب میں دیکھا کہ گویا وہ دوزخی ہے پھر سات آٹھ رات کے بعد دکھایا گیا کہ وہ اہل جنت ہے۔ پس اس شخص نے پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ ایک شخص صالحین سے ہمارے ساتھ دفن کیا گیا، اپنے پڑوسیوں سے چالیس آدمیوں کی شفاعت کی تو میں بھی انہیں چالیس سے ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میت صالح کے جوار کی برکت سے مجھے جنتی بنایا''۔

آٹھواں طریقہ: جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں کوئی بزرگ بیٹھیں یا لیٹیں

جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں کوئی بزرگ بیٹھیں یا لیٹیں اور کوئی دعا اور قرآن شریف کی کوئی سورہ یا آیت پڑھیں اس کے بعد مردہ کو دفن کر۔

طبرانی معجم کبیر واوسط میں اور ابن حبان وحاکم بافادہ تصحیح انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے راوی: ''قال لما ماتت فاطمة بنت اسد دخل علیها رسول الله صلی الله علیه وسلم فجلس عندراسها فقال رحمک الله یا امی بعد امی وذکر ثناءه علیها وتکفینها ببرده ثم قال دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم اسامة بن زید وابا ایوب الانصاری وعمر بن الخطاب وغلاما اسود یحفرون فحفروا قبرها فلما بلغوا اللحد حفره رسول الله صلی الله علیه وسلم بیده واخرج ترابه بیده فلما فرغ دخل رسول الله صلی الله علیه وسلم فاضطجع فیه ثم قال الله الذی یحیی ویمیت وهو حی لایموت اغفر لامی

marfat.com

فاطمة بنت اسد ووسع علیھا مد خلھا بحق نبیك والانبیاء الذین من قبلی فانك ارحم الرحمین"۔

"جب حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور سرہانے بیٹھے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اے مری والدہ کے انتقال کے بعد میری ماں! راوی حدیث حضرت انس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی اچھی تعریف کرنا اور اپنے چادر مبارک میں ان کو کفنانا بیان کر کے پھر کہا کہ حضور نے اسامہ بن زید، ابو ایوب انصاری، حضرت عمر بن الخطاب اور ایک سیاہ غلام کو بلایا کہ یہ لوگ قبر کھودتے تھے۔ ان لوگوں نے حضرت فاطمہ بنت اسد کی قبر کھودی۔ جب لحد تک پہونچے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس اپنے دست مبارک سے قبر کھودی اور قبر کی مٹی نکالی۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں لیٹے اور یہ دعا پڑھی: اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ وہ زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا۔ خداوندا! میری ماں حضرت فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کشادہ کر اپنے نبی اور تمام انبیا کی برکت سے جو میرے قبل ہوئے، تو ارحم الراحمین ہے"۔

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۸۹ میں ہے: "وفی روایة علی بن ابی طالب فلما فرغ منه نزل فاضطجع فی اللحد وقرء فیه القرآن"۔ "جب قبر تیار ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قبر میں اترے اور اس میں قرآن شریف پڑھا"۔

"واخرج ابن شیبة عن جابر رضی الله عنه قال بیننا نحن جلوس مع رسول الله صلی الله علیه وسلم اذاتاہ آت فقال یا رسول الله !ام علی و جعفر و عقیل قد ماتت فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم قوموا الیٰ امی فقمنا و کان علیٰ رؤس من معه الطیر فلما انتهینا الیٰ الباب نزع قمیصه فقال اذاغسلتمو ها فا شعروها ایاہ تحت اکفا نها فلما خرجوابها جعل رسول الله صلی الله علیه وسلم مرة یحمل و مرة یتقد م ومرة یتاخر حتی اانتهینا الیٰ القبر فتمعك فی اللحدثم خرج فقال ادخلوها باسم الله وعلیٰ اسم الله فلما ان دفنو هاقام قائما فقال جزاك الله من ام و ربیبة خیرا فنعم الام ونعم الربیبة کنت لی قال فقلنا له اوقیل له یا رسول الله! لقد صنعت شیئین مارأینا صنعت مثلهما قط قال وما هو قلنا نزعك قمیصك و تمعكك فی اللحد؟قال اماقمیصی فارید ان لایمسها النار ابدا ان شاء الله تعالیٰ واماتمعکی فی اللحدفار دت ان یوسع الله علیها قبرها"۔

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! علی، جعفر، عقیل کی ماں نے انتقال کیا۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو میری ماں کی تجہیز و

marfat.com

تکفین کے لئے تو ہم لوگ کھڑے ہوگئے اور جو لوگ حضور کے ساتھ چلے سب خموش باادب تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ جب ہم لوگ دروازہ پر پہونچے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیض مبارک اتار کر عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب تم لوگ غسل دے چکو تو اس کو بدن سے متصل کفن کے نیچے رکھنا پس جنازہ لے چلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جنازہ اٹھاتے، کبھی آگے آگے چلتے اور کبھی جنازہ کے پیچھے چلتے، یہاں تک کہ ہم لوگ قبر تک پہونچے پس حضور قبر میں لیٹے پھر باہر تشریف لائے پھر فرمایا خدا آپ کو بہتر جزا دے اے میری ماں اور پرورش کرنے والی! کیا اچھی آپ میری ماں اور پرورش کرنے والی تھیں! پس ہم لوگوں نے عرض کیا، حضور! آپ نے دو باتیں ایسی کیں جو کبھی نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کہ وہ کون کون باتیں ہیں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا ایک تو قمیص مبارک کا اتار کر کفن کے لئے دینا اور دوسری بات قبر میں لیٹنا۔ ارشاد ہوا کہ قمیص اتار کر اس لئے دی کہ اس کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ آگ ان کو کبھی نہ چھوئے گی اور قبر میں اس لئے لیٹا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر وسیع و فراخ کردے''۔ (وفا الوفا ص ۸۸ جلد ۲)۔

نواں طریقہ: قبر پر پانی چھڑکنا

''عن جابر قال ورش قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کان الذی رش الماء علیٰ قبرہ ھلال بن رباح بقربۃ بدأ من قبل راسہ حتی انتھیٰ الیٰ رجلیہ رواہ البیھقی فی دلائل النبوۃ''۔ ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا اور جس نے قبر مبارک پر پانی چھڑکا وہ بلال بن رباح ہیں، مشک سے پانی چھڑکا۔ سرہانے کی طرف سے شروع کیا اور پائنتی کی طرف ختم کیا''۔ (مشکوۃ ص ۱۴۹)

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوۃ جلد دوم ص ۲۷۸ میں تحریر فرماتے ہیں: ''قال الطیبی لعل ذلک اشارۃ الیٰ استنزال الرحمۃ الالٰھیۃ و العواطف الربانیۃ کما ورد فی الدعا اللھم اغسل خطایاہ بالماء والثلج والبرد وقالواسقیٰ اللہ ثراہ و برد مضجعہ اوالیٰ الدعا بالطراوۃ وعدم الدروس قال میرک ولعل الحکمۃ فیہ ان القبرا ذارش بالماء کان اکثر بقاء وابعد من التناثر والا ندارس قلت ھذاامر ظاھر حسی لا یحتاج الیٰ نقل وھو ماخوذ من العبارۃ اماماذکرہ الطیبی من الاشارۃ فھوفی غایۃ اللطافۃ و نھایۃ الشرافۃ ونظیرہ ان احدامن المریدین بنیٰ بیتا ثم ضیف شیخہ فقال لہ الشیخ لا ی شئی فتحت الطاقۃ قال لدخول الھواء وشمول الضیاء فقال ھذاامر ظاھر حاصل لا محالۃ لکن کان ینبغی ان تقصدبالاصالۃ سماع الاذان ویکون الباقی تبعالہٗ''۔

''علامہ طیبی نے فرمایا کہ پانی چھڑکنا رحمت الٰہیہ وعواطف ربانیہ کے نزول کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ دعا میں وارد ہے ''خداوندا! دھودے اس کے گناہوں کو پانی، برف اور اولے سے اور لوگ دعا کے وقت کہا کرتے ہیں

marfat.com

سقی اللہ ثراہ وبرد مضجعہ یا تراوٹ اور نہ مٹنے کی دعا طرف اشارہ ہے۔ علامہ میرک کہتے ہیں کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ قبر پر جب پانی چھڑک دیا جاتا ہے تو اس کی بقا زیادہ ہو جاتی ہے اور انتشار اور مٹنے سے دور ہو جاتی ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں یہ تو ظاہر اور محسوس ہے، اس کی نقل کی ضرورت نہیں اور یہ تو عبارت ہی سے ظاہر ہے اور علامہ طیبی نے جو اشارہ ذکر کیا، وہ غایت لطیف اور بہت ہی خوب ہے۔ اس کی مثال وہ واقعہ ہے کہ کسی مرید نے ایک گھر بنایا اور اپنے شیخ کی دعوت کی۔ شیخ نے پوچھا اس میں روشندان کس لئے رکھا ہے، مرید نے کہا کہ ہوا اور روشنی کے لئے۔ شیخ نے کہا یہ تو ظاہر ہے، یقیناً ہونا ہی ہے لیکن مناسب یہ تھا کہ اصل مقصد اذان کی آواز آنا ہوتا، باقی ہوا اور روشنی بالتبع مراد ہوتی، و نعم من قال۔

سرمہ کہ برائے نور چشم ست
زیبائش چشم او طفیل ست

''و عن ابی رافع قال سلّ رسول اللہ علیہ وسلم سعد اورش علیٰ قبرہ ماء'' (رواہ ابن ماجۃ)۔ ''ابن ماجہ حضرت ابو رافع سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی ضرورت یا بیان جواز کے لئے حضرت سعد کو سرہانے کی طرف سے قبر میں داخل کیا اور ان کے قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا''۔

''وعن جعفر بن محمد عن ابیہ مرسلا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حثیٰ علیٰ المیت ثلاث حثیات بیدیہ جمیعا وانہ رش علیٰ قبر ابنہ ابراھیم ووضع علیہ حصباء (رواہ فی شرح السنۃ وروی الشافعی من قولہ رش)''۔ ''علامہ بغوی شرح السنہ میں امام جعفر صادق سے وہ اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے مرسلا راوی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر دونوں ہاتھوں سے تین لپ مٹی ڈالی اور اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر سنگریزے رکھے۔ اس حدیث کو امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا مگر صرف ورش سے''۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۴۸)

مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۳۷۷ میں ہے: ''قال ابن الملک ولیسن حیث لا مطر رش القبر بماء بارد طاھر مطھور تفاولا بان اللہ یبرد مضجعہ''۔ ''ابن مالک نے کہا کہ جب بارش نہ ہو تو قبر پر ٹھنڈا طاہر مطہر پانی چھڑکنا مسنون ہے، اس بات کی تفاول کے لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی خوابگاہ ٹھنڈی کرے''۔

اسی میں ہے ص ۳۷۸: ''وروی البزاز انہ امر بالرش فی قبر عثمان بن مظعون''۔ ''بزاز نے روایت کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا''۔

شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی لمعات حاشیہ مشکوۃ ص ۱۴۹ میں تحت حدیث جابر رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: ''وذلک لمصلحۃ رأھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والعلۃ فی رش قبر غیر

marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم التفاؤل باستنزال الرحمۃ و غسل الخطایا و تطہیر الذنوب وعلل ایضا بان یمسك تراب القبر عن الانتشار ویمنع عن الدروس"۔ "صحابہ کرام نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا، وہ کسی مصلحت کی وجہ سے ہوا جوان لوگوں نے سمجھا ہو۔ رہا حضور کے سوا اوروں کی قبر پر پانی چھڑکنے کی علت تو نزول رحمت اور خطا دھلنے، گناہوں سے پاک صاف ہونے کی نیک فال ہے اور قبر کی مٹی کو منتشر ہونے سے بچانا اور قبر کو مٹنے سے محفوظ رکھنا بھی اس کی علت بیان کی گئی ہے"۔

علامہ شامی ردالمحتار جلد ۱ ص ۸۳۸ میں تحریر فرماتے ہیں: "قول ولاباس برش الماء علیہ بل ینبغی ان یندب لانہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلہ بقبر سعد کما رواہ ابن ماجۃ وبقبر ولدہ ابراہیم کما رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ وامر بہ فی قبر عثمان بن مظعون کمارواہ البزار"۔ "قبر پر پانی چھڑکنا مندوب ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کی قبر پر پانی چھڑکا جیسا کہ ابن ماجہ میں ہے اور اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر جیسا کہ مراسیل ابوداؤد میں ہے اور حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا جیسا کہ بزار کی روایت میں ہے"۔

دسواں طریقہ: بعد دفن میت کو تلقین کرنا

اتحاف السادۃ المتقین جلد ۱۰ ص ۳۶۸ میں ہے: "قال سعید بن عبداللہ الاودی شہدت اباامامۃ الباھلی وھوفی النزع فقال یا سعید! اذا مت فاصنعوا بی کما امر نارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اذامات احد کم فسریتم علیہ التراب فلیقم احد کم علیٰ راس قبرہ ثم یقول یا فلان بن فلانۃ فانہ یسمع ولا یجیب ثم لیقل یافلان بن فلانہ الثانیۃ فانہ یستوی قاعد اثم لیقل یا فلان بن فلانۃ الثالثۃ فانہ یقول ارشد نایرحمك اللہ ولکن لا تسمعون فیقول لہ اذکرما خرجت علیہ من الدنیا شہادۃ ان لا الٰہ الااللہ وان محمدا رسول اللہ وانك رضیت باللہ رباو بالا سلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیاو بالقران امامافان منکر او نکیرایتاخر کل واحد منھما فیقول انطلق بناماقعد تاعند ھذاوقدلقن حجتہ ویکون اللہ عزوجل حجیجہ دونھما فقال رجل یا رسول اللہ !فان لم یعرف اسم امہ قال فلینبہ الیٰ حواء"۔

"سعید بن عبداللہ اودی کہتے ہیں کہ میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا جس وقت وہ حالت نزع میں تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے سعید! میں جب مرجاؤں تو میرے ساتھ وہ کام کروجس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی مرے اور تم بعد دفن اس پر مٹی برابر کر چکو تو ایک آدمی اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو اور

marfat.com

کہے اے فلاں بن فلانہ تو وہ سنے گا مگر جواب نہ دے گا پھر دوسری مرتبہ کہے اے فلاں بن فلانہ اس کو سن کر وہ بیٹھ جائے گا پھر تیسری مرتبہ کہے اے فلاں بن فلانہ تب وہ کہے گا کہو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، لیکن اس کہنے کو تم نہ سنو گے۔ تب وہ شخص کہے یاد کرو اس عقیدہ کو جس پر تم دنیا سے نکلے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور تو راضی ہے اس بات پر کہ خدا تیرا رب ہے، اسلام تیرا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور قرآن شریف تیرا پیشوا ہے۔ یہ سن کر منکر نکیر دونوں پیچھے ہٹیں گے اور ایک دوسرے سے کہے گا کہ چلو کیا بیٹھیں اس کے پاس جس کو حجت تلقین کی گئی اور اللہ تعالیٰ اس شخص اور ان دونوں فرشتوں کے درمیان ہوگا۔ اس پر ایک آدمی نے کہا کہ یا رسول اللہ اگر میت کی ماں کا نام معلوم نہ ہو، تو ارشاد ہوا تو فلاں بن حوا کہنا"۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۸ میں فرماتے ہیں: "رواه الطبرانی فی الکبیر و فی کتاب الدعاء وابن مندة فی کتاب الروح وابن عساکر والدیلمی ورواه ابن مندة من وجه اخر عن ابی امامة قالا اذا انا متُّ فدفنتمونی فلیقم انسان عند راسی فلیقل یا صدی بن عجلان اذکر ماکنت علیه فی الدنیا شهادة ان لااله الاالله وان محمدا رسول الله رواه ابن عساکر من وجه اخر عن ابی امامة رفعه اذامات الرجل منکم فدفنتموه فلیقم احدکم عند راسه فلیقل یا فلان بن فلانة فانه یسمع فلیقل یافلان بن فلانه فانه یستوی قاعد افلیقل یا فلان بن فلانة فانه سیقول له ارشدنی یرحمك الله فلیقل اذکر ماخرجت علیه من الدنیا شهادة ان لااله الا الله وان محمد اعبده و رسوله وان الساعة اتیة لاریب فیها وان الله باعث من فی القبور فان منکرا و نکیرا عند ذلك یا خذکل واحدبید صاحبه ویقول قم ماتصنع عند رجل لقن حجته فکیون الله حجیجهما دونه"۔

"روایت کیا اس کو طبرانی نے کبیر میں اور کتاب الدعا میں اور ابن مندہ نے کتاب الروح میں اور ابن عساکر اور دیلمی نے اور روایت کیا اس کو ابن مندہ نے دوسرے طریقہ سے ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ انہوں نے کہا کہ جب میں مر جاؤں اور تم لوگ مجھ کو دفن کر چکو تو چاہئے کہ کھڑا ہو ایک آدمی میری قبر کے سرہانے اور کہے: "اے صدی بن عجلان! یاد کرو اس شے کو جس پر تم دنیا میں تھے یعنی شہادت اس بات کی کہ نہیں ہے کوئی معبود بجز اللہ تعالیٰ کے اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں" روایت کیا اس کو ابن عساکر نے دوسرے طریقے سے ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور مرفوع کیا اس کو "جب مر جائے کوئی مرد تم لوگوں میں سے اور دفن کر چکو اس کو تو چاہئے کہ کھڑا ہو جائے کوئی تم لوگوں میں کا اس کے سرہانے اور یوں کہے اے فلاں بن فلانہ! بیشک وہ مردہ سنتا ہے پھر کہے اے فلاں بن فلانہ بیشک وہ مردہ سنتا ہے پھر کہے اے فلاں بن فلانہ! پس وہ سیدھا بیٹھ جاتا ہے پھر کہے اے فلاں بن

marfat.com

فلانہ! پس بیشک وہ اسے کہتا ہے کہ رہبری کرو میری رحم کرے گا تم پر اللہ تعالیٰ۔ اس کے بعد اسے کہنا چاہئے کہ "یاد کرو جس چیز پر تم نکلے ہو دنیا سے (یعنی) اس بات کی شہادت کہ نہیں ہے معبود کوئی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بیشک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ اٹھانے والا ہے ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں پس بیشک اس وقت منکر اور نکیر پکڑتے ہیں ہر ایک اپنے ساتھی کے ہاتھ کو اور کہتے ہیں اٹھو کیا کرو گے ایسے مرد کے پاس جو تلقین کیا جا رہا ہے اپنی حجت کہ ہو جائے اللہ تعالیٰ ان دونوں کی طرف سے جھگڑنے والا اس وقت"۔

اسی میں ص (۳۶۹ میں ہے: "وروی سعید بن منصور عن راشد بن سعد وضمرة بن حبیب و حکیم بن عمیر قالو اذا سوی علیٰ قبره وانصرف الناس عنه کان یستحب ان یقال للمیت عند قبره یا فلان قل لااله الا الله ثلاث مرات یا فلان قل ربی الله و دینی الاسلام و نبی محمد صلی الله علیه وسلم"۔ "سعید بن منصور، راشد بن سعد اور ضمرہ بن حبیب اور حکیم بن عمیر سے راوی۔ ان لوگوں نے کہا کہ جب مردے پر مٹی برابر کر دیں اور لوگ اس سے واپس پھر یں تو مستحب ہے کہ میت کی قبر کے پاس یہ کہا جاوے اے فلاں کہہ لا الہ الا اللہ۔ تین مرتبہ اس کو کہیں۔ اے فلاں کہہ رب میرا اللہ، دین میرا اسلام، نبی میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"۔

علامہ شامی رد المحتار جلد اول ص ۷۹۶ میں تحریر فرماتے ہیں: "قوله ولا یلقن بعد تلحیده ذکر فی المعراج انه ظاهر الروایة ثم قال و فی الخبازیة والکافی من الشیخ الزاهد الصفار ان هذا قول المعتزلة لان الاحیاء بعد الموت عندهم مستحیل اما عند اهل السنة فالحدیث ای لقنو اموتا کم لااله الا الله محمول علیٰ حقیقته لان الله تعالی یحییه علی ما جاءت به الآثار وقد روی عنه علیه الصلاة والسلام انه امر بالتلقین بعد الدفن فیقول یا فلان بن فلانة اذکر دینک الذی کنت علیه من شهادة ان لااله الا الله وان محمد ا رسول الله الخ"۔

"معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ دفن کے بعد تلقین نہ کی جائے۔ اس لئے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا ان کے نزدیک محال ہے اور اہل سنت کے نزدیک لقنوا موتا کم لااله الا الله اپنی حقیقت پر محمول ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا اور حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کے بعد تلقین کا حکم دیا۔ کہا جائے اے فلاں بن فلانہ یاد کر اس دین کو جس پر تو دنیا میں تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں"۔

گیارھواں طریقہ دعائے میت کرنا

''عن عثمان بن عفان قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم واسألوا لہ بالتثبیت فانہ الان یسئال''۔(رواہ ابو داؤد جلد ۲ ص ۱۰۲)۔''

ابو داؤد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے ،قبر کے پاس ٹھہرتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا اور سوال کرو کہ اللہ تعالی اسے قول ثابت پر ثابت وقائم رکھے اس لئے کہ اس وقت وہ سوال کیا جائے گا۔منکر نکیر اس سے پوچھنے کو آئیں گے''۔

''وعن ابن مسعود قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقف علی القبر بعد مایسوی علیہ فیقول اللھم نزل بک صاحبنا و خلف الدنیا خلف ظھرہ اللھم ثبت عند المسئلة منطقہ و لا تفتنہ فی قبرہ بما لا طاقة لہ بہ'' (رواہ سعید بن منصور)۔''سعید بن منصور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد درستی قبر پر ٹھہرتے اور دعا کرتے خداوندا میرا صحابی تیرے پاس اترا ہے اور دنیا کو اپنے پیٹھ پیچھے چھوڑا۔خداوندا سوال کے وقت اس کی بولی ثابت و درست رکھ اور قبر میں اسے جانچ میں مبتلا نہ کر جس کی اسے طاقت نہ ہو''۔

''وروی ابن ماجة والبیھقی فی السنن عن ابن المسیب قال حضرت ابن عمر فی جنازة ابنة لہ فلما وضعھا فی اللحد قال بسم اللہ و فی سبیل اللہ فلما اخذ فی تسویة اللحد قال اللھم اجرھا من الشیطان و من عذاب القبر فلما سوی الکثیب علیھا قام جانب القبر ثم قال اللھم جاف الارض عن جنبیھا و صعد روحھا ولقھا منک رضوانا ثم قال سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم''۔

''ابن ماجہ وبیہقی سنن میں حضرت ابن میتب رضی اللہ عنہ سے راوی کہ میں حضرت ابن عمر کی صاحبزادی کے جنازہ میں حاضر ہوا تو جب آپ نے ان کو لحد میں رکھا تو بسم اللہ و فی سبیل اللہ کہا، جب قبر برابر کرنے لگے تو اللھم اجرھا من الشیطان و من عذاب القبر کہا یعنی خداوندا اس کو شیطان اور قبر کے عذاب سے بچا اور جب مٹی برابر کر چکے تو قبر کی طرف کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے اللہ قبر کو دونوں طرف سے پھیلا دے اور اس کی روح کو بلند فرما اور اس سے رضامندی کے ساتھ ملاقات کر۔پھر کہا کہ اسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا''۔

''وروی ابن ابی شیبة عن قتادہ ان انسا دفن ابنا لہ فقال اللھم جاف الارض عن جنبیہ وافتح ابواب السماء لروحہ ابدلہ دارا خیرا من دارہ''۔''ابن ابی شیبہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادہ کو دفن کیا پس کہا خداوندا زمین کو اس کی دونوں جانب سے کشادہ فرما اور اس کی روح

marfat.com

کے لئے آسمان سے دروازے کھول دے اور اس کا گھر بدل دے جو دنیوی گھر سے بہتر ہو"۔

حکیم ترمذی نوادر الاصول میں فرماتے ہیں: "الوقوف علیٰ القبر و سوال التثبیت فی وقت الدفن مدد للمیت بعد الصلاۃ لان الصلاۃ بجماعۃ المومنین کالعسکر لہ و قد اجتمعوا بباب الملک یشفعون لہ والوقوف علیٰ القبر و سوال التثبیت فی وقت الدفن مدد للعسکر و ذلک ساعۃ شغل المیت"۔(الکل من شرح الاحیاء ج ا ص ۳۶۸)۔ "قبر پر ٹھہرنا اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا دفن کے وقت، یہ نماز جنازہ کے بعد میت کی مدد ہے۔ اس لئے کہ جماعت مومنین کے ساتھ نماز پڑھنا مثل لشکر کے ہے۔ بادشاہ کے دروازہ پر ٹھہرنا اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا۔ اس لشکر کی مدد ہے۔ کیونکہ یہ وقت میت کی مشغولی کا ہے"۔

بارھواں طریقہ بعد دفن قبر پر اذاں دینا

امام احمد وطبرانی وبیہقی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے راوی: "قال لما دفن سعد بن معاذ (زادفی روایۃ) و سوی علیہ سبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سبح الناس معہ طویلا ثم کبر و کبر الناس ثم قالو ایا رسول اللہ لم سبحت (زادفی روایۃ) ثم کبرت قال لقد تضایق علیٰ ھذا الرجل الصالح قبرحتی فرجہ اللہ تعالی عنہ"۔ "جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دفن ہو چکے اور قبر درست کر دی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے پھر حضور اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے۔ پھر صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! حضور اول تسبیح پھر تکبیر کیوں فرماتے رہے؟ ارشاد فرمایا: اس نیک مرد پر اس کی قبر تنگ ہوئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ تکلیف اس سے دور کر دی اور قبر کشادہ فرما دی"۔

علامہ طیبی شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں: "ای مازلت اکبر و تکبرون واسبح و تسحون حتی فرجہ اللہ"۔ "حدیث کے معنی یہ ہیں کہ برابر میں اور تم اللہ اکبر اللہ اکبر سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس تنگی سے انہیں نجات بخشی"۔

اقول اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر آسانی کے لئے بعد دفن کے قبر پر اللہ اکبر اللہ اکبر بار بار فرمایا ہے اور یہی کلمہ مبارکہ اذان میں چھ بار ہے تو عین سنت ہوا۔ غایت یہ کہ اذان میں اس کے ساتھ کلمات طیبات زائد ہیں، سوان کی زیادت نہ معاذ اللہ کچھ مضر، نہ اس امر مسنون کے منافی بلکہ زائد مفید و موئد مقصود ہے کہ رحمت الٰہی اتارنے کے لئے ذکر خدا کرنا تھا۔ علاوہ بریں بالاتفاق سنت اور حدیثوں سے ثابت اور فقہ میں ثابت کہ میت کے پاس حالت نزع میں کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کہتے رہیں کہ اسے سن کر یاد ہو۔

marfat.com

حدیث میں ہے: ''لقنوا موتاکم لاالٰہ الا اللہ اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللہ سکھا'' (رواہ الامام احمد ومسلم وابو دؤد و الترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی سعید الخدری وابن ماجۃ کمسلم عن ابی ھریرۃ و کالنسائی عن ام المومنین عائشت رضی اللہ عنھم)۔

اب جو نزع میں ہے وہ مجازا مراد ہے اور اسے کلمہ' اسلام سکھانے کی حاجت کہ بحول اللہ خاتمہ اسی پاک کلمے پر ہو اور شیطان لعین کے بھلانے میں نہ آئے اور جو دفن ہو چکا حقیقۃً مردہ ہے اور اسے بھی کلمہ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ جواب یاد ہو جائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے اور بیشک اذان میں یہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ تین جگہ موجود بلکہ اس کے تمام کلمات جواب نکیرین بتاتے ہیں۔ اُن کے سوال تین ہیں من ربك تیرا رب کون ہے، ما دینك تیرا دین کیا ہے۔ ما کنت تقول فی ھذا الرجل تو اس مرد یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتا تھا۔ اب اذان کی ابتداء میں اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ اور اخیر میں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ، من ربك سکھائیں گے۔ ان کے سننے سے یاد آئے گا میرا رب اللہ ہے اور اشھد ان محمد ارسول اللہ اشھد ان محمد ارسول اللہ سوال ما کنت تقول فی ھذا الرجل کا جواب تعلیم دیں گے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھا اور حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح جواب ما دینك کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرا دین وہ تھا جس میں نماز رکن وستون ہے کہ الصلاۃ عماد الدین تو بعد دفن اذان دینا عین ارشاد کی تعمیل ہے جو نبی صلی اللہ علیٰ وسلم نے حدیث صحیح مذکور میں فرمایا۔ نیز علم والا ہر شخص جانتا ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور سوال نکیرین ہوتا ہے۔ شیطان رجیم (اللہ عزوجل صدقہ اپنے محبوب کریم علیہ وافضل الصلاۃ والتسلیم کا ہر مسلمان مرد و زن کو حیات و ممات میں اس کے شر سے محفوظ رکھے) وہاں بھی خلل انداز ہوتا ہے اور جواب میں بہکاتا ہے والعیاذ بوجہ العزیز الکریم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

امام ترمذی محمد بن علی نوادر الاصول میں امام اجل سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں: ''ویوئدہ من الاخبار قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند دفن المیت اللّٰھم اجرہ من الشیطان فلو لم یکن للشیطان ھناك سبیل مادعا صلی اللہ علیہ وسلم بذلك''۔ ''وہ حدیثیں اس کی موید ہیں جن میں وارد کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میت کو دفن کرتے وقت دعا فرماتے: الٰہی اسے شیطان سے بچا۔ اگر وہاں شیطان کا کچھ دخل نہ ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیوں کرتے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے''۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہا میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

فرماتے ہیں: ''اذا اذن المؤذن ادبر الشیطان ولہ حصاص'': ''جب موذن اذان کہتا ہے شیطان پیٹھ پھر کر گوز زناں بھاگتا ہے''۔ ''صحیح مسلم کی حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے واضح کہ چھتیس میل تک بھاگ جاتا ہے اور خود حدیث میں حکم آیا جب شیطان کا کھٹکا ہو فوراً اذان کہو کہ وہ دفع ہوجائے گا۔ اخرجہ الامام ابو القاسم سلیمٰن بن احمد والطبرانی فی اوسط معاجیمہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ہم نے اپنے رسالہ ''نسیم الصبافی ان الاذان یحول الوبا'' میں اس مطلب پر بہت احادیثیں نقل کیں اور جب ثابت ہوگیا کہ وہ وقت عیاذاً باللہ مداخلت شیطان لعین کا ہے اور ارشاد ہوا کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے اور ہمیں حکم آیا کہ اس کے دفع کو اذان کہو تو یہ اذان خاص حدیثوں سے مستنبط بلکہ عین ارشاد شارع کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد واعانت ہوئی جس کی خوبیوں سے قرآن وحدیث مالا مال۔ اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد ماۃ حاضرہ جناب مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ القوی نے ایک مستقل رسالہ بنام ''ایذان الاجرفی اذان القبر'' تصنیف فرمایا جس میں پندرہ دلیلوں سے اس مسئلہ کو مدلل فرمایا۔ یہ تین دلیلیں اسی رسالہ سے ماخوذ ہیں۔ اس کے علاوہ بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنت فرمایا۔ امام ابن حجر مکی اپنے فتاویٰ اور علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب درمختار نے حاشیہ ''بحر الرائق'' میں ان کا یہ قول نقل فرمایا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ''ملفوظات عزیزی'' میں ہے: ''عمل مشائخ ست کہ اذان برقبر بعد دفن می گویند''۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد دفن قبر پر اذان دینا بزرگوں سے چلا آرہا ہے اور وہ سب حدیثیں اس عمل خیر کی اصل ہیں۔ واللہ الہادی۔

تیرھواں طریقہ: قبر کے اوپر کھجور کی شاخ یا کوئی لکڑی یا کوئی سبزی وغیرہ رکھنا

''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال مرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بحائط من حیطان المدینۃ او مکۃ فسمع صوت انسانین یعذبان فی قبورھما فقال النبی صلی اللہ علیہو سلم یعذ بان وما یعذبان فی کبیر ثم قال بلیٰ کان احد ھم لا یستتر من بولہ و کان الاٰخر یمشی بالنمیمۃ ثم دعا بجریدۃ فکسرھا کسرتین فوضع علیٰ کل قبرھما کسرۃ فقیل لہ یا رسول اللہ !لم فعلت ھذا؟ قال لعلہ ان یخفف عنھما مالم تیبسا (رواہ البخاری و مسلم و ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابم ناجۃ)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ گزرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ یا مدینہ کے باغوں سے کسی باغ میں تو دو آدمیوں کی آواز سنی کہ ان پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ حضور اقدس صلی

marfat.com

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات میں عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچنا مشکل ہو۔ پھر فرمایا ان میں ایک آدمی تو اپنے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا پھر کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی اور اس کو دو ٹکڑا کیا اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھا۔ صحابہ نے عرض کی حضور نے ایسا کس لئے کیا؟ فرمایا تاکہ ان دونوں پر عذاب میں تخفیف ہو جب تک یہ دونوں خشک نہ ہوں''۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد اول ص ۸۷۴ میں فرماتے ہیں: ''قوله لعله ان يخفف عنهما اى لعله يخفف ذلك من ناحية التبرك باثر النبى عليه الصلاة و السلام و دعائه بالتخفيف عنهما فكان صلى الله عليه و سلم جعل مدة بقاء النداوة فيهما حداً لماوقعت المسالة من تخفيف العذاب عنهما و ليس ذلك من اجل ان فى الرطب معنى ليس فى اليابس قاله الخطابى وقال النووى قال العلماء و هو محمول على انه صلى الله عليه و سلم سائل الشفاعة لهما فاجيبت شفاعته بالتخفيف عنهما الى ان ييبسا وقيل يتحمل انه صلى الله عليه و سلم يدعولهما تلك المدة وقيل لكونهما يسبحان مادامتا رطبتين وليس لليابس تسبيح فالوافى قوله تعالى وان من شئى الا يسبح بحمده معناه وان شئى حى ثم حياة كل شئى بحسبه فحياة الخشبة مالم ييبس و حياة الحجر مالم يقطع''۔

''تخفیف عذاب کے سبب میں علما کے متعدد اقوال ہیں۔ علامہ خطابی نے کہا کہ تخفیف عذاب بوجہ برکت اثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ودعائے تخفیف ہے کہ حضور نے جریدہ کی تری کا باقی رہنا، تخفیف عذاب کی حد قرار دیا اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تر لکڑی میں کوئی ایسی خوبی ہے جو خشک میں نہیں۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ علمائے کرام فرماتے ہیں: یہ اس بات پر محمول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک وہ دونوں لکڑیاں خشک نہ ہوں، ان دونوں کے تخفیف عذاب کی دعا وسفارش فرمائی تو تا خشک ہونے ان کے، حضور کی شفاعت در بارہ تخفیف عذاب مقبول ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے احتمال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مدت تک ان دونوں کے لئے دعا کرتے ہوں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ تخفیف عذاب اس وجہ سے ہو کہ جب تک وہ دونوں تر ہیں، خداوند عالم کی تسبیح کرتے ہیں اور اس سے تخفیف عذاب ہوتی ہے اور خشک شاخ تسبیح نہیں کرتی۔ علمانے وان من شئی الایسبح بحمدہ کے معنی میں کہا کہ کوئی زندہ چیز نہیں جو خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو پھر ہر چیز کی حیات اس کے مطابق ہوتی ہے۔ لکڑی کی حیات اس وقت تک ہے کہ خشک نہ ہو اور پتھر کی حیات اس وقت تک ہے کہ کاٹا نہ جائے''۔

فتح الباری شرح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی جلد اول ص ۲۲۳ میں ہے: ''وقد قيل ان المعنى فيه انه يسبح مادام رطبا فيحصل التخفيف ببركة التسبيح و على هذا فيطرد فى كل مافيه رطوبة من الا

marfat.com

شجار وغیرها و کذلك فیما فیه برکة کالذکر وتلاوة القرآن من باب الاولیٰ وقد تاسی بریدة بن الخصیب الصحابی، بذلك فاوصیٰ ان توضع علیٰ قبره جریدتان کما سیاتی فی الجنائز من هذا الکتاب وهوا ولیٰ ان یتبع من غیره"۔

''اور کہا گیا ہے کہ تخفیف عذاب کی وجہ یہ ہے کہ کھجور کی شاخ جب تک تر رہے گی، خدا کی پاکی بیان کرے گی تو تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگی اور اس بنا پر یہ برکت درخت وغیرہ ہر اس چیز کو عام ہوگی جس میں تری ہے۔ اسی طرح ہر اس چیز میں جو متبرک ہے اور جیسے ذکر اور تلاوت قرآن میں بدرجہ اولیٰ یہ برکت ہوگی اور حضرت بریدہ ابن الخصیب صحابی رضی اللہ عنہ نے اس کی پیروی کی۔ وصیت کی کہ ان کی قبر پر دو شاخ کھجور کی رکھی جائے۔ اس کا بیان اسی کتاب کے ''باب الجنائز'' میں آئے گا اور حضرت بریدہ زیادہ مستحق اس امر کے ہیں کہ ان کی پیروی کی جائے باعتبار دوسروں کے''۔

ارشاد الساری شرح بخاری علامہ خطیب قسطلانی جلد۲ ص ۳۷۱ میں ہے: "او ان المعنی فیه انه یسبح مادام رطبا فیحصل التخفیف ببرکة التسبیح و حینئذ فیطرد فی کل مافیه رطوبة من الریاحین والبقول وغیرها ولیس للیابس تسبیح قال تعالیٰ ان من شئی الایسبح بحمده ای شی حی وحیاة کل شئی بحسنه فالخشب مالم ییبس والحجر ماله یقطع من معدنه" ۔ ''اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک وہ شاخ تر رہے گی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے گی تو تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگی اور اس وقت ہر اس چیز کو جس میں تری ہے، یہ حکم عام ہوگا، خوشبو ہو یا سبزی وغیرہ اور خشک چیز تسبیح نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وان من شئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہیں کوئی زندہ چیز مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور زندگی ہر چیز کی اس کے مناسب ہوتی ہے تو لکڑی کی زندگی اس وقت تک ہے کہ خشک نہ ہو اور پتھر کی اس وقت تک ہے کہ اپنے کان سے کاٹا نہ جائے''۔

امام جلال الدین سیوطی ''شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور'' میں فرماتے ہیں: '' قال الخطابی هذا عنداهل العلم محمول علیٰ ان الاشیاء مادامت علیٰ اصل خلقتها و خضرتها او طراوتها فانها تسبح حتیٰ یخفف رطوبتها او تحول خضرتها او یقطع عن اصلها وقال غیر الخطابی فاذا خفف عنها تسبیح الجرید فکیف بقراءة المومن القران قال هذا الحدیث اصل فی غرس المومن الاشجار عند القبور واخرج ابن عساکر من طریق حماد بن سلمة عن قتادة ان ابابرزة الاسلمی رضی الله عنه کان یحدث ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مرعلیٰ قبر و صاحبه یعذب فاخذ جریدة فغرسها فی القبر و قال عسیٰ ان یرفعه عنه مادامت رطبة فکان ابو برزة یوصی اذامت

marfat.com

فضعوا فی قبری من جریدتین قال فمات فی مفازۃ بین کرمان وقومس فقالوا ابو صیئنا ان نضع فی قبرہ جریدتین وھذا موضع لا نصیبھا فیہ فبینا ھم کذلک اذطلع علیھم رکب من قبل سجستان فاصابوا معھم سعفافاخذوا جریدتین فوضعوھما معہ فی قبرہ و اخرج ابن سعد عن مسروق قال اوصیٰ بریدۃ ان یجعل فی قبرہ جریدتان"۔

''علامہ خطابی نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں کی قبروں پر جریدہ رکھنا، اس بات پر محمول ہے کہ اشیا جب تک اپنی اصل خلقت اور سبزی وتری پر رہتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں، یہاں تک کہ اس کی رطوبت خشک ہو یا اس کی سبزی جاتی رہے یا اصل سے وہ چیز قطع کردی جائے۔ اور خطابی کے سوا دیگر علما نے فرمایا کہ جب بہ سبب تسبیح شاخ خرما ان دونوں مردوں سے عذاب میں تخفیف کی گئی تو مومن کے قرآن شریف پڑھنے کے سبب کس قدر تخفیف ہوگی اور یہ حدیث مسلمانوں کی قبروں کے پاس درخت لگانے کی اصل ہے اور ابن عساکر نے بطریق حماد بن سلمہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ حدیث شریف بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے اور قبر والے شخص پر عذاب کیا جارہا تھا تو حضور نے کھجور کی ایک شاخ لے کر اس کو اس قبر پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ شاخ تر رہے گی، اللہ تعالیٰ اس مردہ سے عذاب اٹھالے گا اور ابو برزہ وصیت کرتے تھے کہ جب میں مروں تو میری قبر میں کھجور کی دو شاخ تر رکھنا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اتفاق وقت کہ ان کا انتقال کرمان اور قومس کے درمیان ایک میدان میں ہوا۔ لوگوں نے کہا ان کی وصیت یہ تھی کہ ان کی قبر میں کھجور کی دو شاخیں رکھیں اور یہ ایسی جگہ ہے جہاں کھجور کی شاخ نصیب نہیں۔ بس ہم لوگ اسی شش وپنج میں تھے کہ بجستان کی طرف سے ایک جماعت آتی ہوئی نظر آئی۔ ان کے ساتھ کھجور کی شاخیں تھیں۔ لوگوں نے ان سے دو شاخیں لے لیں اور ان کی قبر میں رکھا۔''

علامہ ابن حجر مکی فتاوی حدیثیہ ص ۲۰۰ میں اس حدیث بخاری کے متعلق سوال کے جواب میں تحقیق وتفصیل کے بعد لکھتے ہیں: "و بما قررتہ یعلم انہ یسن لکل احد اتباعالہ صلی اللہ علیہ وسلم فان الاصل فی افعالہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم التاسی الا مادل دلیل علیٰ الخصوصیۃ ولا دلیل ھھنا فندب التاسی بہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک"۔ ''اور جو کچھ میں نے تقریر کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کے لئے مسنون ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے اتباع میں قبر پر شاخ تر خرما کی رکھے۔ اس لئے کہ اصل حضور کے افعال میں اقتدا کرنا ہے۔ ہاں! جب کوئی دلیل خصوصیت کی ہو تو البتہ مخصوص ہوگا اور اس جگہ کوئی دلیل تخصیص نہیں تو اس مسئلہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرنا مندوب و مستحسن ہوگا''

marfat.com

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ اس حدیث سے علمائے کرام نے تین مسئلے استنباط فرمائے ہیں۔ اول یہ کہ قبر کے پاس قرآن شریف کی تلاوت مستحب و مندوب ہے۔

ملا علیٰ قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ جلدا ص ۲۸۶ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: "واستحب العلماء قراۃ القران عندالقبر لهذ الحدیث اذ تلاوۃ القران اولیٰ بالتخفیف من تسبیح الجرید و قد ذکر البخاری ان بریدۃ بن الخصیب الصحابی اوصیٰ ان یجعل فی قبرہ جریدتان فکانہ تبرك بفعل مثل فعل رسول اللہ ﷺ"۔ "علما نے اس حدیث سے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب بتایا ہے۔ اس لئے کہ قرآن شریف کی تلاوت تخفیف عذاب میں تسبیح جریدہ سے ضرور اولیٰ ہے اور بخاری نے ذکر کیا کہ بریدہ بن خصیب صحابی نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں دو شاخیں کھجور کی رکھی جائیں تو گویا انہوں نے مثل فعل رسول سے برکت لینا چاہا"۔

عینی شرح بخاری جلد اول ص ۸۷۴ میں ہے: "واستحب العلماء قراءۃ القرآن عند القبر لهذ الحدیث لانہ اذا کان یرجی التخفیف بتسبیح الجرید فتلاوۃ القرآن اولیٰ"۔ "اس حدیث سے علمانے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب قرار دیا۔ اس لئے کہ جب تسبیح جریدہ سے تخفیف عذاب کی امید ہے تو تلاوت قرآن سے تخفیف عذاب بدرجہ اولیٰ ہوگی۔

شرح احیاء العلوم علامہ سید مرتضیٰ زبیدی جلد ۱۰ ص ۳۶۹ میں ہے: "قال السیوطی فی شرح الصدور واما قراءۃ القرآن علی القبر فجزم بمشر و عیتها اصحابنا و غیرهم قال الزعفرانی سئالت الشافعی عن القراءۃ عند القبر فقال لاباس به وقال النووی فی شرح المهذب یستحب لزائر القبور ان یقرء ماتیسرمن القران ویدعولهم عقبها نص علیه الشافعی واتفق علیه الاصحاب زاد فی موضع آخر وان ختموا القران علیٰ القبر کان افضل وقد سئل الشمس محمد بن علی بن محمد بن عیسیٰ العسقلانی الکنانی السمهودی الشافعی عرف بابن القطان المتوفی ۸۱۳ وهو من مشائخ الحافظ ابن حجر عن مسائل فاجاب ومنها و هل یصل ثواب القراءۃ للمیت ام لا ؟فاجاب عنها فی رسالۃ سماها "القول بالاحسان العمیم فی انتفاع المیت بالقران العظیم" وانااذکر منها مایلیق بالمقام الاختصار قال رحمہ اللہ: "اختلف العلماء فی ثواب القراءۃ للمیت فذهب الاکثرون الیٰ المنع وهوالمشهور من مذهب الشافعی ومالك و نقل عن جماعۃ من الحنفیۃ وقال کثیر منهم یصل وبه قال الامام احمد بعدان قال القراءۃ علیٰ القبر بدعۃ بل نقل عنه انه یصل الیٰ

marfat.com

المیت کل شیء من صدقة وصلاة و حج وصوم و اعتکاف و قرائة و ذکر وغیر ذلک و نقل ذلک عن جماعة من السلف و نقل عن الشافعی انتفاع المیت بالقراء ة علیٰ قبره واختار شیخنا شهاب الدین بن عقیل و تواتران الشافعی زار اللیث بن سعد واثنیٰ علیه خیرا وقرء عنده ختمة و قال ارجوان تدوم فکان الامر کذلک وقال القرطبی قد استدل بعض علمائنا علیٰ قراء ة القران علیٰ القبر بحدیث العسیب الرطب الذی شقه النبی ﷺ باثنین ثم غرس علیٰ قبر نصفا وعلیٰ قبر نصفا و قال لعله یخفف عنهما مالم ییبسار واه الشیخان قال و یستفاد من هذاغرس الا شجار وقراء ة القران علیٰ القبور و اذالخفف عنهم بالاشجارفکیف بقراء ة الرجل المومن القرآن و قال النووی استحب العلماء قراء ة القرآن عند القبرو واستا نسو الذلک بحدیث الجریدین وقالوا اذا وصل النفع الیٰ المیت بتسبیحهم حال رطو بتهما فانتفاع المیت بقراء ة القران عند قبره اولیٰ فان قراء ة القرآن من انسان اعظم وانفع من التسبیح من عود اه"۔

"امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں تحریر فرماتے ہیں: قرآن شریف کا قبر پر پڑھنا تو ہمارے اصحاب اور دوسروں نے اس کے مشروع ہونے کا یقین کیا۔ امام زعفرانی نے کہا کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے کا مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا اس میں مضائقہ نہیں۔ علامہ نووی نے شرح مہذب میں فرمایا: زائر قبور کے لئے مستحب ہے کہ جس قدر بآسانی قرآن شریف پڑھ سکے، اتنا قرآن پڑھے، اس کے بعد مردوں کے لئے دعا کرے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس پر نص فرمایا اور دوسری جگہ اس قدر اور زیادہ کیا کہ اگر ایک ختم قرآن کا مل کریں تو اور بہتر ہے اور علامہ شمس محمد بن علی عسقلانی کنانی سمہودی شافعی استاذ علامہ عصر حافظ ابن حجر عسقلانی معروف بہ ابن القطان (متوفی ۸۱۳ھ) سے چند مسئلے دریافت کئے گئے تو آپ نے ان کے جوابات دیئے۔ منجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا قرآن شریف پڑھ کر بخشنے سے مردہ کو ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جس کا نام "القول بالاحسان العمیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم" رکھا اور ہم اس سے تھوڑا سا حسب مناسب مقام اختصار کے ساتھ اس جگہ ذکر کرتے ہیں: "مردے کو قراءۃ قرآن شریف کا ثواب پہنچنے میں علما کا اختلاف ہے اکثر لوگ منع کی طرف گئے ہیں اور یہی مشہور مذہب امام شافعی کا ہے اور امام مالک و جمہور حنفیہ سے منقول ہے اور اکثر حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ میت کو قرأت کا ثواب پہونچتا ہے۔ امام احمد بن حنبل بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ پہلے یہ کہتے تھے کہ قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔* (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

ان سے منقول ہے کہ مردے کو سب کچھ پہونچتا ہے صدقہ ہو یا نماز، حج، روزہ، اعتکاف، قرأۃ قرآن، ذکر

marfat.com

وغیرہ اور اسے سلف صالحین کی ایک جماعت سے نقل کیا اور قبر پر قرآن شریف پڑھنے سے میت کا نفع اٹھانا، امام شافعی سے منقول ہے اور اسی کو ہمارے استاذ شہاب الدین عقیلی نے پسند فرمایا اور امام شافعی سے متواتر طریقہ پر ثابت ہے کہ انہوں نے لیث بن سعد کی قبر کی زیارت کی اور ان کی تعریف بیان کی اور وہاں ایک ختم قرآن شریف پڑھا اور فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ یہ قرأت ہمیشہ جاری رہے۔ پس ویسا ہی واقع ہوا۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ بعض علما نے قبر پر قرآن شریف پڑھنے کے جواز پر شاخ خرما والی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے شاخ خرما کو دو نصف کیا اور ایک نصف ایک قبر پر اور دوسرا دوسرے پر نصب کیا اور فرمایا کہ جب تک یہ دونوں تر رہیں، اللہ تعالیٰ ان دونوں مردوں پر عذاب میں تخفیف فرمائے گا۔ اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا اور کہا کہ اس حدیث سے قبر پر درخت کا نصب کرنا اور قرآن شریف پڑھنا مستفاد ہوتا ہے کہ جب شاخ درخت کی وجہ سے تخفیف عذاب ہو تو قرآن مجید کے مفید ہونے کا کیا کہنا۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ علما نے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب جانا اور حدیث ''جریدتین'' سے استدلال کیا اور فرمایا کہ جب شاخ تر کی تسبیح سے مردہ کو فائدہ ہوتا ہے تو قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے سے نفع ہونا بدرجہ اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ انسان کا قرآن شریف پڑھنا لکڑی کی تسبیح کرنے سے رتبہ میں اعظم اور فائدہ میں نفع ہے''۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر کہتا ہے کہ علامہ ابن قطان کا ''فذھب الاکثرون الیٰ المنع'' فرمانا محل نظر ہے۔ اس لئے کہ علمائے راسخین کی تحقیق وتصریح کے خلاف ہے۔

ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری مرقات شرح مشکوۃ جلد ۶ ص ۳۸۲ میں فرماتے ہیں: ''اختلف فی وصول ثواب القرآن للمیت فجمھور السلف والائمۃ الثلثۃ علیٰ الوصول و خالف فی ذلک امامنا الشافعی مستدلا بقولہ تعالیٰ: ''وان لیس للانسان الا ماسعیٰ'' واجاب الاولون عن الآیۃ بوجوہ۔ احدھا انھا

---

*''ان کے اس قول سے رجوع کرنے کا واقعہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے علی بن موسیٰ حداد کہتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبل کے ساتھ ایک جنازہ میں گیا اور محمد بن قدامہ جوہری بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب مردہ کو دفن کر چکے تو ایک نابینا آیا اور قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے لگا۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اے شخص! قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔ جب ہم لوگ قبرستان سے نکلے تو محمد بن قدامہ نے امام احمد بن حنبل سے کہا: اے ابوعبداللہ! مبشر بن اسمٰعیل حلبی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: وہ ثقہ ہیں۔ پوچھا کہ آپ نے ان سے کچھ لکھا ہے؟ فرمایا ہاں! بولے کہ مجھے مبشر بن اسمعیل نے عبدالرحمٰن بن علاء بن لجلاح سے خبر دی کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے وصیت کی کہ دفن کے بعد ان کے سرہانے فاتحہ بقرہ وخاتمہ بقرہ پڑھی جائے اور انہوں نے کہا کہ میں نے ابن عمر سے سنا کہ اس کی وصیت کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ جاؤ اس نابینا کو کہہ دو کہ قرآن شریف پڑھو (احیاء العلوم برحاشیہ شرح مرتضیٰ زبیدی جلد ۱۰ ص ۳۷۰) منہ غفرلہ''

marfat.com

منسوخة بقوله تعالىٰ: ”والذين امنوا و اتبعتهم ذريتهم بايمان الحقنا بهم ذريتهم “ الآية ادخل الابناء الجنة بصلاح الآباء۔ الثانی انها خاصة بقوم ابراهيم و موسىٰ عليهما الصلاة والسلام فاما هذه الامة فلها ماسعت وماسعىٰ بها قاله عكرمة۔ الثالث المراد بالانسان ههنا الكافر فاماالمومن فله ما سعىٰ لها قاله الربيع ابن انس۔ الرابع ليس للانسان الا ماسعىٰ من طريق العدل فاما من باب الفضل فجائزان يزيده الله ماشاء قاله الحسين بن فضل۔ الخامس ان اللام فی للانسان بمعنی علیٰ ای ليس علىٰ الانسان الا ماسعىٰ واستدلوا علىٰ الوصول بالقياس علىٰ الدعاء و الصدقة والصوم والحج والعتق لانه لافرق فی نقل الثواب بين ان يكون عن حج او صدقة اووقف اودعاء اوقراءة وبالاحاديث المذكورة وهی وان كانت ضعيفة فمجموعها يدل علىٰ ان لذلك اصلاوان المسلمين مازالوا فی كل مصر و عصر يجتمعون و يقرؤن لموتاهم من غير نكير فكان ذلك اجماع۔ ذكر ذلك كله الحافظ شمس الدين بن عبد الواحد المقدسی الحنبلی فی جزء الفه فی المسئلة ثم قال السيوطی واماالقراءة علىٰ القبر فجزم بمشر وعيتها اصحابنا وغيرهم“۔

”امام سیوطی فرماتے ہیں: مردے کو قرآن شریف کا ثواب پہونچنے میں اختلاف ہے۔ جمہور سلف اور ائمہ ثلثہ کا یہ مذہب ہے کہ پہونچتا ہے اور ہمارے امام شافعی نے اس مسئلہ میں خلاف کیا اور اس آیت کے ساتھ استدلال کیا کہ لیس للانسان الاماسعی اور پہلے مذہب والوں نے اس کے پانچ جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، ناسخ اس کا ”والذین آمنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنا بهم ذریتهم“ ہے تو اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آباء کی صلاح کی وجہ سے اولاد جنت میں جائے گی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حکم حضرت ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام کی امت کا ہے لیکن امت محمدیہ کے لئے دونوں ہیں۔ جو اس نے سعی کیا اور جو اس کے لئے سعی کیا گیا۔ یہ قول عکرمہ کا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس جگہ انسان سے کافر مراد ہے لیکن مومن کے لئے جو وہ سعی کرے اور جو اس کے لئے سعی کیا جائے۔ یہ قول ربیع بن انس کا ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ انسان کے لئے بطریق عدل وہی ہے جو اس نے کیا، البتہ بطریق فضل واحسان جائز ہے کہ اللہ تعالی جس قدر زائد دے۔ یہ قول حسین بن فضل کا ہے۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ لیس للانسان میں لام بہ معنی علیٰ ہے یعنی انسان پر مواخذہ نہیں مگر اسی کا جو اس نے کیا

اور پہلی جماعت اپنے مذہب پر (یعنی ثواب مردے کو پہنچتا ہے) یہ دلیلیں پیش کرتی ہے: اول دعا، صدقہ، روزہ، حج، آزاد کرنے پر قیاس ہے کہ جب ان سب چیزوں کا ثواب پہنچتا ہے تو ان میں اور قرأت قرآن میں کوئی فرق نہیں کہ ان سب چیزوں کا ثواب پہنچے اور قرأت قرآن کا ثواب نہ پہونچے۔ دوم اس قیاس کے علاوہ ان احادیث سے دلیل لائے ہیں

marfat.com

جو مذکور ہوئیں اور یہ حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان سب کے مجموعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کی اصل ہے اور بلاشبہ مسلمان ہر زمانہ اور ہر شہر میں برابر بلا انکار جمع ہوتے اور اپنے مردوں کے ہاں قرآن پڑھا کرتے تھے تو یہ اس فعل پر اجماع ہوا۔ یہ سب کچھ حافظ شمس الدین بن عبد الواحد مقدسی حنبلی نے ایک مستقل رسالہ میں لکھا ہے جو خاص اسی مسئلہ کے متعلق تصنیف کیا۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ قبر پر قرآن شریف پڑھنے کے مشروع ہونے پر ہمارے اصحاب اور ان کے غیر نے جزم و یقین کیا''۔

تو ان تمام عبارات و تصریحات سے واضح ہوا کہ میت کے لئے قرآن شریف پڑھنے کا مشروع ہونا، نہ صرف ائمہ ثلثہ بلکہ چاروں اماموں کا مذہب ہے پھر علامہ ابن قطان کا فذهب الاكثرون الى المنع کہنا، کس طرح قابل قبول ہوسکتا ہے؟۔

نباتات جس وقت تک سبز رہتی ہیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں!

دوسرا مسئلہ جو اس حدیث سے علما نے استنباط فرمایا وہ یہ ہے کہ نباتات جس وقت تک سبز رہتی ہیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں اور اس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اس لئے قبرستان سے سبز گھانسوں کا اکھاڑنا، کاٹنا ممنوع و مکروہ ہے۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے: "ويكره قطع الحشيش الرطب من المقبرة فان كان يابسا لا باس به لانه مادام رطبا يسبح فيونس الميت وعن هذا قالوا لا يستحب قلع الحشيش الرطب من غير الحاجة"۔ "قبرستان سے تر گھاس کا کاٹنا مکروہ ہے۔ اگر خشک ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ جب تک گھاس تر رہتی ہے، خدائے تعالیٰ کی تسبیح کرتی رہتی ہے جس کی وجہ سے میت کو خوشگواری کا احساس ہوتا ہے۔ اسی بنا پر فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ بلاوجہ تر گھاس کو نہیں کاٹنا چاہئے''۔

فتاویٰ بزازیہ کتاب الکراہیہ میں ہے: "قطع الحشيش من المقابر يكره لانه يسبح و يندفع به العذاب من الميت وعلى هذا لا يكره من مقابر الكفار وقطع اليابس و به ورد الحديث الصحيح"۔ "قبرستان سے تر گھانس کا کاٹنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ وہ خدا کی تسبیح کرتی ہے اور اس کی وجہ سے مردہ سے عذاب دفع ہوتا ہے اور مردہ کو انس ہوتا ہے اور اس بنا پر کفار کے مرگھٹ سے اور خشک گھانس کا کاٹنا مکروہ نہ ہوگا۔ اس بارے میں صحیح حدیث آئی ہے''۔

فتاوی عالمگیر میں فتاوی قاضی خاں سے منقول ہے: "ويكره قطع الحطب والحشيش من المقبرة فان كان يابسا لا باس به كذا فى فتاوى قاضى خان"۔ "تر گھانس کا قبر سے کاٹنا مکروہ ہے۔ اگر خشک ہے تو حرج نہیں''۔

علامہ شامی رد المحتار اول ص ۸۴۶ میں تحریر فرماتے ہیں: "يكره ايضا قطع النبات الرطب و

marfat.com

الحشیش من المقبرۃ دون الیابس کما فی البحر والدرر وشرح المنیۃ وعللہ فی الامداد بانہ مادام رطبا یسبح اللہ فیونس المیت و تتنزل بذکرہ الرحمۃ اھ و نحوہ فی الخانیۃ"۔ ''تر گھانس اور سبزی کا مقبرہ سے کاٹنا مکروہ ہے، نہ خشک کا جیسا کہ بحرالرائق اور درر اور شرح منیہ میں ہے اور اس کی علت امداد الفتاح میں یہ بیان کی گئی ہے کہ گھانس جب تک تر رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ اس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذکر کی وجہ سے رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ اسی کے مثل فتاویٰ خانیہ میں ہے''۔

مزارات پر پھول چڑھانا جائز ہے:

تیسرا مسئلہ علمائے کرام نے اس حدیث سے یہ استنباط کیا ہے کہ پھول وغیرہ قبروں پر رکھنا جائز ہے۔

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوۃ جلد۲ ص ۳۸۲ میں اس حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں: "وقد انکر الخطابی ما یفعلہ للناس علی القبور من الاخواص ونحوھا بھذا الحدیث و قال لا اصل لہ"۔ ''لوگ قبروں پر کھجور کی شاخ جو اس حدیث کی رو سے رکھ دیتے ہیں، خطابی نے اس سے انکار کر کے کہا: اس کی کوئی اصل نہیں ہے''۔

علامہ خطابی کا یہ قول ذکر کر کے اس طرح رد کرتے ہیں: "واما انکار الخطابی و قولہ لا اصل لہ ففیہ بحث واضح اذ ھذا الحدیث یصلح ان یکون اصلا لہ ثم رایت بن حجر صرح بہ وقال قولہ لا اصل لہ ممنوع بل ھذا الحدیث اصل اصیل لہ ومن ثم افتیٰ بعض الائمۃ من متاخری اصحابنا بان ما اعتید من وضع الریحان و الجرید سنۃ لھذا الحدیث"۔ ''علامہ خطابی کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ اس کی اصل نہیں، اس پر کھلا ہوا اعتراض ہے۔ اس لئے کہ یہ حدیث اس کی اصل ہو سکتی ہے۔ پھر میں نے علامہ ابن حجر کو دیکھا کہ انہوں نے اس کی تصریح فرمائی اور کہا کہ خطابی کا لا اصل لہ کہنا ممنوع ہے بلکہ یہ حدیث اس کی زبردست دلیل ہے۔ اسی وجہ سے بعض متاخرین ائمہ نے فتویٰ دیا کہ لوگوں میں جو مروج ہے کہ خوشبو پھول اور کھجور کی شاخ قبر پر رکھا کرتے ہیں، وہ اسی حدیث سے سنت ہے''۔

ارشاد الساری شرح بخاری کی عبارت اوپر گذری: "او ان المعنی فیہ انہ یسبح مادام رطبا فیحصل التخفیف ببرکۃ التسبیح و حینئذ فیطرد فی کل ما فیہ رطوبۃ من الریاحین والبقول وغیرھا"۔ ''یا اس کی یہ وجہ ہے کہ شاخ جب تک تر رہے گی، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے گی تو تسبیح کی برکت سے مردہ پر تخفیف ہوگی پس اس وقت ہر اس چیز کو جس میں تری ہے، عام ہوگی، گھانس ہو یا پھول وغیرہ''۔

فتاوی عالمگیریہ میں ہے: "وضع الورد والریاحین علی القبور حسن"۔ ''گلاب کا پھول یا اور خوشبو پھول کا قبر پر رکھنا بہتر ہے''۔

marfat.com

تصحیح المسائل ص ۲۰ میں ہے: ”فی کنز العباد و فتاویٰ الغرائب وضع الورد و الریاحین علیٰ القبور حسن کانہ مادام رطبا یسبح و یکون للمیت بتسبیحہ انس“ ۔ ”کنز العباد اور فتاوی غرائب میں ہے کہ گلاب کا پھول اور دوسرے پھولوں کا قبور پر رکھنا حسن ہے۔ اس لئے کہ وہ جب تک تر و تازہ ہے، خدا کی تسبیح کرتا ہے اور اس سے مردے کا جی بہلتا ہے“۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ علمائے کرام کی انہیں تصریحات کی بنا پر مسلمانوں میں رواج ہے کہ بزرگوں کے مزار پر پھول کی چادر چڑھانے یا پھولوں کا ہار ڈالنے یا بے گوندھا پھول قبروں پر رکھتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

اس جگہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حدیث شریف میں وضع جریدہ کی وجہ ان دونوں کا معذب ہونا ہے تو تخفیف عذاب کے لئے حضور اقدس ﷺ نے ایسا کیا اور اس زمانہ میں گنا ہگاروں کی قبر پر کوئی ہار پھول نہیں ڈالتا بلکہ برعکس بزرگوں کے مزار پر یہ چڑھاوا ہوتا ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ تخفیف عذاب بوجہ تسبیح جریدہ ہے اور یہی وجہ مذہب مختار ہے۔ اور تسبیح کا اصل فائدہ نزول رحمت وانس میت ہے اور ہر شخص کو ہر حال میں اس کی ضرورت ہے۔ کوئی کسی مرتبہ پر پہونچ جائے مگر رحمت باری سے وہ بے نیاز نہیں ہوسکتا، ہر شخص کو اس سے فائدہ پہونچتا ہے۔ گنہگار معذب کے لئے تخفیف یا دفع عذاب اور مرحوم مغفور کے لئے رفع مراتب و ترقی درجات و مزید اجر و ثواب ہے اور کوئی شخص اس کو مشائخ کے ساتھ مخصوص نہیں جانتا۔

چودھواں طریقہ: دفن کے بعد سرہانے فاتحہ اور پائتی میں خاتمہ سورہ بقرہ پڑھنا

”عن عبد الرحمان بن العلاء ابن اللجلاج عن ابیہ انہ اوصیٰ اذا دفن ان یقرء عند راسہ فاتحۃ البقر و خاتمتہا و قال سمعت ابن عمر یوصی بذلک“ (کذا اوردہ القرطبی فی التذکرۃ)۔ ”عبد الرحمٰن بن علاء اپنے والد سے راوی کہ انہوں نے وصیت کیا کہ ان کے دفن کے بعد ان کی قبر پر سورہ بقر کی ابتدائی آیتیں یعنی الم سے مفلحون تک اور خاتمہ بقرہ یعنی امن الرسول سے ختم سورہ تک پڑھا جائے اور کہا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر کو سنا کہ اس کی وصیت کرتے تھے“

شرح احیاء العلوم ص ۳۷۰ میں ہے: ”وعنہ قال قال لی ابی یا بنی! اذا وضعتنی فی لحدی فقل بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ ثم شن علیٰ التراب شنا ثم اقرء عند راسی بفاتحۃ البقرۃ و خاتمتہا فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ذلک“ ۔ ”عبد الرحمٰن بن علا کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے کہا کہ میرے بیٹے جب تم مجھے قبر میں رکھو تو بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ کہہ کر رکھنا پھر آہستہ آہستہ مجھ پر مٹی ڈالنا پھر میرے سرہانے فاتحہ بقرہ و خاتمہ بقرہ پڑھنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اس کا حکم

فرماتے تھے''۔(رواہ الطبرانی)

''وعن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اذا مات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہ الیٰ قبرہ ویقرء عند راسہ بفاتحۃ البقرۃ و عند رجلیہ بخاتمۃ سورہ البقرۃ'' (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)۔ ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ فرماتے ہیں: جب تم میں کوئی شخص مرے تو اسے مت روکو اور جلدی اس کو قبر تک لے جاؤ اور اس کے سرہانے فاتحہ بقرہ اور پائنتی خاتمہ سورہ بقر پڑھو''۔

ملاعلیٰ قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ شریف جلد۲ ص ۳۸۱ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:''(عند راسہ فاتحۃ البقرۃ) ای الیٰ المفلحون (و عند رجلیہ بفاتحۃ) و فی نسخۃ خاتمۃ (البقرۃ) ای من آمن الرسول الخ قال الطیبی لعل تخصیص فاتحتھا لا شتما لھا علیٰ مدح کتاب اللہ وانہ ھدی للمتقین الموصوفین بالخلال الحمیدۃ من الایمان بالغیب واقامۃ الصلاۃو ایتاء الزکاۃ وخاتمتھا لاحتوائھا علیٰ الایمان باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ واظھارا لاسکانۃ وطلب الغفران و الرحمۃ والتولی الیٰ کنف اللہ تعالی و حمایتہ۔''

''فاتحہ البقرہ سے مرادالم سے مفلحون تک اور خاتمہ سے مراد آمن الرسول سے آخر سورہ تک ہے۔علامہ طیبی کہتے ہیں کہ تخصیص فاتحہ بقرہ کی یہ وجہ ہے کہ وہ مشتمل ہے اللہ کی کتاب کی تعریف پر اور اس کا بیان ہے کہ وہ پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ہے جوان صفات حمیدہ سے موصوف ہیں یعنی غیب پر ایمان لانا،نماز پڑھا کرنا،زکاۃ دیتے رہنا اور خاتمہ بقرہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشتمل ہے ایمان باللہ،ایمان بالملائکہ،ایمان بالکتب،ایمان بالرسل پر اور اپنی عاجزی اور طلب مغفرت ورحمت اور اللہ کی جوار اور اس کی حمایت میں آنے کا ذکر ہے۔اس لئے فاتحہ وخاتمہ بقرہ سے سب باتوں کی یاددہانی ہوجائے گی''۔

پندرھواں طریقہ: قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرنا کہ اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکے

''عن عمر و بن العاص قال لابنہ و ھوفی سیاق الموت اذا نامت فلا تصاحبنی نائحۃ و لا نار فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنًا ثم اقیموا حول قبری قد رما ینحرجزور و تقسم لحمھا حتی استانس بکم واعلم ماذاراجع رسل ربی'' (رواہ مسلم ص ۷۶ ومشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)

''امام مسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ کو اپنے انتقال کے وقت فرمایا کہ جب میں مرجاؤں تو میرے جنازے کے ساتھ کوئی رونے والی عورت نہ

marfat.com

جائے اور نہ آگ ہو۔ جب مجھ کو دفن کر چکو تو آہستہ آہستہ مجھ پر مٹی ڈالو پھر میرے قبر کے پاس اتنے دیر تک ٹھہرو جتنی دیر میں اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے تا کہ تم لوگوں کے رہنے سے انس حاصل کروں اور جانوں کہ اپنے رب کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں''۔

ملا علیٰ قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۳۸۱ میں فرماتے ہیں: ''(حتی استانس بکم) ای بد عائکم واذکارکم وقراءتکم واستغفارکم''۔ ''تم لوگوں سے انس کا مطلب تمہاری دعا، تمہارے اذکار اورتمہاری قرأت، تمہارے استغفار سے انس حاصل کرنا ہے''۔ یعنی چاہئے کہ اتنے دیر تک خاموش بیٹھے نہ رہیں بلکہ دعا کریں اللہ ورسول کا تذکرہ کریں قرآن شریف کی تلاوت کریں، مغفرت کی دعا کریں۔

علامہ نووی ص ۷۶ شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''منہا استحباب المکث عند القبر بعد الدفن لحظة نحو ماذكر لما ذكر فيه ان الميت حينئذ يسمع من حول القبر''۔ ''اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دفن کے بعد اتنی دیر تک جس کا بیان حدیث شریف میں ہے: مو انست میت کے لئے اور تصحیح خیال ودماغ کے لئے قبر پر ٹھہرنا مستحب ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مردہ گرد وپیش کی باتیں سنتا ہے''۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۹ میں فرماتے ہیں: ''وقال ابو بكر الاجرى يستحب الوقوف بعدالدفن قليلا و الدعاء للميت مستقبلا و جهه بالثبات فيقال اللهم هذاعبدك وانت اعلم به مناولا نعلم الا خير اوقد اجلسته لتسئا له اللهم فثبته بالقول الثابت فى الأخرة كما ثبته فى الدنيا اللهم ارحمه والحقه بنبيه ولا تفتنا بعده ولا تحرمنا اجره''۔ ''ابوبکر اجری نے کہا کہ دفن کے بعد کچھ دیر تک ٹھہرنا اور میت کے لئے اس کی طرف متوجہ ہو کر دین اسلام پر ثابت رہنے کی دعا کرنا مستحب ہے اور دعا میں یہ کہنا چاہئے کہ خداوندا یہ تیرا بندہ ہے اور تو اس کے حال کو مجھ سے بہت زیادہ جانتا ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے ہم بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ اس وقت تو نے اسے سوال کے لئے بٹھایا ہے۔ خداوندا تو اسے آخرت میں قول پر ثابت رکھ جس طرح دنیا میں ثابت رکھا ہے۔ میرے مولیٰ تو اس پر رحم کر اور اس کو اس کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور اس کے بعد ہمیں فتنہ میں مبتلا نہ کر اور نہ اس کے اجر سے محروم کر''۔

سولھواں طریقہ: زیارت قبور سے اہل قبر کو انس ہوتا ہے

زیارت قبور کرنا خصوصاً اپنے اعزہ واقارب اور جانے پہچانے شخص کی قبر پر جانا کہ اس سے مردہ کو انس حاصل ہوتا ہے۔

marfat.com

علامہ تقی الدین سبکی شفاء السقام ص ۶۵ و امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں تحریر فرماتے ہیں، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انس مایکون المیت فی قبرہ اذازارہ من کان یحبہ فی دارالدنیا"۔ "قبر میں مردہ کا زیادہ جی بہلنے کا وہ وقت ہوتا ہے جب زیارت کو وہ شخص آئے جسے دنیا میں دوست رکھتا تھا"۔

ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "مامن رجل یزور قبر اخیہ ویجلس علیہ استانس ورد علیہ حتی یقوم"۔ "جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کو جائے اور اس کے پاس بیٹھے تو وہ مردہ اس سے انس حاصل کرتا ہے۔ اس کا دل اس کے بیٹھنے سے بہلتا ہے اور جب تک وہ شخص اس کے پاس سے اٹھے، اس کا جواب دیتا ہے"۔

ابوالشیخ و دیلمی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں: "مامن رجل یزور قبر اخیہ فیسلم علیہ ویقعد عندہ لرد علیہ السلام و انس بہ حتی یقوم من عندہ"۔ "جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کو جائے اور اسے سلام کرے اور اس کے پاس بیٹھے تو اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس مردہ کا اس سے جی بہلتا ہے، جب تک کہ وہ شخص اس کے پاس سے اٹھ آئے"۔

بیہقی ابوالدرداء، ہاشم بن محمد سے راوی ہیں: "قال سمعت رجلا من اھل العلم یقول انہ کان یزور قبر ابیہ فطال علیہ ذلک قال فقلت ازور التراب فاریتہ فی منامی فقال یابنی! مالک لاتفعل کما کنت تفعل فقلت ازور التراب فقال لا تقل ذلک یا بنی! فواللہ لقد کنت تشرف علیّ فیبشرنی بک جیرانی ولقد کنت تنصرف فما ازال اراک حتی تدخل الکوفۃ۔" (شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷) "ہاشم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے ایک اہل علم کو کہتے سنا کہ وہ اپنے والد کی قبر کی زیارت کو برابر جایا کرتے تھے۔ جب زمانہ دراز ہوا تو انہوں نے کہا کہ مٹی کی زیارت کو جاؤں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا، فرماتے ہیں: اے میرے بیٹے! تم اب زیارت کو کیوں نہیں آتے جس طرح پہلے آیا کرتے تھے؟ میں نے کہا کہ کیا میں مٹی کی زیارت کے لئے آؤں؟ والد صاحب نے فرمایا نہیں بیٹا ایسا نہ کہو۔ خدا کی قسم! تم جس وقت آتے ہوئے دکھائی دیتے تھے، اس وقت میرے پڑوسی تمہارے آنے کی مجھے بشارت و خوشخبری دیتے تھے اور جب تم واپس ہوتے تھے میں تم کو برابر دیکھتا رہتا تھا، یہاں تک کہ تم کوفہ شہر میں داخل ہو جاتے تھے"۔

شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷ میں ہے: "وروی ایضا عن الفضل ابن الموفق ابن خال سفیان بن عیینہ قال لما مات ابی جزعت جزعا شدیدا فکنت آتی قبرہ فی کل یوم ثم انی قصرت عن ذلک فرائیتہ فی النوم فقال یا بنی! ما ابطا بک عنی قلت وانک تعلم بمجیئی قال ما جئت مرۃ الا علمتھا وقد کنت

marfat.com

تاتینی فاسربك ویسرمن حولی بد عائك قال فکنت اتیۂ بعد کثیرا"۔

"فضل بن موفق سفیان بن عیینہ کے ماموں زاد بھائی کہتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا، میں سخت غمگین اور پریشان ہوا۔ بہت زیادہ جزع فزع کیا تو میں ہر روز ان کے قبر کی زیارت کو جاتا تھا پھر میں نے اس میں کچھ کوتاہی کی تو ان کو خواب میں دیکھا تو فرمایا اے میرے بیٹے! کیوں تجھے مجھ سے دیر ہونے لگی؟ میں نے کہا کہ کیا آپ کو میرے آنے کا علم ہوتا ہے؟ فرمایا نہیں آئے تم کبھی مگر میں نے جانا یعنی جب جب تم آئے مجھے ضرور اس کا علم ہوا اور جب تم آتے تھے تو میں تمہارے آنے کی وجہ سے خوش ہوتا تھا اور تمہاری دعا کی وجہ سے میرے گرد و پیش کے لوگ مسرور ہوتے تھے۔ فضل بن موفق نے کہا کہ یہ سن کر میں بہت زیادہ جانے لگا"۔

اسی شرح احیاء العلوم میں دوسری جگہ مذکور ہے: "قال الحافظ ابو طاهر السلفی سمعت ابا البرکات عبدالوحد بن عبدالرحمن ابن غلاب السوسی بالاسکندریة یقول سمعت والدتی تقول رایت امی فی المنام بعد موتهاوهی تقول یا بنتی! اذا جئتنی زائرة فاقعدی عندقبری ساعة اتملی من النظر الیك ثم ترحمی علی الخ"۔ "حافظ ابوطاہر سلفی کہتے ہیں کہ میں نے ابوالبرکات عبدالواحد سوسی سے اسکندریہ میں سنا، وہ کہتے تھے: میں نے اپنی والدہ سے سنا کہ میں نے اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا وہ کہتی تھیں کہ میری بیٹی! جب تو میری زیارت کے لئے میرے پاس آیا کرتو ایک گھنٹہ میری قبر کے پاس بیٹھی رہ تاکہ میں جی بھر کر تجھ کو دیکھوں پھر میرے لئے رحمت کی دعا کر"۔ واللہ الموفق۔

سترھواں طریقہ: اخیر شب قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعا کرنا

"عن عائشه قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم کلما کان لیلتها من رسول الله صلی الله علیه علی واله وسلم یخرج من آخر اللیل الی البقیع فیقول السلام علیکم دار قوم مؤمنین واتاکم ماتو عدون غدامو جلون وانا انشاء الله بکم لاحقون اللهم اغفر لا هل البقیع الغرقد" (رواه مسلم ص ۳۱۳) "مسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میری باری میں تشریف لاتے، اخیر شب مدینہ طیبہ کے قبرستان جنت البقیع تشریف لے جاتے اور فرماتے تم پر سلام ہوا اے گھر مسلمانوں کے اور جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے کل تمہارے پاس وہ چیز آئے گی اور انشاء اللہ ہم تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ خداوندا بقیع الغرقد والوں کے گناہ کو تو بخشدے"۔

علامہ نووی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں "فیه فضیلة الدعاء آخر اللیل و فضیلة زیارة قبور البقیع" "اس حدیث سے اخیر شب میں دعا کرنے کی خوبی بقیع والوں کی قبور کی زیارت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے"۔

marfat.com

"و عن عائشة قالت الا احدثكم عنى و عن رسول الله صلى الله عليه و سلم قلنا بلى قالت لما كانت ليلتى التى كان النبى صلى الله عليه و سلم فيها عندى انقلب فوضع رداءه و خلع نعليه فوضعهما عند رجليه و بسط طرف ازراه على فراشه فاضطجع فلم يلبث الاريث ماظن ان قدر قدت فاخذرداءه رويد او انتعل رويد اوفتح الباب رويد افخرج ثم اجانه رويد افجعلت درعى فى راسى واختمرت و تقنعت ازارى ثم انطلقت على اثره حتى جاء البقيع فقام القيام ثمه رفع يديه ثلاث مرات ثم انحرف فانحرفت فاسرع فاسرعت فهرول فهرولت فاحضرفا حضرت فسبقته فدخلت فليس الا ان اضطجعت فدخل فقال مالك يا عائشة حشيار ابيه قالت قلت لا شئى قال لتخبرينى اوليخبرنى اللطيف الخبير۔ قالت قلت يا رسول الله! بابى انت وامى فاخبرته قال فانت السواد الذى رائت امامى قالت نعم فلهدنى فى صدرى لهدة اوجعتنى ثمه قال اظننت ان يحيف الله عليك ورسوله قالت مهما يكتم الناس يعلمه الله نعم قال فان جبرئيل اتانى حين رائت فنادانى فاخفاه منك فاجبته فاخفيته منك ولم يكن يدخل عليك وقد وضعت ثيابك وظننت ان قدرقدت فكرهت ان او قظك و خشيت ان تستوحشى فقال ان ربك يامرك ان تاتى اهل البقيع فتستغفرلهم قالت قلت كيف اقول لهم يا رسول الله! قال قولى السلام على اهل الديار من المومنين و المسلمين و يرحم الله المستقدمين مناوالمستاخرين وانا انشاء الله بكم للاحقون (رواه مسلم جلد اول ص ۳۱۳)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی، انہوں نے کہا کہ کیا میں خبر نہ دوں اس بات کی جو مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی۔ ہم لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ یعنی آپ ہمیں ضرور خبر دیں۔ کہا کہ جب وہ رات ہوئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف فرماتے تو آپ مردانہ سے یہاں آئے تو اپنی چادر رکھی اور نعلین اتاری اور ان دونوں کو پائنتی میں رکھا اور اپنی تہبند کا ایک حصہ اپنی بچھاون پر بچھایا اور لیٹ گئے پس نہیں ٹھہرے مگر فقط اتنی دیر کہ حضور نے خیال کیا میں سو رہی۔ پس اپنی چادر آہستہ آہستہ لی اور آہستہ آہستہ جوتا پہنا اور آہستہ دروازہ کھولا پھر باہر تشریف لے گئے اور آہستہ سے دروازہ بند کر دیا پس میں نے اپنی چادر سر پر رکھی اور اوڑھنی اوڑھی، تہبند باندھا اور حضور کے پیچھے پیچھے ہولی، یہاں تک کہ حضور بقیع تشریف لائے پس دیر تک وہاں ٹھہرے پھر دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دعا کے لئے اٹھایا پھر حضور راہ سے الگ ہوئے، تو میں بھی راہ سے الگ ہوئی، حضور تیز چلے تو میں بھی تیز چلی، حضور دوڑے تو میں بھی دوڑی، پس مکان تشریف لائے تو میں بھی مکان آئی، پس ذرا پہلے پہونچی اور مکان میں داخل ہوئی تو

marfat.com

تھا اتنی ہی دیر ہوئی کہ میں لیٹی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میرے سانس پھول رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! کیا حال ہے؟ تمہاری سانس چڑھ رہی ہے اور پیٹ پھولا ہوا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا کچھ نہیں۔ ارشاد ہوا یا تو تم مجھے خبر دو ورنہ خداوند علیم وخبیر مجھے خبر دے گا۔ حضرت عائشہ نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ حضور پر قربان پھر میں نے سارا حال بیان کر دیا۔ حضور نے فرمایا تم میرے آگے آگے آ رہی تھی؟ میں نے کہا ہاں۔ انہی میرے سینے میں ایک دو ہتھڑ حضور نے مارا جس سے مجھے تکلیف ہوئی پھر ارشاد ہوا کیا تمہارا گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا (جب ساری بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادی) تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اقرار کیا اور کہا کہ انسان جس چیز کو چھپائے خدا اس کو جانتا ہے۔ ہاں میرا ایسا ہی خیال ہوا تھا کہ حضور اور کسی بی بی کے یہاں تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جبریل آئے جس وقت تم نے مجھے دیکھا تو جبریل نے مجھے آواز دی اور اس کو تم سے پوشیدہ کیا تو میں نے جواب دیا اور تم سے چھپایا اور جب تم سونے کے لئے لیٹی ہو اس وقت اندر نہیں آئے میرا خیال ہوا کہ تم سو گئی۔ اس لئے میں نے تمہیں جگانا پسند نہ کیا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ تنہائی کی وجہ سے تم کو پریشانی ہوگی۔ جبریل نے کہا کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ جنت البقیع تشریف لے جائیں اور ان لوگوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا رسول اللہ! اگر ہم زیارت کے لئے جائیں تو کیا کہیں؟ ارشاد ہوا کہ تم اس طرح کہو "السلام علی اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین ویرحم الله المستقدمین منا والمستأخرین وانا ان شاء الله بکم للاحقون"۔

علامہ نووی شرح مسلم میں اس کے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں "فیه دلیل لمن جوز للنساء زیارة القبور وفیه خلاف للعلماء" "جو لوگ عورتوں کے لئے زیارت جائز کہتے ہیں یہ حدیث ان کی دلیل ہے اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔"

اٹھارہواں طریقہ: جمعہ، جمعرات کے دن والدین اور بزرگوں کی قبر کی زیارت کی تخصیص

ابن ابی الدنیا اور بیہقی شعب الایمان میں محمد بن واسع سے راوی ہیں کہ وہ جمعہ کے دن زیارت قبور کو جایا کرتے تھے۔ کسی نے کہا کہ اگر دوشنبہ تک مؤخر کرتے تو اچھا ہوتا۔ آپ نے کہا "بلغنی ان الموتی یعلمون بزوارهم یوم الجمعة ویوما قبله ویوما بعده" "مجھے حدیث پہنچی ہے کہ مردے اپنے زیارت کرنے والوں کو جانتے ہیں جمعہ کے دن اور ایک دن اس سے پہلے اور ایک دن بعد۔"

شرح الصدور [illegible] میں ہے "علماء نے کہا ہم فرماتے ہیں [illegible] جمعہ [illegible] وقت [illegible] سے پہلے [illegible] ہوتے ہیں۔"

marfat.com

طبرانی معجم اوسط وصغیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن ابی الدنیا کتاب القبور اور بیہقی شعب الایمان میں محمد بن النعمان سے مرسلا راوی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''من زار قبور ابویہ او احدھما فی کل جمعۃ غفرالہ و کتب برا'' ۔''جو شخص اپنے ماں باپ یا دو میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت جمعہ کے دن کیا کرے، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور خدا کے یہاں وہ نیکو کار لکھا جائے گا''۔

اور ظاہر ہے کہ بار (فرماں بردار) ومغفور کی دعا قبول ہوتی ہے تو جو شخص جمعہ کے دن والدین کی قبر کی زیارت کو جائے اور ان کے لئے دعا واستغفار کرے تو وہ دعا بوجہ اس شخص کے مغفور ہونے کے ارجیٰ بالقبول ہے۔

''قال رجل من آل عاصم الجحدری رائت عاصمافی منامی بعد موتہ لسنتین و فی روایۃ لستین فقلت الیس قد مت قال بلی فقلت باین انت قال اناو اللہ فی روضۃ من ریاض الجنۃ اناو نفر من اصحابی یجتمع کل لیلۃ جمعۃ و صبیحتھا الیٰ ابی بکربن عبد اللہ المزنی فنتلا قی اخبار کم قلت اجسا مکم ام ارواحکم قال ھیھا ت بلیت الا جسام وانما تلاقی الا رواح قال قلت فھل تعلمون بزیار تنا ایاکم؟ قال نعم تعلم بھا عشیۃ الجمعۃ و یوم الجمعۃ کلہ و یوم السبت الیٰ طلوع الشمس قلت وکیف ذلک دون الایام کلھا قال بفضل یوم الجمعۃ و عظمہ''۔(رواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور والبیہقی شعب الایمان)

''آل عاصم جحدری سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے عاصم کو ان کے انتقال سے دو برس یا کئی سال بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ کیا آپ کا انتقال نہیں ہوا؟ کہا کیوں نہیں۔ پوچھا کہ آپ کہاں ہیں؟ کہا بخدا ہم جنت کی کیاریوں سے ایک کیاری میں ہے۔ میں اور میرے چند احباب ہم سب لوگ ہر شب جمعہ وصبح جمعہ کو ابو بکر بن عبد اللہ مزنی کے پاس جمع ہوتے ہیں تو تمہاری خبریں پاتے ہیں۔ اس خواب دیکھنے والے نے کہا کہ ہم لوگوں کی زیارت کرنے کو آپ جانتے ہیں؟ کہا ہاں! شب جمعہ اور تمام دن جمعہ اور سنیچر کو طلوع آفتاب تک۔ میں نے کہا کہ اور دنوں سے ان دنوں کی خصوصیت کیا ہے؟ بولے: جمعہ کی فضیلت اور بزرگی کی وجہ سے''۔

''وقال الضحاک من زار قبرا یوم السبت قبل طلوع الشمس علم المیت بزیارتہ قیل لہ کیف ذاک قال لمکان یوم الجمعۃ''۔(رواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور والبیہقی شعب الایمان)۔''ضحاک نے کہا جو شخص شنبہ کے دن قبل طلوع آفتاب کسی قبر کی زیارت کو جائے تو وہ مردہ اس کو جان لیتا ہے۔ کسی نے کہا یہ کیوں کر؟ کہا روز جمعہ کی برکت سے''۔

''عن عثمان بن سودۃ وکانت امۃ من العابدات وکان یقال لھار اھبۃ قال لماماتت کنت

marfat.com

آتیہا فی کل جمعۃ فادعولہا و استغفر لہا ولا ھل القبور فراء یتہا لیلۃ فی منا می فقلت یا امہ! کیف انت فقالت یا بنی ان الموت لشدید کربۃ وانا بحمد اللہ فی برزخ محمود افترش فیہ الریحان و اتوسد فیہ السندس والا ستبرق فقلت الک حاجۃ؟ قالت نعم۔ فقلت ماھی؟ قالت لاتدع ماتصنع من زیارتنا و الدعاء لنا فانی انس بمجیئک یوم الجمعۃ اذا اقبلت من اھلک زائرا فاب شرو یبشر بذلک من حولی من الاموات" (رواہ ابن ابی الدنیا و البیھقی شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷ جلد ۱۰)

''عثمان بن سودہ سے روایت ہے اوران کی ماں عابدہ تھیں جن کولوگ راہبہ کہا کرتے تھے۔ عثمان نے کہا کہ جب ان کا انتقال ہوا تو میں ہر جمعہ کوان کی زیارت کے لئے جاتا تھا اوران کے اور قبرستان والوں کے لئے دعا واستغفار کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ان کوخواب میں دیکھا۔ کہا اے ماں! آپ کس طرح ہیں؟ کہا اے میرے بیٹے! موت کی تکلیف سخت ہے اور خدا کے فضل سے میں پسندیدہ مقام میں ہوں یہاں ریحان کا بچھاون ہے، سندس واستبرق کے گاؤ تکیئے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کوکسی بات کی خواہش ہے؟ بولیں ہاں! پوچھا کیا؟ کہا کہ تم جو میری زیارت و دعا کو آیا کرتے ہو، اس کو کبھی نہ چھوڑنا۔ تمہارے جمعہ کے دن آنے سے مجھے انس ہوتا ہے، دل بہلتا ہے ۔ جب تم اپنے گھر سے میری زیارت کو آتے ہوتو مجھے خوشی ہوتی ہے اور میرے گرد وپیش جو مردے ہیں، سب مجھ کواس کی خوشخبری سناتے ہیں''۔

انیسواں طریقہ: سال بہ سال ہر سرے سال پر زیارت کو جانا

"عن عبادبن ابی صالح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی قبور الشھداء باحد علیٰ راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبیٰ الدار قال و جاء ھا ابو بکر ثم عمر ثم عثمان رضی اللہ عنھم فلما قدم معاویۃ بن ابی سفیان حاجأجاء ھم قال و کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا واجہ الشعب قال سلام علیکم بما صبر تم فنعم اجر العاملین"۔ (رواہ ابن ابی شیبہ وفاء الوفا جلد ۲ ص ۱۳۳) ''ابن ابی شیبہ نے عباد بن ابی صالح سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبور کی زیارت کوتشریف لایا کرتے اور سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار فرماتے۔ راوی نے کہا حضور کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آیا کرتے تھے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے لئے آئے اور مدینہ طیبہ پہونچے تو ان کے پاس آئے۔ راوی نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب گھاٹی کے سامنے آتے تو سلام علیکم بماصبرتم فنعم اجر العاملین فرماتے''۔

marfat.com

"وعن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی احدا کل عام فاذاتفوہ الشعب سلم علیٰ قبور الشہداء فقال سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار"۔رواہ ابن المنذروابن مردویہ۔''ابن منذروابن مردویہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کوہ احد تشریف لایا کرتے۔جب گھاٹیاں سامنے آتیں تو شہدائے اُحد کی قبروں کو سلام کرتے اور سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار فرمایا کرتے۔

"وعن محمد بن ابراھیم قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی قبور الشہداء علیٰ راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابو بکر و عمر و عثمان (رواہ ابن جریر)"۔''ابن جریر محمد بن ابراہیم سے راوی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرنے سال پر شہدائے احد کی قبور پر تشریف لایا کرتے اور ان کو سلام کرتے اور اسی طرح حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم اجمعین بھی کرتے''۔

ان احادیث میں اگرچہ خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کا ہر سال شہدائے احد کی زیارت کے لئے جانا ثابت ہے مگر یہ طریقہ چاروں خلفا کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی ہر سال شہدائے احد کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔

امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر جلد۵ ص ۲۹۵ میں فرماتے ہیں:''وعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یاتی قبور الشہداء راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار الخلفاء الاربعۃ ھکذاکانوا یفعلون"۔ ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبور پر تشریف لاتے اور سلام فرماتے: سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار اور خلفائے اربعہ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے''۔

"وروی ابن ابی شیبۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی قبور الشہداء باحد علیٰ راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار"۔''ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلام فرمایا کرتے''۔ (ردالمحتار جلداول ص ۸۴۳)

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ ان حدیثوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین کا دستور کہ ہر سال شہدائے احد کی قبور پر تشریف لے جایا کرتے اور ان پر سلام کرتے ،مسلمانوں کے اس فعل حسن ومندوب کی دلیل اور اصل اصیل ہے کہ ہر سال بزرگان دین کا عرس کرتے اور لوگ سال بسال بزرگوں کے مزاروں پر حاضر ہوا کرتے ،سلام ،دعا استغفار وتلاوت قرآن شریف ،صدقہ وتقسیم شرینی واطعام طعام کا ثواب اُن لوگوں کو ایصال کرتے

marfat.com

ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالحکیم صاحب پنجابی کے اس اعتراض:

''عرس بزرگان خود برخود مثل فرض دانستہ سال بہ سال بر مقبرہ اجتماع کردہ، طعام وشیرینی در آنجا تقسیم نمودہ مقابر راوثنا یعبد می کنند''۔ ''اپنے بزرگوں کے عرس میں خود پر فرض سمجھ کر ہر سال مزار پر جمع ہو کر وہاں کھانا اور شیرینی تقسیم کر کے قبروں کو بتوں کی طرح پوجتے ہیں''۔ کے جواب میں جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

''قولہ عرس بزرگان خود رالخ این طعن مبنی است بر جہل بہ احوال مطعون علیہ۔ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ راہیچ کس فرض نمی داند۔ آرے زیارت وتبرک بقبور صالحین وامداد ایشاں باہداء ثواب وتلاوت قرآن ودعائے خیر وتقسیم طعام و شیرنی امر مستحسن وخوب ست باجماع علما وتعیین روز عرس برائے آنست کہ آن روز مذکر انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود، موجب فلاح ونجات ست وخلف را لازم ست کہ سلف خود را بایں نوع بر واحسان نماید چنانچہ در احادیث مذکور ست کہ ولد صالح یدعو لہ''۔

''اپنے بزرگوں کے عرس کو الخ یہ اعتراض، اعتراض کئے ہوئے مسئلہ کے حالات نہ جاننے پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ بجز شرعی فرائض مقررہ کے کوئی شخص عرس کو فرض نہیں جانتا ہے۔ ہاں صلحا کے مزارات سے صرف شرکت اور زیارت اور ان کی امداد (ان کو ثواب تلاوت قرآن دعائے خیر کھانا تقسیم کر کے اور شیرینی تقسیم کر کے) حاصل کرنا مستحسن اور امر خیر ہے جیسا کہ علما کے اجماع سے ثابت ہے۔ البتہ عرس کا دن مقرر کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ دن محض ان کے دنیا سے دار آخرت کے جانب منتقل ہونے کا دن یاد رکھا جائے ورنہ جس دن بھی یہ عمل واقع ہو باعث فلاح و نجات ہے اور خلف پر واجب ہے کہ اپنے سلف کے لئے اس طرح پر نیکی کرے جیسا کہ احادیث میں ذکر کیا گیا ہے: نیک اولاد وہ ہے جو اپنے سلف کے لئے دعا کرے''۔

اس کے بعد امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر ''درمنثور'' سے ابن منذر اور ابن مردویہ کی حدیث براویت انس رضی اللہ عنہ اور حدیث ابن جریر بروایت محمد بن ابراہیم جو اوپر مذکور ہوئیں سند میں پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو رسالہ زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح ص ۴۲۔

دسواں طریقہ: ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مردے کو بخشنا کہ اس سے امید مغفرت ہے

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ جلد۲ ص ۱۰۲ میں فرماتے ہیں: ''قال الشیخ محی الدین بن العربی انہ بلغنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من قال لا الہ الا اللہ سبعین الفاغفر اللہ تعالیٰ لہ و من قیل لہ غفر لہ ایضا فکنت ذکرت التہلیلۃ بالعدد المروی من غیر ان انوی لاحد بالخصوص فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب و فیہم شاب مشہور بالکشف فاذا ہو فی اثناء

marfat.com

الاکل اظھر البکاء فسألته عن السبب فقال اریٰ امی فی العذاب فوھبت فی باطنی ثواب التھلیلة المذکورة لھا فضحك فقال انی اراھا الاٰن فی حسن المآب فقال الشیخ فعرفت صحة الحدیث بصحة کشفه و صحة کشفه بصحة الحدیث''۔

''سیدی شیخ اکبر محی الدین بن عربی نے فرمایا: مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث پہونچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار لا الہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لئے اتنے مرتبہ کہا جائے، اس کی مغفرت ہو۔ میں نے لا الہ الا اللہ اتنی بار پڑھا تھا اور اس میں کسی کے لئے خاص نیت نہ کی تھی۔ اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا۔ ان میں ایک نوجوان کے کشف کا شہرہ تھا۔ کھانا کھاتے کھاتے وہ رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا۔ کہا اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ فوراً جوان ہنسنے لگا اور کہا کہ اب میں اپنی ماں کو اچھی جگہ دیکھتا ہوں۔ امام محی الدین بن عربی قدس سرہ فرماتے ہیں: تو میں نے حدیث کی صحت اس جوان کے کشف کی صحت سے پہچانا اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی''۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی مکتوبات جلد ۲ ص ۲۷ مکتوبات چہار دہم میں فرماتے ہیں: ''بیاراں و دوستاں فرمایند کہ ہفتاد ہفتاد ہزار بار کلمہ لا الہ الا اللہ بروحانیت اخوی خواجہ محمد صادق و روحانیت مرحومہ ہمشیرہ اوام کلثوم بخوانند و ثواب ہفتاد ہزار بار بروحانیت یکے بخشد و ہفتاد ہزار بار دیگر را بروحانیت دیگرے۔ از دوستاں دعا و فاتحہ مسئول ست (الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم)''۔ ''ساتھیوں اور احباب سے فرمائیں کہ ستر ستر ہزار بار کلمہ لا الہٰ پڑھ کر خواجہ محمد صادق کے دونوں بھائیوں کو بخشیں اور اپنی بہن ام کلثوم مرحومہ کی روح کے لئے پڑھیں اور ستر ہزار بار کا ثواب ایک کی روح کو بخشیں اور ستر ہزار پھر پڑھ کر دوسرے کی روح کو بخشیں۔ کیونکہ دوستوں ہی سے دعا اور فاتحہ کا سوال ہے''۔

ملفوظات حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں رضی اللہ عنہ ج ۱ ص ۱۶۷ میں ہے۔ ذکر اموات یعنی مردوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: حدیث صحاح ہے۔ ''من قال لا الہ الا اللہ مائة الف مرة و جعل الثواب للمیت غفر الله لذلك للمیت وانکان موجبا للعقوبة''۔ ''جو شخص لا الہ الا اللہ ایک لاکھ بار کہے اور اس کا ثواب مردے کو بخشے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کو بخش دے اگرچہ وہ عقوبت کا مستحق ہو''۔

اسی میں ہے: ''فرمایا کہ میت والوں پر واجب ہے کہ ایک لاکھ بار کلمہ پڑھیں اور اس طرف رسم ہے کہ جو کوئی مرتا ہے اس کے واسطے کہتے ہیں''۔

اسی میں ص ۱۶۸ پر ہے: ''بعد اس کے فرمایا کہ دعا گو نے واسطے برادرم حاجی دین محمد کے ایک لاکھ بار لا الہ الا اللہ کہا۔ میرا ایک یار ہے اوچھ سے برابر آتا ہے اور مجھ سے تعلق و بیعت رکھتا ہے اور اوراد شیخ کبیر نگاہ میں رکھتا

marfat.com

ہے۔اس نے دعا گو سے کہا کہ میں نے محمد حاجی کی قبر کو دیکھا کہ اس کو روشن و فراخ کر دیا۔''

اسی کے جلد ۲ ص ۲۶۳ پر ایک عمل حدیث صحاح کا ہے: ''قوله عليه الصلاة والسلام من قال لا اله الا الله مائة الف مرة وجعل الثواب للميت غفرله وان كان موجبا للعقوبة''۔''جو کوئی لا الہ الا اللہ کو سو ہزار یعنی ایک لاکھ بار کہے اور اس کا ثواب میت کو بخشے تو وہ میت بخشا جائے اگرچہ لائق عقوبت ہی کیوں نہ ہو''۔

فرمایا کہ مدینہ منورہ میں سو تسبیح ہزار ہزار دانہ کی بنا کر صندوق میں رکھی ہیں۔سو آدمیوں کو دیتے ہیں وہ لوگ کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں اور میت کو ثواب بخش دیتے ہیں۔ذرا دیر میں تمام ہو جاتا ہے۔دعا گو نے بھی ہزار دانے کی تسبیح جمع کی ہے۔اس جگہ جو میں بعض زیارتوں میں گیا تو اسی پر عمل کیا۔مجرب ہے۔انشاء اللہ تعالیٰ اس جگہ بھی معمول ہو جائے گا۔

شیخ مدرسہ دیوبند جناب مولوی محمد قاسم صاحب سے کون واقف نہیں۔اپنی مشہور کتاب تحذیر الناس ص ۳۸ میں لکھتے ہیں: ''حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا۔آپ نے سبب پوچھا تو بروے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بھی کلمہ پڑھا تھا۔یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے،اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔آپ نے پھر سبب پوچھا۔اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی''۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیث اور علما کی تحریر،مسلمانوں کے اس عمل خیر کی اصل ہے کہ میت کے لئے تیسرے یا چوتھے دن جمع ہو کر قرآن شریف کے علاوہ لا الہ الا اللہ ستر ہزار یا ایک لاکھ بار پڑھتے اور میت کو اس کا ثواب بخشتے ہیں تاکہ من قبل لہ کے تحت اس کی مغفرت ہو اور ازانجا کہ ستر ہزار مرتبہ پڑھنے کے لئے بہت سی تسبیحوں کی ضرورت ہوگی جس کا ہر جگہ ملنا سخت دشوار ہے۔اس لئے آسانی کے خیال سے چنا کا شمار دانہ بناتے ہیں جو بعد کو یا تو پڑھنے والوں میں تقسیم کر دیتے ہیں یا فقرا پر تصدق کر دیتے ہیں کہ ساتھ ساتھ صدقہ کا بھی میت کو ثواب پہونچے۔

اکیسواں طریقہ: قرآن شریف پڑھ کر بخشنا

اب رہا یہ کہ اس کے لئے کسی سورہ کا پڑھنا خاص طور پر بھی آیا ہے یا جو سورہ یا آیت پڑھ کر اس کا ثواب بخشیں، کافی ہے؟ تو کافی ہونے کے لئے تو سب کافی ہے۔

''عن ابن مسعود رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قرء حرفا من كتاب الله فله به حسنة والحسنة بعشر امثالها لا اقول لكم الم حرف ولكن الف حرف ولام

marfat.com

حرف و میم حرف"۔ (رواہ الترمذی والحاکم والبخاری فی التاریخ) کما ھو مصرح فی الروایۃ الاخریٰ: اقرء واالقرآن فانکم تو حرون علیہ اما انی لا اقول الم حرف ولکن الف حرف عشرو لام حرف عشر و میم حرف عشر فتلک ثلاثون رواہ ابو جعفر النحاس فی الوقف الابتداء والسنجری فی الا بانۃ والخطیب فی التاریخ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ"۔

''امام ترمذی اور حاکم و بخاری تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ سے راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک حرف قرآن شریف کا پڑھے، اس کو ایک حسنہ ملے گا اور ایک حسنہ کا ثواب دس گنا ہے ۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، میم ایک حرف ہے تو جو شخص فقط الم پڑھے گا اس کو تیس نیکیاں ملیں گی۔ ابو جعفر نحاس کتاب ''الوقف والابتداء'' اور سنجری کتاب ''الابانہ'' اور خطیب بغدادی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قرآن شریف پڑھا کرو کہ تم کو اس کا اجر دیا جائے گا۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے، لام ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے، میم ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے تو یہ تیس ثواب ہوئے''۔ (کنز العمال جلد ۱ ص ۱۳۰)

سب سے بہتر تو یہ ہے کہ قبر پر جا کر ایک ختم کامل کرے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب لیث بن سعد کی قبر کی زیارت کو گئے تو ان کی تعریف کی اور ایک ختم قرآن شریف کیا اور فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ یہ کار خیر ہمیشہ جاری رہے اور ان کے فرمانے کے مطابق ہوا۔ کما مر عن شرح الاحیاء نقلا عن القول بالاحسان العمیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم للعلامۃ شمس الدین المعروف با بن القطان اور ہندوستان میں بھی بعض بعض شہروں میں مروج ہے مثلاً بریلی شریف میں عرصہ تیس یا بتیس سال سے ہر جمعہ کے دن مزارات خاندان اعلی حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز پر جا کر طلبائے مدرسہ منظر اسلام واہل شہر دو ختم قرآن شریف کر کے اس کا ثواب پہونچاتے ہیں اور وہاں سے بہت پہلے تقریباً سو سال سے بدایوں مزارات خاندان جناب تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر محب الرسول قدس سرہ پر اہل شہر وطلبائے مدرسہ قادریہ جا کر جمعہ کو دو ختم قرآن شریف کیا کرتے اور اس کا ثواب ان بزرگوں کو بخشتے ہیں اور انصار کرام کا دستور العمل بھی حدیثوں سے ثابت ہے:

''اخرج الخلال فی الجامع عن الشعبی قال اکانت الا نصار اذامات لھم المیت اختلفوا الیٰ قبرہ یقرء ون القرآن"۔ ''انصار کے یہاں جب کوئی مرتا تو لوگ اس کی قبر پر جاتے اور قرآن شریف پڑھتے''۔ (مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۳۸۲)

''وفی شرح اللباب ویقرء من القرآن ما تیسر لہ من الفاتحۃ واول البقرۃ الیٰ المفلحون وآیۃ

marfat.com

الکرسی و آمن الرسول و سورہ یٰس و تبارک الملک و سورۃ التکاثرو الاخلاص اثنی عشرۃ مرۃ اوا حدی عشراو سبعا او ثلاثاثم یقول اللّٰھم او صل ثواب ماقرء ناہ الیٰ فلان او الیھم" (ردالمحتار جلد اول ص ٨٨٤)۔ "شرح لباب میں ہے اور پڑھے جو آسان ہو قرآن سے مثلاً سورہ فاتحہ، اول بقرہ مفلحون تک، آیۃ الکرسی، آمن الرسول، سورہ یٰس، تبارک الملک، سورہ تکاثر، سورہ اخلاص ۱۲ یا ۱۱ یا ۷ یا ۳ بار پھر کہے خداوند جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں شخص یا ان لوگوں کو پہونچا"۔

اور بعض بعض سورتیں کہ خاص طور پر حدیث شریف میں جن کے پڑھنے کا ثواب مذکور ہے، ان سورتوں کا پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد کے سبب بہت زیادہ باعث اجر ثواب ہے اور وہ بھی بہت ہیں جن میں بعض بعض اس جگہ لکھی جاتی ہیں۔

(الف) "عن علیٰ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من مر علی المقابر فقرء قل ھواللہ احد، احد عشر مرۃ ثم وھب اجر ھاللا موات اعطی الا جر بعدہ الأموات" (رواہ الدار قطنی عینی شرح ھدایہ جلد۲ ص ١٦١١ و شامی جلد ٢ ص ٢٤٣) "دار قطنی حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں گزرے اور گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے، اس کو ان مردوں کی بدولت ان مردوں کے برابر ثواب ملے"۔

(ب) "عن عبداللہ ابن عمر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذامات احد کم فلا تحبسوہ واسر عوابہ الیٰ قبرہ ولیقرء عند رأسہ فاتحۃ البقرۃ و عندرجلیہ خاتمۃ البقرۃ۔ رواہ البیھقی فی شعب الایمان و قال والصحیح انہ موقو ف علیہ"۔ "بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی مرے تو اس کو مت روکو اور جلد قبر تک اس کو پہونچاؤ اور اس کے سرہانے ابتداء سورہ بقرہ مفلحون تک اور پائنتی میں خاتمہ بقرہ یعنی آمن الرسول سے آخر تک پڑھا کرو۔ یہ حدیث اگرچہ بیہقی نے مرفوعاً روایت کی مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر پر موقوف ہے"۔

(ج) "عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دخل المقابر ثم قرء فاتحۃ الکتاب وقل ھواللہ احد والھکم التکاثر ثم قال انی جعلت ثواب ما قرئت من کلامک لا ھل المقابر من المومنین کانوا شفعاء لہ الیٰ اللہ تعالیٰ رواہ ابو القاسم سعد بن علیٰ الزنجانی فی فوائد" (مرقات جلد ٢ ص ٣٨٢)۔ "ابو القاسم سعد بن علی زنجانی اپنے فوائد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص قبرستان جائے پھر سورہ فاتحہ، قل ھو اللہ احد، الھکم التکاثر

marfat.com

پڑھے پھر کہے خداوندا جو کچھ میں نے تیرا کلام پڑھا، اس کا ثواب مقبرہ والے مسلمان مرد اور مسلمان عورت کو نذر کیا تو وہ لوگ خداوند عالم کے یہاں اس کے سفارشی ہوں گے"۔

(د) "عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من دخل المقابر فقرء سورہ یٰس خفف اللہ عنھم و کان لہ بعدد من فیھا حسنات رواہ عبدالعزیز صاحب الخلال بسندہ"۔ "عبدالعزیز صاحب خلال نے اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان جائے اور سورہ یٰس پڑھے، اللہ تعالیٰ ان مردوں سے مواخذہ ہلکا فرمائے اور جس قدر مردے اس قبرستان میں ہیں ان کی تعداد کے مطابق اس شخص کو نیکیاں ملیں گی"۔ (مرقات جلد۲ ص ۳۸۲)

(ہ) "عن سلمۃ بن عبید قال قال حماد المکی خرجت لیلۃ الیٰ مقابر مکۃ فوضعت راسی علیٰ قبر فنمت فرائیت اھل المقابر حلقۃ حلقۃ فقلت قامت القیامۃ قالو الا ولکن رجل من اخواننا قرء قل ھو اللہ احد و جعل ثوابھا لنا فنحن نقتسمہ منذ سنۃ۔ رواہ القاضی ابو بکر بن عبد الباقی الانصاری فی مشیختہ"۔ "قاضی ابوبکر بن عبدالباقی انصاری اپنے مشیخت میں سلمہ بن عبید سے راوی کہا: حماد مکی نے کہا کہ میں ایک شب مکہ کے قبرستان میں گیا اور سو رہا تو میں نے قبرستان والوں کو حلقہ حلقہ دیکھا۔ میں نے کہا کیا قامت قائم ہوگئی؟ بولے نہیں لیکن ہمارے بھائیوں سے ایک شخص نے قل ہو اللہ پڑھ کر اس کا ثواب ہم لوگوں کو بخشا ہے تو ہم سال بھر سے اس کو تقسیم کر رہے ہیں"۔ (مرقات جلد ص ۳۸۲)

(و) "عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم من زار قبر والدیہ او احدھما فقرء عندہ او عندھما یٰس غفرلہ رواہ ابوبکر بن البخاری فی کتاب السنن"۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری جلد۱ ص ۸۷۵)

"ابوبکر بن نجار کتاب السنن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے والدین یا ان میں کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے پاس سورہ یٰس پڑھے، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے"۔

بائیسواں طریقہ: میت کیلئے نماز پڑھنا روزہ رکھنا

میت کے لئے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا یعنی نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر اس کا ثواب میت کو بخشنا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ردالمحتار جلد۲ ص ۲۴۳ میں فرماتے ہیں: "وروی الدار قطنی ان رجلا سألہ علیہ الصلاۃ والسلام فقال لی ابوان ابرھما حال حیاتھما فکیف لی ببرھما بعد موتھما فقال

marfat.com

صلی اللہ علیٰ وسلم ان من البر بعد الموت ان تصلی لھما مع صلاتک و ان تصوم لھما مع صومک"۔ دار قطنی نے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا کہ میرے ماں باپ ہیں۔ ان کی حیات میں تو ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہوں تو ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کس طرح نکوئی کر سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا کہ مرنے کے بعد ان کے ساتھ نیکی کرنے کی صورت یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لئے بھی نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ان دونوں کے لئے بھی روزہ رکھو"۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنے رسالہ تذکرہ الموتی والقبور ص ۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں: "وابن ابی شیبہ از حجاج بن دینار روایت کردہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود از جملہ نیکی کردن با پدر و مادر آن ست کی نماز گذاری برائے آنہا با نماز خود و روزہ خود داری برائے آنہا با روزہ خود و صدقہ دہی از طرف آنہا با صدقہ خود"۔

"ابن ابی شیبہ حجاج ابن دینار سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے ہی سے ایک نیکی یہ بھی ہے کہ نماز پڑھو ان کے لئے اپنی نماز کے ساتھ اور روزہ رکھو ان کے لئے اپنے روزے کے ساتھ اور صدقہ دو ان کی طرف سے اپنے صدقہ کے ساتھ"۔

"و عن مالك بن دينار قال دخلت المقبره ليلة الجمعة فاذاانا بنور مشرق فيها فقلت لااله الاالله نرىٰ ان الله عزوجل قد غفرلاهل المقابر فاذاانابها تف يهتف من البعد و هو يقول يا مالك بن دينار هذه هدية المومنين الىٰ اخوانهم من اهل المقابر قلت بالذى انطقك الاخبرتنى ماهو قال رجل من المومنين قام هذه الليلة فاسبغ الوضوء وصلىٰ ركعتين وقرء فيهما فاتحة الكتاب وقل ياايها الكفرون و قل هوالله احد و قال اللّٰهم انى قد وهبت ثوابها لاهل المقابر من المومنين فادخل الله علينا الضياء والنور والفتح والسرور فى المشرق و المغرب قاله مالك فلم ازل اقرء هافى كل جمعة فرائيت النبى صلى الله عليه وسلم فى منامى يقول لى يا مالك قد غفرا الله لك بعد دالنور الذى اهديته الىٰ امتى ولك ثواب ذلك ثم قال لى و بنى الله لك بيتا فى الجنة فى قصر يقال له المنيف قلت وما المنيف قال المظل علىٰ اهل الجنة رواه ابن النجار فى تاريخه"۔

"ابن النجار اپنی تاریخ میں مالک بن دینار سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں شب جمعہ کو قبرستان میں گیا تو دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک نور تاباں ہے۔ میں نے کہا لا الہ الا اللہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس قبرستان والوں کی مغفرت فرمادی۔ اتنے میں سنا کہ دور سے ایک ہاتف غیبی کہتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا ہدیہ ہے جو اپنے بھائی اس قبرستان والوں کے پاس بھیجا۔ مین نے کہا قسم اس ذات کی جس نے تجھ کو گویائی بخشی مجھے خبر دے کہ واقعہ کیا ہے؟ اس

marfat.com

نے کہا ایک مسلمان شخص اس شب میں کھڑا ہوا اور اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور ان دونوں میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد پڑھا اور کہا کہ خداوندا میں نے اس کا ثواب قبرستان والے مردوں اور عورتوں کو بخشا تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر روشنی اور نور، کشادگی اور سرور مشرق و مغرب میں داخل کیا۔ مالک کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں ہر جمعہ کو اسے پڑھنے لگا پس میں نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: اے مالک! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا بقدر تعداد اس نور سے جو تو نے میری امت کی طرف ہدیہ کیا اور تیرے لئے اس کا ثواب ہے پھر مجھ سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے ''قصر منیف'' میں گھر بنوایا ہے۔ میں نے پوچھا کہ قصر منیف کیا؟ فرمایا، جنتیوں پر سایہ کرنے والا، (شرح احیاء العلوم ۲ص ۳۷۲)

تیسواں طریقہ: کنواں کھودوا کر مردے کی طرف سے وقف کر دینا

''عن سعد بن عبادة قال يارسول الله ان ام سعد ماتت فاى الصدقة افضل قال الماء فحفر بيراً وقال هذه لام سعد رواه ابو داؤد والنسائى'' ۔ ''ابوداؤد اور نسائی حضرت سعد بن عبادہ سے راوی ہیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ام سعد کا انتقال ہو گیا تو کون صدقہ ان کے لئے بہتر ہوگا؟ ارشاد ہوا پانی بس انہوں نے کنواں کھودا اور کہا یہ ام سعد کے لئے ہے'' (مشکوۃ ص ۱۶۹)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات جلد۲ ص ۷۷ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''(فاى الصدقة افضل) اى لروحها (قال الماء) انما كان الماء افضل لانه اعم نفعا فى الا مور الدينية والدينوية خصوصا فى تلك البلاد الحارة ولذلك من الله تعالىٰ بقوله وانزلنا من السماء ماء طهور اكذاذ كره الطيبى'' ۔ ''کون سا صدقہ ام سعد کی روح کے لئے افضل ہے؟ حضور نے فرمایا کہ پانی اور پانی کو اس لئے افضل صدقہ فرمایا کہ اس کا نفع دین اور دنیوی سب کاموں میں عام ہے، خصوصاً ان گرم ملکوں میں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول انزلنا من السماء ماء طهورا میں پانی اتارنے پر احسان رکھا۔ اسی طرح علامہ طیبی نے ذکر کیا''۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیث اصل اس دستور و رواج کی ہے جو مسلمانوں میں مروج ہے کہ مسجدوں میں نمازیوں کے غسل و وضو کرنے کے لئے گھڑا لوٹا وغیرہ بھیجتے ہیں کہ اگر کنواں نہ کھودوایا تو ہمارا ابھرا گھڑا مسجد میں رہے گا۔ کوئی پیاسا پانی پئے گا، کوئی وضو و غسل کرے گا تو اس کا ثواب بھیجنے والے کو یا جس کی طرف سے بھیجا گیا ہے، اس کو ملے گا خصوصاً جن گھڑوں لوٹوں سے میت کو غسل دیتے ہیں، اس کو تو غسل دینے کے بعد میت کے ایصال ثواب کے لئے مسجدوں میں بھیج دینے کا عام دستور ہے۔ البتہ بعض جگہ اس گھڑے اور لوٹے کو جس سے میت کو غسل دیتے ہیں، میت کے ساتھ قبرستان لے جاتے ہیں اور قبر کی مٹی برابر کرنے کے بعد اس گھڑے میں بڑا سوراخ کر کے

marfat.com

میت کے سرہانے اور لوٹے میں سوراخ کر کے میت کے پائنتی میں رکھ دیتے ہیں کہ یہ اضاعت مال اور گناہ ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

چوبیسواں طریقہ: میت کی طرف سے صدقہ کرنا

''عن ابن عباس ان رجلا قال یا رسول الله! ان امی توفیت افینفعها ان تصدقت عنها قال نعم قال فان لی مخرفا فانا اشهدك انی قد صدقت به عنها۔ رواه الترمذی ص ۸۵ وقال هذا حدیث حسن وبه یقول اهل العلم''۔ ''ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہوگیا۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ دوں تو ان کو مفید ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ ہاں! اس شخص نے کہا کہ میرا ایک باغ ہے۔ میں حضور کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس باغ کو اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کیا۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور اہل علم کا بھی یہی قول ہے''۔

''عن عائشة رضی الله عنها ان رجلا قال للنبی صلی الله علیه وسلم ان امی افتلتت نفسها واظنها لو تکلمت لتصدقت فهل لها اجران تصدقت عنها قال نعم'' (رواه البخاری ص ۱۵٤ و مسلم ص ۳۲٤) ''امام بخاری و مسلم حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری ماں کا دفعۃً انتقال ہوگیا۔ اور میرا گمان یہ ہے کہ اگر وہ کلام کرتیں تو ضرور صدقہ کرتیں، تو کیا ان کو ثواب ملے گا؟ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں!''

علامہ نووی شرح مسلم ص ۳۲۴ میں تحریر فرماتے ہیں: ''وفی هذا الحدیث ان الصدقة عن المیت تنفع المیت ویصل ثوابها وهو کذلك باجماع العلماء و کذا اجمعوا علی وصول الدعاء و قضاء الدین بالنصوص الواردة فی الجمیع''۔ ''اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مردہ کی طرف سے صدقہ دینا، مردہ کو فائدہ بخش ہے اور اس کا ثواب مردہ کو ملتا ہے، اس کو پہونچتا ہے۔ اس پر علما کا اجماع ہے اور اسی طرح اجماع ہے دعا کے پہونچنے، دین کے ادا ہونے پر ان نصوص سے جو ان سب پر وارد ہوئیں''۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۲۴۶ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''ویستفاد منه ان الصدقة عن المیت تجوز وانه ینتفع بها''۔ ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردہ کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے اور اس سے مردہ کو نفع پہونچتا ہے''۔

اسی میں ایک دوسری جگہ ہے: ''وروی احمد عن عبدالله بن عمروان العاص بن وائل نذر فی الجاهلیة ان ینحر مائة بدنة وان هشام ابن العاص نحر عنه خمسین و ان عمرواً سأل رسول الله

marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك فقال اما ابوك فلو اقر بالتوحید فصمت و تصدقت عنه نفعه ذلك"
(عینی شرح بخاری جلد ۲ ص ۲٤٦) ''امام احمد بن حنبل نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا کہ ان کے باپ عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانا تھا کہ سو اونٹ قربانی کریں گے اور ہشام ابن عاص نے ان کی طرف پچاس اونٹ قربان کیا اور عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا۔ حضور نے فرمایا کہ اگر تمہارا باپ توحید کا اقرار کرتا تو تم روزہ رکھتے اور اس کی طرف سے صدقہ کرتے تو نفع دیتا''۔

اور اسی میں ہے ص ۲۴۶: ''و عن ابن ماکولا من حدیث ابراھیم ابن حیان عن ابیه عن جده عن انس رضی الله عنه انه قال سئالت رسول الله صلی الله علیه وسلم فقلت انا لندعو لموتانا و نتصدق عنهم و نحج فهو یصل ذلك الیهم فقال انه لیصل الیهم و یفرحون به کما یفرح احد کم بالهدیة''۔ ''ابن ماکولا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مردوں کے لئے دعا کرتے ہیں اور ان کی طرف سے صدقہ دیتے ہیں اور حج کرتے ہیں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہونچتا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک وضرور ان کو پہونچتا ہے اور وہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی ہدیہ بھیجنے سے خوش ہوتا ہے''۔

سبحان اللہ! یہ حدیث بھی عجیب وغریب جامع انواع ثواب ہے۔ اس لئے کہ ایصال ثواب تین طرح سے ہوسکتا ہے۔ بدنی، مالی، دونوں کا مجموعہ، اس حدیث نے تینوں کو جمع کر دیا ندعو لموتانا عبادت بدنی ہے۔ نتصدق عنهم ثواب مالی نحج عنهم عبادت مجموعہ مالی و بدنی ثابت ہوا کہ مردے کو ہر قسم کا ثواب پہونچتا ہے، بدنی ہو یا مالی یا دونوں کا مجموعہ۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور جلد اول ص ۷٦۳ میں فرماتے ہیں: ''مستحب ست کہ تصدق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت روز وتصدق از میت نفع می کند و را بے خلاف میان اہل علم و وارد شدہ ست دران احادیث صحیحہ خصوصاً آب وبعضے از علما گفتہ اند کہ نمی رسد میت را مگر صدقہ و دعا و در بعض روایات آمدہ ست کہ روح میت می آید خانہ خود را شب جمعہ، پس نظر می کند کہ تصدق می کنند از وے یا نہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم''۔

''مستحب ہے کہ میت کی جانب سے صدقہ کیا جائے۔ اس کے دنیا سے گذرنے کے بعد سات روز تک میت کی جانب سے صدقہ کرنا میت کو نفع پہونچاتا ہے۔ اس بارے میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں خصوصاً بعض علما نے فرمایا ہے کہ نہیں پہونچتا ہے میت کو مگر صدقہ اور دعا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ میت کی روح جمعہ کی شب کو اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی جانب سے لوگ صدقہ کرتے ہیں کہ

marfat.com

نہیں واللہ تعالیٰ اعلم"۔

اس جگہ ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ میت کے ایصال ثواب کے لئے جولوگ کھانا وغیرہ پکوا کر لوگوں کو کھلاتے ہیں تو یہ میت کی طرف سے صدقہ ہے تو چاہئے کہ صرف فقرا کو دیا جائے۔ لیکن متعارف ہے کہ اعزہ اقارب دوست احباب اغنیا وغیرہ سب کھاتے اور سب کو کھلاتے ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ صدقہ واجبہ نہیں جو فقرا کے ساتھ خاص ہو، اغنیا کے لئے ناروا بلکہ صدقہ نافلہ ہے اور کار خیر ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں ایک حدیث ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ خود بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی طعام میت میں شریک ہوئے تو اگر یہ ناجائز ہوتا یا قابل احتراز ہوتا تو خود حضور اقدس صلی اللہ وسلم ہرگز نہ شریک ہوتے۔

"عن عاصم بن كليب عن ابيه عن رجل من الانصار قال خر جنامع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى جنازة فرايت رسول الله صلى الله عليه وسلم و هو على القبر يوصى الحافر يقول اوسع من قبل رجليه اوسع من قبل راسه فلمارجع استقبله داعى امرأ ته فاجاب و نحن معه فجئ بالطعام فوضع يده ثم وضع القومُ فاكلوا فنظر ناالىٰ رسول الله صلى عليه وسلم يلوك لقمة فى فيه ثم قال اجد لحم شاة اخذت بغيراذن اهلها فارسلت المرءة تقول يارسول الله !انى ارسلت الىٰ النقيع و هو موضع يباع فيه الغنم ليشترى لى شاة فلم توجد فارسلت الىٰ جارلى قد اشترى شاة ان يرسل بها الىٰ ثمنها فلم يوجد فارسلت الى امراء ته فارسلت الى بها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اطعمى هذا الطعام الا سرىٰ"۔ رواه ابو داؤد البيهقى فى دلائل النبوة۔

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں نکلے تو میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ گورکن کو فرماتے ہیں: پاؤں کی طرف سے قبر کو فراخ کرو، سر کی طرف سے فراخ کرو۔ جب بعد دفن واپس ہوئے۔ اس میت کی بی بی نے ایک آدمی بھیجا کہ کھانا تیار ہے، نوش جان فرمایئے آپ نے قبول فرمایا اور ہم سب آپ کے ساتھ تھے، وہاں گئے کھانا سامنے آیا۔ آپ نے دست مبارک کھانے کی طرف بڑھایا پھر سب جماعت نے بڑھایا تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دہن مبارک میں لقمہ چبارہے ہیں اور فرو نہیں کرتے ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یہ اس بکری گوشت ہے جو بغیر اجازت مالک کے لی گئی ہے۔ عورت نے یہ کہلا بھیجا کہ یارسول اللہ! میں نے آدمی نقیع میں بھیجا جہاں بکریاں بکتی ہیں تاکہ بکری خریدی جائے تو وہاں نہ ملی۔ تب میں نے اپنے ہمسایہ کے پاس آدمی بھیجا کہ جو بکری اس نے خریدی ہے، وہ مجھ کو بقیمت دے۔ اتفاق سے وہ ہمسایہ بھی گھر میں نہ تھا تو میں نے اس کی بی بی کے پاس آدمی بھیجا تو اس نے بے اجازت شوہر بکری میرے پاس بھیج دی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

marfat.com

یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا"۔

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۵ ص ۴۸۲ میں فرماتے ہیں: "ھذا الحدیث بظاھرہ یرد علیٰ ماقررہ اصحاب مذھبنا من انہ یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث و بعد الاسبوع"۔ "عاصم بن کلیب کی یہ حدیث کھلے طور پر رد کرتی ہے اس مسئلہ کو جو ہمارے مذہب والوں نے قرار دیا ہے کہ پہلے روز اور تیسرے دن اور بعد ہفتہ کھانا تیار کرنا مکروہ ہے"۔

پھر ملا علی قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب والوں کے قول اور حدیث میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں: "فلینبغی ان نقید کلامھم بنوع خاص من اجتماع یوجب استحیاء اھل المیت فیطعمونھم کرھا اویحمل علیٰ کون بعض الورثۃ صغیر او غائبا اولم یعرف رضاہ اولم یکن الطعام من عند احد معین من مال نفسہ"۔ "حنفیہ جو طعام میت کو مکروہ بتاتے ہیں، وہ اس صورت پر محمول ہے کہ اجتماع ایک خاص قسم کا ہو، جس سے اہل میت شرمائیں اور شرما کر ان لوگوں کو کھلائیں یا جبکہ بعض ورثہ نابالغ ہوں یا غائب ہوں یا اس پر راضی نہ ہوں یا کم از کم رضامندی معلوم نہ ہو یا کسی خاص شخص کی طرف خود اس کے مال سے وہ کھانا تیار نہ کیا گیا ہو"۔

ہدایہ فصل صدقہ ج ۳ ص ۴۹۰ میں ہے: "قد یقصد بالصدقۃ علیٰ الغنی الثواب"۔ "اغنیا کا کھلانا جس طرح ان کی رضاجوئی کے لئے ہوتا ہے کبھی اس سے مقصود حصول ثواب بھی ہوتا ہے"۔

مجمع البحار جلد دوم ص ۲۳۸ میں ہے: "الصدقۃ ماتصدقت بہ علیٰ الفقراء ای غالب انواعھا کذلک فانھا علیٰ الغنی جائزۃ عندنا یثاب بہ بلاخلاف"۔ "صدقہ اس کو کہتے ہیں جو فقراء کو دیا جائے یعنی غالب انواع اس کا فقراء کے لئے ہوتا ہے، ورنہ غنی کو دینا بھی ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اس پر بلاخلاف اجر وثواب ملے گا"۔

خود حدیث شریف میں ہے کل معروف صدقۃ ہر معرف کام کرنے میں صدقہ کا ثواب ہے اور ظاہر ہے کہ اغنیا کو کھانا کھلانا منکر نہیں بلکہ معروف ہے۔

فقیر غفرل المولی القدیر کہتا ہے کہ اسی وجہ سے مسلمانوں میں مروج ہے کہ میت کی طرف سے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکوا کر فقراء کو کھلاتے یا تقسیم کرتے ہیں اور اس میں کبھی کبھی اغنیا کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔

پچیسواں طریقہ: میت کی طرف سے قربانی کرنا

"عن عائشۃ رضی اللہ عنھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بکبش اقرن یطاء فی سواد و یبرک فی سواد فاتی بہ لیضحی بہ قال یا عائشۃ! ھلمی المدیۃ ثم قال اشحذیھا بحجر ففعلت ثم اخذھا واخذ الکبش فاضجعہ ثمہ ذبحہ ثم قال بسم اللہ اللّٰھم تقبل من محمد و من

marfat.com

امة محمد ثم ضحیٰ به"۔ رواہ مسلم ج ۲ ص ۱۵۶ ۔ ''امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کے لئے ایک بکرا سینگ والا لایا جائے جس کے دونوں پاؤں سیاہ ہوں، پیٹ سیاہ ہو، آنکھیں سیاہ ہوں یعنی وہ بکرا سر سے پاؤں تک سیاہ ہو، تو ایسا بکرا لایا گیا۔ ارشاد ہوا: اے عائشہ چھری لاؤ اور اس کو پتھر پر تیز کرلو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کیا پھر حضور نے وہ چھری لی اور اس بکرے کو پکڑا اور لٹایا پھر ذبح کیا اور فرمایا بسم اللہ خداوندا اس کو قبول فرما محمد اور امت محمد کی طرف سے پھر قربانی کی''۔

ملا علیٰ قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد۲ ص ۲۶۱ میں لکھتے ہیں: ''قال الطیبی المراد المشارکة فی الثواب مع الامة لان الغنم الواحد لا یکفی عن اثینن فصاعدا"۔ ''علامہ طیبی نے فرمایا کہ اس سے مراد امت کو ثواب میں شریک کرنا ہے۔ اس لئے کہ ایک بکری دو آدمی یا زیادہ کی طرف سے کفایت نہیں کرتی''۔

''وعن جابر قال ذبح النبی صلی الله علیه وسلم یوم الذبح بکبشین اقرنین اَملحین موجوئین فلما وجههما قال انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض علیٰ ملة ابراهیم حنیفا وما انا من المشرکین۔ ان صلاتی و نسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لا شریك له وبذلك امرت و انا من المسلمین اللهم منك ولك عن محمد وامته بسم الله الله اکبر ثمه ذبح رواه احمد و ابو داؤد و ابن ماجة والدارمی"۔ ''یہ محدثین حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے لئے وہ بکرے سینگ والے خوبصورت آختہ ذبح فرمائے۔ جب ان کو لٹایا دعا پڑھی اللّٰھم انی وجهت وجهی الخ اور فرمایا کہ خداوندا یہ تیرا عطیہ ہے اور تیرے لئے ذبح کیا گیا ہے محمد اور امت محمد کی طرف سے۔ بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور ذبح کیا''۔

ملا علیٰ قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد۲ ص ۳۶۵ میں تحریر فرماتے ہیں:

"(عن محمد) ای صادرة عنه (وامته) ای العاجزین عن متابعته فی سنة اضحیته وهو یحتمل التخصیص باهل زمانه والتعمیم المناسب لشمول احسانه والاول یحتمل الاحیاء والاموات اوالاخیر منهما ثم المشارکة امامحمولة علیٰ الثواب وا۱۰ علیٰ الحقیقة فیکون من خصوصیة ذلك الجناب والا ظهر ان یکون احد هما عن ذاته الشریفة والثانی عن امته لضعیفة۔"

''یہ قربانی صادر ہے محمد اور ان کی امتیوں کی طرف سے جو سنت اضحیہ میں آپ کی متابعت سے عاجز ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ فقط انہیں لوگوں کی طرف سے ہو جو حضور کے زمانہ میں تھے یا سب کو عام ہو اور یہی شمول احسان کے اعتبار سے مناسب ہے اور اول احتمال رکھتا ہے زندوں اور مردوں سب کو یا فقط مردوں کو۔ پھر مشارکت یا تو فقط ثوا...

marfat.com

میں ہے یا حقیقۃً قربانی مراد ہے تو یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہوگا اور ظاہر یہ ہے کہ ایک حضور کی طرف سے ہو اور دوسری قربانی آپ کی امت ضعیف کی جانب سے۔"

"و فی روایة لا حمد و ابی داؤد و الترمذی ذبح بیده و قال بسم الله الله اکبر اللهم هذا عنی و عمن لم یضح من امتی"۔ "امام احمد او ابوداؤد و ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضور نے خود اپنے دست حق پرست سے ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہا۔ خداوندا یہ قربانی میری طرف سے اور میری ان امتیوں کی طرف سے جنہوں نے قربانی نہ کی۔"

"و عن حنش قال رایت علیا یضحی بکبشین فقلت له ماهذا فقال ان رسول الله صلی الله علیه و سلم اوصانی ان اضحی عنه فانا اضحی عنه رواه ابو داؤد و الترمذی نحوه"۔ "ابوداؤد اور ترمذی نے حنش بن عبداللہ سبائی سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دیکھا کہ دو بکرا قربانی کیا۔ میں نے کہا، یہ کیا ہے؟ حضرت علی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کی طرف سے قربانی کیا کروں تو میں ایک جانوران کی طرف سے قربانی کرتا ہوں"۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات جلد۲ ص ۳۶۵ میں فرماتے ہیں:

"(انا اضحی عنه) بعد موته امابکبشین علیٰ متوال حیوته اوبکبش احدهما عنه و الآخر عن نفسی (فانا اضحی عنه) قال ابن الملك یدل علیٰ ان التضحیة تجوز عمن مات"۔ "حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جو فرمایا کہ ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ حضور کے وصال کے بعد جس طرح آپ اپنی حیات میں دو جانور قربانی کیا کرتے تھے، اسی طرح میں بھی حضور کی طرف سے دو جانور قربانی کرتا ہوں یا دو میں سے ایک حضور کی طرف سے اور ایک اپنی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ ابن ملک نے کہا کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنی جائز ہے"۔

ردالمحتار جلد۵ ص ۲۲۰ میں ہے: "و ان تبرع بها عنه له الا کل لأ نه یقع علیٰ تلك الذابح و الثواب للمیت"۔ "اگر کسی نے میت کی طرف سے تبرعاً قربانی کی تو اس سے کھانا جائز ہے کیونکہ یہ قربانی ملک ذابح پر واقع ہوئی اور مردہ کو قربانی کا ثواب ملے گا۔" واللہ تعالیٰ علم۔

جواب سوال سوم: ایصال ثواب کے متعدد طریقے سوال (۱) اور (۲) کے جواب میں تحریر کئے گئے۔ ان میں بعض بعض طریقے تو جملہ صحابہ کرام وصحابیات حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ و بنات طاہرات حضرت رقیہ و ام کلثوم و حضرت خبیب و حضرت حمزہ و حضرت جعفر طیار و دیگر شہدائے جنگ بدر و خیبر و احد و حنین و تبوک وغیرہا رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایصال ثواب کے لئے خود بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے ساتھ صحابہ و اہل بیت نے

کیا۔ جس کی قدرے تفصیل گزشتہ جواب سے ظاہر اور تفصیل مزید واقف سیر وتاریخ سے پوشیدہ نہیں اور نہ فقط ایک ہی مرتبہ بلکہ ان میں بعض بعض تو بار ہا برتے گئے مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت ہر سال کیا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس سنت سنیہ کو جاری رکھا۔ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا بھی زیارت کو جایا کرتیں، وہاں نماز پڑھتیں اور رویا کرتیں، دعا کرتی تھیں۔

امام محمد بن محمد غزالی احیاء العلوم میں تحریر فرماتے ہیں: ''وعن جعفر بن محمد عن ابیہ ان فاطمۃ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت تزور عمہا حمزۃ فی الایام فتصلی وتبکی عندہ''۔ ''حضرت امام جعفر صادق اپنے والد ماجد امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی پردادی حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے (والد کے) چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہم کی قبر کی زیارت کو جایا کرتیں تو وہاں جا کر نماز پڑھتیں اور ان کے پاس روتی تھیں''۔

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شرح میں فرماتے ہیں: ''وروی البیہقی فی الشعب عن الواقدی قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یزور الشہداء باحد فی کل حول واذابلغ رفع صوتہ فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبیٰ الدار ثم ابو بکر کل حول یفعل مثل ذلک ثم عمر ثم عثمان و کانت فاطمۃ رضی اللہ عنہا تاتیہ وتدعوا وکان سعد بن وقاص یسلم علیہم ثم یقبل علیٰ اصحابہ فیقول الا تسلمون علیٰ قوم یردون علیکم السلام''۔ ''بیہقی شعب الایمان میں واقدی سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہدائے احد کی زیارت کو تشریف لے جایا کرتے تھے اور جب وہاں پہونچتے، بلند آواز سے فرماتے سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار کہتے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کیا کرتے تھے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان بھی ایسا کیا کرتے تھے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ کی زیارت کو آتیں اور دعا کرتیں تھیں اور حضرت سعد بن وقاص بھی شہدائے احد پر سلام کیا کرتے تھے اور پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے تم اس قوم پر کیوں نہیں سلام کرتے جو تمہارے سلام کا جواب دیں''۔

شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ص ۳۶۴ میں ہے: ''وروی ابن ابی شیبۃ عن ابی جعفران فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت تزور قبر حمزۃ رضی اللہ عنہما ترمہ وتصلحہ وقد تعلمتہ بحجر۔ ورواہ یحیٰ نحوہ عن ابی جعفر عن ابیہ علی بن الحسین وزاد فتصلی ہناک وتدعو وتبکی حتی ماتت''۔ ''ابن ابی شیبہ حضرت ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہراء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر کی زیارت کیا کرتیں اور اس کی مرمت کرتیں، اصلاح درستگی کرتیں اور پتھر کے ذریعے علامت بنادی

marfat.com

تھی''اور یحییٰ نے مثل روایت سابق ابو جعفر سے، انہوں نے اپنے والد علی بن حسین امام زین العابدین سے روایت کیا اور اس میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ وہاں پڑھتیں، دعا کرتیں، روتیں۔ یہ دستور و طریقہ ہمیشہ جاری رہا، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوا۔''

معلوم ہوا کہ دو چار بار کون پوچھتا ہے، ہمیشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، حضرت امیر معاویہ، سعد بن وقاص مع جماعت احباب اور مدت العمر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین شہدائے احد کی سالانہ زیارت کو آیا کرتے اور سلام کرتے اور دعا کرتے رہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا اپنے احباب و اصحاب سے یہ کہنا الا تسلمون علیٰ قوم یردون علیکم السلام اس حدیث کی تصدیق ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور شہدائے احد کی زیارت کی اور فرمایا:

''ان عبدك و نبيك يشهدان هولاء شهداء وانهم من زار هم او سلم عليهم الىٰ يوم القيمة ردوا عليه''۔''خداوندا تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ شہید ہیں۔ قیامت تک جو شخص ان کی زیارت کرے گا اور ان پر سلام بھیجے گا یہ لوگ اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

''رواه البيهقى فى الدلائل و قال العطاف و حدثتنى خالتى انها زارت الشهداء فسلمت عليهم فسمعت رد السلام فقالو والله اذانعر فكم كما يعرف بعضنا بعضنا قالت فشعرت''۔''عطاف بن خالد راوی حدیث کہتے ہیں کہ میری خالہ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے شہداء کی زیارت کی پس ان پر سلام کیا تو جواب سلام سنا اور ان لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم ہم تم کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح ہمارا بعض بعض کو پہچانتا ہے تو وہ کہتی ہیں کہ یہ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔''

''وعن هاشم بن محمد العمرى من ولد عمر بن علىٰ قال اخذنى ابى بالمدينة الىٰ زيارة قبور الشهداء فى يو م جمعة بين الفجر و الشمس فكنت امشى خلفه فلما انتهىٰ الىٰ المقا بر رفع صوته فقال سلام عليكم بما صبر تم فنعم عقبىٰ الدار قال اجيب و عليك السلام يا ابا عبدالله! فالتفت ابى الىّ فقال انت المجيب ؟فقلت لا فجعلنى عن يمينه ثمه اعاد السلام ثم جعل كلما سلم يرد عليه حتى فعل ذلك ثلاث مرات فخر ساجدا۔'' (رواه البيهقى) ''امام بیہقی ہاشم بن محمد عمری سے روایت کرتے ہیں کہا۔ کہ میرے والد مدینہ طیبہ میں مجھے جمعہ کے دن درمیان طلوع فجر و طلوع شمس یعنی صبح صادق کے وقت شہدائے احد کی زیارت کے لئے گئے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ جب وہ قبرستان پہونچے، آواز بلند کی

marfat.com

اور سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار کہا۔ راوی نے کہا تو کسی نے آپ کے سلام کا جواب دیا و علیکم السلام یا اباعبداللہ اس جواب کو سن کر میرے والد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم نے جواب دیا؟ میں نے کہا نہیں پھر مجھے اپنی دہنے طرف کر لیا پھر سلام کیا تو جب جب سلام کرتے، جواب پاتے تھے۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ کیا تو آپ سجدہ میں گرے"۔

"وعن فاطمة الخزاعية تقول لقدراء بتني و غابت الشمس بقبور الشهداء و معى اخت لى فقلت لها تعالى نسلم علىٰ قبر حمزة فو قفنا علىٰ قبره فقلنا السلام عليك يا عم رسول الله صلى الله عليه وسلم فسمعنا كلامارد علينا و عليكم السلام و رحمة الله قالت و ما قربنا احد من الناس" (رواه البيهقى) " فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں کہ ایک دن آفتاب ڈوبتے وقت شہدائے احد کے قبور پر میرا گزر ہوا اور میرے ساتھ میری بہن بھی تھی۔ میں نے کہا آؤ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سلام کرتے چلیں۔ ہم دونوں بہن ان کی قبر پر ٹھہرے اور ہم نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا! آپ پر سلام ہو۔ پس ہم نے سنا کہ کسی نے ہمارے سلام کا جواب دیا اور علیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا۔ فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں اور ہمارے آس پاس کوئی آدمی نہ تھا"۔

(وفاء الوفا جلد۲ ص۱۱۲)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین ودیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور بعد کے مسلمان تابعین تبع تابعین، رجال ونساء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین الیٰ یوم الدین برابر سال بہ سال حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ودیگر شہدائے احد کے مزارات پر جا کر ایصال ثواب کیا کرتے تھے اور دیگر صحابہ کرام جن کے اسمائے طیبہ سوال میں درج ہیں اور ان کے علاوہ وہ حضرات صحابہ عظام جن کے اسمائے گرامی درج نہیں، ان کے حالات بھی اگر بتفصیل کتب سیر وتواریخ میں دیکھے جائیں تو ہر ایک کے لئے ایصال ثواب کے گزشتہ طریقوں سے نہ صرف ایک دو بلکہ متعدد طریقے اور وہ بھی نہ صرف ایک بار بلکہ بارہا کرنا ثابت ہوگا اور اگر بالفرض نہ سہی تو عدم ذکر، ذکر عدم نہیں۔ سیکڑوں کیا ہزاروں لاکھوں، واقعات روزمرہ ہوا کرتے اور تاریخ میں ان کا ذکر نہیں تو کیا وہ سب باتیں شدہ بے شدہ ہو جائیں گی۔ ہاں ماننے اور عمل کرنے کے لئے مطلق ثبوت کافی ہے، اگرچہ ایک شخص ایک فرد کے لئے ہو ع

در خانہ کس ست یک حرف بس ست

اور قبر پر کھجور کی شاخ کا رکھنا تو بارہا ثابت ہوتا ہے۔ جن جن حدیثوں سے قبر پر جریدہ رکھنا ثابت ہوتا ہے، امام نووی کا خیال ہے کہ وہ سب ایک ہی واقعہ کا بیان ہے۔ شراح بخاری اس کا رد کرتے اور بدلائل ثابت کرتے ہیں کہ یہ واقعات

marfat.com

متعدد ہیں۔

علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد اص ۲۳۵ میں فرماتے ہیں: "وفیہ نظر لمافی حدیث ابی بکرۃ عند الامام احمد والطبرانی انہ الذی اتیٰ بالجریدۃ الیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانہ قطع الغصنین فدل ذلک علیٰ المغائرۃ ویوید ذلک ان قصۃ الباب کانت بالمدینۃ وکان معہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعۃ وقصۃ جابر کانت فی السفر وکان خرج لحاجتہ فتبعہ جابر وحدہ فظہر التغایر بین حدیث ابن عباس وجابر بل فی حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المروی فی صحیح ابن حبان مایدل علیٰ الثالثۃ ولفظہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم مربقبر فوقف فقال ایتونی بجرید تین فجعل احدھما عند راسہ والاخری عند رجلیہ"۔ "امام نووی کا یہ کہنا کہ یہ واقعہ ایک ہی ہے اس میں نظر ہے۔اس لئے کہ ابوبکرہ کی حدیث میں جسے امام احمد طبرانی نے روایت کیا، یہ ہے کہ ابوبکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جریدہ لائے تھے اور انہوں نے اس کو دوحصہ کیا تھا تو یہ مغائرت کی دلیل ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس باب کا واقعہ مدینہ طیبہ میں واقع ہوا۔اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جماعت صحابہ کرام کی تھی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ سفر میں ہوا۔اس وقت حضور قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تھے کہ حضرت جابر تنہا ساتھ ہو لئے تو حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت جابر کی حدیث میں صاف مغائرت ظاہر ہوگئی بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو صحیح ابن حبان میں مروی ہے، وہ تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ تیسرا واقعہ ہے۔اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے تو ٹھہرے اور فرمایا کہ کھجور کی دو شاخیں لاؤ۔پس ایک کو میت کے سرہانے رکھا اور دوسرے کو پائنتی میں"۔

اسی طرح فتح الباری شرح بخاری جلد اول ص ۲۲۳ میں ہے: "وفی حدیث ابی بکرۃ عند احمد والطبرانی انہ الذی اتیٰ بھا الیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اما ما رواہ مسلم فی حدیث جابر الطویل المذکور فی اواخر الکتاب انہ الذی قطع الغصین فھو فی قصۃ اخریٰ غیر ھذہ فان تغایر حدیث ابن عباس وحدیث جابر وانہما کانا فی قضیتین مختلفین ولا یبعد تعدد ذلک وقدروی ابن حبان فی صحیفۃ من حدیث ابی ہریرۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم مربقبر فوقف علیہ فقال ایتونی بجرید تین فجعل احدھما عند راسہ والاخریٰ عند رجلیہ فتحتمل ان تکون ھذہ قصۃ ثالثۃ"۔

"ابی بکرہ کی حدیث میں امام احمد اور طبرانی کے نزدیک یہ ہے کہ ابی بکرہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شاخ لائے تھے لیکن وہ جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے یعنی جناب جابر کی حدیث جو طولانی ہے اور کتاب کے آخر

marfat.com

میں درج ہے کہ انہوں نے دو ٹکڑے کیا تھا، یہ دوسرے قصہ میں ہے جوان کے علاوہ ہے۔ کیونکہ سیدنا ابن عباس کی حدیث اور حضرت جابر کی حدیث میں مغائرت ہے اور یہ کہ یہ دونوں دو مختلف قصوں میں واقع ہوئے ہیں اور قصوں کا متعدد ہونا بعید از قیاس نہیں ہے، جبکہ ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ کے حدیث کے ایک صحیفے میں روایت فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس گزرے تو حضور اس پر ٹھہرے پھر فرمایا: لاؤ دو شاخیں پھر حضور نے کر دیا اس میں سے ایک کو سرہانے اور دوسری کو پائنتی تو احتمال اس بات کا ہے کہ یہ قصہ خود ایک تیسرا قصہ ہو"۔

علامہ عینی رحمہ اللہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۸۷۷ میں اس پر بہت بسط و تفصیل سے کلام فرماتے ہیں: "منها ان فی متن هذا الحديث ثم دعا بجريدة فكسرها كسر تين يعنى اتىٰ بها و كسر ها وفى حديث جابر رضى الله عنه رواه مسلم انه الذى قطع الغصنين فهل هذه فضية واحدة او قضيتان الجواب انهما قضيتان و المغائرة بينهما بو جوه الاول ان هذه كانت فى المدينة و كان مع النبى صلى الله عليه وسلم جماعة و قضية جابر كانت فى السفرو كان خرج لحاجة فتبع جابر وحده الثانى ان هذه القفية انه عليه الصلاة والسلام غرس الجريدة بعد ان شقها نصفين كما فى رواية الاعمش الاتية فى الباب الذى بعده و فى حديث جابرامر عليه الصلوٰة والسلام جابرا قطع غصنين من شجرتين كان النبى صلى الله عليه وسلم استتر بها عند قضاء حاجة فالقىٰ غصنين عن يمينه و عن يساره حيث كان النبى صلى الله عليه وسلم جالسا وان جابر اساله ذلك فقال انى مررت بقبرين يعذبان فاحببت بشفاعتى ان يرفع عنها مادام الغصنان رطبين الثالث لم يذكر فى قصة جابر ماكان السبب فى عذابها الرابع يذكر فيه كلمة الترجى فدل ذلك كلها علىٰ انها قضيتان مختلفتان بل روى ابن حبان فى صحيحه عن ابى هريرة انه صلى الله عليه وسلم مربقبر فقال ايتونى بجريدتين فجعل احدهما عندراسه والاخرىٰ عند رجليه فهٰذ الظاهر يدل علىٰ ان هذه قضية ثالثة فسقط بهذا كلام من ادعىٰ ان القضية واحدة كما مال اليه النووى والقرطبى"۔

"علامہ عینی نے حدیث جریدہ کی شرح اور اس کے فوائد حدیثیہ بیان کر کے (الاسئلہ والاجوبۃ) کی سرخی سے چند سوالات کر کے ان کے جوابات دیے، ہیں۔ منجملہ ان سوالوں کے ایک سوال یہ ہے کہ اس حدیث کے متن میں "ثم دعا بجريدة فكسرها كسرتين" ہے۔ یعنی ایک جریدہ لائے اور اس کے دو ٹکڑے کئے اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے مسلم نے روایت کیا، یہ ہے کہ خود جابر ہی نے اس کے دو ٹکڑے کئے تو یہ ایک ہی واقعہ ہے یا دو واقعے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دو قصیے ہیں اور دو واقعہ ہونے کی چار دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کا واقعہ

marfat.com

مدینہ طیبہ کا ہے اور اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی اور حضرت جابر کا واقعہ سفر کا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تھے اور فقط حضرت جابر ساتھ ہو لئے تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ متن والے واقعہ میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شاخ کو دوا آدھا کر کے دونوں قبروں پر گاڑ دیا جیسا کہ باب آئندہ میں بروایت اعمش مصرح ہے اور جابر والی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کو حکم دیا۔ انہوں نے ان دو درختوں سے دو شاخ لیا جس سے پردہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کیا تھا پھر جابر کو حکم دیا۔ انہوں نے ان دونوں شاخوں کو داہنے بائیں ڈال دیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضرت جابر نے حضور سے سوال کیا تب حضور نے فرمایا کہ میں دو قبروں پر گزرا، دیکھا کہ ان پر عذاب ہو رہا ہے تو میں نے دوست رکھا کہ میری سفارش سے ان دونوں شخصوں پر سے عذاب اٹھا دیا جائے جب تک وہ دونوں تر و تازہ رہیں۔ **تیسری دلیل**: دلیل مغائرت اور ان کے دو واقعہ ہونے کی یہ ہے کہ حضرت جابر کے قصہ میں عذاب کا سبب نہیں بیان فرمایا۔ **چوتھی دلیل**: یہ ہے کہ اس حدیث میں کلمہ ترجی مذکور نہیں تو یہ سب باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ دو واقعے علیحدہ علیحدہ ہیں بلکہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے پس فرمایا کہ کھجور کی دو شاخ لاؤ۔ جب آئی تو ایک کو حضور نے سرہانے رکھا اور دوسرے کو پائنتی میں رکھا تو یہ حدیث اپنے ظاہر لفظوں سے دلالت کرتی ہے کہ یہ تیسرا واقعہ ہے تو اس سے ساقط ہو گیا کلام اس شخص کا جس نے دعویٰ کیا کہ یہ ایک واقعہ ہے جیسا کہ اس طرف علامہ نووی اور علامہ قرطبی مائل ہوئے۔''

تو اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح شہدائے احد کی قبروں کی زیارت اور وہاں جا کر سلام کرنا، دعا کرنا، نماز پڑھنا وغیرہ بارہا بلکہ بکرات و مرات ثابت ہے، اسی طرح قبر پر جریدہ رکھنے کا واقعہ بھی ایک ہی مرتبہ نہیں ہوا بلکہ بارہا دو دو، تین تین مرتبہ ہوا۔ خود آپ نے کیا، آپ کے حکم سے صحابہ کرام نے کیا، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

رہا یہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال کے لئے کیا طریقہ برتا گیا اور کس طریقہ سے حضور کو ایصال ثواب کیا گیا۔

حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ (جن کا جامع علوم ظاہری و باطنی ہونا، ان کی تصنیفات شرح آداب المریدین، مکتوبات صدی و مکتوبات دو صدی و مکتوبات بست و ہشت و ملفوظات معدن المعانی و مخ المعانی وخوان پر نعمت وغیرہ سے ظاہر و باہر ہے) کے ملفوظات مسمیٰ بہ مخ المعانی مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ مجلس سی و نہم ص ۱۱۱ میں ہے: ذکری در نقل و عرس حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بحوالہ تفسیر زاہدی بعد بیان واقعات دفن

marfat.com

مذکور و مسطور ہے:

''و بعد از نقل میان صحابہ اختلاف افتاد در امر خلافت کہ خلیفہ رسول خدا کہ باشد۔ مہاجرے می گفت از مہاجران باشد و انصاری می گفت کہ از انصاریاں باشد۔ بعضے صلح می انگیختند کہ یکے مہاجرے باشد و دیگر انصاری۔ دریں اختلاف نہ روز گزشت و ایں نہ روز نہ حرم بودند۔ ہر یکے ہر روز طعامے بنام رسول علیہ السلام چنانچہ موجود بود، کردند و در حرم رسول چنداں اسباب از کجا بودے کہ طعام چنداں کردندے کہ بہمہ رسیدے۔ الغرض بعد از نہم روز صحابہ ہر یکے استدلال بریں یک چیز کردند کہ در آنچہ حضرت رسالت زحمت غالب شد از سبب ملال زحمت نتوانستند کہ در مسجد حاضر شوند و بوجود حضرت رسالت کرا مجال بودے کہ امامت کردے و چوں وقت نماز در آمد، بلال بخدمت حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اشارت فرمود کہ ابو بکر صدیق را بگوئے تا امامت کند۔ بلال ایں فرمان با امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسانید، ایشاں امامت کردند۔ ہمبریں صحابہ استدلال کردند کہ پیغامبر خدا امر ابو بکر صدیق را در نماز کہ یکے از ارکان دین ست، امام فرمود و بریں کار امین گردانید و خلیفہ خود گردانید کہ امامت نماز فرمود، پس جائیکہ در کار دین اورا امام گردانید و امین داشت در کار دنیا بر طریق اولیٰ امام ما باشد۔ بدیں بیا سود قرار گرفت و اجماع منعقد شد بر خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ بعدہ خلافت برایشان متعین شد۔ پس دو روز بعد از نقل اختلاف در دفن گزشت و نہ روز دریں اختلاف گزشت، جملہ یازدہ روز گزشت و دوازدہم بعد آنکہ اختلاف خلاف برخاست و ابو بکر صدیق متعین گشت، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بروح رسول علیہ الصلاۃ والسلام طعام ساختند و طعام آں مقدار ساختند کہ تمام اہل مدینہ را بس کردہ شود۔ در مدینہ افتاد امروز چیست؟ گفتند الیوم عرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الیوم عرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امروز عرس رسول خدا است و در دوازدہم عرس مشہور شد۔''

''حضور کے پردہ فرمانے کے بعد صحابہ کے درمیان خلافت کے بارے میں اختلاف پڑ گیا یعنی یہ کہ رسول خدا کا خلیفہ کون ہو؟ مہاجرین کہتے تھے کہ مہاجروں میں سے ہونا چاہئے اور انصار کہتے تھے کہ انصاریوں میں سے ہونا چاہئے اور بعض صلح پیدا کرنا چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک مہاجر اور دوسرا انصاری ہونا چاہئے۔ اس اختلاف میں نو دن گذر گئے۔ ان نو دنوں میں حضور کی نو بیویاں تھیں جن میں سے ہر ایک ہر روز جو کچھ کہ موجود ہوتا، اس میں سے ایک کھانا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے کرتی تھیں، حرم رسول میں اتنے اسباب کہاں تھے کہ اتنا کھانا کرتے جو سبھی تک پہنچ سکتا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ نویں روز کے بعد صحابہ میں سے ہر ایک نے اس ایک چیز پر استدلال کیا کہ جس چیز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر زحمت غالب ہوتی، اس کے بارے میں بسبب رنج و ملال اتنی زحمت نہ کرسکے کہ مسجد میں حاضر ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کس کی مجال تھی کہ امامت کرتا اور جب نماز کا وقت آگیا، حضرت بلال

marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے اشارہ فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ امامت کریں۔ حضرت بلال نے یہ فرمان امیر المومنین ابوبکر صدیق تک پہونچایا، انہوں نے امامت کی۔ اسی بنا پر صحابہ نے استدلال کیا کہ پیغمبر خدا نے دین کے رکنوں میں سے ایک رکن یعنی نماز میں خاص کر ابوبکر صدیق کو امام بنایا ہے اور اس کام کا امانت دار شمار کیا اور اپنا خلیفہ مقرر کیا حتیٰ کہ جناب صدیق نے نماز کی امامت فرمائی۔ لہذا جبکہ دین کے کام میں ان کو امام مقرر کیا اور امین بنایا، دنیا کے کام میں بہتر طور پر ہمارے امام ہوں گے۔ اسی بنا پر یہ بات طے ہو گئی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہو گیا جس کے بعد خلافت ان کے حوالہ کر دی گئی پھر دو روز اختلاف خلافت اٹھ جانے کے بعد دفن کرنے میں گذر گئے اور نو روز اختلافِ خلافت میں گزرے، مجموعی طور پر گیارہ روز گزرے اور بارہویں روز بعد اس بات کے کہ خلافت کا اختلاف اٹھ چکا تھا اور ابوبکر صدیق خلیفہ مقرر ہو چکے تھے، جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کی پاکیزہ روح کے لئے اتنا کھانا تیار کیا جو تمام اہل مدینہ کو کافی ہو مدینہ میں یہ شور اٹھا کہ آج کیا ہے؟ لوگوں نے کہنا شروع کیا آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس ہے، آج رسول خدا کا عرس ہے اور بارہویں دن عرس مشہور ہو گیا''۔

حضرت مخدوم الملک قدس سرۂ العزیز کی اس عبارت اور صاحب تفسیر زاہدی کی صراحت سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب ازواج مطہرات نے کیا اور نہ فقط ایک مرتبہ بلکہ نو ازواج نے نو مرتبہ کیا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیفہ و جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایصال ثواب و عرس کیا اور اس مقدار سے کھانا پکوایا کہ تمام اہل مدینہ کے لئے کافی ہوا اور نہ فقط اسی زمانہ میں ہو کر رہ گیا بلکہ اس کے بعد بھی صحابۂ عظام و مشائخ کرام و علمائے فخام بلکہ جملہ اہل اسلام برابر طرح طرح سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایصال ثواب کرتے رہے اور اب تک کرتے ہیں۔

علامہ شامی ردالمحتار جلد اول ص ۸۴۵ میں ابن تیمیہ کے اس خیال کا (کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اہدائے ثواب ناجائز ہے) رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وقد بالغ السبکی وغیرہ فی الرد علیہ فان مثل ذلک لا یحتاج لا ذن خاص الاتری ان ابن عمر کان یعتمر عنہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرا بعد موتہ من غیر وصیتہ و حج ابن الموقف وھو فی طبقۃ الجنید عنہ سبعین حجۃ و ختم ابن السراج عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر من عشرۃ آلاف ختمۃ وضحیٰ عنہ مثل ذلک" اھ علامہ تقی الدین سبکی وغیرہ نے ابن تیمیہ کے رد میں بہت مبالغہ کیا کہ اس قسم کی بات میں خاص اذن کی ضرورت نہیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ حضرت عبداللہ بن عمر حضور کے وصال کے بعد مدت

marfat.com

العمر بے وصیت برابر عمرہ کرتے رہے، حضرت ابن موفق نے جو حضرت جنید کے طبقہ میں ہیں، حضور کی طرف سے ستر حج کیا، ابن سراج نے حضور کی طرف سے دس ہزار مرتبہ سے زیادہ قرآن شریف ختم کیا اور اسی قدر حضور کی طرف سے قربانی کیا۔"

بلکہ آج تک دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ کی فاتحہ کرتا ہے تو پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے الگ فاتحہ کرتا ہے پھر امت کو حضور کا طفیلی بنا کر بطفیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایصال کرتا ہے تو حضور کے لئے ہر روز کتنے فاتحے ہوا کرتے ہیں۔ ان کے اعداد و شمار کوئی نہیں بتا سکتا اور یہ طریقہ بزرگان دین اپنی کتابوں میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ مجدد کی مکتوبات جلد سوم مکتوب بست و ہشتم ص ۵۵ میں ہے: "باید کہ ہر گاہ صدقہ بمیت نیت بکند، اول باید کہ بہ نیت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام ہدیہ سازد و بعد ازاں بمیت تصدق کند کہ حقوق آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام فوق حقوق دیگراں ست و نیز بریں تقدیر احتمال قبول صدقہ ست بطفیل آں سرور علیہ وآلہ الصلوات والتحیات و ایں فقیر در بعضے صدقات موتی کہ در تصحیح نیت خود را عاجز می یابد، علاج بہ از یں نمی یابد کہ آں صدقہ را بہ نیت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام تعین نماید۔ آں میت را طفیلی ایشاں سازد، امید ست کہ ببرکت توسط ایشاں قبول افتد"۔

"چاہئے کہ جب میت کے لئے صدقہ کی نیت کرے تو پہلے آں حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت کر کے ہدیہ کرے۔ اس کے بعد میت کے صدقہ کی نیت کرے۔ کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بلند ترین ہیں اور یہ بھی فائدہ ہے کہ اس طرح پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں صدقہ قبول ہو جانے کی امید ہے۔ یہ فقیر مردوں کے بعض صدقوں میں جب اپنی نیت کے صحیح کرنے میں خود کو عاجز پاتا ہے تو اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں پاتا کہ اس صدقہ کو آن حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے مخصوص کر دے اور جس مردے کے لئے نیت کرنا تھا، اس کو ان کا طفیلی بنا دے کیونکہ توسط کی برکت سے قبول ہو جانے کی امید ہے۔"

اور مسلمانوں میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا رواج و دستور، وہ کیا ہے ایصال ثواب ہی تو ہے۔ نیز اذان سن کر اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامہ الخ پڑھنا تو عام مسلمانوں میں اس قدر کثرت سے رائج ہے کہ شاید ہی کوئی نمازی مسلمان اس سے غفلت کرتا ہو۔ یہ تو دن رات میں پانچ دفعہ ہر مسلمان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب ہے جو زمانہ حضور اقدس صلی اللہ علیٰ وسلم سے الیٰ یومنا ہذا جاری ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیام قیامت تک جاری رہے گا۔

اللھم صلی علیٰ سیدنا و مولانا محمد کلما ذکرہ الذاکرون و کلما غفل عن ذکرہ

marfat.com

الغافلون و صل علیٰ جمیع الا نبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین والعباد الصالحین و علینا معھم اجمعین الیٰ یوم الدین۔

جواب سوال چہارم: امام اعظم کا فرزند ارجمند اور امام ابو یوسف کو ایصال ثواب کی وصیت

ایصال ثواب کا طریقہ خود امام الائمہ، سراج الامہ نے اپنی صاحبزادی کو بتایا، اپنے شاگرد رشید کو بتایا۔ وہ ایسی بہترین ترکیب ہے کہ اسی پر اگر سب حنفی حضرات عمل کیا کریں تو کافی ہے۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنے صاحبزادے کو بیس باتوں کی وصیت فرمائی تھی جن میں ہر ایک آبِ زر سے لکھنے کے قابل اور ہر حنفی کے عمل کے لائق ہے۔ اس وصیت نامہ کو شیخ احمد ضیاء الدین مصطفیٰ کمشخانوی نقشبندی مجددی خالدی نے اپنی کتاب ''جامع الاصول فی الاولیاء وانواعھم'' میں درج فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۵۳۔ یہ کتاب مطبع دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصری میں ۱۳۳۱ھ میں چھپی ہے۔ یہ وہ وصایا ہیں جن کے بارے میں امام صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''یا بنی ارشدك الله تعالی وایدك اوصیك بو صایا ان حفظتھا و حافظت علیھا رجوت لك السعادۃ فی دینك انشاء الله تعالی''۔ ''اے میرے بیٹے! خدا تجھ کو راہ دکھائے اور تیری مدد کرے۔ میں تجھ کو ان باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر تو ان کو یاد رکھے اور ان پر ہمیشہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ سے تیرے لئے دینی سعادت کی امید کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ''۔

اسی وصیت نامہ میں ہے: ''والثالث عشران تو اظب علیٰ قراءۃ القرآن کل یوم و تھدی ثوابھا الیٰ الرسول صلی الله علیه وسلم ووالدیك واستاذك وسائر المسلمین''۔ ''تیرہویں بات یہ ہے کہ ہر روز قرآن شریف کی تلاوت پر مواظبت کرو اور اس کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والدین اور اپنے استاذ اور تمام مسلمانوں کو ہدیہ کرو''۔

اور جو وصیت نامہ اپنے شاگرد رشید امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا، اسے علامہ زین ابن نجیم صاحب بحر الرائق نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر کے اخیر میں درج کیا ہے۔ یہ وصیت نامہ بہت طویل ہے: ''واذکر الموت واستغفر الاستاذ من اخذت عنھم العلم و داوم علیٰ التلاوۃ و اکثر من زیارۃ القبور والمشایخ والمواضع المبارکۃ'' (الاشباہ والنظائر ص ٦٥٤) ''ہمیشہ موت کو یاد کیا کرو اور اپنے استاذ اور جس سے تم نے علم حاصل کیا ہے ان کی مغفرت کی دعا کرو اور ہمیشہ قرآن شریف کی تلاوت کیا کرو اور بکثرت قبروں کی زیارت کیا کرو اور مشائخ کی زیارت کرو اور مقدس ومتبرک مقامات کی زیارت کو جایا کرو''۔

فقہ کی کتابیں تو ایصال ثواب کے طریقوں سے بھری ہیں، جن میں سے بعض بعض عبارتیں اوپر گزریں اور

marfat.com

تطویل کے خوف سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہ دیکھی اور جب خود امام اعظم رضی اللہ عنہ کی نہ فقط تصریح بلکہ اپنے صاحبزادے کو تاکیدی حکم، شاگرد رشید کو ہدایت موجود تو اگر بالفرض فقہ کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہ ہو، جب بھی مضائقہ نہیں کہ لاعطر بعد عروس۔

خداوند عالم کا ہزار شکر ہے کہ مسئلہ ایصال ثواب کے متعلق چاروں سوالوں کے جواب سے فراغت ہوئی اور آیات قرآنیہ کے ارشادات، نصوص نبویہ کے افادات، علمائے کرام کی تصریحات نے اس مسئلہ کو اچھی طرح واضح کر دیا کہ میت کے لئے ایصال ثواب کے طریقے خود قرآن شریف سے ثابت، احادیث سے ثابت، علمائے کرام کی عبارات سے ثابت، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے ثابت، خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت، دیگر صحابہ کرام کے معمول سے ثابت، علمائے عظام کے دستور تعامل سے ثابت، عام مسلمانوں کے مراسم ورواج سے ثابت، تمام اہل سنت کا اس پر اجماع واتفاق ہے۔

ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے:

ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے۔ علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں اس مسئلہ پر زبردست روشنی ڈالی ہے۔ معتزلہ کے دلائل کا ذکر کر کے ان کے مفصل جوابات دیئے ہیں۔

شرح عقائد نسفی ص ۱۰۷ میں ہے: "وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتهم ای صدقة الاحیاء عنهم ای عن الاموات نفع لهم ای للاموات خلافا للمعتزلة تمسکا بان القضاء لایتبدل و کل نفس مرهونة بما کسبت والمرء مجزی بعمله لابعمل غیرها ولنا ماروی فی الاحادیث الصحاح من الدعاء للاموات خصوصا فی صلاة الجنازة وقد توارثه السلف فلولم یکن للاموات نفع فیه لما کان له معنی وقال علیه السلام مامن میت تصلی علیه امة من المسلمین یبلغون مائة کلهم یشفعون له الا شفعوا فیه وعن سعدبن عبادة انه قال یا رسول الله !ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل؟ قال الماء فحفر بیرا وقال هذه لام سعد وقال علیه السلام الدعاء یردالبلاء و الصدقة تطفی غضب الرب وقال علیه السلام ان العالم و المتعلم اذامرا علیٰ قریة فان الله یرفع العذاب عن مقبرة تلك القریة اربعین یوما والاحادیث والآثار فی هذاالباب اکثر من ان یحصیٰ"۔

"مردوں کے لئے زندوں کے دعا کرنے اور مردوں کی طرف سے زندوں کے صدقہ دینے میں مردوں کا نفع ہے۔ اس مسئلہ میں معتزلہ اہل سنت کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک زندوں کا عمل مردوں کے لئے بالکل بے اثر غیر مفید ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قضا بدلی نہیں جاتی اور ہر نفس اپنی کمائی کے ساتھ وابستہ ہے اور ہر آدمی کو اس کے عمل

marfat.com

کی جزا ملے گی، نہ دوسرے کے عمل کی اور ہماری دلیلیں وہ صحیح حدیثیں ہیں جن میں مردوں کے لئے دعا کرنے کا حکم ہے، خصوصا نماز جنازہ میں کہ اس کو سلف سے خلف تک لوگ برابر کرتے چلے آئے ہیں تو اگر اس میں مردے کا کوئی نفع نہ ہوتا تو نماز جنازہ پڑھنے کے کوئی معنی نہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مردہ پر مسلمانوں کی ایک جماعت جن کی تعداد سو ہو نماز پڑھے اور ہر ایک اس مردہ کی شفاعت کرے تو ان کی شفاعت ضرور قبول ہوگی اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! سعد کی ماں کا انتقال ہوگیا تو کون سا صدقہ ان کے لئے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا پانی۔ بس انہوں نے کنوا کھدوایا اور کہا کہ یہ ام سعد کی طرف سے صدقہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا بلا کو ٹالتی ہے اور صدقہ خدا کے غضب کو بجھاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: عالم اور طالب علم جب کسی بستی میں گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے اس بستی کے گورستان پر سے چالیس دن عذاب اٹھالیتا ہے اور اس بارے میں آثار اور حدیثیں حد شمار سے باہر ہیں۔''

اس جگہ کسی خاص صورت کے متعلق یہ شبہ عام خیالوں میں گزرسکتا ہے کہ اگر یہ کار خیر باعث اجر وثواب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام وغیرہم تم سے پہلے کئے ہوتے، اس لئے کہ وہ تم سے زیادہ دیندار تھے، جس کی قدرے جھلک ان سوالوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ اب اس قسم کے شبہات وتوہمات کی گنجائش ہی نہیں۔ اس لئے کہ یہ شبہ نہ صرف قرن اول بلکہ خلفائے راشدین بلکہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہم اجمعین ہی کے وقت پیدا ہوکر صاف وصریح جواب سے دفع ہو چکا ہے جو نہ صرف ہائی کورٹ کی نظیر بلکہ پریوی کی نسل کی نظیر کی طرح ہے جو کسی کے اٹھائے نہیں اٹھ سکتی۔

امام بخاری صحیح بخاری جلد دوم باب جمع القرآن میں فرماتے ہیں: ''عن زید بن ثابت قال ارسل الیٰ ابو بکر مقتل اهل یمامة و اذا عمر بن الخطاب عنده فقال ابو بکر ان عمراتانی فقال ان القتل قد استحر بقراء القرآن وانی اخشیٰ ان یستحر القتل بالقراء فی المواطن فیذهب کثیر من القرآن وانی اریٰ ان تامر بجمع القرآن فقلت لعمر کیف تفعل شیئالم یفعله رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم فقال عمر هذا والله خیرفلم یزل یرا جعنی حتی شرح الله صدری لذلك ورایت فی ذلك الذی رایٰ عمر فقال زید قال ابو بکر انك شاب عاقل لا نتهمك و قد کنت تکتب الوحی لرسول الله صلی الله علیه وسلم فتتبع القرآن فاجمعه فوالله لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مماامرنی به من جمع القرآن قلت کیف تفعلا ن شیاء لم یفعله رسول الله صلی

marfat.com

اللہ علیہ و سلم قال واللہ ھو خیر فلم یزل ابو بکر یراجعنی حتیٰ شرح اللہ صدری للذی شرح له صدر ابی بکر و عمر فتتبعت القرآن اجمعه من العصیب واللخاف وصدرالرجال ووجدت اخر سورۃ التوبة مع ابی خزیمة الانصاری لم اجدھا مع غیرہ لقد جاء کم رسول من انفسکم حتیٰ خاتمة برأۃ فکانت الصحف مع ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاته ثم عند حفصة بنت عمر"۔ (رواہ ابو داؤد الطیالسی وابن سعد والامام احمدفی مسندہ والمدینی و الترمذی والنسائی وابن جریر وابن ابی داؤد فی المصاحف وابن المنذر وابن حبان والطبرانی فی الکبیر والبیهقی فی شعب الایمان، کنز العمال جلد اول ص ۲۷۹)

"جب جنگ یمامہ میں بہت صحابہ حاملان قرآن شہید ہوئے تو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جناب امیرالمومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: یمامہ میں بہت حفاظ قرآن شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر یوہیں لڑائیوں میں حافظ شہید ہوتے گئے تو بہت سا حصہ قرآن شریف کا جاتا رہے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے اور ایک جگہ لکھنے کا حکم دیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ کام کیا ہی نہیں تم کیونکر کروگے؟ فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب دیا کہ اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا مگر خدا کی قسم کام تو خیر ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے اس بارے میں بحث کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا اور میری رائے عمر کی رائے سے موافق ہوگئی پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید کو بلا کر قرآن شریف جمع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم جوان عقلمند شخص ہو، ہم تم کو متہم نہیں جانتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قرآن شریف لکھا کرتے تھے، تم قرآن شریف کو تلاش کرو اور جمع کرو حضرت زید کہتے ہیں: بخدا! اگر وہ پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو مجھ پر اتنا گراں اور دشوار نہ ہوتا جس قدر کہ ان کا یہ حکم قرآن شریف کا جمع کرنا مجھے شاق گزرا۔ میں نے کہا: آپ دونوں کس طرح وہ کام کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ،حضرت ابوبکر نے فرمایا، بخدا وہ کام بہتر ہے۔ پھر ہمیشہ مجھ سے ابوبکر بحث کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا جس کے لئے ابوبکر صدیق و عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھولا تھا۔ پس میں نے قرآن شریف تلاش کرنا شروع کیا اور اس کو جمع کرنے لگا کھجور کی شاخ اور باریک سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے اور آخر سورہ توبہ یعنی لقد جاء کم رسول من انفسکم آخر تک کو فقط ابوخزیمہ انصاری کے پاس پایا، ان کے سوا اور کہیں نہ ملا تو یہ قرآن شریف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے انہیں وفات دیدی پھر تا زندگی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کے وصال کے بعد حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا''۔

اس وقعہ اور اس حدیث نے مسلمانوں کے لئے ایک شاہراہ عام کھولدی کہ کسی کام کے کرنے کے لئے اس امر کو نہ دیکھنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے یا نہیں، بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ وہ کام کیسا ہے؟ کار خیر ہے یا شر، اگر کار خیر ہے؟ اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و تابعین عظام نے نہیں کیا ہو تب بھی کرنا چاہئے۔ اس کے کرنے میں مضائقہ نہیں جیسا کہ جمع قرآن شریف اس کی پہلی مثال ہے۔ بہت سے لوگ ایسے موقع پر یہ دیکھتے ہیں کہ قرون ثلثہ میں ہوا یا نہیں؟ لیکن جب زید بن ثابت نے صدیق اکبر اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم پر اعتراض کیا تو ان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہونا تو پچھلے زمانہ میں ہوگا۔ ہم صحابہ ہیں، ہمارا زمانہ خیر القرون سے ہے۔ بلکہ یہی جواب فرمایا گیا کہ اگر چہ حضور نے نہیں کیا، پر وہ کام تو اپنی ذات میں بھلائی کا ہے۔ پس کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے اور اسی پر صحابہ کرام کی رائے متفق ہوئی اور قرآن شریف باتفاق حضرات صحابہ جمع ہوا۔ مخالفین جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کوئی بات خلاف شرع نہ ثابت کر سکے تو جمع قرآن کی بدعت کا الزام دھرا۔ افسوس کہ جو اعتراض مخالفین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کرتے تھے، آج وہ اعتراض سنی حضرات خود اپنے ہم مذہب وہم مشرب سنیوں پر کرتے ہیں''۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری جلد ۹ ص ۹ باب جمع القرآن میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''وقد تسول بعض الرافضة ان يتوجه الاعتراض علىٰ ابی بكر بما فعله من جمع القرآن فی المصحف فقال كيف جاز ان يفعل شيئا لم يفعله رسول الله صلی علیه وسلم والجواب انه لم يفعل ذلك الا بطريق الاجتهاد السائغ الناشی عن النصح منه لله و لرسوله ولكتابه ولائمة المسلمين ولعامتهم''۔ ''رافضیوں کو شیطان نے بہکایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جمع قرآن کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں کہ کیونکر انہیں جائز ہوا کہ وہ ایسا کام کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے یہ فعل اپنے اجتہاد سے کیا جس کا منشا اللہ ورسول کی کتاب، امت اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی ہے''

اسی میں ہے: ''واذا تامل المنصف مافعله ابو بكر من ذلك جزم بانه يعد فی فضائله و نبوة بعظيم منقبته لثبوت قوله صلی الله علیه و سلهم من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها فما جمع القرآن احد بعده الاكان لهمثل اجره الىٰ يوم القيمة''۔ ''اور جب انصاف پسند شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کام میں تامل کرے گا تو یقین کرے گا کہ یہ فعل ان کا ان کے فضائل وکمالات میں شمار کرنے کے قابل ہے اور ان کے عظیم الشان منقبت وتعریف کی خبر دیتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے

marfat.com

کہ جو شخص جاری کرے کوئی اچھا کام تو اس شخص کے لئے اس کام کا اجر ہے اور ان لوگوں کا اجر جو اس کام کو کریں گے تو آپ کے بعد جتنے لوگ قرآن شریف جمع کریں گے، لکھیں گے، اس کا اجر و ثواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔''

چونکہ اس قسم کا شبہ طریقت، شریعت، عقائد، اصول سب میں ہوسکتا ہے۔ اسی لئے ہر فن والوں نے اس شبہ کی دفع کی طرف توجہ کی اور اپنی کتابوں میں اس شبہ کا جواب لکھا۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی القول الجمیل میں طریقہ قادریہ چشتیہ وغیرہ کے اوراد و اشغال ذکر کر کے فرماتے ہیں: ''ولا تظنن ان النسبة لا تحصل الا بهذه الاشغال بل هذه طرق لتحصيلها من غير حصر فيها و غالب الرای عندی ان الصحابة والتابعين کانوا يحصلون السكينة بطرق اخرىٰ (الى قوله) و هذا المعنى هو المتوارث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من طريق مشائخنا لا شك فى ذلك وان اختلف الالوان و اختلفت طرق تحصيلها''۔

مولوی خرم علی صاحب بلہوری اس کے ترجمہ شفاء العلیل میں اس پوری عبارت کا ترجمہ اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کا فائدہ بیان کر کے لکھتے ہیں:

''مترجم کہتا ہے کہ حضرت مصنف محقق نے کلام دل پذیر اور تحقیق عدیم النظیر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ بعضے نادان کہتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو بدعت سیۂ ہوئے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس امر کے واسطے اولیائے طریقت رضی اللہ عنہم نے یہ اشغال مقرر کئے ہیں، وہ امر زمان رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے گو طریق اس کے تحصیل کے مختلف ہیں تو فی الواقع اولیائے طریقت، مجتہدین شریعت کے مانند ہوئے۔ مجتہدین شریعت نے استنباط احکام ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے اور اولیائے طریقت باطن شریعت کی تحصیل کے جس کو طریقت کہتے ہیں، قواعد مقرر فرمائے تو یہاں بدعت سیۂ کا گمان سراسر غلط ہے۔ ہاں یہاں یہ البتہ ہے کہ حضرات صحابہ کو بہ سبب صفائے طبیعت اور حضور خورشید رسالت کی تحصیل نسبت میں ایسے اشغال کی حاجت نہ تھی۔ بخلاف متاخرین کہ ان کو بسبب بعد زمان رسالت کے البتہ اشغال مذکورہ کی حاجت ہوئی جیسے صحابہ کرام کو قرآن و حدیث کے فہم میں قواعد صرف و نحو کے دریافت کی حاجت نہ تھی اور اہل عجم اور بالفعل عرب اس کے محتاج ہیں''۔ واللہ تعالیٰ اعلم (القول الجمیل مع ترجمہ شفاء العلیل ص ۹۰)

مترجم صاحب حضور خورشید رسالت پر حاشیہ لکھتے ہیں ''اس کی مثال ایسی ہے کہ جب تک آفتاب نکلا ہوا ہے، ہر چیز پڑھ لے سکتا ہے آدمی اور جب آفتاب غروب ہوگیا تو حاجت روشنی کی پڑی پڑھنے کے لئے۔ پس صحابہ رضی اللہ

marfat.com

عنہم کے وقت میں آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا، کچھ حاجت اشغال کی حضور مع اللہ کے لئے نہ تھی۔ فقط ایک نظر ڈالنے سے جمال باکمال پر وہ کچھ حاصل ہوتا تھا، اب چلوں میں وہ حاصل نہیں ہوتا اور اب چونکہ وہ آفتاب عالم تاب غروب ہوا، حاجت پڑی ان اشغال کی اس ملکہ حضور کے حاصل کرنے کے لئے‘‘

اسی میں ص ۱۴۱ پر مولانا حاشیہ میں فرماتے ہیں: ’’اور اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات اور ہئیات واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسبات مخفیہ کے سبب سے جن کو مرد صافی الذہن اور علوم حقہ کا عالم دریافت کرتا ہے (الی قولہ) تو اس کو یاد رکھنا چاہئے یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یا داخل بدعات سیئہ نہ سمجھنا چاہئے، جیسا کہ بعض کم فہم سمجھتے ہیں۔‘‘

جناب شاہ ولی اللہ صاحب و جناب شاہ عبدالعزیز صاحب و مترجم صاحب کی ان تمام عبارتوں کو پیش نظر رکھنے والا بآسانی اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ جب تک آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا، ایصال ثواب کے لئے کسی خاص طریقے کی حاجت نہ تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فقط نماز پڑھا دینا ہی گنہگار سے گنہگار کی نجات کے لئے کافی تھا۔ کما یدل علیہ حدیث: ’’ان ھذہ القبور مملوۃ ظلمۃ وانا انور ھا بصلاتی علیھا۔ یہ قبریں تاریکی سے بھری ہیں اور میں نماز پڑھ کر ان کو منور کرتا ہوں‘‘۔

لیکن جب آفتاب رسالت غروب کر گیا تو طرح طرح کی ترکیب کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس لئے علما ومشائخ نے قرآن وحدیث سے اخذ کر کے ایصال ثواب کے طریقے نکالے جس سے دفع سئیات ورفع درجات ہوا۔ اس پر اعتراض اپنے کمال دانشمندی کا ثبوت دینا اور اکابر اولیائے کرام خصوصاً جناب شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ کو مورد اعتراض وہدف ملامت بنانا ہے۔ اس قسم کے شبہ کا رد نہ صرف صوفیائے کرام ہی نے کیا بلکہ جن علمائے کرام نے عقائد میں کتابیں لکھیں، انہوں نے بھی اس شبہ واہیہ کا رد کیا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں: ’’وقد کانت الاوائل من الصحابۃ والتابعین رضوان اللہ علیھم اجمعین لصفاء عقائد ھم ببرکۃ صحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قرب العھد بزمانہ وقلۃ الوقائع والاختلافات وتمکنھم من المراجعۃ الیٰ الثقات مستغنین عن تدوین العلمین وترتیبھما ابوابا وفصولا وتقریر مقاصد ھمافروعا واصولا الیٰ ان حدثت الفتن بین المسلمین الخ ‘‘(شرح عقائد ص ۳) ’’سلف صالحین، صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور قرب زمانہ رسالت کی برکت سے اور واقعات واختلافات کے کم ہونے اور ثقہ لوگوں کی طرف مراجعت کا موقع پانے کی وجہ سے ان دونوں علموں کے جمع کرنے اور ان کو باب وفصل میں ترتیب دینے اور مقاصد کو فروع واصول پر مقرر کرنے سے

marfat.com

مستغنی تھے۔ یہاں تک مسلمانوں میں فتنے پیدا ہوئے اور ائمہ دین سے بغاوت اور راویوں کا اختلاف اور بدعت و خواہش نفسانی کی طرف میلان ظاہر ہوا اور فتاویٰ و واقعات زیادہ ہوئے اور مہم اور مشکل باتوں میں علما کی طرف رجوع کرنے لگے، تب علما نظر و استدلال اور اجتہاد و استنباط کی طرف متوجہ ہوئے''۔

علامہ سعد الدین تفتازانی کی غرض اس عبارت سے اسی شبہ واہیہ کا استیصال ہے جیسا کہ اس کے محشیوں نے تصریح کی۔

علامہ حسن شہید حاشیہ شرح عقائد ص ۶ میں لکھتے ہیں: ''قوله قد كانت الخ دفع لما يوهم كون ذلك العلم مردود او حر اما فلا يحجم الشارع عن شروعه و كان ماسبق تمهيد اله۔ حاصله ان الا بحاث الكلامية بدعة لعدم اشتغال الاوائل بهاو الانقل الينا لتوفر دواعيه كما نقل اشتغا لهم بالمسائل الفقهية و كل بدعة ردبخبره عليه الصلاة والسلام و حاصل الدفع ان اريد عدم اشتغالهم بها مطلقا فهو باطل لان الآيات علىٰ اثبات الصانع و صفاته و اثبات النبوة والردعلىٰ المنكرين اكثر من ان يحصىٰ فكيف يمكن ان يقال انهم لم يخوضوا فى هذه الا دلة و ان اريد عدم اشتغالهم بها علىٰ تدوينها و علىٰ تقرير مقاصدها فروعا و اصولا كما اشتغلنا نحن فمسلم لكن هئ فى هذاالا مر كالفقه و ليس لكونها مردودة بل لما ذكره من صفاء الخ فاشتغالنا بالفقه اه''۔

''شارح کا یہ قول قد کانت الخ جواب اس وہم کا ہے جو متوہم ہوتا ہے کہ یہ علم مردود و حرام ہے۔ یہ دفع اس لئے ہے کہ شروع کرنے ولا شروع کرنے سے باز نہ رہے اور گزشتہ مضمون اسی کی تمہید ہے۔ خلاصہ اعتراض و وہم کا یہ ہے کہ ابحاث کلامیہ بدعت ہیں۔ اس لئے کہ سلف صالحین اس کی طرف مشغول نہ ہوئے ورنہ ضرور ہم تک منقول ہوتا، کیونکہ اس نقل و روایت کے دواعی کثیر ہیں۔ جس طرح ان کا فقہ کے ساتھ مشغول ہونا منقول ہوا اور جب وہ مشغول نہ ہوئے تو بدعت ہوا اور ہر بدعت بحکم حدیث نبوی علیٰ صاحبہ الصلاۃ والتحیۃ مردود ہے اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس عدم مشغولی سے مراد مطلقاً عدم مشغولی ہے تو یہ بالکل باطل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور نبوت کے اثبات اور منکرین کے رد کی آیتیں حد شمار سے باہر ہیں تو کیونکر ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ سلف صالحین نے ان آیات میں غور و خوض نہ کیا اور اگر یہ مراد ہے کہ علم و فن مدون نہ کیا، اصول و فروع معین نہ کیا، جس طرح ہم لوگ اس کے ساتھ مشغول ہیں تو بیشک یہ مسلم ہے مگر یہ عدم مشغولی اس وجہ سے نہیں کہ یہ علم مردود ہے بلکہ اس کی وجہ وہی ہے جو شارح علیہ الرحمۃ نے ذکر کی کہ صفائے عقائد کی وجہ سے ان کو اس کی ضرورت ہی نہ تھی تو ہم لوگوں کا اس علم کے ساتھ مشغول ہونا بدعت حسنہ ہے۔ جس طرح فقہ کے ساتھ مشغول ہونا''۔

marfat.com

علامہ خیالی اسی مضمون کو نہایت ہی نفیس قل و دل طریقے سے بیان کرتے ہیں: ''وقد کانت الاوائل تمھید لبیان الشرف و غایۃ مع الاشارۃ الیٰ دفع مایقال من ان تدوین ھذا العلم لم یکن فی عھدا لنبی علیہ السلام و لافی عھد الصحابۃ و التابعین ولو کان لہ شرف و عاقبۃ حمیدہ لما اھملوہ''۔ ''مصنف کا قول و قد کانت الاوائل الخ اس علم کے شرف اور فضیلت کی تمہید اور اس کی غایت کا بیان اور اس اعتراض کے دفع کے طرف اشارہ ہے کہ علم کلام کی تدوین نہ زمانہ رسالت میں ہوئی، نہ عہد صحابہ و تابعین میں۔ تو اگر اس علم میں کوئی خوبی ہوتی اور اس کا انجام محمود ہوتا تو سلف صالحین ہرگز اس کو چھوڑ نہ دیتے''۔ (خیالی ص ۹)

اسی طرح مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی شرح مسلم الثبوت میں منطق کے متعلق اس شبہ کو دفع فرماتے ہیں ۔ ملاحظہ ہو ص ۳۱: ''و یعلم ان النظر قدیقع فیہ الخطاء من جھۃ الصورۃ وقد یقع من جھۃ المادۃ فلا بد من عاصمہ عن الخطاء و العقل الکامل غاصم عن الخطاء بحسب الفطرۃ السلیمۃ ولایحتاج فی العصمۃ الیٰ المنطق اصلا کما ھو للصحابۃ و من تبعھم اذببرکۃ صحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقرب نزول الوحی کانت عقولھم کاملۃ غیر مشوبۃ بالوھم واذھانھم کانت قویۃ وقرائحھم جیدۃ واما امثالنا فلبعد زماننا عن زمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وظھور الفسق والفساد و کثرۃ المشاجرات والاختلافات محتاجون فی العصمۃ عن الخطاء من جھۃ الصورۃ الیٰ المنطق و من جھۃ المادۃ الیٰ مباحث الامور العامۃ والجواھر والاعراض فوجب لنا ھذہ العلوم بعد وجوب النظر ایضا اہ''۔

''جاننا چاہئے کہ نظر میں کبھی غلطی صورت کی جہت سے واقع ہوتی ہے اور کبھی مادہ کے جہت سے تو ایسے علم کی ضرورت ہوئی جو خطا سے بچائے اور عقل کامل باعتبار فطرت سلیمہ خطا سے بچانے والی ہے اور ایسے شخص کو منطق کی اصلاً ضرورت نہیں جیسے صحابہ و تابعین تھے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور نزول وحی سے قرب زمانہ کی برکت سے ان کی عقلیں کامل تھیں، آمیزش وہم سے مبرا تھیں اور ان کے اذہان قوی تھے اور طبیعتیں جید تھیں لیکن ہم جیسے لوگ تو زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری، فسق وفساوات کے ظہور، مشاجرات واختلافات کی کثرت کی وجہ سے خطا سے بچنے کے لئے صورت کے اعتبار سے منطق اور مادہ کے اعتبار سے مباحث امور عامہ، جواہر واعراض کے محتاج ہیں تو ہمارے لئے وجوب نظر کے بعد بھی ان علوم کی ضرورت ہے اور ان علوم کا جاننا واجب ہے''

بالجملہ ہر علم وفن والے علماء زمانہ رسالت اور صحابہ وتابعین کے لئے بوجہ آفتاب رسالت وقرب عہد بابرکت شرف ومزیت مانتے اور جانتے ہیں کہ جو باتیں ان کو بے کسب وحنت حاصل ہوتی تھیں، ان کے لئے ہم لوگوں کو مجاہدہ وریاضت سعی ومشقت کرنی ہوگی۔ یہ خیال خام ہے کہ جب انہوں نے نہ کیا تو ہم کو کرنا ناروا ہوگا بلکہ بوجہ بعد زمانہ خیرو

marfat.com

برکت عہد رسالت ریاضت ومحنت اور اوضاع واطوار میں تا حد اجازت شرع جدت کرنی ہوگی اور یہ سب جائز وکار خیر مطابق شرع شریف ہی سمجھا جائے گا۔

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم ''ص ۷ لکھتے ہیں: ''اشغال مناسبہ ہر وقت وریاضت ملائمہ ہر قرن جدا جدا می باشند ولہذا محققان ہر وقت از اکابر ہر طرق و در تجدید اشغال کوششہا کردہ اند۔ بناء علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست، تعیین کردہ شود۔''

دیکھئے جو لوگ بدعت پر سخت دار وگیر کرتے ہیں، وہ بھی نئے نئے طریقے اور اوراد واشغال کے نکالنے اور ان اشغال جدیدہ کو درج کتاب کرکے دوسروں کو ان نئے طریقوں پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ ان نئی باتوں پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ اگر یہ طریقے شرعا جائز ہوتے تو تم سے پہلے صحابہ ضرور کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب باتوں کا ضرور حکم دیتے، یہ سب اوہام وخیالات ہیں۔ شیطان کی ایک زبردست چال یہ ہے کہ نہی عن المنکر کے پردہ میں عمل بالمعروف سے روکتا ہے۔ ولا یغرنکم باللہ الغرور۔ خداوندا! اپنے حبیب پاک، صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے شرع کے موافق جائز کاموں کی توفیق دے اور ممنوعات ومنہیات شرعیہ سے بچا آمین ثم آمین۔

قصد تھا کہ ان چاروں سوالوں کے مختصر جوابات لکھ کر روانہ کر دیئے جائیں مگر جواب نے ایک رسالہ کی شکل اختیار کی تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کا تاریخی نام ''نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب'' (۱۳۵۴ھ) رکھا جائے۔ خداوندا! اس رسالہ کو میرے دیگر رسائل وتصنیفات کی طرح قبول فرما اور مجھ کو اور میرے سب دینی بھائیوں کو اس سے فائدہ پہونچا وما ذلک علیٰ اللہ بعزیز وھو حسبی ونعم الوکیل و صلی اللہ تعالی علیٰ خیر خلقہ سدنا محمد والہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔

قالہ بفمہ و رقمہ بقلمہ الفقیر ظفرالدین القادری الرضوی

غفرلہ وحقق املہ لثمان خلون من جمادی الاخریٰ ۱۳۵۴ھ۔

☆☆☆☆☆

مواھب ارواح القدس لکشف حکم العرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ از اکلہ رسولپور، پرگنہ جھت گڈھ میرٹھ، مرسلہ منشی فدا حسین وحافظ عبدالحکیم وشیخ محبوب الٰہی ۱۸ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین دربارۂ عرس متعارفہ مروجہ جو صوفیائے زماں روزِ انتقالِ اولیاء اللہ وغیرہ بزرگان کے مقابر پر ہمیشہ بقید تاریخ رحلت وصال مزبورہ بہ ثبوت اس کے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

ہر سال قبور شہدائے اُحد پر تشریف لے جاتے اور فرماتے سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار اہتمام بلیغ رکھتے ہیں۔ پس علمائے دین وائمہ مجتہدین واصحاب متصوفین متقدمین ومتاخرین اس امر میں جن کے قول وفعل باتفاق جمہور امت محمدیہ اولے الفضل والکمال وارباب الوجد والحال قابل التسلیم واجب العمل ہوں، جبکہ مجالس ہجوم زناں و تماشائے مرد ماں، آثار شرکیہ وارتکاب معاصی نظارہ اجنبیہ لہو ولعب وطوائفان رقاصات آلاتِ مزامیر وغیرہ سے خالی ہوں، کیا حکم قائم رکھتے ہیں اور قرون ثلثہ مشہو دلہا بالخیر میں اس کا وجود تھا یا نہیں؟ اعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وائمہ ہدیٰ میں سے آیا کسی کی قبر کے ساتھ یہ عمل واقع ہوا یا الحال دیار عرب وعجم وغیرہ میں سلسلہ ہذا جاری ہے یا نہیں؟ اور موجد اس کا کون شخص ہوا ہے؟ مجوزین جو اس پر حدیث مذکور پیش کر کے استدلال لاتے ہیں، طرف ثانی سے ممنوع ہونے میں کیا جواب ہے؟ ہندوستان میں جن مقابر بزرگان پر ایام عرس وغیرہ میں طوائفان مزین ہو کر باساز ومزامیر رقص ومجرا کیا کرتی ہیں و نیز اکثر گروہ نسوان اہل قبور سے بطریق حاجت برآری یعنی شرک منت و نیاز وزیارت مجتمع ہوتی رہتی ہیں۔ والیانِ ملک اسلام اور مسلمانانِ اہل اختیارات و ذی قوت ایسے لوگوں کو غیر ملحوظ احترام شریعت غراء اور رخنہ انداز ملت بیضا اور معلن بہ فسق وگناہ ہیں، بزجر وسختی روک دیئے جائیں یا نہیں؟ اور درصورت عدم ممانعت ہر مسلمان صاحب قدرت سے مواخذہ روز حشر باقی رہے گا یا نہیں؟ عورتوں کو زیارتِ قبور کے باب میں واضح کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی رضی لنا الاسلام دینا وجعلنا من خیر الامم قطعا و یقینا۔ وافضل الصلوات، اکمل التسلیماتِ علیٰ من نزل علیہ الکتاب لکل شیء تبیینا وارسلہٗ داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا مبینا۔ کمل فیہ الکمال ونزھہ من کل عیب وشین فھو لکل من وافیٰ یوم القیامۃ شرف وملجأ وزین سید نا النبی الامی خاتم النبیین عروس مملکۃ رب العلمین ہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدً اعبدہ ورسولہ۔ صلی اللہ تعالیٰ وسلم علیہ وعلیٰ الہٖ وصحبہٖ اولی الجاہ الذین جاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ ومنھم من قاتلوا وقتلو افنالوا امالا ینا لہٗ ذوالطول۔ ان زارھم النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم والخلفاء الراشدون علیٰ رأس کلِ حول وعلی ابنہ الا مین المکین محی الاسلام والملۃ والشریعۃ والدین واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین الیٰ یوم الدین وعلینا معھم وبھم یا ارحم الراحمین۔ وبعد!

فیقول العاجز الیٰ اللہ القوی احد خدام الباب الرضوی عبید المصطفی ظفر الدین

marfat.com

المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی العظیم ابادی البهاری المجروی۔ عامله الله بلطفه الخفی و فضله الوفی فی الحاضر والآتی مستعینا باللهِ الکریم ورسوله الکریم وابنه الغوث محی الدین و اولیا ئه اجمعین فی فتح الباب ودفع الحجاب عن و جه الصواب مسمی للجواب بالاسم التاریخی "مواهب اروح القدس لکشف حکم العرس" اللّٰهم اجعله خا لصا لوجه الکریم و مکفرالذ نوبی بکرمك العمیم وهادیا للضالین والمضلین۔ آمین! انك علیٰ کل شیٔ قدیر وبا لاجابة جدیر۔

عرس متعارف مذکور فی السوال کہ ہجوم زنان وتماشائے مردمان آثار شرکیہ وارتکاب معاصی نظارہ اجنبیہ ولہو لعب وطوائفان رقاصان وآلاتِ مزامیر وغیرہ سے خالی ہو، بلاشبہہ جائز ودرست ہے کہ الامور بمقاصدها کما فی الاشباہ والنظائر لافضل المتاخرین مولانا زین العابدین بن نجیم الحنفی۔ اور ظاہر ہے کہ غرض انعقاد اس مجلس سے ایصال ثواب فاتحہ وقرآن خوانی ہے، تحصیل خیر وبرکات ہے اور یہ دونوں بلاشبہ جائز ہیں۔ اہل سنت وجماعت کثرهم الله تعالیٰ کی کتب تو اس سے مملوومشحون ہیں۔ مگر الحمدللہ کہ وہابی پارٹی کو بھی اس میں کلام کا موقع نہیں کہ سرگروہ طائفہ

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی اپنی کتاب صراط مستقیم میں لکھتے ہیں: ''نہ پندارند کہ نفع رسایندن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست۔ چہ ایں معنی بہتر وافضل است''۔

ناصرملت وہابیہ رشید احمد صاحب کے فتاوی رشیدیہ صفحہ ۷۲ میں ہے: ''ایصال ثواب ہر روز درست اور موجب ثواب ہے''۔

ان کے محرر مذہب مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھی کے براہین قاطعہ ص ۱۳۳ میں ہے:

''اور مسلّم تمام امت کا ہے کہ ایصال ثواب مستحسن اور مندوب ہے''۔

رہا تحصیل خیر وبرکات، کوئی جاہل سا جاہل بلکہ پاگل سا پاگل بھی بشرطیکہ وہابی نہ ہو، یہ نہیں کہہ سکتا کہ اپنے فائدے کی طلب ٹھیک نہیں اور یہ بُرا ہے اور ممنوع ہے۔ باقی تخصیص وتعیین یوم رحلت اور ہر سال کے بعد اسی دن کو کہ یوم انتقال ہے، خاص کرنے کا جواز متعدد اسناد سے ثابت۔

سند اول ودوم: ''حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین ہر سال کے سرے پر شہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلامٌ علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار فرماتے۔ کما اخرجه محمد بن جریر الطبری عن محمد بن ابراهیم قال کان النبی صلی الله تعالیٰ علیه و سلم یاتی قبور الشهداء علیٰ رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی رالدار، وابو بکر و عمر

marfat.com

عثمان اه كذااخرجه ابن المنذر وابن مردويه عن انس رضى الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان ياتى احد اكل عام فاذاتفوه الشعب سلم علىٰ قبور الشهداء فقال سلام عليكم بما صبر تم فنعم عقبىٰ الدار قاله الامام الجليل الجلال السيوطى الشافعى فى الدرالمنثور فى تفسير القران بالماثور و زاد الامام فخر الملة والدين الرازى الشافعى خاتم الخلفاء امير المومنين علىٰ بن ابى طالب كرم الله تعالى وجهه الكريم فقال والخلفاء الاربعة هكذا يفعلون"۔

''ابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال اُحد تشریف لے جاتے اور جب گھاٹیاں سامنے آتیں قبور شہداء کو سلام کرتے۔سلام عليكم بما صبر تم فنعم عقبىٰ الدار فرماتے یعنی سلامتی ہو تم پر اس کے بدلے کہ تم نے صبر کیا، پس کیا اچھا ہے عاقبت کا گھر، اور خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بھی ایسا ہی کرتے''۔والحديث نقله الحافظ ابن حجر المكى فى حسن التوسل عن ابن الحاج بهذا اللفظ ''قال كان النبى صلى الله تعالى عل يه وسلم يزور الشهداء باحد فى كل حول واذابلغ الشعب رفع صوته فيقول سلام عليكم بما صبر تم فنعم عقبىٰ الدار ثم ابو بكر رضى الله تعالى عنه ورواه ابن ابى شيبة فى مسنده عن عبادبن ابى صالح رضى الله تعالى عنه۔

اس استدلال پر مولوی اسحٰق صاحب دہلوی کے مائۃ مسائل مطبوعہ مصطفائی ۱۲۸۳ھ ص ۲۹ پر یہ شبہ دیکھنے میں آیا کہ اولاً یہ حدیث صحاح کی نہیں کہ محل سخن نہ ہو بلکہ اس کتاب کی ہے کہ''اس میں ہر قسم کی حدیث صحیح حسن، ضعیف، بلکہ موضوع بھی موجود ہے۔معہذا یہ حدیث متصل الاسناد مرفوع بھی نہیں تو نزدیک محدثین کے صحیح نہ ہوئی اور تاوقتیکہ اس کی صحت کا یقین نہ ہولے، کسی چیز کے جواز وعدم جواز پر استدلال نہیں لانا چاہئے کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے اور برتقدیر صحت، حدیث مجمل ہے کہ اس حول کے دو معنی ہیں۔اول سن یعنی یکم محرم اور اولِ سن موت صاحبِ قبر سے۔اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ حدیث مجمل پر عمل جائز نہیں جب تک کہ اس کا بیان مجمل کی طرف سے نہ ہو۔پس حدیث لاتجعلوا قبرى عيدا اى لا تجتمعوا عند قبرى كا جتماعكم للعيد کے معارض ہے''اہ مترجماً۔

اہل علم پر مخفی نہیں کہ مولوی صاحب نے ان چند سطری عبارت میں کتنی غلطیاں کھائیں، علم وفضل کے جوہر دکھائے، محدثیت کے گل کھلائے۔اولاً یہ کہنا کہ یہ حدیث صحاح کی نہیں کہ محل سخن نہ ہو، محض عامیانہ کلام ہے اور بے اصل محض ہے۔کیا صحاح کی سب حدیثیں صحیح ہی ہیں کہ محل سخن نہ ہوں؟ نہیں نہیں۔بلکہ صحاح میں بھی ہر طرح کی حدیثیں موجود حتی کہ بعض محدثین نے بعض احادیث صحیح بخاری کو موضوع تک کہا ہے۔دیکھو حدیث اسرا مروی از شریک کہ

marfat.com

عبدالحق جمع بین الصحیحین میں اور امام قاضی عیاض مالکی وغیرہما نے اس حدیث میں کلام فرمایا اور ابوالفضل بن طاہر نے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا اور اس میں ابن حزم سے نقل کیا: قال لم نجد البخاری و مسلم فی کتابیھما شیأ لا یحتمل مخرجا الا حدیثین ثم علیھما فی تخریجه الوھم وقال الخطابی لیس فی ھذ الکتاب حدیث اشنع ظاھرا ولا ابشع مذاقا من ھذا الفصل وقد جزم ابن القیم فی الھدیٰ بان فی روایة شریك عشرة اوھام۔

اسی طرح صحیح مسلم شریف میں حدیث دربارۂ قصہ اسلام ابی سفیان عکرمہ ابن عمار کے مروی کہ ابن حزم نے کہا ھذا حدیث موضع لاشك فی وضعه آه قال فی تصحیح المسائل۔ صحاح کو صحاح کہنا امر تغلیبی ہے کہ اکثر احادیث ان کی صحاح ہیں۔

شیخ محقق محدث دہلوی مولانا شاہ عبدالحق صاحب مقدمہ اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں: ''دریں کتب ستہ اقسام حدیث از صحاح وحسان وضعاف موجود است وتسمیہ آں بصحاح ستہ بطریق تغلیب است''۔ ''کتب صحاح ستہ (۱) بخاری (۲) مسلم (۳) ابوداؤد (۴) ترمذی (۵) نسائی (۶) ابن ماجہ میں صحیح، حسن، ضعیف ہر قسم کی حدیثیں موجود ہیں اور انہیں صحاح ستہ کہنا امر تغلیبی واکثری ہے''۔

ثانیاً یہ کہنا کہ ''بلکہ اس کتاب کی ہے کہ اس میں ہر قسم کی حدیث صحیح وحسن وضعیف بلکہ موضوع بھی موجود ہے''۔ محض لچر اور پوچ ہے کہ حال صحاح کا بھی یہ ہے کہ ان میں صحیح، حسن وضعیف ہر طرح کی حدیثیں بلکہ بعض صحاح مثل جامع ترمذی وابن ماجہ میں بعض احادیث وہ بھی ہیں جن پر حکم وضع کیا گیا کہ حدیث صحیح نہ صحاح میں محصور، نہ صحاح حدیث صحیح پر مقصور۔ پس اس حدیث کا صحاح ستہ میں نہ ہونا اور محمد بن جریر طبری اور ابن مردویہ اور ابن منذر اور ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم کی کتاب میں ہونا ہرگز ہرگز باعث طعن وعدم قبول نہیں۔ البتہ اگر نقادِ حدیث نے اس حدیث پر کلام کیا ہوتا تو ایک بات تھی یا حکم امتناعی کلی دیا ہوتا کہ ابن جویر کی یا سوائے صحاح کے کوئی حدیث قابلِ قبول نہیں، تو یہ عذر البتہ قابل قبول ہوتا۔ و اذلیس فلیس ۔علاوہ بریں جب اجلہ اکابر علما مثل امام جلال الدین سیوطی و ابن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم وخاتم الحفاظ ابن حجر ومولانا شاہ عبدالعزیز وامام فخر الملۃ والدین رازی وصاحب شرح لباب المناسک وابن عابدین شامی وغیرہم نے اسے قبول کیا اور رد نہ فرمایا تو پھر بلاوجہ کیونکر رد ہوسکتی ہے؟ آخر وہ تو مولوی صاحب سے علم وفضل میں زائد ہی تھے، جنہیں حدیث کی تصحیح وتحسین وتضعیف کا مرتبہ خود صاحبِ حدیث سے حاصل تھا صلی الله تعالی علیه وعلی اله وبارك وسلم۔

ثالثاً یہ کہنا کہ ''معہذا محدثین کے نزدیک یہ حدیث متصل الاسناد مرفوع بھی نہیں تو محدثین کے نزدیک صحیح نہ

marfat.com

ہوئی'' بھی ایسا ہی ہے۔ کیا ہر حدیث کا متصل الاسناد مرفوع ہونا ضرور ہے؟ متصل الاسناد مرفوع ہونا داخل ماہیت صحیح ہے؟ کیا کوئی موقوف یا مرسل حدیث صحیح نہیں ہوتی؟ حدیث صحیح کی تعریف جو شیخ محقق وغیرہ نے التصحیح مایثبت بنقل عدل تام الضبط غیر معلل و لا شاذ فرمائی ہے صحیح نہیں؟ کیا اتنے قید کی اور ضرورت ہے و رفع الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم ولم ینسقط راو من الرواۃ من البین؟ پھر ذرا انصاف سے فرمایئے تعلیقات صحیح بخاری کے لئے کیا حکم ہوتا ہے؟

رابعاً اس حدیث میں مولوی صاحب نے کون سا ارسال یا انقطاع ثابت کیا کہ متصل الاسناد ہونے کا انکار کیا ہے؟ کیا نہ دیکھا کہ ابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متصلاً روایت کیا ہو۔

خامساً مرفوع نہ ہونے کی بھی ایک ہی کہی۔ صراحتاً حدیث میں فعل اقدس حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مروی۔ پھر مرفوع نہ ہو، چہ؟ شاید مولوی صاحب نے حدیث میں اسمائے خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی دیکھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آنکھ بند کرلی یا ان کے مذہب میں جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ائمہ صحابہ کا نام بھی مروی ہو تو حدیث موقوف ہو جایا کرتی ہے؟

سادساً با وصف ادعائے حنفیت عدم اتصال اسناد سے صحت حدیث نہ ماننا عجب العجاب ہے۔ ہمارے ائمہ کرام نیز ائمہ مالکیہ و جمہور ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اتصال سند ہرگز شرط صحت نہیں۔ کتب اصول اس کی تقریر وتحریر سے مملو ومشحون ہیں۔

سابعاً جناب مولوی صاحب کو اتنا بھی خیال نہ رہا کہ ہمارے امام الائمہ، مالک الازمہ، سراج الامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حدیث کا مرفوع ہونا بھی ہرگز شرط احتجاج نہیں کہ وہ آثار صحابہ کو بھی حجت جانتے ہیں کماھو منصوص علیہ فی کتب الاصول۔

ثامناً یہ کہنا کہ ''تاوقتیکہ کہ اس کی صحت کا یقین نہ ہولے، کسی چیز کے جواز وعدم جواز پر استدلال لانا نہیں چاہئے کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے''، کس درجہ خلاف عقل وفہم سے بعید ہے۔ استدلال کے لئے حدیث صحیح باستدلال محدثین ہونا ہرگز ضرور نہیں۔ حسن اور ضعیف مروی بطرق عدیدہ بلکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف فرد بھی معتبر ہے۔

شیخ محقق مقدمہ اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں: ''احتجاج در کلام بجز صحیح لذاتہ مجمع علیہ است وہمچنین بحسن نزد عامۂ علماء وآں ملحق ست بصحیح در احتجاج اگرچہ در رتبہ کمتر است۔ وچوں حدیث ضعیف بتعدد طرق بمرتبہ حسن برسد، آن نیز محتج بہ است۔ وآنکہ مشہور است کہ حدیث ضعیف در فضائل اعمال معتبر است، نہ در غیر آن، مفرداتش مراد است نہ مجموع کہ آں بتعدد طرق داخل حسن است، نہ ضعیف صرح بہ الائمۃ اھ۔ پس نہ ہر حدیث کا متصل الاسناد

مرفوع ہی ہونا ضرور، نہ استدلال حدیث صحیح ہی پر منحصر ومقصور۔ بہتیری (اکثر) حدیثیں موقوف ومرسل بھی ہیں خصوصاً تعلیقات بخاری کہ شیخ محقق قدس سرہ نے فرمایا: ''قالوا تعلیقات البخاری متصلة صحیحة''۔ مقدمہ اشعۃ اللمعات میں ہے: ''وتعلیقات در تراجم صحیح بخاری بسیار است وہمہ آن صحیح است وحکم اتصال دارد''۔

اسی طرح بکثرت مسائل کی دلیل میں حدیث موقوف ہی منقول۔ مگر شائد مولوی صاحب نے معنی لغوی کے اعتبار سے فرمایا ہوگا کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے، یعنی غلط حدیث سے استدلال صحیح نہیں یا جان بوجھ کر مصلحتاً ایسا لکھ دیا۔ غرض بہر حال! مجھے ایسا خیال معلوم ہوتا ہے کہ لوگ یہ چلتی کاروائی دیکھ کر یہ نہ کہنے لگیں۔

فان كان لايدری فتلك مصيبة

وان كان يدری فالمصيبة اعظم

ثامناً احادیث صحاح ستہ کیا سب متصل الاسناد مرفوع ہی ہیں کہ ان سے استدلال کیا جاتا ہے؟

تاسعاً ردِ حدیث کے لئے تنگی دائرہ کو اتنی وسعت دی کہ فقط صحیح مرفوع متصل الاسناد مروی صحاح پر قناعت نہ کی بلکہ یہ جبروتی حکم نافذ ہوا کہ جب تک صحت حدیث پر یقین نہ ہولے اسناد روا نہیں۔ مولوی صاحب! صحت پر یقین تو احادیث بخاری پر بھی نہیں ہوسکتا جبکہ آحاد ہو۔ یقین کے لئے تواتر یا کم از کم وہ شہرت درکار ہے جسے اصول حنفیہ میں شہرت کہتے ہیں۔ شہرت اصول شافعیہ بھی مرتبہ ظن آحاد سے زیادت نہیں رکھتی۔

عاشراً خدا جانے ان حضرات کو یجوز للوهابی مالا یجوز لغیرہ کا فتویٰ کہاں سے مل گیا ہے؟ حضرت کی اسی مأتہ مسائل واربعین میں کتنی استناد ان روایات سے موجود جو صحاح نہیں اوران سے جو متصل الاسناد نہیں اوران سے جو مرفوع نہیں۔ اپنے لئے سب کچھ حلال اور دوسرے پر محض بزورِ زبان یا غیظ وجلال ناجائز ہے، حرام ہے، استدلال جائز نہیں۔

مأۃ مسائل صفحہ ۳۸ جواب سوال بست وسوم (اعمال عباد از خیر وشر براقربا ومعارف ایشاں می رود یا نہ واوشاں در حق احیا خود ہا دعا مے کنند یا نمے کنند) میں ''شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور'' امام جلال الدین سیوطی سے جسے امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ اسی کے صفحہ ۴۲ جواب سوال بست وپنجم (ثواب قرآن شریف ودیگر اعمال صالحہ باموات می رسد یا نہ؟) میں حدیث دارقطنی۔ اسی کے صفحہ ۶۳ جواب سوال سی وسوم (سجدہ کردن قبر را برائے تعظیم مقبور در شرع حرام ست یا کفر یا شرک کبیرہ) میں احادیث امام احمد ابن حنبل، بیہقی عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ وطبرانی، حاکم، بیہقی عن قیس بن سعد وحاکم عن بریدہ، واحمد عن معاذ، وطبرانی عن سراقہ بن مالک وابن ابی شیبہ عن عائشہ وبیہقی عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اسی کے صفحہ ۱۰۱ جواب سوال ہشتاد وپنجم (مقرر کردن حافظ فی روپیہ سہ ختم قرآن یا چہار چہ حکم دارد جائز یا گناہ، کدام گناہ؟) میں حدیث بیہقی سے دلیل لائے اور ذرا بھی

marfat.com

خیال نہ کیا کہ ایں احادیث از صحاح نیست کہ محل سخن نباشد بلکہ ازاں کتب است کہ درآں کتب حدیث ہر قسم صحیح وحسن و ضعیف بلکہ موضوع ہم یافتہ می شود۔ اسی طرح اسی مائۃ مسائل کے صفحہ ۴۲ سوال بست وپنجم مذکور کے جواب میں ہے: ''وروی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یموت الرجل ویدع ولدا فیرفع لہ درجۃ الخ۔ اسی کے صفحہ ۵۵ سوال بست ونہم (نماز گذاردن بر طرف راسِ قبر یا پائین قبر گناہ، کدام گناہ) کے جواب میں ہے: ورای عمر انس بن مالك یصلی عند قبر فقال القبر القبر والعمریا مرہ بالاعادۃ۔ اسی کے صفحہ ۶۶ جواب سوال سی و ششم (شامیانہ وخیمہ استادہ کردن بر قبر چہ حکم دارد، جائز یا گناہ، کدام گناہ؟) کی دلیل میں ہے: ورأی ابن عمر فسطاطا علیٰ قبر عبدالرحمٰن فقال انزعہ یا غلام! فانما یظلہ عملہ اھ وغیرہ مسائل میں حدیث موقوف تحریر فرمائی اور اس کا لحاظ نہ کیا: معہذا نزدِ محدثین ایں حدیث متصل الاسناد مرفوع ہم نیست پس نزد ایشاں صحیح نہ باشد و قتیکہ یقین بر صحت آں نشد در مقام استدلال بر جواز شے وعدم آں آوردن نشاید۔ اسی طرح مسائل اربعین مطبوعہ مطبع محمدی ۱۲۶۱ھ کے صفحہ ۷ جواب سوال یکم (وقت تولد طفل کہ در ہر دو گوش وے اذان واقامت می دہند واجب است یا سنت یا مستحب واگر نامش محمد یا احمد نہند، درست است یا نہ؟) میں احادیث مفتاح النجاۃ ومسند ابی یعلیٰ وطبرانی وابن عدی سے دلیل لائے۔ اسی کے صفحہ ۱۵ جواب سوال ہفتم (تقسیم شیرینی وطعام بعد مکتب در مردمانِ برادری جائز است یا نہ؟) میں حدیث موقوف قصہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کیا کہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعد آموختن سورہ بقر شتر رانحر نمودہ دوستانِ خود را خورانیدہ بود)۔

حادی عشر یہ فرمان کہ بر تقدیر صحت حدیث مجمل ہے اور اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے کہ حدیث مجمل پر عمل جائز نہیں جب تک اس کا بیان مجمل کی طرف سے نہ ہو بالکل بجا اور درست ہے۔ حدیث مذکور کو بحیلۂ اجمال ناقابل عمل بتانا بھی جناب مولوی صاحب ہی ایسے محدث کو زیبا ہے۔ لفظ حول میں اژدحام معانی اور اشتباہ مراد ہی کہاں؟ کیا حول بھی مشترک ہے کہ اول محرم، اول دن موت صاحبِ قبر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے؟ نہیں بلکہ حول کا معنی دورہ ہے، محرم سے بتدا کی جائے یا صفر سے، ذیقعدہ ہو یا ذی الحجہ سے، یکم ہو یا دسویں، بیسویں یا بائیسویں۔ غرض جس جز سے ابتدا کی جائے، اس جز تک دورہ ایام وشہور آجانے کا نام حول ہے۔ فقہائے کرام جو در بارۂ وجوب زکوۃ حولان حول فرماتے ہیں، اس سے بھی یہی مراد کہ جس دن مالک نصاب ہو، اس کے ایک سال بعد زکوۃ واجب ہے۔ رہا یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کب تشریف لے جاتے؟ جناب مولوی صاحب نے دو احتمال نکالے ہیں۔ ابتدائے محرم اور ابتدائے تاریخ موت صاحب قبر۔ مگر قبل تحریر فتویٰ یہ تو غور کر لینے کی بات تھی کہ تعین سنہ ہجری اور اس کی ابتدا ماہ محرم سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں

marfat.com

کب تھی؟ یہ تو زمانہ خلافت راشدہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرار پائی ہے۔ تو احتمال اول تو احتمال ہی ہو گیا۔ پس نہ رہا باقی مگر احتمالِ ثانی کہ تاریخ موت صاحب قبر سے سال کے بعد شہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار فرماتے۔ اب بھی اعراس میں یہی ہوتا ہے اور ابتدائے سال وفات یوم وصال ہے تو اسی حدیث سے تعیین یوم وفات کی وجہ بھی ظاہر ہو گئی اور یہ سنت ٹھہری اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ راس کل حول سے مراد پہلی محرم ہر سال کی ہے تب بھی تو مذہب وہابیت کے گلے پر چھری چل گئی کہ وہاں تو بلا تعیین کی ٹھہری ہوئی ہے اور تعیین بدعت اور ہر بدعت ضلالت اور ہر ضلالت فی النار ہے۔ چنانچہ مولوی گنگوہی صاحب کے فتاوی رشیدیہ صفحہ ۸ میں ہے: ''طریقہ معینہ عرس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہذا بدعت ہے اور بلا تعیین کر دینا درست ہے''۔ اور یہی مفہوم مولوی صاحب کی مائۃ مسائل اربعین کا ہے کہ فرماتے ہیں: ''مقرر کردن روز عرس جائز نیست''۔ اور اس حدیث سے تعیین و تقرر ثابت۔ دن موت صاحب قبر کی نہیں۔ ابتدائے محرم ہی کی تعیین سہی۔

ثانی عشر حدیث مذکور کو حدیث لا تجعلو اقبری عیداً کے معارض کہنا بھی عجب بات ہے کہ جس امر کا وہاں حکم ہے، یہاں اس کی ممانعت ہے، نہیں، اس لئے کہ حدیث لا تجعلوا میں تو ممانعت اس امر کی ہے کہ میری قبر کے پاس مثل عید کے لہو ولعب کے ساتھ جمع نہ ہو کہ موجب غفلت و قسوت قلب ہے یا یہ کہ میری قبر کو تم عید نہ بنالو، یعنی جس طرح عید کے لئے سال میں صرف دو دن جمع ہوتے ہیں، میری زیارت کو صرف دو دن پر منحصر و مقصور نہ کر دو بلکہ اکثر حاضر ہوا کرو کہ مہبط ہزاراں ہزار رحمت و برکت اور ذریعہ حصول انواع سعادت ہے۔

ملا علی قاری حنفی مرقاۃ المفاتیح لمشکوۃ المصابیح میں تحریر فرماتے ہیں: ''لا تجعلو اقبری عیداً ھو واحد الاعیاد ای لا تجعلو ازیارۃ قبری عیدا او لا تجعلو اقبری مظھر عید فانہ یوم لھو و سرور و حال زیارۃ خلاف ذلک وقیل یحتمل ان یکون للحث علیٰ کثرۃ زیارۃ ولا تجعل کالعید الذی لا یأتی فی العام الا مرّتین قال الطیبی نھاھم عن الاجتماع لھا اجتماعھم للعید نزھۃ و زینۃ اہ''۔

اور حدیث مذکور کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یاتی قبور الشھداء الحدیث میں یہ حکم کہاں کہ ہر سال میری قبر پر لہو ولعب و تماشا کناں جمع ہو یا قبر کو میری عید بنالو اور ہر سال دو ہی مرتبہ مثل عید کے جمع ہو بلکہ ہر سر سال قبور شہدائے احد تشریف لے جانا اور سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار فرمانا مذکور۔ پس ایسی حالت میں اس حدیث کو اس کے معارض جاننا بھی خوش فہم ہی کا کام ہے۔

ثالث عشر اس حدیث کا مدلول صرف زیارت قبور جاننا اور جواز اعراس پر استدلال کو منع کرنا بھی تعجب خیز

marfat.com

امر ہے۔ آخر کان اور علیٰ راس کل حول کل لفظ موضوع ہے۔، کچھ معنی رکھتا ہے یا یوں ہی زائد لغو وفضول ہے۔ زیارت قبور تو یاتی قبور الشہداء ہی سے مفہوم ہوتی ہے۔ ان دونوں لفظوں کا کیا فائدہ ہے، وہ ہم سے سنئے۔ علیٰ راس کل حول تو دلالت تعیین وتخصیص یوم وفات پر کرتا ہے کما قدمنا اور لفظ کان قبل مضارع مداومت پر۔

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ص ۳۴۱ میں ہے: ''ووجہ الکراہۃ مخالفۃ فعلہ الذی کان علیہ الصلوٰۃ والسلام یداوم علیہ کما یفیدہ لفظ کان فیما نقدم من الحدیث'' انتہیٰ۔ غرض اس حدیث کو جواز عرس میں پیش کرنا بے سُود نہیں۔

رہا وہاں لوگوں کا مرتکب بدعات ولہو ولعب ہونا، باجے گاجے کھیل تماشے کرنا یہ ہرگز جزو عرس نہیں۔ یہ ضرور ممنوع وحرام ہیں اور اس کو داخل ماہیت عرس جاننا کم فہمی یا عناد ہے۔ جس طرح اکثر اعراس مع سماع ومزامیر ورقص فواحش ہوتے ہیں بہتیرے اعراس ان سب چیزوں سے خالی بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے والد ماجد کا عرس برابر کرتے اور امور مذمومہ آلاتِ لہو ولعب سے اس میں کچھ نہ ہوتا، جسے شاید مولوی صاحب نے بھی ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس عرس مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا، اسی طرح بدایوں شریف میں برابر ۱۹ر ماہ جمادی الاولیٰ کو عرس حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب، ۲ر جمادی الآخر کو عرس سیف اللہ المسلول حضرت مولانا شاہ معین الحق فضل رسول صاحب قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما کا ہوا کرتا ہے۔ ہرگز ہرگز آلات لہو ولعب کچھ نہیں ہوتے۔ توان وجوہات سے نفس عرس ہرگز ممنوع وناجائز نہیں ہوسکتا، نہ اس کے لئے تقرر یوم میں کوئی خرابی۔ مذموماتِ شرعیہ کو منع کرتے، کون منع کرتا ہے؟ یہ نفس وشیطان کا دھوکا ہی ہے کہ نہی عن المنکر کے پردے میں مناع للخیر بناتا ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

رابع عشر ہاں جناب مولوی صاحب! یہ فرمایئے کہ عبارت میں تعارض تناقض ہونا تو لازم وہابیت ہے۔ اسے تو شاید نفس کشی خیال فرما کر ایک نیک کام جان کر اختیار کیا ہوگا مگر استاد کشی کس مصلحت سے اختیار فرمائی۔ یعنی جس چیز کو استاذ واستاذ الاستاذ سب جائز ومستحسن بتاتے اور اس پر عمل درآمد کرتے آئے وہ آپ کے نزدیک ناجائز وممنوع ہے۔ کیا آپ کے برابر بھی شاہ عبدالعزیز صاحب کو علم نہ تھا کہ انہوں نے اسی مسئلہ عرس میں اسی حدیث سے استناد کیا اور یہ خیال نہ فرمایا کہ یہ حدیث تو صحاح کی نہیں کہ محل سخن نہ ہو بلکہ محمد بن جریر طبری کی کتاب کی ہے، جس میں ہر طرح کی حدیثیں موجود ہیں۔ معہذا یہ متصل الاسناد مرفوع بھی نہیں کہ قابل استدلال ہو۔ کیا یہ قواعد ان کو معلوم نہ تھے یا اب جدید آپ کے عہد محدثیت عہد میں وضع ہوئے ہیں۔ طرفہ یہ کہ خود اپنا اس پر عمل نہیں۔ اپنے لئے بیہقی، دارقطنی، طبرانی سب سے استناد جائز، آثار صحابہ سے استشہاد روا اور ہم سے خاص صحیح مرفوع متصل الاسناد کی فرمائیں۔ کیا آپ

marfat.com

کو معلوم نہیں کہ آپ کے نانا صاحب اسی حدیث سے اپنے فتویٰ مجموعہ زبدۃ النصائح میں استدلال لائے ہیں۔ حضرت معلوم تو ضرور ہے بلکہ آپ نے اپنی مأۃ مسائل میں انہیں کا رد کیا کہ فرماتے ہیں: ''بعضے مردم کہ بجواز اعراس دلیل می آرند''۔ بعض کا ایہام کیا اور تصریح کو خلاف مصلحت جان کر تصریح نہ کی کہ بعد تصریح نام مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مقصود اصلی تغلیط عوام ہاتھ سے جاتا رہے گا کہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب قول کے خلاف میرے قول کو کون پوچھے گا۔

سند سوم تعیین وتخصیص دو طرح کی ہوتی ہے۔ شرعی، عادی۔

اوّل: وہ کہ خود شرع مطہر نے کسی کام کے لئے کسی وقت کو خاص کر دیا ہو کہ اس کے سوا کسی دوسرے وقت میں نہ ہو سکے، جیسے ایام نحر اضحیہ کے لئے کہ اس سے تقدیم وتاخیر درست نہیں یا اس قدر ثواب کہ اس وقت میں ہے دوسرے وقت نہیں جیسے ثلث لیل عشا کے لئے۔

دوم یہ کہ از جانب شرع اطلاق ہے۔ جب چاہیں بجالائیں کسی وقت گناہ نہیں، ہر وقت جائز ہے جیسے ایصال ثواب کہ روز ولادت اور روز وفات یا جس دن کرے، ہر روز درست ہے مگر جب خارج میں اس کا وجود ہوگا، کسی زمانے میں، کسی ہیئت خاص ہی کے ساتھ ہوگا کہ مطلق من حیث ہو ہو بلا تعیین وتخصیص خارج میں موجود نہیں ہو سکتا، جس طرح وجود مطلق بضمن افراد ہوتا ہے، زمانہ بغیر زید، عمرو، بکر کے انسان کبھی نہیں ہو سکتا، اسی طرح بغیر کسی زمانہ کسی ہیئت کے زمانیات کا وجود ممکن نہیں۔ جب انسان ہوگا تو زید عمرو وغیرہ ضرور ہوں گے۔ اسی طرح جب عرس ہوگا، کسی زمانہ، کسی تعیین وتخصیص ہی کے ساتھ ہوگا۔ سخت تعجب ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کو وقوع کذب باری تعالیٰ شانہ کے معنی درست بتانے کو اتنی معقول یاد رہی کہ وجود نوع کا وجود جنس کو مستلزم ہے، انسان اگر ہوگا تو حیوان بالضرور موجود ہوگا۔ (یہاں پر وہ صریح الفاظ کفریہ تھے جن پر علمائے حرمین شریفین نے تکفیر فرمائی۔ انہیں نقلاً بھی اپنے قلم سے لکھنا نامناسب جان کر قلم انداز کیا۔ ۱۲ منہ) اگرچہ بضمن کسی فرد کے ہو۔ یہاں یہ منطق یاد نہ رہی کہ وجود نوع بے وجود فرد ناممکن ہے اور عرس جب ہوگا تو ضرور کسی ہیئت خاص تعیین وتخصیص ہی کے ساتھ ہوگا اور اگر نہیں تو اس یا وہ گوئی کے کیا معنی اور بلا تعیین کر دینا درست ہے۔ کیوں مولوی صاحب! عرس کرنا بھی اور بلا تعیین؟ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک مہینہ پیشتر سے تعیین نہ کیجئے، ایک ہفتہ قبل بھی نہیں، تو ایک دن، ایک گھنٹہ، پانچ منٹ پہلے تعیین کرنی ضروری یا یہ فعل اضطراری ہے کہ بلا ارادہ وتخصیص وتعیین لوگ جمع ہو جائیں، فاتحہ درود ہونے لگے۔ جب امر اختیاری ہے تو انتظام کے لئے تعیین یوم، تخصیص تاریخ ضروری ہے۔ آخر اپنے مدرسہ دیوبندیہ کے لئے کوئی فتویٰ نہ دیا کہ طریقہ معینہ مدرسہ ہذا کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہذا بدعت ہوا اور ہر بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت فی النار ہے اور بلا تعیین اوقات مدرسہ وافعال مدرسین واحکام منتظمین درست ہے یا اس کے لئے کوئی خاص حکم آیا ہے کہ (۱) ۲۳، ذی الحجہ ۷ بجے صبح

marfat.com

سے تقسیم انعام کا جلسہ نہایت رونق کے ساتھ بہ موجودگی رؤسائے شہر وممبران مدرسہ وبعض دیگر خیر خواہان بیروں منعقد ہو (ب) طلبہ قرأت خواں شیرینی کے لئے دو روپے مدرسہ دیں اور دو روپے مولوی غلام محمد راندیری سے دلوائے جائیں (ج) دس دس بارہ بارہ روپے کے وظائف ایک مدت معینہ کے واسطے حاجتمند انٹرنس پاس طلبا کو دیئے جائیں (د) ہر سال کم از کم ایک دفعہ عام ممبران مدرسہ کا اجتماع ضرور ہے (ہ) اہل مشورہ ایسے ہوں کہ ان کو شریک ہونے کا حتی الوسع التزام واہتمام ہو (و) وقت درس موسم سرما میں ۷ بجے سے ۱۱ بجے تک اور ۲ بجے سے ۴ بجے تک اور موسم گرما میں ۶ بجے سے ۱۰ بجے اور ۳ بجے سے ۵ بجے تک ہو (ز) پابندی وقت درس کی جملہ طلبہ کو ضروری ہے (ح) امتحان سالانہ کے لئے شعبان کی تعیین ہو (ط) ۲۵ رشعبان سے ۳ شوال تک مدرسہ میں تعطیل ہو (ی) عربی خواندگی کی آٹھ جماعتیں ہوں اور ہر سال مقررۂ مندرجہ نقشہ کی خواندگی ضرور پوری ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔اور اگر نہیں تو اپنے لئے دو دو روپیہ کی تعیین، مدت معینہ کی تعیین، انٹرنس پاس حاجتمند کی تعیین، ایک دفعہ عام ممبروں کے اجتماع کو ضروری جاننا، اہل مشورہ صاحب التزام واہتمام کی تعیین وغیرہ وغیرہ کہاں سے جائز کرلیں اور اُسے بدعت اور کل بدعة ضلالة اور کل ضلالة فی النار بتا کر ناری جہنمی مستحق عذاب الیم نہ ہوئے؟

سند چہارم عامۂ مسلمین بلکہ علمائے دین بلکہ ائمہ مجتہدین بلکہ تابعین بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین بلکہ خود حضور اقدس طٰہٰ ویٰس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم امور خیر کے لئے تعیین وتخصیص ایام واوقات فرماتے آئے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے مسجد قبا تشریف لے جانے کو یوم شنبہ معین فرمایا۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی: كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ياتي مسجد قبا كل سبت ماشياً و راكباً روضہ شکر ولادت رسالت کو یوم دوشنبہ مقرر فرمایا۔

مسلم شریف میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے: قال سُئل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن صوم الا ثنين فقال فيه ولدت وفيه انزل عليّ اى فاصومه شكرا لها تين النعمتين۔

سفر جہاد کے لئے روز پنجشنبہ کی تعیین فرمائی: كما في الصحيح البخاري عن كعب بن مالك رضي الله تعالى عنه انه قال فلما كان رسول الله صلىٰ الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج اذا خرج في سفرا لا يوم الخميس ۔انہیں سے ہے: ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم خرج يوم الخميس في غزوة تبوك و كان يحب ان يخرج يوم الخميس ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعظ وتذکیر کے لئے اسی دن کو مقرر کیا كما فيه عن ابي وائل رضي الله تعالى عنه قال كان عبد الله يذكر الناس في كل خميس فقال له رجل يا اباعبدالرحمٰن!

marfat.com

لوددت انك ذكرتنا كل يوم قال اما انه يمنعني من ذلك اني اكره ان املكم واني اتخولكم بالموعظة كما كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السأمة علينا۔

علمانے ہدایت درس کے لئے روز چہار شنبہ کو خاص فرمایا کما فی تعلیم المتعلم للامام برهان الاسلام الزرنوجی حکاہ عن استاذہ الامام برهان الدین المرغینانی صاحب الهداية وقال هكذا كان يفعل ابو حنيفة رضی الله تعالى عنه قال صاحب تنزيه الشريعة وكذا كان جماعة من اهل العلم۔

غرض یہ توقیتات عادیہ سے ہیں جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سوائے روز شنبہ کے مسجد قبا جانا، سوائے روز دوشنبہ کے صوم شکر رسالت رکھنا، سوائے یوم پنجشنبہ کے سفر جہاد یا پند ونصیحت کرنا، سوائے یوم چہار شنبہ کے کتاب شروع کرنا جائز ہی نہیں یا اس قدر ثواب کہ اس دن ہے اور دن نہیں۔ اسی طرح عرس کے لئے تعیین یوم وفات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اور دن ایصال ثواب نہ ہوگا یا ثواب میں کمی آجائے گی۔

پھر اسی دن کی تعیین وتخصیص کیوں؟ اولاً معلوم ہو چکا کہ یہی سنت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوا: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، رواه احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجه اہل سنت وجماعت كثرهم الله تعالى کے لئے تو اسی قدر فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وخلفائے راشدین کافی ہے مگر منکرین کی تسکین خاطر کے لئے مولوی اشرف علی ورشید احمد وخلیل احمد کے پیر جناب حاجی امداد اللہ شاہ صاحب کے فیصلہ ہفت مسئلہ کی عبارت پیش ہے۔ بغور ملاحظہ ہو:

”چونکہ ایصال ثواب مستحسن ہے خصوصاً جن بزرگوں سے فیوض وبرکات حاصل ہوئے ہیں، ان کا زیادہ حق ہے۔ ادھر اپنے پیر بھائی سے ملنا موجب ازدیاد محبت وتزاید برکات ہے اور نیز طالبوں کا یہ فائدہ ہے کہ پیر کی تلاش میں مشقت نہیں ہوتی۔ بہت سے مشائخ رونق افروز ہوتے ہیں۔ ان میں سے جس سے عقیدت ہو، اس کی غلامی اختیار کرلے۔ اس لئے مقصود ایجاد رسم عرس سے یہ تھا کہ سب سلسلے کے لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جائیں۔ باہم ملاقات بھی ہو جائے اور صاحب قبر کی روح کو قرآن وطعام کا ثواب بھی پہنچایا جائے۔ یہ مصلحت ہے تعیین یوم میں۔ رہا خاص یوم وفات کو مقرر کرنا، اس میں اسرار مخفیہ ہیں، جن کا اظہار ضروری نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب مفتی عبدالحکیم پنجابی کے اس اعتراض: ”کسانیکہ اقوال آنہا مطابق افعال شاں نیستند، عرس بزرگان خود مثل فرض دانستہ سال بسال برمقبرہ اجتماع کردہ طعام وشیرینی درآنجا تقسیم نمودہ مقابر را وثنا یعبد مکنید“ ملخصاً کے جواب میں رسالہ ذبیحہ مطبوعہ مجموعہ زبدۃ النصائح میں فرماتے ہیں: ”لہ عرس بزرگان خود الخ ایں طعن مبنی است بر جہل بہ احوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض

شرعیہ مقررہ راہیچکس فرض نمیداند۔ آرے زیارت وتبرک بقبور صالحین وامداد ایشاں باہدائے ثواب وتلاوتِ قرآن و دعائے خیر وتقسیم طعام وشیرینی مستحسن وخوب ہست باجماع علما وتعیین روز عرس برائے آنست کہ آن روز تذکر انتقالِ ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود، موجب فلاح ونجات است وخلف رالازم است کہ سلفِ خودرا بایں نوع بر واحسان نماید"۔

مجمع الزوائد میں ہے: "اراد ان یتخذ الولیمة فلیتخذ بادراك یوم موته ویحتاط فی الساعة التی ینقل فیها روحه فی تلك الساعة فینبغی ان یطعم الطعام والشراب فان ارواحهم یفرحون بذالك ویدعون لهم"۔ "اگر کسی کے فاتحہ کرنے کا ارادہ ہو تو چاہئے کہ موت کے دن موت کے وقت کرے، جس وقت روح اس کی دارفانی سے منتقل ہو کر دار جاودانی کو گئی ہے، اس وقت کھانا کھلائے، پانی پلائے کہ اموات کی روحیں اس سے خوش ہوتی اور اس کے واسطے دعا کرتی ہیں۔

سند پنجم: علاوہ ادلہ مامضت وماستاتی، اگر مان لیا جائے کہ جواز عرس کی کوئی دلیل نہیں تو کہیں ممانعت بھی تو نہیں اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ اصل اشیا میں اباحت ہے، جب تک کوئی مانع شرعی موجود نہ ہو، ممنوع نہیں ہوسکتی۔ قائل جواز متمسک باصل ہے، اسے دلیل کی کیا حاجت ہے؟ دلیل تو ان وہابی صاحبوں کو دینی چاہئے جو شرک، بدعت، ممنوع، حرام کی پکار پکار رہے ہیں۔

مشکوۃ شریف میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے: "کان اهل الجاهلیة یا کلون اشیأ و یتر کون اشیاء تقذرافبعث الله نبیه و انزل کتابه و احل حلاله و حرم حرامه فما احل فهو حلال و ماحرم فهو حرام و ما سکت عنه فهو عفو"۔

شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں: "از ینجا معلوم می شود کہ اصل در اشیا اباحت است"۔

ترمذی وابن ماجہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: "احلال مااحل الله والحرام ماحرم الله فی کتابه و ماسکت عنه فهو مما عفا عنه"۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں: "فیه ان الاصل فی الاشیاء الاباحة"۔

شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: "وایں دلیل است برآنکہ اصل در اشیا اباحت است"۔

ردالمحتار میں ہے: "وصرح فی التحریر بان المختار ان الا صل الاباحة عند الجمهور من الحنفیه والشافعیه اه وتبعه تلمیذ ه العلامه قاسم و قد جری علیه فی الهدایة فی فصل الاحداد و فی الخانیة فی اوائل الحظر والاباحة آه"۔

marfat.com

مدارکِ شریف میں تحت ارشاد باری تعالیٰ: ''قل لا اجد فیما اوحی الی محرما'' ہے: وہ فیہ تنبیہ علیٰ ان التحریم انما یثبت بوحی من اللہ و شرعہ لا بھویٰ النفس۔

اب ان سب حضرات مانعین کو دعوت عام دی جاتی ہے کہ چھوٹے بڑے جوان بڈھے سب مل کر اپنی مجموعی قوت سے ایک آیۂ قطعی الدلالۃ یا ایک حدیث صحیح مرفوع متصل الاسناد مروی بصحاح یا اجماع یا تحریم قول امام اعراس متنازع فیہا ثابت کر دیں تو البتہ، ورنہ جب اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت نہ فرمائی تو یہ منع کرنے والے کون؟ مولوی اسحاق شاہ صاحب جو اصل اشیا میں حرمت یا توقف کے قائل ہوئے ہیں اور اباحت کو رائے طائفہ اور مذہب معتزلہ ٹھہرایا ہے، وہ ان کے قلت تدبر سے ناشی کہ وہ اختلاف زمانہ فترت میں ہے کہ زمانہ فترت میں اشیا میں اصل کیا حکم ہے، حرمت یا توقف یا اباحت۔

علامہ محب اللہ بہاری مسلم الثبوت کے منہیہ میں فرماتے ہیں: ''الذی یظہر من تتبع کلامہم ہو الخلاف قبل الشرع و من ثم لم یجعلو ارفع الاباحۃ الاصلیۃ نسخا لعدم خطاب الشرع بہا فتدبر اہ و اقرہ العلامۃ بحر العلوم فی فواتح الرحموت و قررہ بتقریر آخر وقال فاذن لیس الخلاف الا فی زمان الفترۃ الذی اندرست فیہ الشریعۃ بتقصیر من قبلہم اہ''۔ نہ اباحت شرعیہ کہ وہ محققین کی متفق علیہا ہے۔ پس ایسی حالت میں یہ کوئی خیال کر ہی نہیں سکتا کہ باوجود اس علم وفضل کے مولوی صاحب کو اباحتِ اصلیہ اور اباحت شرعیہ میں فرق وتمیز نہیں۔ تمیز تو ضرور ہوگی مگر اس زمانہ ہی کو زمانہ فترت خیال فرمایا ہوگا اور کیوں نہ ہو کہ سرگروہ طائفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی تقویۃ الایمان مطبع فخر المطابع لکھنؤ ۱۳۲۲ھ کی صفحہ ۳۹ پر وہ حدیث جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ختم دنیا کا حال ارشاد فرمایا ہے کہ (زمانہ فنا نہ ہوگا جب تک لات وعزے کی پھر پرستش نہ ہو اور وہ یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایک باؤ بھیجے گا کہ سب اچھے بندے حتی کہ جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا، مر جائیں گے جب زمین میں نرے کافر رہ جائیں گے پھر بتوں کی پوجا بدستور جاری ہو جائے گی) لکھ کر صفحہ ۴۰ پر صاف لکھ دیا: ''سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا''۔ میں کہتا ہوں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اب ان کے اصل پر زمانہ فترت میں کون سا شک باقی رہ گیا۔ لہٰذا یہ حکم دیا کہ'' اصل اشیا میں یا حرمت ہے نزدیک جمہور کے یا توقف ہے جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے درا ور اشباہ سے یا اباحت ہے جیسا کہ وہ مذہب ایک طائفہ اور رائے معتزلہ ہے''۔ اس مسئلہ کے اثبات کے لئے مولوی صاحب نے عوام کے دکھانے کو اگرچہ عبارات بھی تحریر فرمادی ہیں۔ مگر اس میں الامان وہ تحریف فرمائی کہ لوگ یہی کہیں گے کہ دیانت سے محض بعید ہے۔ ومن شاء الاطلاع علیٰ تحریفاتہ فعلیہ بتصحیح المسائل للسیف المسلول مولانا الشاہ فضل رسول البدایونی قدس سرہ الربانی۔

marfat.com

علاوہ بریں طرفہ یہ کہ دلیلیں مولوی صاحب کی خود متعارض کہ تفسیر احمدی سے اصل حرمت ثابت کی اور اشباہ اور درمختار سے توقف ثابت ہوتا ہے۔ واذا تعارضا تساقطا۔ دلیل تو دلیل مولوی صاحب کی کتب میں تو اقوال ہی متعارض کہ یہاں حرمت یا توقف کی ٹھہرائی اور اربعین میں اباحت پر رائے جمائی۔

صفحہ ۱۴ ساتویں سوال کے جواب میں ہے: ''پس وقت کتب تقسیم شیرینی و طعام مسنون نیست مگر آنکہ ایں تقسیم دریں وقت از قسم مباح باشد''۔

صفحہ ۲۲ چودھویں سوال کا جواب میں: ''از رسوم سلامی و رونمائی در شریعت محمدی اصل چیز ہا یافتہ نمی شود مگر ظاہر حال ایں قسم چیز ہا کہ دادن سلامی و رونمائی است مباح است''۔

اے کاش! وہاں بھی آپ کو یہی اصل یاد رہتی اور فرما دیتے: پس بر ہر سال عرس اولیا مسنون نیست مگر آنکہ ایں عرس از قسم مباح باش یا از رسوم اعراس و فاتحہ در شریعت محمدی اصل ایں چیز یافتہ نمی شود مگر ظاہر حال ایں قسم چیز ہا درآں کہ عرس و فاتحہ است، مباح است۔ غضب تو یہ کیا کہ حسب اقرار خود رسوم سلامی و رونمائی بے اصل ہے، شریعت محمدی میں اس کی اصل پائی نہیں جاتی پھر بھی مباح بتایا اور عرس کا تقرر کہ اصل اس کی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین سے ثابت، ممنوع و ناجائز فرمایا۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر ایسی باتیں کوئی اور کرتا یا کوئی اور شخص لکھتا تو سب یہی کہتے صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اذالم تستحي فاصنع ما شئت ع بے حیا باش و آنچہ خواہی کن رواہ الامام احمد فی مسندہ و البخاری فی صحیحہ وابو داؤد و ابن ماجۃ وابن عساکر فی تاریخہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ

مگر تعارض و تناقض تو شاید یہاں کوئی عیب نہ ہوگا۔ یہاں جائز تو وہاں حرام، یہاں مکروہ تو وہاں مسنون بتانا لازمۂ مذہب ہے۔ فتاوی رشیدیہ صفحہ ۸ کی عبارت تو دیکھ چکے کہ ''طریقہ متعینہ عرس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہذا بدعت ہے اور بلا تعیین کر دینا درست ہے۔'' بلا تعیین کو جائز بتانا۔ اب اسی کے صفحہ ۱۸۱ کی عبارت ملاحظہ ہو کہ فرماتے ہیں: ''اور عرس کے باب میں بھی یہی جواب ہے کہ منع ہے''۔ اربعین میں مولانا ممدوح (مولوی اسحاق شاہ صاحب) لکھتے ہیں: ''مقرر کردن روزِ عرس جائز نیست در تفسیر مظہری می نویسد لا یجوز ما یفعلہ الجہال بقبور الاولیاء والشہداء من السجود والطواف حولہا واتخاذ السرج والمساجد الیہا و من الاجتماع بعد الحول ویسمونہا عرسا الخ''۔ یہاں تعیین، بلا تعیین سب کا ایک ہی حکم کہ منع ہے۔

تعجب ہے کہ مولوی صاحب اپنی قدیمی عادت اجتہادی فتویٰ بے دلیل لکھنے کو کیوں چھوڑ بیٹھے اور عبارت لکھدی۔ شاید یہ خرق عادت اور آپ کی کرامت ہوگی لیکن مجھے تو بوجوہ سخت افسوس ہے۔

marfat.com

اولاً اس علم وفضل پر کہ بیس عالمگیری جیسی کتابیں آپ کے سینہ شریف میں بند ہیں، اربعین مردودۂ علمائے دین سے دلیل لائے جو اس ہمہ دانی پر بالکل خلاف عقل ہے۔ اصل اشیا میں توقف ثابت کرنے کو قول غیر صحیح درمختار کو پیش کر دیا۔ کتاب کے معتبر ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس کا ہر ہر لفظ کالوحی ہو اور وہ اپنی ہر نوع مضمون میں معتمد و مستند ہو، نہ ہر قسم مضمون میں مستند ہونے سے یہ لازم کہ ہر فرد مضمون زلت قدم ولغزش قلم سے بری و مامون ہو۔ انبیاو مرسلین وملائکہ مقربین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا وعلیہم وسلم کے سوا کسی کے کلام میں عصمت نہیں آخر الانسان یساوق السهو و النسیان تو ایک مشہور بات ہے۔ یہ مسئلہ صاحب درمختار کا چونکہ غیر صحیح تھا لہذا شراح نے اس میں کلام فرمادیا۔

علامہ شامی ردالمحتار میں تحت قول (لماان الصحیح) فرماتے ہیں: ''اقول و فیه نظر من وجوه (الی ان قال) الرابع ان نسبة الاباحة الیٰ المعتزلة مخالف لما فی کتب الا صول ففی تحریر ابن الهمام المختار الاباحة عند جمهور الحنفیة و الشافعیه اه و فی شراح اصول البزدوی للعلامة الاکمل قال اکثر اصحابنا و اکثر اصحاب الشافعی ان الاشیاء التی یجوز ان یرد الشرع باباحتها و حرمتها قبل وروده علیٰ الاباحه وهی الاصل فیها حتیٰ ابیح لمن لم یبلغه الشرع ان یأکل ماشاء و الیه اشار محمد فی الاکراه حیث قال اکل المیتة و شرب الخمر لم یحرما الا بالنهی فجعل الاباحة اصلا والحرمة بعارض النهی وهو قول الجبائی و ابی هاشم و اصحاب الظاهر اه''۔

ثانیاً مولوی صاحب کا مولانا ممدوح کی مردودہ عبارت سے بھی مطلب حاصل نہیں ہوتا، تقریب تمام نہیں ہوتی کہ مولوی صاحب کا دعویٰ ممانعت عرس ہے اور مولانا ممدوح عرس کو جائز اور دن مقرر کرنے کو ناجائز فرماتے ہیں۔

ثالثاً قبل استشہاد یہ تو خیال کر لینا چاہئے تھا کہ ان مسائل مختلف فیہا میں قول علیل واجتہادی بے دلیل، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ہی کا کہاں تک معتبر ومقبول ہے۔

رابعاً برتقدیر مستند ہونے قول قاضی صاحب کے مولوی صاحب کو انصافاً اس کی تفتیش ضروری تھی کہ اصل عبارت تفسیر مظہری کیا ہے کہ تصحیح نقل یعنی مطابق اصل ہونے کی توقع مولانا ممدوح سے بالکل نہیں کہ نقل میں عبارت میں سے جو مضر اپنے دعوے کی ہو دور کر دینا، کہیں بیچ میں ایک فقرۂ مفید اپنے سمجھ کر اپنی طرف سے بڑھا دینا، کہیں کسی کتاب کا نام لکھ کر ایک عبارت لکھ دینا جس کا اصلاً اس کتاب میں نام ونشان نہیں، کہیں قولِ مردود پر حوالے میں کفایت کرنا، یعنی لکھ دیا کہ فلانی کتاب میں یوں لکھا ہے، حالانکہ اس کتاب میں اس بات کو لکھ کر رد کر دیا ہے۔ یہ آپ کی عادت ہے۔ (دیکھو فتویٰ علمائے شاہجہان آباد مولوی مفتی محمد صدر الدین صاحب و جناب مولوی محمد مخصوص اللہ صاحب وغیرہ وغیرہ مسلکہ بسلک تحقیق الحقیقہ مطبع گلزار حسینی بمبئی)

marfat.com

خامساً بعد تسلیم ان دو باتوں کے کہ قاضی صاحب کا فرمان بجا اور درست ہے اور مولوی صاحب کے مولانا ممدوح نے نقل مطابق اصل فرمائی ہے۔ قاضی صاحب تو اجتماع بعد الحول کالا عیاد کو منع کرتے ہیں، نہ تقرر یوم عرس کو اور مولانا ممدوح کا دعویٰ منع تقرر یوم عرس ہے اور مولوی صاحب کا دعوی مطلق منع ہے۔ رہا قاضی صاحب کا یہ فرمان ویسمونہا عرساً یہ ان کی سمجھ ہے ورنہ ہرگز اولیائے کرام کے مزارات کا طواف کرنا، اسے سجدہ کرنا، چراغ جلانا، سال بھر کے بعد مثل عید کے جمع ہونا حقیقت عرس میں داخل نہیں۔ پس ایسی حالت میں عرس کی ممانعت پر مولانا ممدوح کی اربعین کی عبارت پیش کرنا کتنے بڑے عاقل کا کام ہے۔

سند ششم عرس کو جم غفیر و جماعت کثیرۂ علما و مشائخ اسلام اسی تعیین و تخصیص کے ساتھ کرتے چلے آئے ہیں اور جماعت کثیرہ گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی لقولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا تجتمع امتی الضلالۃ یعنی میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی و فی روایۃ ابن ابی عاصم عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم: ان اللہ تعالی قداجارامتی من ان یجتمع علیٰ الضلالۃ وفی روایۃ ابن ماجہ عنہ رضی اللہ تعالی عنہ انّہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم: ان امتی لن یجتمع علیٰ الضلالۃ۔

اسی واسطے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اتباع کا حکم دیا اس کی نصرت کا وعدہ فرمایا کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: ''ید اللہ علی الجماعۃ'' رواہ الترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما۔

ابن ماجہ شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم :اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار۔ پیروی کرو بڑی جماعت کی کہ جو ان سے علیحدہ ہوا، جہنم میں پڑا۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں: ''السواد الاعظم یعبر بہ عن الجماعۃ الکثیرۃ والمراد ماعلیہ اکثر المسلمین'' ا ھ۔ پس جب اسے جم غفیر علما و صلحا کرتے چلے آئے تو ہرگز ہرگز یہ گمراہی و ضلالت نہیں۔

سند ہفتم اس مطلب پر تصریحاتِ ائمہ و علماء سے بہتر تو ان ہی بزرگواروں (مولوی اسحاق صاحب و مولوی رشید احمد و خلیل احمد صاحبان) کی شہادت ہے ع مدعی لاکھ بھاری ہے گواہی تیری۔ اور وہ جو تعیین و تقرر کو نا جائز و ممنوع بتایا اس سے اس طرح کی تعیین و تخصیص ہوگی کہ لوگ اسے لازم جان لیں اور اعتقاد کرلیں کہ سوا اس دن کے اور دن عرس ہو ہی نہیں سکتا، ورنہ تعیین و تخصیص یوم تو مولوی گنگوہی اور ان کے شاگرد صاحب مقدوح اور مولانا ممدوح

marfat.com

نزدیک بھی جائز بلکہ بہتر ہے۔

مائۃ مسائل صفحہ ۲۵ میں ہے:''سوال، مقرر کردن روز برائے زیارت قبور از روزہا در شرع جائز است یا گناہ کدام گناہ از گناہاں ؟ جواب: مقرر کردن روزے از روزہائے ہفتہ بوضعیکہ لازم شمارد و برآں اہتمام سازد از احادیث و روایت فقہ کتب معتبرہ ثابت نشدہ، مگر در فتاوی علمگیری ایں قدر نوشتہ اگر در چہار روز دوشنبہ و پنجشنبہ و جمعہ و شنبہ زیارت کند بہتر است۔ عبارتہ ھکذا: افضل ایام الزیارۃ اربعۃ ایام الاثنین و الخمیس و الجمعۃ والسبت'' آہ۔

فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۵۲ میں دربارۂ ایصال ثواب ہے:''روز ولادت اور روز وفات بھی درست ہے''۔

اسی طرح مولوی صاحب موصوف کی اول سے آخر تک بغور دیکھی ہوئی مقرظ کتاب براہین قاطعہ صفحہ ۹۷ میں فاتحہ مرسومہ کی بابت ہے:''یہ تخصیصات و تعینات رسوم صالحہ اس وقت تک ہیں کہ التزام اس کا نہ ہو اور عوام کے قلب میں رسوخ کا اندیشہ نہ ہو۔ کبھی کبھی ترک بھی کردیا کریں''۔

جس سے صاف ظاہر کہ صرف تعیین وتخصیص کو ناجائز وحرام نہیں جانتے بلکہ بہتر اور رسم صالح سمجھتے ہیں۔ ہاں! اس التزام واہتمام کو منع کرتے ہیں اور اگر نہیں تو لوگ اسے بھی ان حضرات کے تناقضات میں گن لیں۔ اور ہاں صاحبو! یہ کیسا انصاف ہے کہ سنیوں کو تو کبھی کبھی ترک کردینے کی نصیحت ہو اور اپنے کاموں میں التزام واہتمام ضروری سمجھا جائے کما قدمنا۔

سند ھشتم تعامل علمائے حرمین شریفین ہے کہ جس بات پر وہاں کے حضرات بالاتفاق عمل کرتے اور اس کی عادت رکھتے آئے، وہ بھی حجت ہے۔ فقہائے معتمدین اور علمائے مستندین مسائلِ شرعیہ میں اس سے احتجاج کرتے۔ اس کی موافقت کو مستحب اور اس کی مخالفت کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

غنیہ شرح منیہ صفحہ ۴۰۴ بحث تراویح میں ہے:''وھذا الانتظار مستحب لعادۃ اھل الحرمین''۔''ہر دو ترویحہ کے درمیان بقدر ایک ترویحہ کے انتظار کرنا مستحب ہے، بوجہ عادت اہل حرمین کے کہ عادت اہل مکہ کی ہر چار رکعت کے بعد طواف کرنا اور دو رکعت نماز پڑھنا اور عادت اہل مدینہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوۃ و التحیۃ کی چار رکعت تنہا نماز پڑھنا ہے''۔

ہدایہ میں ہے:''والمستحب فی الجلوس بین الترویحتین مقدار الترویۃ و کذ ابین الخامسہ والوتر لعادۃ اھل الحرمین''۔

غنیہ میں ہے: (وان استراح علیٰ خمس تلیمات) ای عقیب عشر رکعات (قال بعضھم لا بأس بہ) ای لا یکرہ (قال اکثر المشائخ لا یستحب) ذالک لمخالفۃ اھل الحرمین وقولہ لا

marfat.com

یستحب کنایة عن الکراهة التنزیهیة"۔ "اور اگر جلسہ استراحت کیا دس رکعت کے بعد، بعضوں نے کہا کچھ حرج نہیں اور اکثر مشائخ نے فرمایا: مکروہ ہے بوجہ مخالفت اہل حرمین کے"۔

عینی شرح کنز میں ہے: "الا ستراحة علیٰ خمسة تسبیحات مکروه عندالجمهور لا نه خلاف فعل اهل الحرمین"۔

فتاویٰ امام فقیہ النفس قاضی خاں میں ہے: "فان استراح علیٰ رأس خمس تسبیحات ولم یسترح بین کل ترویحتین اختلفوا فیه قال بعضهم لاباس به وقال بعضهم لایستحب ذالك لانه مخالف لعمل اهل الحرمین"۔

اور بلاشبہہ افعال حسنہ حرمین شریفین میں بلکہ خاص اعراس وزیارت علما ومشائخ وصحابۂ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) ومقامات متبرکہ تبعین ایام وتواریخ عام طور پر بلانکیر رائج ہے۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں نہم ہر ماہ کو زیارت سیدتنا آمنہ امّ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہا وسلم، یازدہم ہر ماہ کو زیارت سیدتنا خدیجہ بنت خویلد امّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، دوازدہم ربیع الاول شریف کو زیارت مولد النبی الامین علیہ افضل الصلوات من رب العالمین، سیزدہم صفر کو زیارت وعرس سیدتنا میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اسی طرح مدینہ طیبہ میں دوازدہم ربیع الاول شریف کو محفل میلاد فیض بنیاد یا عرس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، دوازدہم رجب المرجب کو عرس وزیارت اسد اللہ واسد رسولہ سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۱۸ شعبان کو عرس سید ابو صالح مدنی قدس سرہ عظیم محافل وہجوم کثیرہ کے ساتھ جس میں علما وصلحا وسادات وعامۂ اہل حرمین شریفین زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً وتکریماً سبھی ہوتے۔ مزارات طیبات پر حاضر ہوتے، سلام عرض کرتے، فاتحہ پڑھتے، ان کو وسیلہ بناتے، ان کے طفیل میں حاجتیں پوری ہونے کی درخواست کرتے ہیں۔

سند نہم صحیحین میں امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "احب العمل الیٰ الله مادا وم علیه صاحبه وان قل"۔ "محبوب ترین عمل اللہ تعالیٰ نزدیک وہ ہے جس پر عامل مداومت کرے، اگرچہ تھوڑا ہو"۔ امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں اسی عنوان سے ایک باب واضع کیا۔ باب احب الدین الیٰ الله ادومه۔ امام عینی اسی کے تحت فرماتے ہیں: الثالث فیه فضیلة الدوام علیٰ العمل والحث علیٰ العمل الذی ینمو القلیل الدائم علیٰ الکثیر المنقطع اضعافاً کثیره۔

اسی واسطے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کار خیر کو شروع کر کے اس کے ترک پر تہدید فرمائی۔ صحیحین میں ہے: "یا عبدالله لا تکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترك"۔ "اے عبداللہ! فلاں جیسا نہ ہونا کہ قیام اللیل کرتا تھا پھر چھوڑ دیا"۔

marfat.com

اور یہ آنکھوں کا مشاہدہ ہے کہ جس کام کے لئے دن تاریخ مقرر ہو، اس پر دوام ہوتا ہے جب وہ تاریخ آتی ہے۔ خیال آجاتا ہے ورنہ آج کل میں عمر تمام ہو جاتی ہے لیکن کام نہیں ہوتا۔ رب العزت جل جلالہٗ نے حج میں یہ تعیین ضروری نہ فرمائی کہ جس سال زادراہ کا مالک ہو، طاقت رکھے، اسی سال جائے یا دوسرے سال حج کرے یا کب کرنا چاہئے۔ بہتیرے لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی قدرت دی ہے، امسال حج کریں گے، آئندہ سال حج کو جائیں گے، اسی طرح ہر سال قصد ہی کرتے رہ گئے کہ عزرائیل علیہ السلام نے ان کا کام تمام کر دیا اور فرض خدائے تعالیٰ کا باران کے سر ہی رہا۔ اسی غرض سے تاریخ مقرر کر کے ایصال ثواب معتاد ہوا کہ بوجہ مداومت احب العمل الی اللہ میں سے ہو جائے۔

سند دہم عرف عام اہل اسلام ہے کہ اسے علما وصلحا، فقرا اولیا، مشائخ کرام وصوفیائے عظام شرقاً غرباً کرتے چلے آئے اور یہ بھی ایک دلیل استحسان کی ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے: ”العادة محكمة واصلها قوله عليه السلام: ماراه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن“۔

اسی میں ہے: ”واعلم ان اعتبار العادة والعرف يرجع اليه فى الفقه فى مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك اصلا“۔

برجندی میں ہے: ”العرف ايضاحجة حجة بالنص قال عليه السلام ماراه المسلمون حسناً فهو عندالله حسن“۔

یدہ بریں میں ہے: ”لايكره الاقتداء بالامام فى النوافل مطلقاً نحو القدر والرغائب وليلة النصف من شعبان و نحو ذالك لان مارآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن خصوصا اذااستمر فى بلاد الاسلام والا مصار لان العرف اذااستمر نزل منزلة الاجماع“ آه۔

عینی شرح ہدایہ میں درباب عدم ارسال محرم صید ہے: ”وبذالك جرت العادة الفاشية وهى من احدى الحجج التى يحكم بهاقال عليه السلام: ماراه المسلمون حسناً فهو عندالله حسن قلت والحديث رواه البزار والطبرانى و الطيالسى والامام احمد فى كتاب السنة عن عبدالله بن مسعود رضى الله تعالى عنه۔ قال السخاوى فى المقاصد الحسنه هوموقوف حسن“۔

اور شک نہیں کہ عرس وفاتحہ کو علما وصلحا وعامۂ اہل اسلام اسی تعیین وتخصیص کے ساتھ کرتے اور سے بہتر ومستحسن جانتے ہیں۔ حرمین شریفین کی حالت معلوم ہو چکی۔ دہلیز الحرمین جدہ میں ہفدہم ۱۷ ررمضان المبارک کو عرس حضرت سید علوی، بست وچہارم ۲۴ رکو عرس سید ابوسریر، بست وہفتم، کو عرس حضرت شیخ محمد عقیلی، یمن میں یکم شعبان سے ۱۵ دن

marfat.com

تک عرس حضرت شیخ محمد بن علوان جن کے نام کی برکت سے اشیائے گم شدہ کا مل جانا، علما نے فرمایا اور بارہا تجربہ ہوا اور برابر ہوتا ہے۔

ردّ المحتار طبع استامبول جلد۳ صفحہ۵۰۱ میں ہے: ''الانسان اذا ضاع له شئی و اراد ان یرد الله سبحانه علیه فلیقف علیٰ مکان عال مستقبل القبلة ویقرء الفاتحة و یهدی ثوابها للنبی صلی الله تعالی علیه وسلم ثم یهدی ذالك لسیدی احمد بن علوان ویقول یا احمدیا ابن علوان ان لم ترد علیّ ضالتی نزعتك من دیوان الاولیاء فان الله یرد علی من قال ببرکته اجهوری مع زیادة کذافی شرح المنهج للداؤدی رحمه الله آه قلت و قد جربته مراراً فوجد ته صحیحاً و الحمد لله علیٰ ذلك''۔

بغداد مقدس میں حضور پُرنور غوث الثقلین سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا عرس شریف نہم ربیع الآخر شریف کو ہوتا ہے۔ شیخ محقق محدث دہلوی مولانا شاہ عبدالحق صاحب ''ماثبت بالسنۃ'' میں بعد ذکر تاریخ وفات حضور فرماتے ہیں: ''قلت بهذه الروایة یکون عرسه تاسع ربیع الآخر و هذا هو الذی ادرکنا علیه سید نا الشیخ الامام العارف الکامل الشیخ عبدا لوهاب القادری المتقی المکی فانه قدس سره کان یحافظ فی عرسه رضی الله تعالیٰ عنه هذا التاریخ اما اعتمادا علیٰ الروایة وعلیٰ ماراٰی من شیخه الشیخ الکبیر علی المتقی اومن غیره من المشائخ رحمة الله تعالی علیهم و قد اشتهر فی دیارنا هذا الیوم الحادی عشر و هو المتعارف فی مشائخنا من اهل الهند من اولاده رضی الله تعالی عنه کذا ذکر شیخنا و سیدنا السید البهی الرضی ابو المحاسن سیدی الشیخ موسی الحسینی الجیلانی ابن الشیخ الکامل العارف المعظم المکرم ابی الفتح الشیخ الحامد الحسنی الجیلانی نقلا من اورادالقادریة تصنیف المخدوم الاعظم الاکرم الامجد الافخم ولی الله بالا تفاق الذی یقال له المخدوم السامی الشیخ عبدالقادر الثانی قدس الله تعالی روحه مما نقل فیها عن ابائه الکرام رحمة الله علیهم اجمعین''۔

اسی طرح ہندوستان میں پاک پٹن شریف میں پنجم محرم الحرام کو عرس حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اجمیر شریف میں ششم رجب المرجب کو عرس خواجہ غریب نواز معین الحق والملۃ والدین قدس سرہ، مارہرہ مطہرہ میں دہم ۱۰ ار محرم الحرام کو عرس صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہ، ۱۸ ربیع الاول شریف کو عرس حضرت سید آلِ احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہ، ہیز دہم ۱۸ ر ذی الحجۃ الحرام کو عرس حضرت سید شاہ آل رسول صاحب قدس سرہ العزیز، ۱۰-۱۱-۱۲ کو کلیر شریف میں، دوازدہم ربیع الاول شریف کو عرس حضرت علاء الدین

صابر صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ، ردولی شریف میں ۱۱؍ جمادی الآخرۃ سے ۱۳ تک عرس حضرت شاہ عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، دہلی اور بدایوں میں کتنوں کی تعداد بتائی جائے، گنج اولیا ہے، شاید ہی کوئی تاریخ خالی جاتی ہوگی، جو کسی نہ کسی کا عرس نہ ہوتا ہو۔ مراد آباد میں بست و ہفتم ۲۷؍ صفر کو عرس شیخ المشائخ شاہ بلاقی صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ، نہم جمادی الآخر کو عرس شاہ محبوب علی صاحب، رامپور میں یازدہم صفر کو عرس مولوی عاشق احمد صاحب، ۱۵-۱۶-۱۷ جمادی الآخر کو عرس مولانا مولوی ارشاد حسین صاحب قدس سرہ، بریلی میں یکم جمادی الآخر کو عرس مولانا شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، کانپور میں ۲؍ صفر کو عرس حضرت مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ۳؍ رجب کو عرس مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب، گنج مراد آباد میں ۲۶ ربیع الاول شریف کو عرس مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ بیتھو شریف میں ۹؍ شعبان کو عرس حضرت مخدوم شاہ درویش صاحب قدس سرہ، بہار شریف میں ۵؍ شوال کو عرس حضور مخدوم الملک مخدوم شاہ شرف الملۃ والدین احمد یحیٰ منیری قدس سرہ، ۴؍ جمادی الآخر کو حضرت جناب حضور شاہ امین احمد صاحب قدسنا اللہ باروا حهم و نفعنا فی الدارین ببر کاتهم کا عرس ہمیشہ بتعیین تاریخ وماہ وفات بلانکیر رائج ہے۔ وہابیہ لیام خذلهم الله تعالیٰ اپنی بڑ کو نباح کلاب سے زیادہ نہ تصور فرمائیں۔

ماہ فشاند نور وسگ عوعو کند   ہر کسے بر خلقت خود میں تند

قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر بہیئت کذائی موجود نہ ہونے سے کوئی چیز ممنوع و ناجائز نہیں ہو سکتی۔ علما نے صدہا امور میں کہ قرون ثلاثہ میں رائج نہ تھے باوجود محدث ہونے کے حکم جواز بلکہ استحسان دیا، مثلاً نماز میں تلفظ نیت باوجود یکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم، نہ خلفائے راشدین، نہ ائمہ مجتہدین سے ثابت، عامہ متون وشروح وفتاوی میں مستحب فرمایا۔

وقایہ میں ہے: ''والقصد مع لفظه افضل''۔

مختصر وقایہ میں ہے: ''و مع اللفظ افضل''۔

جوہرہ نیرہ میں ہے: ''الذكر باللسان مع عمل القلب سنة فالا ولى ان يشغل قلبه بالنية ولسانه بالذكر ويده بالرفع''۔

غرر الاحکام میں ہے: ''والتلفظ مستحب''۔

درر الحکام میں ہے: ''اما الذكر باللسان فلا يعتبر به ويحسن ذلك لا جتما ع عنريمة''۔

غنیۃ ذوی الاحکام میں ہے: ''**قوله** والتلفظ بها مستحب يعنى طريق حسن احبه المشائخ لانه من السنة لانه لم يثبت عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من طريق صحيح ولا ضعيف ولا

marfat.com

عن احد من الائمة الا ئمةالاربعة بل المنقول انه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان اذاقام الىٰ الصلوة كبر فهٰذه بدعة حسنةعند قصد جمع العزيمة"۔

حاشیہ دررلابی سعید خادمی میں ہے:"قوله ويحسن ذالك كونه حسنا هو اختيار الكافي والزيلعي واختير في منية المصلي تبعاً للمجتبىٰ بترجيح استحبابه و في الاختيار تبعاً للبدائع سنية"۔

محیط میں ہے:"الذكر باللسان سنة فينبغي ان يقول اللهم اني اريد صلوة كذافيسر ها لي و تقبلها مني"۔

بحرالرائق میں ہے:"قد اختلف كلام المشائخ في التلفظ باللسان فذكرفي منية المصلي انه مستحب وهو المختار و صححه في المجتبىٰ و في الهدية والكافي والتّبيين انه يحسن لا جتماعزيمه و في الاختيار معزيا الىٰ محمدين الحسين انه سنة وهكذافي البدائع"۔

درمختار میں ہے:"التلفظ عند الا رادة بها مستحب وهو المختار وقيل سنة يعني احب السلف او سنة علماء نااذلم ينقل عن المصطفىٰ والصحابة والتابعين بل قيل بدعة"۔

طحطاوی میں ہے:"لكنها حسنة علىٰ المعتمد لا سيئة"۔

ردّالمحتار میں ہے:"قوله بل قيل بدعة ، نقله في الفتح و قال في الحلية و نقل الا شبه انه حسنة عند قصد جمع العزيمة لانسان قديغلب عليه تفرق خاطره وقداستفاض ظهور العمل به في كثير من الاعصارفي عامة الامصار فلا جرم انه ذهب في المبسوط والهداية والكافي الىٰ انه ان فعله لجمع عزيمة قلبه فحسن فيند فع ما قيل انه يكره"۔

غنیۃ شرح منیہ میں بعد نقل اس بات کے کہ قرون ثلاثہ میں اس کا وجود نہ تھا، بدعت ہے، فرمایا:"فكونه بدعة لا ينافي كونه حسناً لقصد اجتماع العزيمة علىٰ ماشار اليه في الهداية وصرح في االتجنيس"۔

مرقات شرح مشکوہ میں ہے:"الا كثرون علىٰ ان الجمعه بينهما مستحب يسهل تعقل معنى النية واستحضارها" الخ۔

شعۃ اللمات میں ہے:"فقہا گفتہ اند کہ اگر بزبان نیز گوئید بہتر است ومستحب تا زبان بادل موافق وظاہر و باطن مطابق بود۔ ونیز تعقل معنی نیت واستحضارِ آن دردل بذکر الفاظ آسان باشد"۔

اسی طرح تثویب کہ خیر القرون میں اس کا رواج نہ تھا لیکن عامۂ کتب مذہب متون مثل تنویر الابصار، وقایہ، نقایہ، کنز، غرر، وافی، ملتقی، اصلاح، نورالایضاح، شروح مانند درمختار، ردّالمحتار، طحطاوی، عنایہ، نہایہ، غنیۃ شرح منیہ،

marfat.com

صغیری، بحرالرائق، نہرالفائق تبیین الحقائق، برجندی، قہستانی، دررالحکام، کافی، مجتبیٰ، ایضاح، امداد الفتاح، مراقی الفلاح، حاشیہ المراقی للعلامۃ الطحطاوی، فتاویٰ مثل ظہیریہ، خانیہ، خلاصہ، خزانۃ المفتین، جواہراخلاطی، علمگیری وغیرہا میں جائز و مستحسن فرمایا۔

مختصروقایہ میں ہے: ''التثو حسن فی کل صلوۃ''۔

تنویرالابصار علامہ غزی تمرتاشی میں ہے: ''یثوب الافی المغرب''۔

درمختار محقق علائی میں ہے: ''یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بما تعارفوہ''۔

غنیۃ میں ہے: ''واستحسن المتأخرون التثویب زادفی شرح الوقایۃ فی الصلوات کلھا''۔

اسی طرح خطبہ میں ذکر خلفائے راشدین اور عمین مکرمین رضی عنہم رب المشرقین۔

بحرالرائق میں ہے: ''وذکر الخلفاء الرّاشدین مستحسن بذالك جری التوارث و بذکر العمین''۔

درمختار میں ہے: ''یندب ذکر الخلفاء الراشدین والعمین''۔

اوراسی قبیل سے خطبہ میں دعائے سلطان ہے، جسے بعض علمانے بمصلحتِ زمانہ واجب تک کہنا مجوز رکھا ہے۔

درمختار میں ہے: ''لا (ای لا یندب) للسلطان وجوزہ القہستانی''۔

ردالمحتار میں اس کی تائید فرمائی اور کہا: ''وایضا فان الدعاء للسلطان علیٰ الم نابرقد صارا لأن من شعار السلطنۃ فمن ترکہ یخشی علیہ ولذاقال بعض العلماء لوقیل ان الدعاء لہ واجب لما فی ترکہ من الفتنہ غالباً لم یبعد'' الخ۔

اسی طرح تسلیم بعدالاذان کہ ربیع الآخر ۷۸۱ یا ۷۹۱ ہجری زمانہ سلطان ناصر صلاح الدین سے شروع ہوئی اوراسے بدعتِ حسنہ فرمایا۔

درمختار میں ہے: ''التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبع مائۃ واحدیٰ و ثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین حدث فی الکل الا فی المغرب ثم فیھا مرتین وھو بدعۃ حسنۃ''۔

ردالمحتار میں ہے: ''قولہ سنۃ ۷۸۱ھ کذافی النھر عن حسن بالمحاضرۃ للسیوطی ثم نقل عن القول البدیع للسخاوی انہ فی سنۃ ۷۸۱ھ وان ابتداءہ کان فی ایام السلطان الناصر صلاح الدین بامرہ''۔

اسی طرح مصافحہ بعدالعصر۔ درمختار میں ہے: ''فی مسئلۃ المصافحۃ بعد العصر قولھم انہ بدعۃ ای حسنۃ مباحۃ

marfat.com

کما افادہ النووی فی اذکارہ وغیرہ فی غیرہ''۔

اسی طرح مصافحہ بعد صبح۔نسیم الریاض میں ہے:''الاصح انها بدعة مباحة''۔

اسی طرح قرآن شریف میں اسمائے سور اور آیات کی تعداد لکھنا، اسے مطلا کرنا۔

درمختار میں ہے:''وجاز تحلية المصحف لما فيه من تعظيمه وفيه وعلى هذا لا بأس بكتابة اسامى السور وعدد الآى والعلامات فهى بدعة حسنة''۔

جواہر اخلاطی پھر فتاویٰ علمگیریہ میں ہے:''لا بأس بكتابة آسامى السور وعدد الآى وهو وان كان احداثا فهو بدعة حسنة وكم من شئى كان احداثاً وهو بدعة حسنة وكم من شئى يختلف باختلاف الزمان والمكان''۔

''قرآن مجید میں سورتوں کے نام اور آیتوں کی گنتی لکھنے میں حرج نہیں اور وہ اگر چہ نو پیدا ہے مگر بدعت حسنہ ہے اور بہت نئی چیزیں بدعت حسنہ ہوتی ہیں اور بہت چیزوں کا حکم زمانہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین میں نہ تھے، بدلتا رہتا ہے''۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی:''ان المسجد كان على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مبنيا باللبن وسقفه الجريد وعمده خشب النخل''۔

بلکہ حدیث میں تو اس کی ممانعت آئی۔منڈی بنانے کا حکم ہوا کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم :''ابنوا المساجد واتخذو هاجما''۔''مسجدیں بناؤ اور انہیں بے کنگرہ رکھو''۔رواه ابن ابى شيبة والبيهقى فى السنن عن انس رضى الله تعالى عنه مرفوعاً۔

مگر تغیر زمانہ سے جبکہ قلوب عوام تعظیم باطن پر متنبہ ہونے کے لئے تعظیم ظاہر کے محتاج ہوگئے۔اس قسم کے امور کو علما وعامۂ مسلمین نے مستحسن رکھا۔ کما افتیٰ به سیدی مدظله۔

اسی طرح ختم تراویح کے دن باجماعت دعا کرنا اخیر رکعت میں سورہ اخلاص تین بار پڑھنا۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:''تكلموا فى الدعاء عند ختم القرآن فى شهر رمضان بالجماعة واستحسنه المتاخرون فلايمنع من ذلك وقراءة سوره الا خلاص ثلاث مرات عند ختم القرآن استحسنه مشائخ العراق الافى المكتوبة''۔

اسی طرح مجلس میلا دفیض بنیا د سرکار ابد قرار حضور سرور کائنات علیہ وعلیٰ الہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات کہ خیر القرون میں اس ہیئت کذائی کے ساتھ معمول نہ تھی پھر بھی علمائے کرام نے اسے جائز و مستحسن فرمایا۔

marfat.com

امام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''یستحب لنا ایضا اظهار الشکر بمولده صلی الله تعالی علیه وسلم بالاجتماع واطعام الطعام ونحو ذالك من وجوه القربات واظهار المسرات''۔

امام ابوالخیر شمس الملۃ والدین سخاوی وشیخ القراء محمد ابن الجزری وامام شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی وغیرہم فرماتے ہیں: ''واللفظ للمواهب لازال اهل الاسلام یحتفلون بشهر مولده علیه الصلوٰة والسلام ویعملون الولائم ویتصدقون فی لیالیه بانواع الصدقات ویظهرون السرور ویزیدون فی المبرات ویعتنون بقراءة مولده الکریم ویظهر من برکاته کل فضل عمیم''۔

امام حافظ ابومحمد عبدالرحمٰن ''الباعث علیٰ انکار البدع والحوادث'' میں فرماتے ہیں'': ومن احسن البدع فی زماننا هذا من هذا القبیل (ای البدعةَ المتفق علیٰ جواز فعلها والاستحباب بها ورجاء الثواب من حسنت نیته فیها) ما کان یفعل بمدینة اوبل کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولد النبی صلی الله تعالی علیه وسلم من الصدقات والمعروف واظهار الزینة والسرور فان ذالك مع ما فیه من الاحسان الی الفقراء یشعر بمحبة النبی صلی الله علیه وسلم وتعظیمه واجلاله فی قلب فاعله وشکر الله علیٰ ما من به من ایجاد رسوله الذی ارسله رحمة للعالمین صلی الله علیه وسلم''۔

علامہ شیخ صدرالدین بن عمر شافعی فرماتے ہیں: ''هذه البدعة لاباس بها ولایکره البدع الا اذا راغمت السنة واما اذا لم تراغمها فلاتکره ویثاب الانسان بحسب قصده فی اظهار السرور والفرح بمولد النبی صلی الله تعالی علیه وسلم''۔

الکوکب الانور علیٰ عقد الجوہر تالیف سید جعفر برزنجی مفتی شافعیہ میں ہے: ''اعلم انه (ای عمل المولد) بدعة لانه لم ینقل عن احد السلف الصالح من القرون الثلاثة الفاضلة التی شهد النبی صلی الله تعالی علیه وسلم بخیر تها لکنها بدعة حسنة لما اشتملت علیه من الاحسان الکثیر للفقراء ومن قراءة القران واکثار الذکر والصلوٰة علیٰ النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم واظهار الفرح والسرور به ولاجل ذالك لما ظهرت بعد تلك القرون الثلاثه لم یزل اهل الاسلام فی سائر الاقطار یحتفلون فی شکر مولده خصوصاً فی لیلته بعمل المولد فی ولائم مشتملة علیٰ کثرة المطاعم والاحسان والصدقات والمبرات مع الاکثار من قراءة القرآن المجید والذکر وقراءة مولده''۔

امام محقق حافظ ابوزرعہ ولی الدین عراقی فرماتے ہیں: ''الولیمة واطعام الطعام مستحب فی کل وقت فکیف اذا انضم الیٰ ذلك السرور بظهور نور النبوة فی هذا الشهر الشریف ولا نعلم ذلك من السلف ولا

marfat.com

یلزم من کونه بدعة کونه مکروها فکم من بدعة مستحبة بل واجبة اذا لم ینضم الیٰ ذلك مفسدة“۔

امام جلال الملۃ والدین سیوطی شرح ابن ماجہ شریف میں تحریر فرماتے ہیں: ”الصواب انه من البدع الحسنة المندوبة اذاخلی من المنکرات شرعاً آه وقال فی فتاواه عندی ان اصل المولد من البدع الحسنة التی یثاب صاحبها لمافیه من تعظیم قدر النبی صلی الله علیه وسلم واظهار الفرح والاستبشار بمولده الشریف“۔

اسی طرح قیام وقت ذکر ولادت پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مولانا عثمان حسن دمیاطی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ”القیام عند ذکر ولادة سید المرسلین صلی الله علیه وسلم فی قرائة المولدالشریف تعظیما له صلی الله علیه وسلم امرلا شكّ فی استحسانه ویحصل لفا عله من الثواب الحظ الاوفر والخیر الاکبر“۔

عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر تالیف علامہ سید جعفر برزنجی میں ہے: ”وقد استحسن الفیام عند ذکر مولده (صلی الله تعالی علیه وسلم) الشریف ائمة ذو وروایة و (ذوو) رویة آه مع زیادة مابین الهلالین“

الکوکب الانور علیٰ عقد الجوہر تالیف سید جعفر برزنجی ابن ابن ابن ابن المؤلف السید جعفر برزنجی میں ہے: ”هذا القیام بدعة لااصل لها لکنها بدعة حسنة لاجل التعظیم“۔

القول المنجی علیٰ مولد البرزنجی تالیف شیخ محمد بن احمد مفتی مالکیہ میں ہے: ”جرت العادة بقیام الناس اذاانتهی المداح الیٰ ذکرمولده صلی الله تعالی علیه وآلهٖ وسلم وهی بدعةمستحبة لمافیها من اظهارالفرح والسرور“۔

قال الصرصری نفعنا الله بهٖ۔

قلیل لمدح المصطفیٰ الخط بالذهب علیٰ فضة من خط احسن من کتب
وان تنهض الاشراف عند سماعه قیاما صفوفاً او جثیاً علیٰ الرکب
اما الله تعظیما له کتب اسمه علیٰ عرشه یارتبة سمت الرتب

امام مجدالدین فیروزآبادی صاحب قاموس ”النفحة العنبریة لاثبات القیام فی مولد خیر البریة“ میں فرماتے ہیں: قد استحسن اهل مکة المعظمة والمدینة المنورة زادهم الله شرفاً وتعظیماً ویقومون عندذکر وضعه علیه السلام کما لا یخفیٰ علیٰ الحجاج وقال الامام ابوزید فی مولده: 'استحسن العلماء القیامَ عند ذکر الوضع“۔ وقال العلماء الحنبلیة: ”عند ذکر ولادتهٖ صلی الله

marfat.com

تعالی علیه وسلم القیام واجب لمانه تحضر روحانیته صلی الله تعالی علیه وسلم وعلی هذا عمل اهل مکة الشریفة فی زیارتهم موضع ولادته الشریفة"۔

اسی طرح تقلید شخصی کہ اب اہل سنت وجماعت میں ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں منحصر ومحصور ہے۔ حالانکہ خیر القرون میں ہرگز اس طرح پر نہ تھی، بلکہ دوصدی کے بعد شائع ہوئی مگر علمائے کرام نے اس کے وجوب کا حکم فرمایا۔ جوان چہار مذہبوں سے خارج ہو، اسے بدعتی جہنمی فرمایا۔

شاہ ولی اللہ صاحب ''انصاف فی بیان سبب الاختلاف'' صفحہ ۱۳ میں فرماتے ہیں: ''بعد المائتین ظهر بینهم التمذهب للمجتهدین باعیانهم وقل من کان لا یعتمد علیٰ مذهب مجتهد بعینه و کان هذا هو الواجب فی ذالك الزمان"۔ ''دوصدی کے بعد خاص ایک مجتہد کا مذہب اختیار کرنا اہل اسلام میں شائع ہوا۔ کم کوئی شخص تھا جو امام معین کے مذہب پر اعتماد نہ کرتا ہو اور یہ واجب ہے اس زمانے میں''۔

طحطاویہ حاشیہ درمختار میں ہے: ''هذه الطائفة الناجیة قدا جتمعت الیوم فی مذاهب اربعة وهم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون رحمهم الله تعالی ومن کان خارجاً عن هذه الاربعة فی هذاالزمان فهومن اهل البدعة والنار"۔ ''اہل سنت کا گروہ ناجی۔ اب چار مذہب میں مجتمع ہے، حنفی مالکی شافعی حنبلی۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے جوان چار سے باہر ہے، وہ بدعتی جہنمی ہے۔

"الیٰ غیر ذالك من الامور التی لم تکن فی خیر القرن واحد ثت بعدهٗ ذالك وقد اباحها واستحسنها بل أوجبها العلماء۔

بالجملہ عرس مسئول عنہ کی اباحت وجواز میں شک نہیں کہ وہ مجموعہ امور مستحسنہ کا ہے۔ اور مجموعہ امور مستحسنہ کا مستحسن ہوتا ہے اور اجتماع سے کوئی حکم منافی آحاد کئے پیدا نہیں ہوتا بلکہ حسن اس کا حسن، ہر واحد سے زیادہ ہو جاتا ہے جیسے بالوں کی رسی ہر بال سے زیادہ قوت رکھتی ہے اور بڑی جماعت کی خبر باوجود ظنیت آحاد کے مفید یقین کی ہو جاتی ہے اور حدیث ضعیف تعدد وطرق سے حسن ہو جاتی ہے کما قد مناعن اشعة اللمعات۔ اور جب ان سب امور خیر کی طرف خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت وہدایت فرمائی اور مزارات شہدائے کرام پر ہر سال تشریف لے جا کر اس کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد اور کس موجد کی ضرورت ہے؟

(۲) جس جگہ ہو، ہند یا سندھ ایام اعراس وغیرہ میں قوالی ہوتی ہے یا طوائف مزین ہو کر باساز ومزامیر رقص ومجرا کیا کرتی ہیں۔ چونکہ خود ایسی قوالی حرام، حاضرین سب گنہگار ہوتے ہیں اور ان سب کا گناہ قوالوں پر اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے سر قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ

marfat.com

میں کچھ کمی واقع ہو یا اس کے اور قوالوں کے ذمے حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف نہ ہو، نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا پورا گناہ الگ اور ان سب حاضرین کے برابر جدا اور ان سب کا مجموعہ ایسا عرس کرنے والے پر۔ یہ وجہ کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بلایا اور ان کے لئے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انہیں سنایا۔ اگر وہ سامان نہ کرتا، یہ ڈھول سارنگی نہ کرتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے، اس لئے ان سب کا گناہ قوالوں پر ہوا۔ پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہوا۔ وہ نہ کرتا، نہ بلاتا تو یہ کیونکر آتے، بجاتے۔ لہذا قوالوں کا گناہ بھی اسی بلانے والے پر ہوا۔

حدیث شریف میں ہے: ''من دعا الیٰ هدی کان له من الاجر مثل اجور من تبعهٗ لا ینقص ذلك من اجور هم شيئا و من دعا الیٰ ضلا لة كان عليه من الا ثم مثل آثام من تبعه لا ينقص ذلك من آثامهم شيأ''۔ ''جو کسی امر ہدایت کی طرف بلائے، جتنے اس کا اتباع کریں، ان سب کے برابر ثواب پائے، بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے۔ اور جو کسی امر ضلالت کی طرف بلائے، جتنے اس کے بلانے پر چلیں، ان سب کے برابر اس کے اوپر گناہ ہو اور ان کے گناہوں میں کچھ تخفیف نہ ہو۔ رواہ الائمة احمد و مسلم والاربعة عن ابی هريرة رضی الله تعالى عنه۔

باجوں کی حرمت میں احادیث کثیرہ شہیرہ ہیں۔ بخاری شریف میں ہے: حضور اقدس صلی تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''ليكونن فی امتی اقوام يستحلون الحرو الحرير و الخمرو المعازفحديث صحيح جليل متصل وقداخر جه الا ئمة احمد و ابو داؤد و ابن ماجة والا اسمٰعيلی و ابو نعيم باسانيد صحاح لا مطعن فيها و صحه جماعة آخرون من الائمه كما قاله بعض الحفاظ قاله الامام ابن حجر المكی فی كف الرعاع اه افاده سيد نا العلام فی عطايا النبو يه ۱۲ منه)'' ضرور میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہونے والے ہیں کہ حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرمگاہ یعنی زنا اور ریشمی کپڑے اور شراب اور باجوں کو''۔

بعض جہال بدمست یا نیم ملا ہوس پرست کہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبانِ خدا اکابر سلسلۂ عالیہ چشت قدست اسرارہم کے سر دھرتے ہیں۔ نہ خدا تعالی سے خوف، نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں۔ حالانکہ خود حضور محبوب الٰہی و مولائی نظام الحق والدین سلطان الاولیا رضی اللہ تعالی عنہ وعنہم وعنا بہم فواد الفوید شریف میں فرماتے ہیں: ''مزامیر حرام است'' مولانا فخر الدین زراوی، خلیفہ حضور سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالی عنہما نے حضور کے زمانہ مبارک میں خود حضور کے حکم احکم سے مسئلہ سماع میں رسالہ کشف القناع عن اصول السماع تحریر فرمایا۔ اس میں صاف ارشاد ہے: ''اما سماع مشائخنا رضی الله تعالى عنهم فبرئی عن هذه التهمة و هو مجرد صوت

marfat.com

القوال مع الاشعار المشعرة من کمال صنعة الله تعالیٰ"۔ "ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ عنہم کا سماع اس مزامیر کے بہتان سے بری ہے۔ وہ صرف قوال کی آواز ہے، ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعت الٰہی سے خبر دیتے ہیں"۔

للہ انصاف! ان امام جلیل خاندان عالی چشت کا یہ ارشاد مقبول ہوگا یا آجکل مدعیان خام کار کی تہمت بے بنیاد ظاہر الفساد ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ جو لوگ اس کی ممانعت پر قدرت رکھتے ہیں انہیں منع کرنا لازم۔

مسلم شریف میں ہے: "من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یقدر فبلسانہ فان لم یقدر فبقلبہ و ذلك اضعف الایمان وفی روایة ولیس وراء ذلك حبة خردل من الایمان"۔ جو تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو چاہئے کہ مٹادے اپنے ہاتھ سے اور جو اس پر قدرت نہ رکھے تو زبان سے اس کی برائی بیان کردے اور جو اس پر بھی قدرت نہ رکھے تو چاہئے کہ دل سے برا جانے اور یہ بہت ہی ضعیف درجے کا ایمان ہے اور دوسری روایت میں ہے اور اس کے اندر رائی کے دانہ برابر ایمان نہیں۔ جس طرح امر بالمعروف اہم فرائض دینیہ ہے، اسی طرح نہی عن المنکر بھی ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: "کلا واللہ لتأمرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر اولیضربن اللہ قلوب بعضکم علیٰ بعض ثم لیلعنکم کما لعنھم"۔ "یوں نہیں خدا کی قسم! یا تو تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروگے یا اللہ تعالیٰ تمہارے دل آپس میں ایک دوسرے پر مارے گا پھر تم سب پر لعنت اتارے گا، جیسی ان بنی اسرائیل پر لعنت اتاری"۔ قال تعالیٰ: 'لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد و عیسی بن مریم ذلك بما عصوا و کانوا یعتدون کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون"۔ "بنی اسرائیل کے کافروں پر لعنت پڑی داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے کا یہ بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا۔ برے کام سے ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے ضرور یہ فعل ان کا سخت بُرا تھا"۔

علامہ نسفی تفسیر مدارک میں تحت اس آیۃ کے فرماتے ہیں: "و فیہ دلیل علیٰ ان ترك النھی عن المنکر من العظائم فیا خسرة علیٰ المسلمین فی اعراضھم عنہ"۔ "اور اس آیت میں دلالت اس بات پر ہے کہ نہی عن المنکر نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ افسوس ہے مسلمانوں کے حال پر اس کے چھوڑ دینے میں"۔

اگرچہ مانا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ ہر شخص پر فرض، نہ ہر حال میں واجب بلکہ بعض صور میں شرع ہی اس کے ترک کی ترغیب دے گی جبکہ اس سے کوئی فتنہ اشد پیدا ہو۔

شرح عقائد جلالی بحث الامر بالمعروف والنھی عن المنکر میں ہے: "و شرطہ ای شرط وجوبہ وندبہ ان

marfat.com

لا یودی الیٰ الفتنۃ فان علم انہ یؤدی الیھا لم یجب ولم یندب بل ربما کان حراماً"۔ "مگر جولوگ ذی قوت اور اہل اختیارات ہیں کہ ان کے منع کر دینے سے لوگ رک جائیں گے، ان پر فرض ہے کہ جس طرح ممکن ہو لوگوں کو روک دیں۔ انہیں صرف قلب سے برا جاننا کافی نہ ہوگا"۔

فتاویٰ علمگیریہ میں محیط سے ہے: "ان الامر بالمعروف علیٰ وجوہ ان کان یعلم با کبر رأیہ انہ لوامر بالمعروف ویقبلونہ ویمتنعون عن المنکر فالا مرواجب علیہ ولا یسعہ ترکہ"۔ "اگر جانتا ہے کہ اس کے امر بالمعروف کرنے کو لوگ قبول کریں گے، برائی سے باز آئیں گے تو اس پر امر بالمعروف واجب ہے، اسے چھوڑ نہیں سکتا"۔

شرح شفا ملا علی قاری میں ہے: "الانکار القلبی لا یکون کافیاً الا للعاجزعن انکار بیدیہ اولسانہ"۔ "انکار قلبی کافی نہ ہوگا مگر اس شخص کے لئے جو عاجز ہے انکار لسانی یا ہاتھ سے منع کرنے سے اور جو شخص اس پر قدرت رکھتا ہے اور پھر باوصف قدرت ترک کرے گا، ضرور گنہگار ہوگا"۔

سائل کا مطلقاً اہل قبور سے استمداد کو شرک بتانا، اختلاط وہابیاں سے ناشی۔ اولیائے کرام سے انہیں واسطۂ فیض الٰہی جان کر استمداد و استعانت ہرگز گناہ تک نہیں۔ حدیثوں کی تو گنتی نہیں۔ بے شمار احادیث میں حکم استعانت وارد۔ خود رب العزت جل وعلا فرماتا ہے: واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ۔ اور استعانت کرو صبر اور صلوٰۃ سے اور یقینی قطعی اجماعی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا حکم نہیں دیتا اور نہ شرک میں تفریق ہے کہ صبر وصلوٰۃ خدا تعالیٰ کے شریک ہوسکتے ہوں، انبیا واولیا نہیں اور اگر یہ شرک ہی ہے تو جب خدائے تعالیٰ مجھے حکم دیتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر فرماتے ہیں تو ہم اس کے بندے ہیں، اس کا اتباع واجب۔ ایسے شرک پر جس کا اللہ تعالیٰ ورسول جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حکم دیں، ان چمر توحیدیوں کی لاکھ توحیدیں قربان۔

قال اللہ تعالی: ما اتکم الرسول فخذوہ۔ وقال اللہ تعالی: ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ وقد افرد الحضرۃ الشیخ فی ھذاالباب رسالۃ سماھا "برکات الامداد لاھل الاستمداد"۔

متعدد احادیث میں زیارت قبور کو عورتوں کے لئے ناجائز فرمایا بلکہ لعنت تک آئی۔ قال ھذا حدیث حسن صحیح والامام احمد فی مسندہ وابن ماجۃ فی سننہ والحاکم فی المستدرک عن حسان بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ **مگر بعد کو اجازت دے دی گئی۔**

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "نھینا کم عن زیارۃ القبور فزوروھا رواہ محرر المذھب النعمانی الامام محمد بن الحسن الشیبانی فی الآثار عن امامنا الاعظم عن ابن بریدۃ الاسلمی عن ابیہ رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قال وبھذا ناخذ لا بأس

marfat.com

بزیارۃ القبور للدعا للمیت ولذکر الآخرۃ وھو قول ابی حنیفۃ ومسلم وابو داؤد والترمذی وابن حبان والحاکم عن ابن بریدۃ رضی اللہ تعالی عنہ"۔

علما کو اختلاف ہوا کہ اس اجازت میں عورت بھی داخل ہیں یا صرف مردوں کے لئے حکم ہوا۔ اصح مذہب میں عورتیں بھی داخل ہیں۔

فتاویٰ علمگیریہ میں ہے: "اختلف المشائخ فی زیارۃ القبور للنساء قال شمس الائمۃ السرخسی الاصح انہٗ لا بأس بھا"۔

جامع الرموز میں ہے: "وزیارۃ القبور مستحب للرجال و کذلک للنساء علی الاصح"۔

مختار الفتاویٰ میں ہے: "لا بأس بزیارۃ القبور وھو قول ابی حنیفۃ وظاھر قول یقتضی الجواز للنساء ایضاً لانہ لم یخص الرجال"۔

کشف بزودی علامہ فخر الاسلام علی بن محمد جلد۳ صفحہ ۱۸۶ میں ہے: "والاصح ان الرخصۃ ثابت للرجال و النساء جمیعاً"۔

بحر الرائق میں ہے: "الاصح ان الرخصہ ثابتۃ لھما"۔

درمختار میں ہے: "لا بأس بزیارۃ القبور ولو للنساء لحدیث کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا"۔

ردالمحتار میں ہے: "قولہ وبزیارۃ القبور بل تندب کما فی البحر عن المجتبیٰ فکان ینبغی التصریح للا مربھا فی الحدیث المذکور کما فی الامداد"۔

مگر غنیۃ وغیرہ میں اسے مکروہ فرمایا: ونصہ "ویستحب زیارۃ القبور للرجال و تکرہ للنساء". علما نے اسے تطبیق دی اور فرمایا کہ اگر تجدید حزن و بکاء کے لئے ہے جیسی ان کی عادت ہے تو ناجائز وممنوع ہے اور اگر عبرت حاصل کرنے کے لئے اور قبور صالحین کے ساتھ برکت حاصل کرنے کی غرض سے ہے تو بوڑھیوں کو اجازت ہے مگر جوان عورتوں کے لئے اجازت نہیں جیسے مساجد میں حضور جماعت سے منع کی گئیں

شامی میں ہے: "وقال الخیر الرملی ان کان ذلک لتجدید الحزن والبکاء والندب علیٰ ماجرت بہ عادتھن فلا یجوز و علیہ حمل حدیث لعن اللہ زائرات القبور وان کان للاعتبار والترحم من غیر بُکاءِ والتبرک بزیارۃ قبور الصالحین فلابأس اذا کن عجائز و یکرہ اذا کن شواب کحضور الجماعۃ فی المساجد اھ و ھو توفیق حسن"۔

marfat.com

مگرازانجا کہ احکام زمانہ کے اختلاف سے مختلف ہوجاتے ہیں، **فتاویٰ رضویہ میں فرمایا:** ''اقول قبور اقرباء برخصوصا بحال قرب عہد ممات تجدید حزن لازم نساء ہے اور مزاراتِ اولیائے کرام میں احد الشناعتین کا اندیشہ یا ترک ادب یا ادب میں افراط ناجائز، تو سبیل اطلاق منع ہے ولہٰذا غنیۃ میں کراہت پر جزم فرمایا۔ البتہ خاکبوسی آستانِ عرش نشان سرکار اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اعظم المندوبات بلکہ قرب واجبات سے ہے۔ اس سے نہ روکیں گے اور تعدیل ادب سکھائیں گے''۔

خزانۃ المفتین وفتاویٰ علمگیریہ میں فتح القدیر سے ہے: ''قال مشائخنا رحمهم الله تعالیٰ انها افضل المندوبات''۔

مناسک القاری شرح المختار میں ہے: ''انها قريبة من الوجوب لمن له سعة''۔

شفائے امام قاضی عیاض مع شرح ملاعلیٰ قاری میں ہے: ''(زيارة قبره صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم سنة من سنن المسلمين مجمع عليها) اى مجمع علىٰ كونها سنة وممن ادعى الاجماع النووى وابن الهمام بل قيل انها واجبة اه والله تعالى اعلم قلت و كذا العلامة ابن حجر فى الجوهر المنظم فى زيارة قبر النبى المكرم۔

اللهم ارزقنا زيارة حرمك و حرمه الابقى وادم علينا الاقامة بحرمة صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الىٰ ان نتوفىٰ و متعنا بشفاعته الا شفىٰ واوردنا حوضه الا صفىٰ واسقنا بكأسه الا وفىٰ امين واخردعوينا ان الحمدُ لله رب الغلمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله و آله وصحبه اجمعين الىٰ يوم الدين''۔

(اس فتوے پر اخیر میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ اور مولانا عبدالمقتدر بدایونی علیہ الرحمہ کی تصدیقات بھی ہیں، لیکن ان کا یہاں ذکر کرنا بے محل ہے، اس لئے حذف ہوئیں۔ ۱۲ ساحل)

☆☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم نحمده ونصلى علىٰ رسوله الكريم

امابعد۔ تحریراتِ فریقین نظر سے گذریں۔ محرین فاتحہ نے جس حیاودیانت سے کام لیا ہے، عیاں ہے۔ عیاں را چہ بیاں۔ مسئلۂ فاتحہ کو علمائے اہلِ سنت کثر الله تعالیٰ امثالهم نے اس طرح ثابت فرمایا ہے کہ باحیا مخالف کو بھی بجز تسلیم، چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ بقدرِ ضرورت انہی حضرات کے فیوض سے فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر نے بھی اسے رسالہ " مواهب ارواح القدس لكشف حكم العرس " میں بعض تصریحات اور دس سندیں اس مضمون پر ذکر کیں۔ اگرچہ روئے سخن وہاں جانبِ عرس تھا مگر حکم، فاتحہ وعرس دونوں کا ایک۔ فالبيان والبيان والدليل والدليل۔ اس تحریر میں تمام

marfat.com

لغو وبے تعلق مباحث مناظرہ وحملہ ہائے ذاتی این وآن وبہ ہماں وفلاں سے قطع نظر اور صرف وضاحتِ مرام وازاحتِ اوہام مقصود۔ وماتوفیقی الا بالملك المعبود۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ مجمل ومختصر جواب، موضحِ حق وصواب، دافعِ شک وارتیاب، نافعِ اولی الالباب ہو۔ ناظرین سے مامول کہ براہ بشریت خطا پائیں، دامنِ عفو میں چھپائیں اور حق کے لئے بحکم "انظر الیٰ ما قال ولا تنظر الیٰ من قال" امید قبول۔ وما توفیقی الا بالله العزیز الجلیل وهو حسبی ونعم الوکیل فاقول بالله التوفیق وبه الوصول الیٰ ذریٰ التحقیق۔

اموات مسلمین وعلمائے عاملین وصلحائے کاملین وانبیاء ومرسلین علیہم التحیۃ والتسلیم کو فاتحہ ودرود وقرآن خوانی وطعام خورانی وغیرہا اعمالِ صالحہ کا ثواب پہنچانا گو بتعیینِ تاریخ ودیگر قیود جائزہ رائجہ ہو، بے شبہ جائز ومباح بلکہ مستحسن ومندوب وشرعاً مقصود ومطلوب ہے۔ جس کے لئے قطع نظر تمام اسناد ودلائل وتصریحاتِ معتمدان فرقۂ مخالفین وتلویحات ائمہ منکرین، اصل اشیاء میں مذہبِ صحیح ومعتمد ومختار جمہورِ حنفیہ کرام خصہم الله باللطف والاکرام پر اباحت ہونا ہی کافی ووافی دلیل ہے کہ قائل جواز متمسک باصل ہے۔ اسے دلیل کی کیا حاجت؟ دلیل تو ان حضرات کو دینی چاہئے جو اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افتراء کرتے، حرمت یا لااقل کراہت کی پکار پکارتے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا بالله العلی العظیم۔

رہا یہ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے بھی یا خواہ مخواہ قائل جواز متمسک باصل ہے؟ اجلۂ اکابر علمائے اہل سنت نے ایسے واضح اور صاف لفظوں میں ثابت فرمایا ہے کہ

گر آں جملہ را سعدی املا کند | مگر دفترِ دیگر انشا کند

مگر بمضمون "مالا یدرك كله لا یترك كله" ان میں سے صرف بعض کا افاضہ اور بنظر اتمام حجت تاکہ پھر کسی کو، پرانا مغالطہ، اور "دھوکے کی ٹٹی" کہنے کی جرأت نہ ہو، تحریراتِ معتمدینِ مخالفین بلکہ ائمہ منکرین کا اضافہ ضرور۔

قال عز من قائل: "هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا" (البقرۃ ۲۹) "وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے" (کنزالایمان)

علامہ حافظ ابن ابوالبرکات نسفی مدارک التنزیل میں تحت اس آیۃ کے فرماتے ہیں: "قد استدل الكرخي وابو بكر الرازي والمعتزله بقوله خلق لكم على ان الاشياء التي يصلح ان ينتفع بها خلقت مباحة في الاصل۔"

مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی: "كان اهل الجاهلية ياكلون اشياء ويتركون اشياء تقذرا فبعث الله نبيه وانزل كتابه واحل حلاله وحرم حرامه فما احل فهو حلال وما حرم فهو حرام وما سكت عنه فهو عفو (مشكوٰة المصابيح كتاب الصيد، باب ما يحل اكله وما يحرم)"۔

شیخ محقق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: "ازیں جا معلوم می شود کہ اصل در اشیاء اباحت است۔"

ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں تحت حدیث "الحلال ما احل الله فی كتابه والحرام ما حرم الله

فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفی عنہ رواہ الحاکم فی المستدرک عن سلمان الفارسی" فرماتے ہیں:" فیہ ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ"

اشعۃ اللمعات میں ہے:"وایں دلیل است برآں کہ اصل دراشیاء اباحت است۔"

مرقاۃ میں زیرِ حدیث " ان اللہ فرض فرائض ولا تضیعوھا وحرم حرمات فلا تنتھکوھا وحد حدودا فلا تعتدوھا وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا" ہے:" دل علیٰ ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔"

علامہ قاسم ابن قطلوبغا، شاگرد رشید محقق علی الاطلاق اپنے بعض تعالیق پھر علامہ حموی "غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر" میں تحت قول "الاصل فی الاشیاء الاباحۃ" تحریر فرماتے ہیں:" ذکر العلامۃ قاسم بن قطلوبغا فی بعض تعالیقہ ان المختار ان الاصل الاباحۃ عند جمھور اصحابنا۔"

ھدایہ فصل حداد میں ہے:" الاباحۃ اصل"۔

علامہ زین ابن نجیم صاحب بحر الرائق نے اشباہ میں اسے نقل کر کے مقرر رکھا اور اس پر مسائل متفرع فرمائے۔ حیث قال:" ویتخرج علیھا ما اشکل حلہ فمنھا الحیوان المشکل امرہ والنبات المجھول سمیتہ۔"

حموی میں ہے:" قولہ النبات المجھول الخ یعلم منہ حل شرب الدخان"

ردالمحتار جلد ا ص ۱۰۹ میں ہے:"صرح فی التحریر ان المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمھور من الحنفیۃ والشافعیۃ اہ وتبعہ تلمیذہ العلامۃ قاسم وجریٰ علیہ فی الھدایۃ فی فصل الحداد وفی الخانیۃ من اوائل الحظر والاباحۃ وقال فی شرح التحریر" ھو قول معتزلۃ البصرۃ وکثیر من الشافعیۃ واکثر الحنفیۃ لا سیما العراقیین قالوا" والیہ اشار محمد فی من ھدد بالقتل علیٰ اکل المیتۃ او شرب الخمر فلم یفعل حتیٰ قتل بقولہ خفت ان یکون اثما لان اکل المیتۃ وشرب الخمر لم یحرما الا بالنھی عنھما فجعل الاباحۃ اصلا والحرمۃ بعارض النھی ویقول ایضا انہ قول اکثر اصحابنا واصحاب الشافعی، الشیخ اکمل الدین فی شرح اصول البزدوی اہ۔"

اس میں علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی سے ہے:" لیس الاحتیاط فی الافتراء علیٰ اللہ تعالیٰ باثبات الحرمۃ او الکراھۃ الذین لا بد لھما من دلیل بل فی الاباحۃ التی ھی الاصل۔"

علمائے اہل سنت کی تصریحات کے تو دریا امڈ رہے ہیں، کہاں تک کوئی لکھے۔ اب ایک دو فتویٰ وہابیہ حال کے معتمد الکل فی الکل مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اگرچہ وہ وسعتِ علم وفسحتِ ذکاء وفہم سے اپنی تحریر کو بھی نہ سمجھیں۔ اور اصل اشیاء میں اباحت ہونے کو پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی کہتے جائیں۔

چونتیسویں سوال "رنگین کپڑے پہننا، نیلا تہمد باندھنا، موٹی تسبیح رکھنا، بال سر کے بڑھانا اس خیال سے کہ اگلے پیشواوں کا معمول ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت ہے یا نہیں؟" کے جواب میں ہے" ان ہیئات میں کوئی معصیت نہیں۔

marfat.com

بری نیت سے برا، بھلی نیت سے بھلا ہے۔ فقط"۔

یہ جواب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تو بے کھٹکے بول اٹھے کہ کوئی معصیت نہیں۔ مولوی اصغر حسین صاحب دیوبندی کی طرح (جیسے انہوں نے فاتحہ کے لئے کہا) یہ نہ کہا کہ "فقہ کی کتاب میں ان ہیئات کا کہیں نام ونشان نہیں۔ لہذا امام ابو حنیفہ کے نزدیک بے اصل ہے"۔ نہ محشی صاحب کی طرح یہ کہا کہ "بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے۔ تو جب تک اس کا جواز ادلۂ فقہیہ سے نہ ثابت ہو ممنوع وناجائز رہے گا"۔ نہ مجتہد صاحب کی طرح یہ کہا کہ "اصل اشیاء میں اباحت پرانا مغالطہ ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیں، یہ تمام اشیاء بانفرادہا جائز ہیں تو جو امور بانفرادہا جائز ہوں ان کو مجموعہ کر کے یہ ہیئت بنالینا، دھوکے کی ٹٹی ہے"۔ نہ نکے کی پانچ والی دو ورقی کے مشتہر کی طرح یہ لکھا کہ "یہ فعل حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمۂ مجتہدین سے منقول نہیں (ص ۳ س ۲۶) اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو، بدعت جانیں۔ (ص ا س ۱۱) نہ یہ کہا کہ "یہ ہیئت کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک ان ہیئات کا منقول ہونا یا اس کو کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ کریں گے، تب تک یہ ہیئات بدعتِ سیئہ رہیں گے اور جو برائی بدعتیوں کی اوپر قریب ہی بیان ہوئی یعنی جس نے اس کی توقیر کی گویا اس نے مدد کی اسلام کے ڈھانے پر یا ایسے شخص اور جو اسے جگہ دے، اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی، سب کی اور قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے نفل اور نہ فرض وغیرہ ذلک من الاحکام، وہ سب اس ہیئت والے پر ثابت ہوگی" ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اسی طرح اسی کے ص ۳۷ سوال "رنگ انگریزی پڑیا کا جو بکس میں آتا ہے، رنگنا کپڑے کا اس سے درست ہے یا نہیں، اگر ناجائز ہے تو بوجہ رنگت کے یا کسی اور وجہ سے؟" کے جواب میں لکھتے ہیں: "رنگ انگریزی میں شراب پڑتی ہے۔ لہذا اس رنگ کا استعمال درست نہیں۔" اسی طرح اس کے ص ۸۵ پر اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں "پڑیا کا رنگ تو بسبب نجاست شراب کے، مردو عورت دونوں کو درست نہیں۔" دیکھئے حرمت بوجہ عارض شراب مانا، جو صاف بتا رہا ہے اصل میں اباحت ہے۔ ہاں اس عارض کی وجہ سے ناجائز ہوا۔ یہ نہ کہا کہ فقہ کی کتاب میں انگریزی پڑیا کے رنگ کا کہیں نام ونشان نہیں۔ لہذا امام ابو حنیفہ کے نزدیک بالکل بے اصل ہے، نہ یہ کہا کہ "بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے تو جب تک اس کا جواز ادلۂ فقہیہ سے نہ ثابت ہو، ممنوع وناجائز رہے گا"۔ نہ یہ کہا کہ انگریزی پڑیا کا رنگ کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک اس کا منقول ہونا یا کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ ہو، تب تک یہ بدعت سیئہ رہے گا۔ وغیر ذلک من التقریرات التی لا طائل لہ تحتھا۔

اسی طرح ص...... پر سوال "کانچ کی چوڑیاں جو عورتیں پہنتی ہیں، جائز ہیں یا نہیں؟ کے جواب میں لکھا" درست ہیں۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ" دیکھئے حکم درستی دے کر، آیت شریفہ لکھ کر یہ پوچھا کہ اسے حرام کس نے کیا؟ یعنی جب حرام کسی نے نہیں کہا، تو اصل اباحت پر درست ہے، وہ تقریریں جاری نہ کیں۔

marfat.com

اسی طرح ص ۴۹ پر سوال، نمازی کے روبرو جوتیوں کا موجود رہنا کہ جو مستعمل ہوں، موجب کراہت ہے یا نہیں؟'' کے جواب میں لکھا ''مصلی کے آگے اگر جوتا مستعمل رکھا ہے، اس کی کوئی کراہت منقول نہیں۔ لہذا کچھ حرج نہیں''۔ کراہت کا نہیں منقول ہونا ہی اباحت کو بس ہے۔ اس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔ وہ نفیس تقریر جاری نہ کی، کہ ''مصلی کے آگے جوتا مستعمل کا رکھنا، حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمۂ دین سے منقول نہیں۔ اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو بدعت جانیں۔ لہذا مصلی کے آگے جوتا مستعمل کا رکھنا، بدعت ولعنت ہے۔ وغیر ذلک من الاحکام۔

پس تقریر بالا سے جب ثابت ہو چکا کہ جمہور حنفیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اسے ''پرانا مغالطہ اور ''دھوکے کی ٹٹی'' کہنا صریح مغالطہ ہے۔ تو جب تک مخالفین فاتحہ بہیئت کذائی کی حرمت یا کراہت، ادلۂ شرعیہ سے ثابت نہ کریں گے، اپنی اصل پر رہے گا۔ حرام یا بدعت یا مکروہ وغیرہا نہ ہوگا۔

رہا محشی روداد اور ''صاحبِ فاتحہ مروجہ کا فیصلہ'' کا عبارتِ درمختار سے دھوکا کھانا اور اصل اشیاء میں توقف بتانا، اباحت کو رائے معتزلہ کہنا، اصل اشیاء میں اباحت کے قائل کو معتزلیت کا مقر بنانا، محض ''باد رہوا'' اور ''رود رفتا'' اور بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ جس کا کشف بعونہ عزوجل فقیر نے اپنے رسالہ ''مواہب ارواح القدس'' میں بروجہ تام وما لا کلام کردیا ہے فلیتطالع۔ صاحب ''دافع التلبیسات'' نے اسی مضمون کے متعلق زیرِ قول دوم وسوم، صادق مجیب تحریر محمد عبد الرحیم کو لکھا: ''ناقل کی اعلیٰ درجہ کی حماقت وجہالت ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ خدا عبارت کا ترجمہ بھی نہ سمجھا، حق تحریف خوب ادا کیا وغیر ذلک''۔

راقم الحروف ان پاکیزہ الفاظ کے جواب میں صرف ''المرء یقیس علی نفسه'' کی شہرت پر اکتفا کر کے اس بات کا جواب دینا مناسب جانتا ہے کہ فرماتے ہیں: ''الاصل فی الاشیاء الاباحة'' حنفیہ کا متفق علیہ قاعدہ نہیں الخ۔ عقلمند عالم! عبارت سمجھنے والے! تحریر میں یہ رقم ہے کہ جمہور حنفیہ کا مختار، یہ ہے۔ اس میں کیا حماقت وجہالت ہوئی؟ عبارتِ تحریر ابن ہمام والی یہ ہے'' المختار الاباحة عند جمهور الحنفية والشافعية'' اس عبارت کا ترجمہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو مجیب یہ سمجھا سکے۔ انصاف سے کہئے! یہ تینوں گرامی اوصاف آپ کے ہوئے یا مجیب کے؟ ع

چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

فاتحہ کے جواز میں دلیل کو پیش کرنا، بے موقع کیوں؟ کیا جو چیز یا اس کے تمام اجزاء، قرآن وحدیث سے ثابت ہوں وہاں اس قاعدہ کو پیش کرنا بے موقع لکھ دیا ہے یا صرف رائے شریف ہے؟ جسے تصنیفاتِ علماء تک دسترس، وہ اس کی صدہا نظیریں کتب ائمہ میں پائے گا۔ ایک نظیر حاضر ہے۔

زینت کے بارے میں کھلے الفاظ قرآن شریف کے '' قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ '' الآیة (الاعراف: ۳۲) ''تم فرماؤ! کس نے حرام کی اللہ کی زینت'' (کنز الایمان) موجود تھے۔ پھر امام برہان مرغینانی نے ام ولد اور منکوحہ بنکاح

فاسد پر عدم احداد کی دلیل میں فرمایا: " لانها ما فاتها نعمة النكاح لتظهر التعسف والاباحة اصل " (الهدایه ۲/۴۰۸)۔ قرآن شریف سے ثابت ہونے کے بعد پھر الاباحة اصل پیش کرنا بے موقع ہے یا نہیں؟ اعظم گڑھی صاحب کا کہنا "تیسرا قول مسلم الثبوت اور اس کی شروح سے نقل کیا ہے باوجودیکہ حق تحریف خوب ادا کیا ہے"، منصف مزاج خیال کرسکتا ہے کس درجہ اپنے موقع محل پر ہے۔ اس نقل میں کیا تحریف ہوئی؟ کیا کوئی فقرہ درمیان سے اپنے مخالف گھٹا دیا یا کچھ الفاظ زائد کردیئے، کیا کیا؟ شاید اپنے خیال میں پورے مسئلہ سے دوسرے مسئلہ تک عبارت نہ لکھنے کو تحریف خیال کررہے ہیں۔

جناب من! ایسا کہیں نہیں ہوتا کہ استدلال ایک جملہ سے ہو اور دلیل، صفحہ دو صفحہ یا کم و بیش کی عبارت نقل کردی جائے۔ ہاں نقل میں کچھ الفاظ انھوں نے ضرور چھوڑ دیئے مگر وہ اہل سنت کو مضر، نہ وہابیہ کو مفید۔ اب میں آپ کے لئے پوری عبارت نقل کرکے پوچھتا ہوں کہ اس عبارت سے آپ نے کیا فائدہ اٹھایا اور مجیب کو کیا ضرر ہوا؟۔

فاضل بہاری فرماتے ہیں " واما الخلاف المنقول بين اهل الحق ان اصل الافعال الاباحة كما هو مختار اكثر الحنفية والشافعية او الحظر كما ذهب اليه غيرهم وقال صدر الاسلام الاباحة فى الاحوال والحظر فى الانفس فقيل هذا الخلاف وقع بعد الشرح بالادلة السمعية اى دلت على ان ما لم يكن فيه دليل التحريم ماذون فيه او ممنوع عنه وفيه ما فيه "

بلکہ خدا انصاف دے تو آپ کو مجیب کا شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا کہ اس نے پوری عبارت نقل نہ کرنے سے آپ کی دو جہالت فاحشہ پر پردہ ڈالا۔ عبارت منقول کے قبل یہ الفاظ ہیں " واما الخلاف المنقول بين اهل الحق " ۔ دیکھئے کیسا رد ہے آپ کے قنوجی صاحب کا کہ چھوٹا منہ بڑی بات۔ اہلِ حق کے درمیان جو خلاف ہے، جس کے دونوں فریق اہلِ حق۔ یا صاف لفظوں میں مسلم الثبوت کا دوسرا نسخہ دیکھئے " بين اهل السنة " تو جس کے قائل اہل سنت اور نہ صرف اہلِ سنت بلکہ علماء و اکابرِ اہلِ سنت کہ عوام کیا اور ان کی بات کیا؟ تو ضرور یہ خلاف اکابرِ علماء اہلِ سنت میں ہے۔ مشتہر صاحب اپنی کمالِ عقل مندی و وسعتِ علم سے جسے پرانا مغالطہ اور "دھوکے کی ٹٹی" فرمارہے ہیں۔ سچ ہے اذا لم تستحى فاصنع ما شئت ع بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن

اسی طرح اخیر کی عبارت بھی آپ کا کھلا رد ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر مان بھی لیا . ئے کہ اکثر حنفیہ و شافعیہ کا مذہب اصل اشیاء میں تحریم کا ہے تو وہابیہ کو کیا مفید ہے؟ کہ صحیح مذہب پر یہ خلاف تو زمانہ فترت کا ہے۔ دیکھئے فاضلِ بہاری نے "قائلین بعد الشرع" کے قول کو "قیل" کے ساتھ تعبیر فرمایا، جو مشہور ہے کہ ضعف کی طرف جاتا ہے۔ پھر اسی پر بس نہ فرمایا بلکہ صاف فرمایا "وفيه ما فيه"۔

حضرت بحر العلوم شرح میں فرماتے ہیں: " اذ يظهر من تتبع كان الخلاف قبل ورود الشرع ومن ثم لم يجعلوا رفع الاباحة الاصلية نسخا لعدم خطاب الشرع فتدبر "

حضرت بحر العلوم نے اس کی طرف اشارہ فرماکر اس مضمون کی ایک تمہید کے بعد بہت واضح طور پر تصریح فرمائی۔ "

marfat.com

فاذن لیس الخلاف الا فی زمن الفترة التی اندرست فیه الشریعة بتقصیر من قبلھم"۔ کہ اذکیاء تو ''فیہ مافیہ'' ہی سے سمجھ لیں گے۔ مگر متوسطین اگر اس سے نہ سمجھ سکے تو ''منہیہ'' سے ضرور حق جان لیں گے۔ مگر آپ جیسے عالی دماغ، روشن خیال حضرات سے ضرور خیال تھا کہ ''فیہ مافیہ'' کا مطلب بجز ''اس میں وہ ہے جو اس میں ہے'' کچھ نہ سمجھیں گے اور اگر حاشیہ کا مطلب کچھ سمجھ بھی لیں تو ضرور ''فتدبر'' دیکھ کر اسے اپنے پس پشت ڈال دیں گے۔ لہذا اصاف فرمایا'' فاذن الخ''

اب ذرا انصاف سے کہئے کہ مجیب نے تحریف کی یا اس نے آپ پر احسان کیا اور آپ نے احسان فراموشی فرمائی۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

جناب من! تحریف اسے کہتے ہیں جو قدیم زمانہ سے منکرانِ فاتحہ کرتے چلے آئے۔ ''مشتے نمونہ از خروارے'' بعض کبراء طائفہ کی بعض بعض تحریفات دیکھئے اور برعایت فرمائیے کہ دراصل تحریف اسے کہتے ہیں۔ میرا محض افتراء تھا جو مجیب کو لکھا'' حق تحریف خوب ادا کیا''۔ سب وہابیہ کے پیشوا اور مولیٰ منتہی سلاسل الوہابیہ، مولوی اسمٰعیل دہلوی کی'' تقویت الایمان'' ملاحظہ ہو۔ آیہ کریمہ '' وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ '' الآیۃ (یونس : ۱۸) ''اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں جو ان کا کچھ بھلا نہ کرے'' (کنزالایمان) لکھ کر ترجمہ کیا'' اور پوجتے ہیں وے اللہ سے ایسی چیز کو کہ نہ کچھ فائدہ دے، نہ کچھ نقصان۔'' آفت کی ف لکھ کر یہ فائدہ چڑھایا'' یعنی جن کو لوگ پکارتے ہیں، ان کو اللہ نے کچھ قدرت نہیں دی۔'' کہئے! وہ آیت کہ کفار کے حق میں نازل ہوئی، براہِ دیانت مسلمانوں پر ڈھالنا، یعبدون من دون اللہ کا مطلب ''جن کو لوگ پکارتے ہیں'' لینا تحریف ہے کہ نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔

آیۂ کریمہ ''اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا الآیۃ''(مریم : ۹۳)'' آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں، سب اس کے حضور بندے ہو کر حاضر ہوں گے'' (کنزالایمان) لکھ کر مطلب یہ لکھا ''کسی کو کسی کے قابو میں نہیں دیتا'' یہ کس لفظ کا مطلب ہے؟ اور اگر یہ سالبہ کلیہ صحیح ہو تو ''وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ'' (الحشر : ٦) کا کیا مطلب ہے؟ اس سے بڑھ کر کھلی تحریف دیکھئے۔ '' وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا'' (مریم : ۹۵) کا مطلب لکھا'' اور ہر کوئی اپنے معاملہ میں اس کے روبرو اکیلا اکیلا حاضر ہونے والا ہے''۔ اور اگلی آیت'' اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا، (مریم : ۹۶) '' بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھا کام کئے عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت کر دے گا'' (کنزالایمان) آیہ کریمہ ''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ'' الآیۃ (الأنبیاء : ۲۵) ''اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے''۔ (کنزالایمان) لکھ کر فائدہ لکھا'' یعنی جتنے پیغمبر اللہ کے ہیں، اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو مانئے اور اس کے سوا کسی کو نہ مانئے''۔ کہئے! فاعبدون کا معنی'' اللہ کو مانیے اور کسی کو نہ مانیے'' اس کا کھلا مطلب کہ رسول، کتاب، ملائکہ، جن، دوزخ، جنت وغیرھا ضروریات کسی چیز کا ماننا روا نہیں، بلکہ نہ ماننے کا حکم، اور وہ بھی ایسا مستمر کہ سب شریعتوں میں اس کا حکم آیا۔ ولاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ کہئے صاحب یہ تحریف ہے یا نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔

marfat.com

غرض یہ سوختنی کتاب تمام اسی قسم کی تحریف سے بھری پڑی ہے۔ جہاں آیت یا حدیث لکھ کر فائدہ چڑھایا، کوئی نہ کوئی آفت ڈھائی۔

اب دوسرے امام مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب کو دیکھئے ان کی بھی ''مائۃ مسائل'' و ''مسائلِ اربعین'' اسی قسم کی تحریفات سے پُر ہے۔ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو آپ کے مولوی امداد مصنف رسالہ ''امداد المسلمین'' نے کی کہ صلوٰۃ الرغائب ونماز نصفِ شعبان کے بارے میں کہا: ''اگرچہ بعض فقہاء نے جیسے صاحبِ درمختار وغیرہ، حدیث پر اعتماد کر کے جواز لکھ دیا ہے۔ لیکن ائمہ محققین واجلۂ فقہاء کرام مثلاً امام ابوشامہ اور امام یافعی اور ابن حجر مکی اور صاحب مجمع البحار اور ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق دہلوی، غرض سب محدثین وفقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور یہ نماز مذموم بلکہ اس پر بہت کچھ تشنیع کی ہے اھ ملتقطا''۔ حالانکہ امام یافعی نے باب نقلِ قولِ ذم، اپنی تحقیق فرمائی کہ تنہا پڑھے اور سنت نہ جانے تو حرج نہیں۔

''حيث قال نعم لو صلاهما انسان وحده مع اعتقاده انهما ليس بسنة، لم ارى بذلك باسا'' اه مختصراً۔

ملا علی قاری شرح عین العلم میں تحریر فرماتے ہیں: ''ويحافظ الرواية وسائر السنن وكل ما ورد فضيلته كصلاة الرغائب وليلة النصف من شعبان وكانوا يواظبون عليها۔''

اسی طرح ملک مظفر سلطان اربل کہ مولد شریف میں غایت درجہ اہتمام بجالاتا، ڈپٹی صاحب نے اس جرم پر خفا ہو کر تاریخ ابن خلکان سے اس کا فسق ثابت کرنے کو چند فقرے نقل کئے اور ان کی نقل میں حسبِ دابِ طائفہ دو تین حرف جو مذمت پر دال تھے، نقل کئے۔ باقی تعریفوں کے عظیم دفتر ہضم۔ دیکھئے جہاں پر مذمت نقل کی، اسی جگہ اسی بیان میں یہ عبارت اڑا گئے ''كان له فى فعل الخير غرائب ولم يسمع ان احدا فعل فى ذلك ما فعله'' کیا یہ الفاظ نہ تھے؟ ''انه كان لا يتعاطى المنكر'' کیا یہ الفاظ نہ تھے؟ ''كان كريم الاخلاق كثير التواضع حسن العقيدة''، کیا یہ الفاظ نہ تھے؟ ''لو استقصيت فى تعداد محاسنه لطال الكتاب فى شهرة معروفة غنية عن الاطالة''۔

مصباح الضحیٰ میں لکھا کہ ''معانقہ غیر قدوم سفر کا باجماع حنفیہ وشافعیہ کے مکروہ ہے''۔ حالانکہ ان کے اقراری امام، محقق وفقیہ ومحدث جلیل شیخ محقق قدس سرہٗ شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں: ''فقہاء را در جواز معانقہ وکراہت آں خلافے وتفصیلے ست وصحیح جوازِ اوست اگرچہ در غیر قدوم سفر نیز باشد''۔ نہ معلوم ڈپٹی صاحب کے نزدیک اجماع کس چڑیا کا نام ہے؟ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں مصنف کچھ فرمائے، آپ کچھ اس کے سر تھوپ رہے ہیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ صرف اپنے مطلب کے دو لفظ لے لئے، باقی سے آنکھیں میچ لیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ دعویٰ بے دلیل کر دیا جو منھ میں آیا کہہ بیٹھے۔ دیکھئے اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو مولوی بشیر قنوجی نے کی۔ ''تفہیم المسائل'' ص ۲۷ پر انکارِ استمداد کے لئے ''مطالب المومنین'' سے نقل کیا ''يكره الانتفاع بالقبر'' اور اس کا مطلب یہ لکھا کہ ''قبور سے مدد مانگنا جائز نہیں''۔ حالانکہ اصل عبارت اس کی یہ ہے: ''يكره التمتع بالمقبرة وان لم يبق آثاره'' قبرستان سے فائدہ لینا مکروہ ہے اگرچہ اس کے آثار باقی نہ رہیں۔

marfat.com

آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں زمین مقبرہ سے تمتع اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے۔اسی لئے ''اگرچہ'' کہہ کر ترقی کرتے ہیں کہ قبر کا نشان نہ رہنے کے بعد جوازِ انتفاع کا گمان ہو،لہذا تصریح کردی کہ گو اثر نہ رہے تاہم انتفاع روا نہیں۔قنوجی صاحب!وہ لفظ جو بالکل ان کے خلاف مطلب بلکہ صریح رد تھا،اڑا گئے اور براہِ دانشمندی مقبرہ کو قبر بنالیا؟۔کہئے یہ تحریف ہوئی یا نہیں؟کہو ہوئی!

جناب قنوجی نے اسی کے ص ۱۸، ۱۹ پر مسئلہ بناء علی القبر میں عبارت تنویر الابصار" ولا یجصص ولا یطین ولا یرفع علیه بناء وقیل لا باس به" کی نسبت دعویٰ کیا کہ لا باس به کی ضمیر تطیین کی طرف ہے نہ بناء کی۔اور براہ تغلیط عوام،طوالع الانوار کا حوالہ دے دیا حالانکہ طوالع میں خود مرجع دونوں بیان کیا ہے۔عبارت اس کی یہ ہے" قیل لا باس به ای بالتطیین والبناء" کہئے یہ تحریف ہوئی یا نہیں کہ باوجودیکہ طوالع میں صاف خلاف مذکور تھا،اس کو ہضم کر کے اور الٹا الزام طوالع کے سر دھرا؟

اسی کے ص ۵۲ پر شد الرحال کے مسئلہ میں طوالع کی صرف اتنی عبارت نقل کی کہ امام الحرمین اپنے استاد سے منع نقل کرتے ہیں کہ کبھی مکروہ کہتے،کبھی حرام اور امام سب کو ممنوع یا قریب بہ عبث کہتے ہیں۔حالانکہ ان دونوں قولوں کے بیچ کا یہ ٹکڑا" وقال الشیخ ابو علی لا یحرم ولا یکره" اور اخیر سے اس کی ترجیح" بقوله فیترجح ما قاله ابو علی"۔کہئے جناب اعظم گڑھی صاحب!تحریف اسے کہتے ہیں۔

یہ سب جانے دو۔معتمد الکل فی الکل،اپنے آقا و مولیٰ و بکل شیء اولیٰ،گنگوہی صاحب،براہینِ قاطعہ طبع جدید ص ۵۱ پر جب علم غیب کی نفی پر اترتے،تو لکھتے ہیں:''اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں''۔وہ تو یہ سفید''سچ'' لکھ کر چلتے بنے۔اب آپ ہی لوگ مہربانی فرما کر دکھائیے کہ شیخ محقق نے کہاں روایت فرمایا ہے؟شیخ محقق نے تو مدارج شریف میں صاف تحریر فرمایا:

''ایں جا اشکال می آرند کہ در بعض روایات آمدہ است کہ گفت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من بندہ ایم،نمی دانیم آنچہ پسِ ایں دیوار است۔جوابش آنست ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نہ شدہ است''۔

دیکھئے حکایت کا روایت بنایا اور صاحب کتاب نے ایک قول مردود نقل کر کے اس کا رد کیا کہ''ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ''،گنگوہی صاحب نے ابتدا سے الفاظِ نسبت،آخر سے عبارتِ رد اڑا دی۔اور بیچ کا جملہ پکڑ کر صاحب کفایت کی طرح نسبت کردی۔انصاف سے کہئے!اس کا نام تحریف ہے یا اُس کا جو مجیب نے کیا؟

بیانات سابقہ ابین من الشمس واظہر من الامس سے ثابت ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔تو جب تک مانعین،فاتحہ مرجحہ کی حرمت یا کراہت کا ثبوت نہ دیں گے،حرمت یا کراہت کا حکم محض غلط اور خبط بے ربط ہے۔

سندِ دوم جسے...... صاحب نے پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی فرمایا،وہ یہ کہ فاتحہ مجموعہ امور خیر کا ہے اور مجموعہ خیر خیر ہی رہتا ہے۔اجلۂ اکابر علماء اسی دھوکے کی ٹٹی اور پرانے مغالطہ سے صدہا مسائل پر دلیل لائے۔

marfat.com

مواقف الکلام میں ہے: "وان حصول کل حرف مشروط بانقضاء الآخر فیکون له اول فلا یکون قدیما فکذ المجموع المرکب منها۔"

شرح عقائد نسفی میں حدوث جواہر واعراض سے حدوث عالم پر استدلال کیا کہ جب اجزا حادث ہیں، مجموعہ بالضرور حادث ہوگا۔ (ناقص الآخر)

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ از موضع بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ طالب حسین خان ۵ رصفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ بنانا اور تعزیہ پر مہندی اور ملیدہ اور کھچڑہ وغیرہ چڑھانا یعنی تعزیہ کے سامنے رکھ کر فاتحہ دینا اور علم یعنی نشان چڑھانا کیسا ہے اور مرثیہ پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

تعزیہ داری رائج الوقت قطعا بدعت وناجائز وحرام ہے۔ ہاں روضہ اقدس حضور سید الشہداء کے صحیح نقشے بقصد تبرک، بے آمیزش منہیات، جس طرح حرمین محترمین سے کعبہ معظمہ وروضہ عالیہ کے نقشے آتے ہیں، اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ فاتحہ امام ہمام ودیگر شہداء کرام واولیائے عظام وسائر اہل اسلام کھچڑہ، ملیدہ پر ہو یا کسی اور کھانے کپڑے وغیرہ پر یا تنہا فاتحہ ہر طرح جائز ومندوب وموجب اجر ہے۔ مگروہ فاتحہ تعزیہ کی نہ ہو کہ تعزیہ کو ثواب پہنچانے کے کوئی معنی نہیں۔ نہ تعزیہ رکھ کر ہو کہ یہ محض فضول بلکہ قرآن شریف کے ساتھ اسائت ادب ہے۔ خصوصا جب کہ تعزیہ میں پری یا براق وغیرہ کی تصویریں ہوں کہ اس میں قرآن شریف کی زیادہ بے حرمتی اور نزول رحمت سے بالکل اجنبی اور ذکر شہادت شریف نظم میں ہو یا نثر میں، جب کہ روایات صحیحہ مقبولہ سے ہو اور منکرات شرعیہ مثل کلمات توہین انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین واہلبیت طاہرین وصحابہ مکرمین وغیرہ محرمات سے بالکل خالی ہو، بلاشبہ جائز ومستحسن وموجب ثواب ونزول رحمت وہاب ہے اور اگر شناعات مذکورہ پر مشتمل ہو تو حرام وگناہ ہے۔ نص علیه الامام ابن حجر المکی فی الصواعق المحرقة۔

اس لئے یہ مرثیے کہ رائج ہیں، مطلقا حرام ہیں۔ اور ان کا پڑھنا سننا اور سینہ کوبی وماتم ونوحہ سب حرام ہیں۔ حدیث میں ہے: "نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن المراثی۔" "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مرثیوں سے"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ مذہب اہل سنت میں تعزیہ بنانا اور مجلس مرثیہ خوانی وکتاب خوانی کرنا کیسا ہے؟ اور شربت سبیل وطعام نذر حسین معین کردہ کا، جیسے بعض مسلمان ایام محرم میں کیا کرتے ہیں اور تعزیہ چڑھایا ہوا کھانا، پینا کیسا؟ اور اگر کوئی مسلمان سنی مذہب ہو کر تعزیہ وعلم شدہ بنادے یا اس کی زیارت کے

marfat.com

واسطے جاوے یا اس پر مٹھائی وغیرہ چڑھاوے یا جولوگ کھانا وشربت وغیرہ پیش تعزیہ رکھتے ہیں، یہ ان پر فاتحہ دیوے یا دلاوے اور جو کچھ اس پر چڑھایا گیا ہے پیے، اور ایام محرم مجالس تعزیہ داری میں مثل شیعہ مرثیہ خوانی وکتاب خوانی میں سرگرم رہے اور شیعہ کی مجالس میں شریک رہے اور بعد مجالس کے تبرک لے کرنوش کرے اور اپنی مجلس میں شیعوں سے مرثیہ پڑھوائے، اس پر خوشی اور دفع غم میں ہر اوقات روافض کی طرح عزاداری، نذر، منت، مجلس، مرثیہ خوانی معین کیا کرے اور جب مجلس ترتیب دے، رولانے پٹانے کی غرض سے مرد اور عورتیں فراہم کرے اور ارتکاب ان تمام امور کو ذخیرہ نکوئی اور ثواب عظیم تصور کرے۔ اور دعویٰ کہ ہم یقینی محب امام واہل بیت رسول علیہ السلام ہیں اور کسی بزرگ کے نام زد کر کے کسی مسلمان نے چھڑی وجھنڈا ونشان وغیرہ نصب کی ہو یا گور مصنوعہ قائم کیا ہو اور ان پر لوگ روپیہ پیسہ اور اور شیرینی، مٹھائی اور چادر وغیرہ چڑھاوے یا ان پر مرغی وبکرا وغیرہ ذبح کرے اور یہ شخص اس کھانے اور لباس کو کھائے پیے اور نقدیات وغیرہ کلھم کو پاک اور طیب سمجھ کر صرف میں لائے اور اس کو اپنی ملک وجاگیر آبادی بتلائے اور وہی شخص لوگوں کو نماز پڑھاوے، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے میں کیا حکم ہے؟ اور وہ خورو پوش وغیرہ کیسا ہے؟ اور اگر تعزیہ داری کی خدمت یا صلہ یا جھنڈا ونشان نصب کردہ وغیرہ پر کسی نے زمین ومکان وغیرہ دیا ہو، اس زر آمدنی واشیائے مسطورہ سے نفع اٹھانا کیسا؟ فقط بینوا توجروا۔

دوسرا سوال: ایک شخص قوم کا فقیر، توانا تندرست، صاحب نصاب ہے۔ کسی اور طرح پر بھی معاش حاصل کرسکتا ہے مگر عادۃً مدام لوگوں کے گھر جا کر دربدر روٹی وغیرہ مانگتا پھرا کرتا ہے۔ اور وقت نماز وہی شخص مسجد میں پیش امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھایا کرتا ہے۔ اس ذلت گداگری کو معیوب نہیں سمجھتا ہے بلکہ کہتا ہے، یہ ہمارا پیشہ آبائی، ریاضت ودرویشی میں شمار ہے۔ ایسے فقیر کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور اہل نصاب کو سوال کرنا از روئے شرع شریف کیا حکم رکھتا ہے؟ ونیز کسی ایسے ہٹے کٹے آدمی کو کہ زر ومال قابل نصاب نہیں رکھتا مگر اپنی معاش کسی پیشہ اور محنت ومزدوری وغیرہ سے بہم پہونچا سکتا ہے، ترک کر کے صرف ذلت دریوزہ گری میں قوت وپوشش وغیرہ رکھنا اس پر کیا امر قرار پائیگا؟ فقط

تیسرا سوال: بعد ختم وعظ، سامعین کا عالم واعظ سے مصافحہ کرنا درست یا مسنون ہے یا بدعت یا ممنوع؟ فقط

چوتھا سوال: قریب وبعید اگر قریہ وشہر میں مرض وبائی حیضہ وطاعون کا غلبہ ہو، اس مقام پر اور لوگوں کا آمد ورفت رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ اور مرض مذکورہ، کسی وجہ سے ایک کا دوسرے کو لگنا، آیا صحیح ہے جیسا کہ عوام میں شہرت رکھتا ہے یا محض غلط؟ اور جس مقام پر یہ مرض لاحق ہو وہاں سے ساکنین کا بخوف موت اور بنیت دفعیہ مرض اور جگہ چلا جانا کیسا؟ اور دوسری جگہ پہونچ کر مسلمان کا مرنا کیسا سمجھا جائیگا؟ بیان کرو جزائے نیک پاؤ گے۔

الجواب

تعزیہ مروجہ زمانہ کہ مجموعہ صدہا خرافات وہزارہا واہیات ہے، قطعاً بدعت وناجائز وحرام ہے۔ ذکر شہادت، سراپا سعادت جب کہ روایت صحیح مقبولہ سے ہو اور منکرات شرعیہ مثل کلمات توہین انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین واہل بیت

marfat.com

طاہرین وصحابہ معظمین ومشائخ مکرمین ونوحہ ومرثیہ ممنوعہ وتکلف وتصنع غم پروری وسینہ کوبی وگریبان دری وغیرہا محرمات سے خالی ہوں، بلاشبہ جائز و مستحسن وموجب نزول رحمت ذی المنن ہے۔ اور اگر شناعات پر مشتمل ہو تو حرام وگناہ۔ کما نص علیہ العلماء فی کتبھم۔ یوں ہی فاتحہ امام علیٰ جدہ الکریم وعلیہ السلام ودیگر بزرگان دین واولیاء کرام وسائر اہل اسلام شیرینی، مالیدہ، شربت پر ہو یا کسی اور کھانے اور کپڑے وغیرہ پر، تنہا فاتحہ ہر طرح جائز ومندوب وموجب اجر ہے۔ تعزیہ کا چڑھایا کھانا سے اگر یہ مراد کہ اس فاتحہ کا ثواب تعزیہ کو پہونچایا گیا ہو، تو اس میں قرآن شریف کی بے ادبی خصوصاً اس حالت میں کہ تعزیہ میں براق یا اور کسی کی شکل بنی ہو، سخت اسائت ادب ہے مگر تب بھی اس کے کھانے پینے میں حرج نہیں۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ، اس کو امام بنانا گناہ ہے۔ کہ ایسے شخص کے فسق میں شک کہ تعزیہ وعلم شدہ بنانا، اس کی زیارت کو جانا، اس پر مٹھائی وغیرہ چڑھانا، ایام محرم میں مثل روافض مرثیہ خوانی کرنا، بلکہ اس میں سرگرم رہنا، شیعوں سے میل جول، سلام وکلام، ان سے مواکلت، مشاربت کرنا، ان کی ناپاک مجلس میں شریک ہونا، کہ تبرا سے خالی نہیں ہوتی، ان کے یہاں کھانا کھانا، ان سے تبرک جاننا، اپنی مجالس میں ان خبثاء سے مرثیہ پڑھوانا، مجلس میں رونے پیٹنے کی غرض سے مردعورتیں فراہم کرنا، اور معاذ اللہ ان سب باتوں کو ذخیرہ نیکوئی اور ثواب جاننا، اور کسی بزرگ کے نام سے کسی مسلمان کا چھڑی، نشان، جھنڈا قائم کرنا، یا معاذ اللہ گور مصنوعہ قائم کرنا، کس قدر سخت ترحرام ہے۔ حدیث میں ہے: "من زار قبراً بلا مقبور فھو ملعون" جو جھوٹی مصنوعی قبر کی زیارت کو جائے، وہ ملعون ہے۔ اس مصنوعی قبر پر جو کچھ روپیہ، پیسہ، اشرفی، مٹھائی، چادر وغیرہ چڑھائی گئیں ہوں، ان کا حکم لقطہ ہے۔ یعنی ملک مالک سے وہ زائل نہیں ہوتی۔ بے اجازت صراحۃً یا دلالۃً لینے والا اس کا مالک نہیں ہوتا۔ صراحۃً کا یہ معنیٰ ہے کہ مالک وقت چڑھانے کے یہ کہدے کہ جو اسے لے وہی مالک ہے۔ تو اگر لینے والے کو مالک کے اس قول پر اطلاع ہو اور وہ اسی بنا پر لے تو مالک ہو جائے گا۔

ردالمحتار کتاب اللقطہ میں شرح سیر کبیر سے ہے: "القیٰ شیأ وقال من اخذه فھو له فلمن سمعه او بلغه ذالك القول ان یاخذه والا لم یملكه۔"

اور دلالت حال کی یہ صورت ہے کہ عرف وعادت واضح طور پر حکم کرے کہ یہ چھوڑنا، پھینکنا، چڑھانا، اسی غرض سے ہے کہ جو پہلے اس کا مالک ہو جائے جیسے لوگ شادی میں دولہا کے گھوڑے یا دلہن کی پالکی پر سے روپے نچھاور کرتے ہیں یا آرائش کی مٹھائیاں لٹواتے ہیں یا بعد نکاح شکر چھوہارے لٹاتے ہیں یا جیسے عورتیں مسجد کی طاق میں گلگلے وغیرہ رکھ جاتی ہیں یا جیسے لوگ کھیت کاٹ کر کچھ بالیاں لگی ہوئی چھوڑ جاتے ہیں کہ غریب لوگ انہیں چن لیتے ہیں جیسے دیہات میں سیلا بیننا کہتے ہیں ان میں سیروں اناج نکلتا ہے یا جیسے پالیز والے ختم پر کچھ خربوزے چھوڑ جاتے ہیں اور لیجانے والے کو مانع نہیں آتے۔ تو ان سب چیزوں کا بوجہ عرف وعادت لینا جائز اور لینے والا اس کا مالک ہے۔ وفیه عنه ویقرره ان مجرد الالقاء من غیر کلام یفید ھذا الحکم کمن نشر السکر والدراھم فی العرس وغیره

marfat.com

خزانۃ المفتیین میں ہے: "کذا من دخل ارض رجل للا حتشاس او لا لتقاط السنبلة ان ترکها صاحبها فصار ترکه کالا باحة۔"

عالمگیری میں تاتارخانیہ سے ہے: "مبطخة بقیت فیها بطاطیخ فانتهبها الناس قال الفقیه ابو بکر اذا ترکها اهلها لیاخذ من شاء من ذلك فلا باس۔"

اور اگر یہ مقصود نہیں ہوتا کہ جو چاہے لے لے بلکہ ان چیزوں کا اس قبر پر رکھنا، رہنا منظور ہو تو اس کا لینا، اس سے نفع اٹھانا، سب ناجائز ہے۔ اس کا حکم ہندوؤں کے سانڈھ اور ان روپوں کا ہے جو وقت غسل دربار سے گنگ وغیرہ میں ڈالتے ہیں لینے والا اس کا مالک نہیں ہوتا۔

عالم گیریہ میں ہے: "لو سیب وانه قال لاحاجة لی الیها ولم یقل هی لمن اخذها فاخذها انسان لا یکون له" وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اس کا لوٹنا واجب ہے۔ لان الفاسق من فعل کبیرة او اصر علیٰ صغیرة۔

صغیری میں ہے: "یکره تقدیم الفاسق کراهة تحریم وعند مالك لایجوز تقدیمه هو روایة عن احمد وکذا المبتدع۔"

غنیۃ میں ہے: "لو قدموا فاسقاً یاثمون۔"

ابو السعود حاشیہ کنز جلد اول میں ہے: "علل الزیلعی الکراهة فی الفاسق بان فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علینا اهانته شرعاًفمفاده کون الکراهة تحریمیة۔"

درمختار میں ہے: "کل صلاة ادیت مع کراهته تجب اعادتها۔"

وہ وقف باطل ہے کہ وقف امور خیر کے لئے ہوتا ہے اور یہ قربت نہیں۔ وہ زمین ومکان ملک مالک پر باقی ہے۔ اگر اس کی اجازت سے انتفاع ہے، تو جائز ہے ورنہ حرام۔

تنویر الابصار میں ہے: "وشرطه ان یکون قربة فی ذاته"۔ واللہ تعالی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم

(۲) ایسا شخص بھی فاسق ہے۔ اس کے پیچھے بھی نماز نہ پڑھنی چاہئے۔ اہل نصاب کو سوال حرام۔ اسی طرح فقیر توانا تندرست کو سوال ناجائز وممنوع ہے۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "ان المسالة الا لاحد تلبسه رجل تحمل حمالة فحلت له المسالة حتی یصیبها ثم یمسك ورجل اصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسالة حتیٰ یصیب قواما من عیش ورجل اصابته فاقة حتی یقوم من ثلثة من ذوی الحجج من قومه لقد اصابت فلانا فاقة فحلت له المسألة حتیٰ یصیب قواما فی عیش فما سواهن من المسالة

marfat.com

یا قبیصۃ سحتٌ، یا کلھا صاحبھا سحتا۔"

فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنا تین شخصوں کے علاوہ کسی کے لئے حلال نہیں:

(۱) جو شخص کسی کی دیت یا غرامت کا ضامن ہو اس کے لئے سوال حلال ہے جب تک اتنا مال پالیوے پھر رک جائے۔

(۲) جو شخص کسی آفت میں مبتلا ہو کہ ہلاک ہو گیا، مال اس کا اس کے لئے بقدر سد حاجت سوال درست ہے۔

(۳) جو شخص فاقہ میں مبتلا ہو کہ تین شخص اس کی قوم سے گواہی دیں کہ فلاں شخص کو فاقہ پہونچا ہے۔ تو ان تینوں شخصوں کے لئے سوال حلال ہے اور ان کے سوا اوروں کے لئے اے قبیصہ! سوال حرام ہے۔ کھاتا ہے سائل حرام کو۔''

اسی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم: ''من سال الناس اموالھم تکثر فانما یسال الناس جھرا فلیستقل او لیتکثر'' ''جو شخص لوگوں سے مال زیادہ ہونے کے لئے سوال کرے یعنی مال نصاب بقدر ضرورت رکھتا ہو اور وہ سوائے اس کے نہیں کہ لوگوں سے جہنم ٹکڑا مانگتا ہے۔ ایسا ہر شخص کو اختیار ہے۔ چاہے زیادہ کرے یا کم، جتنا سوال کرے گا، اتنا ہی ٹکڑا جہنم کی کا اس کے لئے ہے۔

اور وہ امام احمد ہی مسند ابن ماجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں: '' مایزال الرجل یسال الناس حتیٰ یاتی یوم القیامۃ لیس فی وجھہ مزغۃ لحم۔ ''۔ ''یعنی ہمیشہ رہتا ہے آدمی کہ سوال کرتا ہے حتی کہ قیامت کے دن آئے گا اس حال میں کہ اس کے منہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا نہ ہوگا۔ لوگ اس سے پہچان لیں گے کہ یہ شخص دنیا میں لوگوں سے سوال کرتا تھا۔''

چوتھی حدیث میں ہے: '' السائل کدوح یکدح بھا الرجل وجھہ فمن شاء القیٰ علیٰ وجھہ ومن شاء ترکہ۔ ''۔ '' سوال کرنا زخم ہے جس سے آدمی اپنا منہ زخمی کرتا ہے۔ تو جو چاہے اپنے منہ پر باقی رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔ رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

پانچویں حدیث میں ہے: '' من سال وعندہ مایغنیہ فانما یستکثر من النار۔''
جو شخص سوال کرتا ہے حالانکہ اس کے پاس ایک رات دن کا کھانا ہے تو وہ اپنے لئے جہنم کی آگ زیادہ کرتا ہے۔ رواہ ابو داؤد۔

چھٹی حدیث میں ہے: من سال من غیر فقر فکانما یاکل الجمر ''جو شخص بغیر حاجت کے سوال کرے پس جہنم کا انگارا کھاتا ہے۔'' رواہ الامام احمد فی مسندہ وابن خزیمۃ والضیاء عن حبش بن جنادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ساتویں حدیث میں ہے: ''لان یاخذ احدکم حیلۃ فیاتی بحزمۃ حطب علیٰ ظھرہ فیبیعھا فیکف اللہ بھا وجھہ خیر من ان یسال الناس اعطوہ او منعوہ۔ ''البتہ یہ کہ ایک تمہارا، رسی لے کر لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لائے اور اسے بیچ کر کھائے، یہ اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ لوگوں سے مانگے۔ دیا یا نہ دیا۔''

اور اس کو جائز اور ریاضت درویشی سمجھنا اور بھی گناہ۔ شریعت مطہرہ میں نفس ریاضت کوئی چیز نہیں بلکہ وہ جو

marfat.com

موافق شریعت ہو۔ ورنہ جوگیوں نے تو وہ وہ ریاضتیں کیں اور کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے کبھی نہ ہو سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) درست ومسنون ہے، نہ بدعت ومشؤن۔ کہ نفس مصافحہ احادیث کثیرہ شہیرہ، قولیہ، فعلیہ سے ثابت اور زمان برکت شان، سید الانس والجان علیہ السلام، ہر قرن، ہر زمان میں رائج وموجود ومسنون ومحمود رہا۔ فقد صافحت (۱) سیدنا ومرشدنا مجمع الطریقین، مرجع الفریقین، مجدد المأة الحاضرة، مؤید الملة الطاهرة حضرة الشيخ احمد رضا خان متّع الله المسلمين بطول بقائه(۱) والسيد الشاه ابا الحسين احمد النورى نور الله مرقده الشريف با لنورى المعنوى والصورى (۲) صافحا سيدهما وسندهما وشيخهما السيدال آل رسول الاحمدى المار هروى قدس سره(۳) صافح السيد السند عمه السيد آل احمد الملقب باچهى ميان المار هروى قدس سره (٤) صافح السيد التقى السيدالشاه حمزة الحسنى البلجرامى الواسطى (٥) صافح السيدطفيل محمد الاترولوى(٦) صافح البارع الا ورع السيدمبارك فخر الدين البلجرامى(۷) صافح الشيخ الا فخم استاذه ومولاه الشيخ نور الحق(۸) صافح الشيخ المقتذى والده وشيخه واستاذه الشيخ المحقق مولانا عبد الحق المحدث الدهلوى قدس سره (۹)وهو قد صافح الشيخ عبد الوهاب بن فتح الله البروجى(۱۰) وهو قد صافح الشيخ محمد ابن افلح اليمنى(۱۱) وهو قد صافح الشيخ عبد الرحمن بن على الديبع(۱۲) وهو قد صافح الشيخ زين الدين الشرجى(۱۳) وهو قد صافح شمس الدين ابا الخير الجزرى(١٤) وهو قد صافح الشيخ ابا المحاسن السرمدى(۱۵) وهو قد صافح الشيخ ابا الثنا محمود بن على بن بغدادى(۱۶) وهو قد صافح الشيخ عبد الصمد البغدادى (۱۷)وهو قد صافح الشيخ يو سف ابن الحافظ ابى الفرج عبد الرحمن بن على الجوزى البغدادى(۱۸) وهو قد صافح ابا الفضل محمد ابن جعفر الخزاعى(۱۹) وهو قد صافح الامام العباس احمد بن محمد سعيد المطوعى(۲۰) وهو قد صافح الشيخ ابا غانم ابن زكريا(۲۱) وهو قد صافح الشيخ محمد ابن كامل(۲۲) وهو قد صافح الشيخ ابانان العطار(۲۳) وهو قد صافح سيدنا ثابت البنانى(٢٤) وهو قد صافح سيد نا انس ابن مالك رضى الله تعالىٰ عنه قال(۲۵) ”صافحت رسو ل الله ﷺ فلم ارخزا ولا قزاً الين من كف رسول الله ﷺ“ والحديث رواه البخارى وابن عساكر فى تاريخه والخطيب وقد ذكره الشيخ جارالله بن فهد فى كتاب المواهب السنيه الديباجى وابن المفضل والتميمى فى مسلسلتهم۔

خود حضور اقدس ﷺ جب صحابہ کرام سے ملتے، ان سے مصافحہ فرماتے۔

حدیث شریف میں ہے: ”قلت لابى ذرهل كان رسول الله صلى الله عليه يصافحكم اذا لقيتموه؟ قال مالقيته قط الا صافحنى۔“

marfat.com

یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کیا آپ سے رسول ﷺ مصافحہ فرماتے جب تم حاضر خدمت ہوتے؟ کہا جب بھی میں حاضر خدمت ہوا، حضور نے مجھ سے مصافحہ فرمایا۔ رواہ ابو داؤد عن ایوب بن بشیر عن رجل من عنترۃ۔

"صحابہ کرام جب بھی آپس میں ملتے، معانقہ کرتے۔ اور جب جدا ہوتے مصافحہ کرتے۔"

شرح شرعۃ الاسلام میں ہے: "کان رسول اللہ ﷺ اذا تلاقوا تعانقوا واذا تفرقوا اتصافحوا۔"

بہتیری حدیثوں میں حضور ﷺ نے مصافحہ کے فضائل بیان فرمائے، مصافحہ کرنے والوں کو قبل جدا ہونے کے عفو گناہ کی خوش خبری دی۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "مامن مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یتفرقا۔" "نہیں ہیں کوئی دو مسلمان کہ آپس میں ملیں اور مصافحہ کریں مگر قبل جدا ہونے ان دونوں کے ان کی مغفرت فرمادی جاتی ہے"۔ رواہ الامام احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجہ ایضا عن البراء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دوسری حدیث میں ہے: "عن النبی ﷺ اذا التقیٰ المسلمان فتصافحا وحمدا اللہ واستغفراہ غفر لھما۔" "جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں اور خدا کی حمد کریں، اس سے مغفرت چاہیں، بخشدئے جاتے ہیں گناہ ان کے۔" رواہ ابو داؤد عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تیسری حدیث میں ہے: "ان المؤمن اذا لقی المؤمن فسلم علیہ واخذ بیدہ فصافحہ تناثرت خطایا ھما کما تناثر ورق الشجر۔"

"جب مسلمان سے مسلمان مل کر سلام کرتا ہے اور ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرتا ہے ان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں جیسے پیڑوں کے پتے۔" رواہ الطبرانی فی الاوسط والبیھقی فی شعب الایمان بسند صالح عن حذیفۃ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

چوتھی حدیث میں ہے: "ان المسلم اذا لقی اخاہ فاخذ بیدہ تحاتت عنھما ذنوبھما۔" "مسلمان جب اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑتا (یعنی مصافحہ کرتا) ہے، ان کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن سلمان الفارسی۔

پانچویں حدیث میں ہے: "مامن مسلمین التقیا فاخذ احدھما بید صاحبہ الا کان حقا علیٰ اللہ عز وجل ان یحضر دعاؤھما ویفرق بین ایدیھما حتیٰ یغفر لھما"۔ "جب دو مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں، اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ ان کی دعا قبول فرمائے اور ان کے ہاتھ جدا نہ ہونے پائیں کہ ان کے گناہ بخش دے۔" رواہ الامام احمد برجال ثقات وابو یعلیٰ والبزار عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

چھٹی حدیث میں ہے: "لا یلقی مسلم مسلما فیرحب ویاخذ بیدہ الا تناثرت الذنوب کما تناثر

marfat.com

ورق الشجر"۔ "جب مسلمان اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ گر جاتے ہیں جیسے درخت کے پتے"۔رواہ البزار عن روایة مصعب بن ثابت رضی الله تعالیٰ عنه۔

آٹھویں حدیث میں ہے: "قال رسول الله ﷺ ان المسلمین اذا التقیا فتصافحا وتسائلا انزل الله بینهما مأة رحمة تسعة وتسعین لابشهما واطلقهما وابرّهما واحسنهما مسائلة باخیه"۔ "جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ اور اللہ تعالیٰ سے سوال کریں، حق سبحانہ تعالیٰ سو رحمت نازل فرماتا ہے، واسطے بشاش ترین اور کشادہ پیشانی سے ملنے والے اور ان دونوں میں نیکوتر اور احسن کے لئے اور ایک اس کے بھائی کے واسطے۔ رواہ الطبرانی عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه۔

نویں حدیث میں ہے: "اذا التقیٰ الرجلان المسلمان فسلم احدهما علیٰ صاحبه فان احبهما الی الله احسنهما بشرا فاذا تصافحا نزلت علیه مأة رحمة للبادی منها تسعون وللمصافح عشرة"۔ "جب دو مرد مسلمان ملیں اور ایک دوسرے پر سلام کریں پھر جب مصافحہ کرتے ہیں، ان پر سو رحمتیں اترتی ہیں۔ نوے ابتدا کرنے والے اور دس مصافحہ کرنے والے کے لئے۔ رواہ البزار عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه۔

دسویں حدیث میں ہے: "المسلمان اذا تصافحا لم یبق بینهما ذنب الا سقطه"۔ "جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا، سب جھڑ جاتا ہے۔ رواہ البیهقی فی شعب الایمان عن البراء ابن عازب رضی الله تعالیٰ عنه وفی روایة لو کانت ذنوبهما مثل زبد البحر۔ "اگرچہ ان دونوں کے گناہ سمندر کے جھاگ جیسے ہوں۔

ان تمام احادیث میں کہ فضائل مصافحہ ارشاد ہوئے، حضور اقدس ﷺ نے عام و مطلق ارشاد فرمایا تو بحکم عموم واطلاق اپنے تمام افراد کو شامل ہوگا۔ حکم عام جمہور علماء کے نزدیک یہی ہے کہ اپنے سب افراد کو شامل ہو۔ اور تلویح حاشیہ توضیح میں ہے: "وعند جمهور العلماء اثبات الحکم فی جمیع مایتناوله من الافراد قطعا ویقینا عند مشائخ القرآن وعامة المتأخرین وظنا عند الجمهور الفقهاء او المتکلمین وهو مذهب الشافعی والمختار عند مشائخ سمر قند۔"

پھر ایک فرد کے ساتھ جواز، دوسرے پر کراہیۃ کا حکم، حسب تصریح مجدد ملت وہابیہ بے فائدہ و بدعت ہے۔ محرر مذہب رشیدی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کی براہین قاطعہ طبع دوم ص ۳۷ میں ہے "لفظ عام کے معنی میں معنی خاص لینے کا کوئی فائدہ نہیں" اس کے ص ۱۰۱ پر ہے۔ "مطلق کو مقید کرنا بدعت ہے" اور جب مطلق مصافحہ کی اجازت دی بلکہ مسنون بتایا اور اس سے کسی وقت کو مستثنیٰ نہ فرمایا تو بحکم قاعدہ لم یستشن داخلا مصافحہ بعد نماز فجر و عصر و نماز عید و ختم وعظ وغیرہ سب مجاز و ماذون و مستحب و مسنون رہا۔ اگر یہ شبہ ہو کہ جب احادیث میں مطلق مصافحہ آیا تھا تو پھر بعد نماز فجر یا عصر اور عید و وعظ کی کیا خصوصیت؟ ہر وقت کیا کرو اور جب نہیں کرتے بلکہ انہیں خاص وقتوں میں، تو معلوم ہوا کہ تم لوگوں نے عام کو خاص اور

marfat.com

خاص کو مقید کردیا، نہ مانعین نے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ ہم نے کب کہا کہ ان اوقات کے سوا اور کسی وقت مصافحہ کرنا جائز نہیں۔ بخلاف وہابیہ کے کہ وہ ان وقتوں میں ناجائز بتاتے ہیں۔ تو عام کو خاص اور مطلق کو مقید کرنے والے وہ ہوئے، نہ ہم۔ رہا خاص کسی وقت کی عادت کرلینا، یہ اس کو اس مصافحہ مسنونہ سے نہیں نکالتا۔ کما صرح به الشاه ولی الله الدهلوی فی المسوی شرح المؤطا عن النووی حیث قال: "قال النووی اعلم ان المصافحة مستحبة عند کل لقاء و اماما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلاة الصبح و العصر فلا اصل له فی الشرع علیٰ هذا الوجه لکن لاباس به فان اصل المصافحة سنة و کونهم حافظوا علیها فی بعض الاحوال و فرطوا فیها فی کثیر من الاحوال لا یخرج ذلك البعض عن کونه من المصافحة التی ورد الشرع با صلها اقول هکذا ینبغی ان یقال فی المصافحة یوم العیداه" قلت فعلیٰ هذا المصافحة بعد الوعظ۔ والله تعالیٰ اعلم۔

(۴) طاعون سے فرار گناہ کبیرہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "الفار من الطاعون کالفار من الزحف"۔ "طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے جہاد میں کافروں کے مقابلے سے بھاگنے والا۔"

اور اللہ عزوجل کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والے کی نسبت فرماتا ہے: "فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ"۔ "وہ بے شک اللہ کے غضب میں پڑا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور کیا بری بازگشت ہے۔"

اور اس طرح جہاں طاعون ہو، وہاں سے جانا بھی نہ چاہئے کہ فرمایا حضور ﷺ نے: "اذا سمعتم با الطاعون بارض فلا تدخلوها و اذا وقع بارض و انتم بها فلا تخرجوا منها"۔ "جب سنو تم کسی جگہ طاعون ہونا، تو وہاں نہ جاؤ اور جہاں تم ہو، اگر وہاں ہو تو بھاگو نہیں۔"

ہاں اگر کوئی شخص تقدیر پر صابر اور کامل الایمان ہو اور "لَنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا" (التوبة: ۵۱) "ہمیں نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا"۔ (کنز الایمان) کی بشاشت اس کے دل میں ساری ہو کہ اگر طاعون شہر میں کسی کام کو جائے اور مبتلا ہو جائے، تو پشیمانی نہ ہو کہ ناحق آیا، بلانے لے لیا یا کسی کام کو باہر جائے تو یہ خیال نہ ہو، تو خوب ہوا کہ اس بلا سے نکل آیا، تو اسے اجازت ہے۔ وہاں سے آنے اور جانے میں کوئی حرج نہیں۔ والتفصیل التام لهذه المسئلة فی فتاویٰ سیدنا و شیخنا المسماة بالعطایا النبویة فی الفتاوی الرضویه المحلد الرابع من کتاب الحظر و الاباحة ۔والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئولہ اعلیٰ حضرت، تاج العارفین، سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی یکم صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ طاعون کی جگہ سے دوسری جگہ یا دوسرے محلہ میں آنا اور دوسری جگہ سے طاعون زدہ مقامات میں آنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

marfat.com

الجواب

طاعون زدہ مقامات سے بھاگنا سخت گناہ واشد کبیرہ ہے۔ اور اس میں کوئی خصوصیت شہر ومحلہ کی نہیں، بھاگنے کی نیت سے ایک قدم بھی چلنا حرام ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تدخلوا علیه واذا وقع وانتم بارض فلا تخرجوا منها فرارا عنه۔"

"جب تم کسی زمین میں طاعون ہوتا سنو تو اس پر داخل نہ ہو۔ اور جب وہاں طاعون آئے، جہاں تم ہو تو طاعون سے بھاگنے کے لئے وہاں سے نہ نکلو"۔ رواه الشیخان وابوداؤد والنسائی ومالك واحمد عن عبد الرحمٰن بن عوف والبخاری ومسلم عن اسامة بن زید رضی الله تعالیٰ عنهم۔

امام اجل احمد بن حنبل اپنے مسند میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الفار من الطاعون کالفار من الزحف ومن صبر فیه کان له اجر شهید۔"

"طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے جہاد میں کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والا اور جو اُس میں صبر کئے بیٹھا رہے، اس کے لئے شہید کا ثواب ہے۔

ابن سعد نیز امام احمد، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الفرار من الطاعون کالفرار من الزحف"۔ "طاعون سے بھاگنا ایسا ہے جیسے جہاد میں کافروں سے بھاگ جانا"۔

طبرانی معجم اوسط اور ابونعیم فوائد بن ابی بکر بن خلاد میں انھیں سے بسند حسن راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الطاعون شهادة لامتی وحز اعدائکم من الجن غدة کغدة البعیر تخرج فی الاباط والمراق۔ من مات فیه، مات شهیدا ومن اقام فیه کان کالمرابط فی سبیل الله ومن فرّ منه کان کالفار من الزحف"۔

"طاعون میری امت کے لئے شہادت ہے اور وہ تمہارے دشمن جنوں کا کونچا ہے۔ اونٹ کی گلٹی کی طرح گلٹی ہے کہ بغل اور پیٹ سے نیچے نرم جگہوں میں نکلتی ہے۔ جو اس میں مَرے شہید مرے۔ اور جو اس میں ٹھہرا رہے وہ راہِ خدا میں سرحد کفار پر بانتظار جہاد اقامت کرنے والے کے مانند ہو۔ اور جو اس سے بھاگ جائے وہ جہاد سے بھاگ جانے والے کے مثل ہے۔"

جہاد سے بھاگنے والے کے متعلق فرماتا ہے: "فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاوٰهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ" (الانفال: ۱۶) "تو وہ اللہ کے غضب میں پلٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کیا بری جگہ ہے پلٹنے کی"۔ (کنز الایمان)

اللهم احفظنا والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مزارات اولیا تو مزارات عالیہ ہیں، عام مسلمانوں کی قبریں مستحق اکرام وتعظیم اور ان کی توہین شرعا سخت ممنوع

marfat.com

وگناہ ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ قبر پر پاؤں رکھنا بھی ناروا اور ایسا کرنا گناہ ہے، کہ قبر کی چھت میت کا حق ہے۔

علامہ زاہدی قنیہ میں تصریح فرماتے ہیں: ''یاثم بوطاٗ القبور لان سقف القبر حق المیت۔''

اور تحفہ بدائع وغیرہ میں ہے: ''ان ابا حنیفۃ کرہ وطء القبر۔''

علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں شرح درر سے ناقل: ''یکرہ ان یوطا القبر لما روی عن ابن مسعود لان اطاء علیٰ جمرۃ احب الیَّ من ان اطاء علیٰ قبر مسلم۔''

اس میں محیط سے ہے: ''یکرہ ان یطاء بالرجل'' بلکہ پاؤں رکھنا تو در کنار قبر پر سر رکھنا ٹیک لگا کر سونا یہ سب ناجائز ہے۔

حضرت سیدنا ابو قلابہ بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''انی ذھبت من الشام الیٰ البصرۃ فنزلت الخندق فتوضات وصلیت رکعتین باللیل ثم وضعت راسی علیٰ قبر قمت ثم اتیت فاذا صاحب القبر یشتکی ویقول لقداذیتنی اللیلۃ'' رواہ ابن ابی بکر بن ابی الدنیا۔

حضرت ابو قلابہ فرماتے ہیں: ''میں ملک شام سے بصرہ کو جاتا تھا، رات کو خندق میں اترا، وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا۔ جب جاگا تو صاحب قبر کو دیکھا کہ مجھ سے گلہ کرتا ہے اور کہتا ہے: اے شخص! تو نے رات بھر مجھے ایذا دی۔''

امام احمد حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے ہوئے دیکھ کر ارشاد فرمایا'' لا توذ صاحب ھذا القبر''۔

اب عقل سلیم سے فیصلہ طلب ہے کہ جب شرعاً جن پر پاؤں رکھنا حرام، سر رکھنا حرام، ٹیک لگانا حرام، کہ ان سب میں میت کو ایذا پہونچتی ہے اور مسلمانوں کو جس طرح زندگی میں ایذا دینا جائز نہیں اسی طرح بعد وفات بھی ناجائز۔ تو کس طرح ایک جگہ سے اکھیڑ کے دوسری جگہ دفن کرنا جائز ہوگا؟ اور پھاوڑا کدال چلانا، قبر کو کھود ڈالنا، میت کو نکال کر اس کی تحقیر وتوہین کرنا، کس طرح درست ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

مسائل مرسلہ شاہزادہ علی خاں از سرپاہی ڈاکخانہ شاہی ۱۴ ارجب المرجب ۱۳۲۳ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی کی زیارت پر چادر یا سجدے دینا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۲) میلاد شریف پڑھنا، ذکر پیدائش سرور کائنات پر کھڑا ہونا اور تاریخ دن تقرر کر کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) سر پر سہرہ باندھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۴) میاں شیخ سدو وغیرہ کا مرغا، بکرا پالنا اور اس کا کھانا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

marfat.com

الـــــجـــــواب

(۱) چادر چڑھانا، شیرینی پر فاتحہ دلانا، اپنا مطلب کہہ کر ان کے وسیلہ سے مانگنا، بلاشبہ درست ہے۔ سجدہ حرام ہے۔

(۲) سب کچھ درست ہے۔ والتفصیل فی الرسالۃ المبارکۃ "اذاقۃ الاثام لما نعی عمل المولد والقیام" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) سہرا صرف پھولوں کا ہو تو جائز ہے لعدم المانع ولان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ وہابیہ کا اس کو ناجائز ٹھہرانا، تشبہ بالکفار بتانا، محض جہالت وخیال خام ہے۔ جو امر فی نفسہ شرعاً مذموم نہ ہو اس میں بلاقصد مشابہ ہونا منع نہیں ہے بلکہ اس نیت سے کرنا کہ کفار کی سی شکل پیدا ہو یا اگرچہ ارادہ نہ کرے مگر وہ فعل خود شعار کفار ہو، جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں تو ناجائز ہے اور اس کی بعض صورتوں پر "من تشبہ بقوم فھو منھم" بھی صادق۔ ورنہ اگر مطلقاً اشتراک، موجب ممانعت ہو تو انگرکھا، کرتہ، ٹوپی پہننا وغیرہ وغیرہ بھی حرام ہو جائیں کہ یہ سب ہندو بھی پہنتے ہیں۔ مگر جس طرح وہاں پردے کا فرق کفایت کرتا ہے، یہاں بھی شعار نہ ہونا کافی ہے۔

درمختار میں ہے: "التشبہ بھم لا یکرہ فی کل شیء بل فی المذموم وفیما یقصد بہ التشبیہ۔" واللہ اعلم۔

(۴) اصل اس میں وقت ذبح خاص ذابح کی نیت وقول کا اعتبار ہے اگرچہ پہلے سے شیخ سدو میاں یا کسی کے نام سے مشہور ہو۔

ردالمحتار میں ہے: "المدار علیٰ المقصد عند ابتداء الذبح" اور یہی معنی آیۃ شریفہ "وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" (البقرۃ: ۱۷۳) "اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا"۔ (کنز الایمان) کے ہیں۔ فقط مشہور ہو جانا کسی کے نام سے موجب حرمت نہیں، ورنہ چاہئے کہ تمامی جانور حرام ہو جائیں۔ کیونکہ ہر جانور کسی نہ کسی کے نام سے ضرور مشہور ہوتا ہے۔ (مثلاً عمرو کی گائے، خالد کی بکری، زید کا مرغا وغیرہ وغیرہ)

جلالین میں ہے: "ای ذبح علیٰ غیر اسمہ تعالیٰ وتقدس" جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے وہ بھی حرام ہے۔ قال فی المدارک والبیضاوی والکبیر واللفظ للاخیر "یعنی وما ذبح علیٰ الاصنام" وما فی الجلالین اعم واشد مطابقۃ للفظ۔

ردالمحتار میں ہے: "من ظن انہ لا یحل فقد خالف القرآن والحدیث والعقل فانہ لاریب ان القصاب یذبح للربح ولو علم انہ ینحس لایذبح فیلزم ھذا الجاھل ان لا یاکل ما ذبحہ القصاب وما ذبح للولائم والاعراس"

اور جب ذبیحہ حلال ہوا تو کھانا بھی درست ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ" (الانعام: ۱۱۹) تمہیں کیا ہوا کہ نہ اسے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

marfat.com

مسئلہ از رامپور مرسلہ علی شاہ ۲۹ رجب ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مسلمان شخص جو علم سے واقف ہے، بیان کرتا ہے کہ ۱۵ یا ۱۶ سال سے میرے داڑھی نکلی ہے۔ جب سے اب تک برابر داڑھی منڈواتا اور کترواتا ہوں اور ایسا کترواتا ہوں کہ جلد سے ملی رہے یعنی بالکل معلوم نہ ہو کہ داڑھی نکلی ہے۔ اور وقت مرگ تک ایسے ہی منڈواتا اور کترواتا رہوں گا۔ یہ بھی کہتا ہے کہ اس فعل کا کرنا صغیرہ گناہ ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسا شخص فاسق ہے یا گناہگار؟ بینوا و توجروا یوم الحساب۔

الجواب

ایسا شخص سخت گناہگار، فاسق، فاجر، مرتکب کبائر، مستحق نار وغضب جبار ومورد لعنت پروردگار ہے۔ اور باوصف اس علم کے کہ وہ گناہ ہے، اس کا یہ اصرار واظہار کہ تادم مرگ مرتکب رہے گا اس پر اور سخت تر ہے۔ قال تعالیٰ: ” وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ “۔ (البقرۃ: ۲۰۶) ”اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ ایسے کو دوزخ کافی ہے اور وہ ضرور بہت برا بچھونا ہے۔“ (کنز الایمان)

فتح القدیر، بحر الرائق، درمختار، غنیۃ وغیرہا میں ہے: واللفظ للغنیۃ: ” الاخذ من اللحیۃ وھو دون القبضۃ کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد واخذ کلھا فعل المجوس الاعاجم والیھود والھنود وبعض اجناس الافرنج “۔

درمختار میں ہے: ”قطعت شعر راسھا اثمت ولعنت ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیتہ والمعنی المؤثر التشبہ بالرجال اھ “مختصراً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ” لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء “۔

اس مسئلہ میں تمام تفصیل وبیان جلیل کتاب مستطاب ” لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ “ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جزی اللہ المجیب وبثیب۔ یہ سوال پہلے بھی آیا۔ اُس عبارت میں صرف اتنا تفاوت ہے کہ کلام زید میں اس فعل کا صغیرہ ہونا، ارادہ مداومت تادم مرگ کی علت نہ تھا۔ بلکہ اس کا کلام ” منڈواتا رہوں گا “ تک نقل کر کے سائل نے لکھا تھا: ” یہ بھی کہتا ہے کہ اس فعل کا کرنا صغیرہ ہے “۔ ایسا وہ لفظ کہ ” یہ بھی کہتا ہے “ قلم سے متروک ہوا، جس نے اس جملہ کو اس ارادہ کی تعلیل کر دیا اور کلام زید کے معنی یہ ہو گئے کہ تادم مرگ ایسا ہی کرے گا، اس لئے کہ یہ کوئی بڑا گناہ نہیں ہے، صرف صغیرہ گناہ ہے۔ اس کی مداومت چنداں محذور نہیں۔ اگر واقعی کلام زید اس طرح ہے تو اس کا حکم اور سخت تر گناہ ہو گا کہ یہ کلام صاف جانب استخفاف جا رہا ہے اور گناہ کو ہلکا سمجھنا، نہایت شدید واشد ہے کہ حد کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

marfat.com

مسئلہ مرسلہ مولوی محمد قاسم علی کلیمی دہلوی از میران پور کٹرہ، شاہجہاں پور ۱۱ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بات میں کہ کوئی شخص حنفی المذہب اپنا مذہب چھوڑ کر شافعی ہو جائے یا اور کوئی مذاہب اربعہ سے اختیار کر لیوے تو یہ بدلنا مذہب کا کیا حکم رکھتا ہے؟ فقہائے حنفیہ کے نزدیک تبدیلِ مذہب کرنے والے پر تعزیر ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر بحوالہ کتب فقہیہ جواب تحریر فرما کر اپنی مہر سے مزین فرما کر روانہ فرمائیں۔ بینوا و توجروا۔

الجـــــــــــــواب

ہاں ایسا شخص قابل تعزیر ہے: ''فی الدر عن السراجیة قبیل السرقة: "ارتحل الیٰ مذهب الشافعی رحمه الله تعالیٰ یعزر"۔ والله تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم

الجواب صحیح: ہاں بلا ضرورت شرعیہ ایسے تبدیل مذہب کرنے والا ضرور مستحق تعزیر ہے۔ خصوصاً ہندوستان میں کہ اگرچہ مذہب چاروں حق ہے۔ مگر یہاں حنفیت چھوڑ کر باقی تین مذہب سے کوئی مذہب اختیار کرنا، جس کے نہ یہاں علماء ہیں، نہ کتابیں، علم چھوڑ کر جہل اختیار کرنا ہے۔ یہ سب اس حالت میں ہے کہ واقعی شافعی ہوا ہو اور اگر غیر مقلد ہوا اور حیلہ کے لئے شافعیت کا نام لیتا ہے تو کھلا گمراہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبه عبده احمد رضا غفر له بمحمد المصطفی صلی الله علیه وسلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ غلام ربانی از پیلی بھیت محلہ غفار خاں ۱۰ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سلام جو باہم مسلمانوں میں کرنا چاہئے، شرعاً مسلمانوں کو ہنود سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اہل اسلام کو اہل ہنود کا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجـــــــــــــواب

ہنود کو بے ضرورت ابتدا بالسلام حرام ہے۔ یہ حکم صرف مسلمانوں کے لئے ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فسلم علی المسلم ...... بالمعروف یسلم علیه اذا لقیه ویجبه اذا دعاه الحدیث یہود و نصاریٰ کہ شریعت مطہرہ نے ان کو مشرک سے نہیں گنا ہے، ان پر بھی ابتدا بالسلام کی ممانعت فرمائی۔ حدیث میں ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: ''لاتبدو الیهود ولا النصاری بالسلام'' مگر جب وہ ابتداء بالسلام کریں تو جواب سلام میں حرج نہیں۔

بزازیہ میں ہے: ''فی السیر لاباس برد السلام اهل الذمة والنهی عن البداءة الا اذا کان محتاجا فلا باس بها ایضا۔''

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ''انما یکره ان یبتدئهم بالسلام واما اذا ابتدء الکافر فلا باس بان یرد علیه لکن لا یزید علیٰ قوله وعلیك هکذا فی الخلاصة والعلمگیریه۔''

marfat.com

ہاں اگر کسی ضرورت سے کریں تو مضائقہ نہیں۔ اور یہی قول علقمہ اور نخعی کا ہے۔

خزانہ میں ہے: ''وان کان للمسلم الیہ حاجة لا باس بالسلام علیہ لان فیہ لیس توقیر۔''

مگر اس کا ہندوستان کے رواج کے موافق تو بضرورت بھی انہیں سلام شرعی کرنے کی حاجت نہیں، کافی ہے لالہ صاحب، بابو صاحب، منشی صاحب، وغیر ذلک۔ رہا ہنود کے یہاں کھانا، اس کی اصل یہ ہے کہ اگر ان کے یہاں کھانے سے عام مسلمانوں کو نفرت یا سبب بدنامی یا انگشت نمائی ہو تو شرعاً ناجائز ہے جیسے بھنگی کے یہاں کھانا۔ اور اگر یہ بات نہیں، تب بھی شک نہیں کہ عام ہنود سخت ناپاکیوں میں آلودہ اور ملوث ہیں مگر شریعت آسان ہے۔ جب تک کسی شئ میں حرمت یا نجاست کا حال معلوم نہ ہو، ہمارے لئے بحکم قاعدۂ کلیہ ''الاصل الطهارة'' پاکی وحلال ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: ''قال محمد وبه ناخذ مالم نعرف شيئا حراما بعينه وهو قول ابی حنيفة واصحابه كذا فی الظهيرية۔'' مگر گوشت کہ وہ مطلقاً حرام ہے۔ ہاں اگر حلال گوشت مسلمان کے سامنے پکا ہو کہ ایک لمحہ بھی اس سے جدا نہیں ہوا ہو تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالکریم از علی گڑھ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

روافض کے گھر کا کھانا جائز ہے یا ناجائز، کس واسطے کہ یہ لوگ بڑے متعصب ہوتے ہیں، اہل سنت وجماعت کو کھانے میں ناجائز کھلاتے ہیں؟

الجواب

اگر یقیناً معلوم ہو کہ اس کھانے میں کچھ ناپاک شے ملادی ہے جب تو ظاہر ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے قطعی۔

قال الله عزو جل: ''وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ'' (الاعراف: ۱۵۷) ''اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا'' (کنزالایمان) اگر یقیناً نہ بھی ہو معلوم بلکہ بالفرض اس کا وہم بھی نہ ہو، تب بھی روافض ودیگر مرتدین بلکہ تمامی اہل ہوا اور مبتدعین کے یہاں کھانے سے احتراز لازم کہ یہ میل جول ہے اور ان سے میل جول ممنوع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "لا تجالسوهم ولا تواكلوهم ولا تشاربوهم ولا تناكحوهم" ان کے پاس نہ بیٹھنا، ان کے ساتھ نہ کھانا پینا، نہ شادی بیاہ کرنا۔ رواه العقيلی والله تعالىٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از جواہر پور تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ طالب حسین خان

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ الحمد شریف کے اندر بے قاعدہ پڑھنے کی وجہ یعنی ایک لفظ کے حرفوں کو دوسرے حرف کے لفظوں سے ملا کر پڑھنے کی وجہ اور یا کسی بے قاعدگی سے شیطان کا نام آجاتا ہے یا ہوجاتا ہے یا نہیں اور کن مواضع میں؟ بینوا توجروا

marfat.com

الــــجــــــــواب

یہ جو عوام میں رائج ہے کہ ایک لفظ کے حرفوں کو دوسرے لفظ کے حرفوں میں ملا کر پڑھنے سے مثلاً دُلِـلُ هِـرَبُ کیُوْ کَنَعْ کَنَسُ نَعْلَی بَعْلَی کَیُ شیطان کا نام آ جاتا ہے، محض غلط اور اختراعات باطلہ سے ہے۔ علما نے ان سکنات کو برا جانا، اس کے باطل ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

فتاوی رضویہ میں غنیۃ سے ہے: ''قـال فـي فتـاوی الـحـجـة'' اذا بـلـغ فـی الفاتحة ''اياك نعبد و اياك نستعين'' لا ينبغی ان يقف علیٰ قوله اياك ثم يقول نعبد وانما الاولیٰ والاصح ان يصل اياك نعبد و اياك نستعين اه'' فلا اعتبار بمن يفعل ذلك السكت من الجهال المتفقهين بغير علم اه''۔

اس میں علامہ علی قاری کی منح الفکر یہ سے ہے: ''اقـول مـا اشتهـر عـلیٰ لسان الجهلاء من القراء ان فی سـورـة الـفاتحة للشيطان كذا من الاسماء فی مثل هذه التراكيب من البناء فخطاء فاحش واطلاق قبيح ثم سكتهم عن نحو دال الحمد و كاف اياك و امثالها غلط صريح'' والله تعالیٰ اعلم

مسئلہ مرسلہ محمد سلیمان محلہ مہولی، باسدیو پور ضلع مونگیر ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ

جناب مولانا دام مجدہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ضروری گذارش یہ ہے کہ (۱) اہل صرف کا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے، باب افعال کا ہمزہ قطعی ہے۔ چنانچہ آپ بھی اپنے رسالہ ص ۲۴ میں تحریر فرماتے ہیں: ''ثلاثی مزید مطلق بے ہمزہ وصل کے پانچ باب ہیں اور اس کے باب اول کا ہمزہ قطعی ہے، وصلی نہیں۔ اس لئے حالت وصل میں نہیں گرتا۔ باب اول افعال۔ پھر لکھتے ہیں ''علامت اس کی فا کلمہ کے قبل ہمزۂ قطعی ہونا ہے۔'' قطعیت ہمزہ کا مطلب تو یہی ہے کہ حالت وصل میں اس کا قائم رہنا واجب اور ضروری ہے۔ پھر ص ۳۳ میں تحریر فرماتے ہیں: ''قاعدہ ہمزہ منفردہ متحرک ماقبل صحیح ساکن غیر نون انفعال و یائے تصغیر ہو تو حرکت اس کی نقل کر کے ماقبل کو دے کر اس کو گرا دینا جائز ہے۔ ایک کلمہ میں ہو تو جیسے لیسَل یا دو کلمہ میں جیسے قد فلح کہ اصل میں قد افلح تھا اور یسأل تھا'' انتخاب ملخصا۔ افلح باب افعال کا ماضی ہے مگر اس قاعدے کی رو سے قد کے لانے کے بعد اس کے ہمزہ کا گرا دینا جائز ہے تو پھر قطعیت ہمزہ کا کیا مطلب ہے؟ اور قد فلح قد افلح میں کیا فرق رہا؟ اس صورت میں ہمزہ کی تقسیم قطعی اور وصلی کی طرف لغو و بیکار ہو جاتی ہے۔

(۲) یہ لفظ قرآن مجید میں متعدد جگہوں میں آیا ہے۔ ہر جگہ باثبات ہمزہ ہے، باسقاط ہمزہ کہیں نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کی پیش کردہ مثال کی رو سے قرآن شریف میں قد افلح کی جگہ قد فلح پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس طرح کی قراءت قراء سبعہ میں سے کسی سے مروی ہے یا نہیں؟ اگر قد فلح پڑھنا جائز ہے تو پھر اس قاعدے کی رو سے قرآن مجید میں جس جگہ اثبات ہمزہ ہے وہاں اسقاط ہمزہ جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً سل بنی اسرائیل کی جگہ اسـئـل بـنـی اسرائیل، فاسئلوا اهل الـذکـر فسلوا اهل الذکر پڑھنا جائز ہے یا نہیں اگر نہیں جائز ہے تو کیوں؟ مہربانی فرما کر جواب مع دلائل تحریر کر کے ذیل

marfat.com

کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔ جواب کے لئے ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجتا ہوں۔ والسلام
مکرر گذارش ہے کہ جواب پرنسپل صاحب ودیگر مدرسین صاحبان سے دستخط کرالیں تو بہتر ہے۔

الـــجـــواب

(۱) ہمزہ وصل وہ ہے کہ وجہ کلام میں اس کا گرانا ضروری ہو، باقی رکھنا خطا ہے۔ اس لئے قرآن شریف میں مطلقاً ہر جگہ باتفاق جمیع قراء تمامی ہمزۂ وصل گرادیئے جاتے ہیں۔ بخلاف ہمزۂ قطعی کے کہ وہ درجہ کی وجہ سے کلام سے نہ گرے گا بلکہ باقی رکھا جائے گا۔ رہا بقاعدۂ تخفیف ہمزہ کا گرنا تو وہ کچھ اس قسم کے ہمزہ پر موقوف نہیں بلکہ اصلی ہمزہ بھی اس قاعدے سے گرجائے گا۔ جیسے یسأل کہ ہمزہ عین کلمہ ہے اور یقرء کے آخر کا ہمزہ زائد نہیں۔ پس اسی قاعدہ سے یقر ہوگا لم ارکہ اصل اس قاعدے سے لـم ـر ہوجائے گا۔ حالانکہ یہ علامات مضارع ہے غرض اس قاعدہ کی رو سے ہر طرح کا ہمزہ اصلی زائد، قطعی زائد سب گرجائے گا اور وجہ کلام میں ہمزہ وصلی گرجائے گا، ہمزہ قطعی نہ گرے گا کہ ہمزہ وصلی زائد محقق ہے۔ صرف بقدر ابتداء سکون کی وجہ سے لایا جاتا ہے تو جب کوئی کلمۂ اولیٰ میں آئے گا، یہ ہمزہ گرجائے گا۔ قد فلح اور قد جتنب میں فرق ظاہر ہے۔ اول یہ کہ قد فلح پڑھنا جائز ہے اور قد جتنب پڑھنا واجب ہے۔ قد افلح بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس میں کوئی غلطی نہیں۔ جبکہ قرآن شریف میں ہماری قراءت میں اسی طرح وارد ہونے کی وجہ سے قد افلح ہی پڑھنا اولیٰ ہے اور قد اجتنب پڑھنا غلط ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ قد فلح کا ہمزہ اس قاعدے سے گرا ہے، نہ فقط اول میں لفظ کے آنے سے۔ بخلاف قد جتنب کے کہ اگر یہ قاعدہ سرے سے نہ ہوتا جب بھی فقط درج کلام اور اول اس کے کسی لفظ کا آجانا ہی اس کے گرادیئے کو کافی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہمزہ کی تقسیم قطعی اور وصلی کی طرف لغو اور بیکار نہیں ہے۔

(۲) بے شبہ قد فلح پڑھنا جائز ہے اور اسی طرح کی قراءت قرّاء کی مروی اور منقول ہے۔

تیسیر علامہ ابو عمرو عثمان حرانی متوفی ۴۴۴ھ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۰ میں فرماتے ہیں:

"اعلم ان کان یلقی حرکته المهمزة علی الساکن یتحرك بحرکتها و تسقط من اللفظ الخ" پھر اس کی تین قسم کر کے اول ودوم کے بعد تیسری قسم کو بیان کرتے ہیں۔ "والثالث ان یکون سائر حروف المعجم نحو قوله تعالیٰ من امن الخ۔"

امام شاطبی شاطبیہ مطبوعہ مصر ص ۱۶ میں فرماتے ہیں:

وحرك لورش کل ساکن اخر   صحیح بشکل الهمز واحذفه مسهلا

نیز اسی مجموعہ قراءت میں رسالہ طیبہ حافظ محمد ابی جزری ص ۱۱۰ میں فرماتے ہیں:

وانقل الی الآخر غیر حرف مد   لورش الا کتابیه اسد

marfat.com

اس قاعدہ عامہ سے استدلال اگرچہ اثبات مدعیٰ میں تام ہے مگر خاص اسی قد فلح کی تصریح بھی مفسرین نے فرمادی۔

تفسیر روح المعانی علامہ آلوسی بغدادی جلد ۵ ص ۴۸۰ سورہ مومنون میں ہے: ”وقرء ورش عن نافع قد فلح باستبقاء حرکۃ الھمزۃ علیٰ الدال وحذف فیھا لفظاالالتقاء الساکنین کما قال ابو البقاء وھی الھمزۃ الثالثۃ بعد نقل حرکتھما والدال الساکنۃ بحذف الاصل لانہ لا یعتد بحرکتھا العارضۃ۔“

اور بلاشبہ اسی قاعدہ کی رو سے، جس جگہ یہ قاعدہ پایا جاتا ہو اس جگہ ہمزہ کو گرادینا جائز ہے اگرچہ مروی اثبات ہو۔

تیسیر ص ۲۷ میں ہے: ”ابن کثیر والکسائی وسلوا اللہ من فضلہ وسل الذین اذا کان امرا مواجھا وکان السین والواو والفاء بغیر ھمزۃ حیث وقع الوجوہ فی اتمام القرأت العشرۃ۔“

حافظ شیخ محمد ص ۱۶۷ میں ہے: ”ونقل خلف واسال وفاسئل وسلوا وفاسئلوا کالکسائی۔“

معلوم ہوا کہ واسئلو اکو وسئلوا اور فاسئلو اکو فسلو پڑھنا صرف قاعدے کی رو سے جائز ہی نہیں ہے بلکہ عبد اللہ ابن کثیر دارمی مکی اور علی بن ہمزہ نحوی کسائی کوفی اور خلف ابن ہشام بزاز سے مروی ومنقول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

marfat.com

کتاب الفرائض ۱۲

مسئلہ از شہر مرسلہ بعض اصحاب اہلسنت بواسطہ مولانا حسن رضا خاں ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے انتقال کیا۔ اس کے ایک وارث نے اس کی تجہیز و تکفین و فاتحہ سوم و چہلم کے مصارف اپنے مال سے کئے۔ متروکہ ہندہ سے یہ کل مصارف مجرا دیئے جائیں گے یا نہیں یا بعض؟ اور بعض کون کون سے؟ بینوا بالصواب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

صرف مصارف تجہیز و تکفین اگر مطابق سنت کے ادا کیا ہو یعنی جس قدر صرف کفن دفن میں ہوا، بشرطیکہ اس میں قدر سنت پانچ کپڑوں اور کفن مثل سے زیادتی نہ کی ہو، اور اگر پانچ کپڑوں یا کفن مثل سے زیادتی کی تو یہ بھی مجرا نہ ہوگا۔ بلکہ یہ ٹھہرے گا کہ وہ ایک سلوک تھا، جو اس نے بطور خود کیا۔

عقود الدریہ میں ہے: خانیہ اور اس میں عیون سے ہے: ''اذا کفن الوارث المیت من مال نفسہ والاجنبی لا''۔

وراس میں فتاویٰ القرویہ اور اس میں جمع الفتاوی سے ہے: ''ان کفنہ باکثر من کفن المثل لا یرجع لان احد الورثۃ لا یملکہ وھل لہ ان یرجع فی الترکۃ بقدر کفن المثل قالوا لا یرجع لان اختیارہ ذلک دلیل التبرع اھ''۔

اور کفن و دفن کے علاوہ فاتحہ سوم و چہلم وغیرھا کے مصارف مجرا نہ ہوں گے۔

طحطاوی حاشیہ درمختار میں ہے: ''التجھیز لا یدخل فیہ السبح والصمدیۃ والجمع والموائد لان ذلک لیس من الامر اللازمۃ فالفاعل لذلک ان کان من الورثۃ یحسب علیہ من نصیبہ ویکون متبرعا وکذا لو کان اجنبیا۔'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ ...... ۲۶ رجب المرجب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ میں کہ یہ جواب اور تصحیح صحیح ہیں یا غلط؟ بر تقدیر ثانی صحیح جواب کیا ہے؟ (نقل سوال)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی بیماری کی حالت میں ڈھائی مہینہ پیشتر مرنے سے کہا کہ مکان میں نے اپنے پسر زید کو دیا، چاہے مجھ سے لکھوالو۔ اس صورت میں ترکہ ہندہ کا درمیان ایک لڑکی زینب اور پسر زید کے کتنے سہام پر منقسم ہوگا؟ بینوا و توجروا۔

الجواب: اس صورت میں گو ہندہ نے کل مکان پسر کو ہبہ کر دیا مگر مرض کی وجہ سے ہبہ فی الثلث ہوگا اور دو ثلث درمیان

marfat.com

بیٹا بیٹی کے حسب قاعدہ فرائض تقسیم ہوگا ھکذا یعلم من الفقه والله تعالیٰ اعلم۔ عبدالوہاب البھاری عفا اللہ عنہ الباری

الجواب صحیح بشرطیکہ قبضہ موہوب لہ کا یا اس کے متولی کا حالت حیات ہندہ پایا گیا ہو۔

محمد یٰسین عفی عنہ مدرس اول مدرسہ سرائے خادم بریلی۔

الجــــــــــواب

جواب اور تصحیح دونوں غلط ہیں۔ اولاً صورت مسئولہ میں (کہ اپنے وارث کو ہبہ کیا۔) بوجہ مرض ہبہ فی الثلث نافذ ماننا، تمامی نصوص شرعیہ فقہیہ کو پس پشت ڈال کر اجتہاد کی ٹھاننا ہے۔ دعویٰ حنفیت اور نہ صرف حنفیت بلکہ سرگروہ احناف کرام بن کر اس طرح تصریحات علماء احناف کرام سے ڈیڑھ اینٹ کی چننا، فاضل بہاری سے سخت تعجب خیز اور حیرت انگیز امر ہے۔ عبارات کتب تو پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہیں کہ وہ ہبہ بے اجازت مغیرہ دیگر ورثہ محض باطل و بے اثر ہے۔ کیونکہ مرض الموت میں ہبہ، حکم وصیت میں ہے۔

علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود، کنز الدقائق کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۴۳۷ میں فرماتے ہیں: "تحریره فی مرض موته وقوله بانه وهبتم وصية۔" اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے، لغو ہے کہ ثلث وغیرہ کسی حصہ میں اصلا نافذ نہیں ہوسکتی۔

علامہ سراج الدین اوشی فتاویٰ سراجیہ مطبوعہ مصطفائی کانپور ص ۴۲۴ میں فرماتے ہیں: "الوصية للوارث تنفذ باجازة الورثة بعد الموت۔"

اگر فتاویٰ و مطولات پر نظر نہ تھی تو وقت افتاء حواشی درسیات ہی ملاحظہ فرمائے ہوتے کہ اس میں صاف تصریح فرماتے ہیں: "الوصية للاجانب بالزائد على الثلث وللاقارب مطلقا بدون الاجازة اه بقدر الحاجة" (السراجی مطبع النظامی ص ۳ هکذا فی حاشیۃ الشریفی المطبوع فی شوکۃ الاسلام لکھنؤ ص ۹)۔

ثانیاً آپ کا دو ثلث درمیان بیٹا بیٹی کے تقسیم کرانا، بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ بلکہ بر تقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و وارث اخر و تقدیم مقدم کل مکان ہندہ کا بموجب "للذكر مثل حظ الانثيين" تین سہام پر منقسم ہوکر، دو سہم پسر اور ایک دختر کو ملے گا۔

ثالثاً مجیب صاحب کا "هكذا يعلم من الفقه" تحریر فرما دینا، عجب دلاوری و بکف چراغے، ہے۔ اجتہاد بے بنیاد اور فقہ کی طرف اسناد؟ حضرت مجیب صاحب! یہ بیٹھو شریف نہیں کہ چونے پر عدم جواز تیمم کا فتویٰ دے کر ساختہ حدیث کے دامن میں چھپ بیٹھے۔ جب کسی نے لقمہ دیا تو فوراً فرمایا! ہاں: وہ حکم فقہ کا ہے اور میں نے حدیث کی رو سے کہا ہے اور پھر حنفی کے حنفی بلکہ سرگروہ احناف کرام۔

رابعاً مصحح صاحب نے اگرچہ حکم شرعی یاد فرما کر بشرطیکہ الخ بڑھا کر مجیب صاحب کی اصلاح چاہی ولکن صدق القائل ع لن يصلح العطار ما افسده الدهر

marfat.com

خاصا قبضہ، متولی کی بھی ایک ہی کہی۔ مولانا! نابالغ کے لئے ولی ہوتا ہے اور متولی وقف پر۔ اللھم احفظنا من الغباوۃ والغوایۃ۔

بالجملۃ کل ترکہ ہندہ تین حصہ ہو کر ایک زینب اور دو حصے زید کو ملیں گے واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

۱- زید نے انتقال کیا۔ دو لڑکا ایک لڑکی اور ایک بیوی وارث چھوڑا۔ ہر ایک وارث کو شرعاً کتنا کتنا حصہ متروکہ چیزوں میں ملے گا؟

۲- زید کی متروکہ اشیاء میں مکان بھی ہے تو کیا مع اس کی زمین کے اس مکان میں لڑکی کو بھی حصہ ملے گا یا نہیں؟ اور بصورت شق اول کیوں؟

۳- زید کے وارثوں میں جو زمین اجمال سے حاصل کی گئی ہے۔ تو کیا اس حاصل کردہ زمین میں لڑکی اور بیوی کو بھی حصہ ملے گا یا صرف دونوں لڑکے ہی کو؟

۴- زید کے انتقال کے بعد وارثوں نے مکان بنایا۔ اس میں کچھ اسباب مثلاً دھرن، کڑی وغیرہ زید کے بڑے لڑکے کے سسرال کی ہے۔ تو کیا ان اسبابوں میں اور وارثوں کا بھی حصہ ہوگا؟

۵- نمبر ا میں جو ورثا مذکور ہیں۔ قبل اس کے کہ جائداد متروکہ زید آپس میں تقسیم کی جائے، زید کا بڑا لڑکا نوکری کرتا ہے اور چھوٹا کاشتکاری، بڑے لڑکے نے اپنی نوکری کے ذریعہ سے کچھ زمین حاصل کی تو کیا اس زمین میں کل وارثوں کو حصہ ملے گا یا کسی کو نہیں یا صرف دونوں لڑکے ہی کو؟

۶- اہلیہ زید نے قبل تقسیم جائداد، اپنی لڑکی سے کچھ روپیہ قرض لے کر شرکت میں خرچ کیا۔ تقسیم جائداد کے وقت زید کے چھوٹے لڑکے نے اپنی والدہ کے کہنے سے اپنے حصہ رسدی قرض کا دو آدمی کے مقابل میں اقرار کر کے اس دین کے بدلے میں اپنی ہمشیرہ کو کچھ زمین ہی زبانی بلا دستاویز دے دیا تھا۔ اب کچھ روز کے بعد زید کا چھوٹا لڑکا اس دین سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس وقت مصلحتاً دین کو لازم کر لیا تھا۔ کیا شرعاً وہ لازم کردہ دین چھوٹے لڑکے پر واجب الادا ہے یا نہیں؟ فقط۔ بینوا وتوجروا۔

المستفتی سید ابوالقاسم در بھنگوی ۲۱ شعبان، ۲۴ ستمبر ۱۹۴۰ء

الجواب

۱- کل ترکہ زید کا چالیس حصہ ہو کر ثمن یعنی پانچ حصے بیوی اور سات حصے بیٹی اور چودہ چودہ حصے دونوں بیٹے کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲- زید کے ترکہ میں جو کچھ رائی رتی ہوگا، مکان، دوکان، اثاث البیت وغیرہ سب کا سب، ورثا کو بحصہ رسدی ملے

گا۔لڑکی کا حصہ بھی واجب ہے۔قال تعالی:" لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ"(النساء : ۱۱) "بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے"۔(کنزالایمان) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳- جواب مطابق نمبر ۲ ہے۔جو زمین اجمال سے حاصل کی گئی اور زید کی ملک ہے۔وہ اس کے مرنے کے بعد تمام ورثاء و حصہ مقررہ کے مطابق ملے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم

۴- زید کے انتقال کے بعد جس وارث کو جو چیز بذریعہ خریداری یا ہبہ،سسرال سے یا کسی جگہ سے حاصل ہو،وہ خاص اس کی ملک ہوگی۔وہ زید کے ترکہ میں دیگر ورثاء کو نہ ملے گی۔واللہ تعالیٰ اعلم

۵- بڑے لڑکے نے نوکری کے ذریعہ سے جو زمین حاصل کی اور وہ اس کے نام سے ہے،وہ اس کی ملک ہے۔اس میں کسی دوسرے کو کچھ نہ ملے گا۔اس لئے کہ ترکہ زید کی ملک میں تقسیم ہوگا،نہ اس کے بیٹے کی کمائی اور اس کی حاصل کردہ شئے میں۔واللہ تعالیٰ اعلم

۶- جو روپیہ اہلیہ زید نے اپنی لڑکی سے قرض لیا اور جس کے حصے رسدی کا زید کے چھوٹے لڑکے نے اقرار کیا تو بموجب قائدہ مقررہ "المرء یوخذ باقرارہ" وہ دَین اس کے ذمہ واجب ہے۔اس کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم ہے، انکار بے سود ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

۱- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ازروئے شرع متین اس مسئلہ میں کہ حکیم نظام الدین صاحب نے،جس کو عرصہ بارہ سال ہوا انتقال کیا اور چھوڑا چار لڑکے ایک لڑکی،ایک بیوی کو۔

۲- حکیم نظام الدین صاحب نے اپنے حین حیات میں متعدد شادیاں کیں۔ایک بیوی سے ایک لڑکی صدیقہ،ایک بیوی سے ایک لڑکا نصیر الدین،ایک بیوی سے دو لڑکے معین الدین و نعیم الدین اور ایک بیوی سے ایک لڑکا محمد اسحاق اور ایک بیوی مسماۃ منیرن۔حکیم نظام الدین صاحب کے انتقال کے وقت بڑے لڑکے نصیر الدین کی عمر تقریباً چوبیس برس تھی اور شادی باپ کی زندگی میں ہو چکی تھی۔باپ کی جگہ پر پیشہ طبابت کرنے لگے۔معین الدین کی عمر بیس سال تھی اور شادی ہو چکی تھی۔اور دو لڑکے نابالغ تھے۔نعیم الدین جس کی عمر بارہ سال تھی اور محمد اسحاق جس کی عمر چھ سال تھی۔صدیقہ کی عمر تیس سال،شادی شدہ تھی۔

۳- ازروئے شرع کس کو کتنا ترکہ ملے گا۔بحساب انگریزی آنہ پائی کے لکھا جائے تاکہ تقسیم میں آسانی ہو۔

۴- حکیم نظام الدین صاحب کے انتقال کے بعد ان کی تمام جائداد بڑے لڑکے حکیم نصیر الدین کے حصے میں آئی۔اور برابر مطب کی آمدنی سے جو باپ کی راج گدی تھی،فائدہ اٹھا رہے ہیں۔دریافت طلب یہ بات ہے کہ باپ کی گدی اجمال میں شمار کی جائے گی یا نہیں؟ کیونکہ فائدہ اور نقصان اسی گدی سے حاصل ہوتا رہا ہے۔یعنی گدی سے جو اب تک فائدہ اٹھا رہے ہیں وہ رقم بھی اجمال میں شامل کردی جائے گی یا نہیں؟

marfat.com

۵- اگر چند شخص مل کر اپنی رائے اور تخمینہ سے بغیر لحاظ شریعت، متوفی کا متروکہ، تقسیم کردیں تو ایسے اشخاص عند اللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟ اور ایسی تقسیم کو ماننا چاہئے کہ نہیں؟ فقط بینوا بالکتاب و توجروا بیوم الحساب

الجواب

حسب ضابطہ فرائض بعد تقدیم ماینقدم، کل ترکہ حکیم نظام الدین کا ۷۲ حصے ہو کر ۹ حصے مسماۃ بی بی منیرن زوجہ متوفی اور ۱۴-۱۴- چاروں لڑکے نصیر الدین، معین الدین، نعیم الدین، محمد اسحاق اور ۷ر حصے دختر مسماۃ صدیقہ کو ملیں گے۔ ترکہ میں بڑے چھوٹے، شادی شدہ، کنوارے کی کوئی تفریق نہیں، نہ اولاد میں ایک بیوی یا چند بیویوں سے ہونے میں کچھ فرق ہے۔ سب اولاد ہونے میں برابر ہیں، ترکہ میں بھی برابر ہوں گے۔ جو جائداد یا اشیاء ملک حکیم نظام الدین کی ہے، سب ترکہ میں تقسیم ہوں گے، چاہے کسی کے قبضہ میں ہو۔ اگر کوئی شخص خلافِ شریعت متوفی کا ترکہ تقسیم کرے گا، وہ باطل و بے اثر ہوگا۔ "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" (الانعام: ۵۷/ یوسف: ۴۰/ یوسف: ۶۷) ''حکم نہیں مگر اللہ کا''۔ (کنز الایمان) ایسے لوگ عند اللہ ماخوذ ہوں گے۔ ایسی تقسیم کو ماننا صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر سب ورثہ بخود مصالحت کرلیں اور کوئی شخص کم یا زیادہ لینے پر آپس میں بلا دباؤ و اکراہ کے راضی ہوں، تو اس میں مضائقہ نہیں۔ لیکن خلاف شرع کسی کا حصہ کم دینا یا متروکہ مورث میں سے کسی چیز کا، کسی وارث کا دبا لینا اور قبضہ ناجائز کرلینا، صحیح نہیں۔ تخریج مسئلہ کی حسب قاعدہ فرائض اس طرح ہوئی۔ رہا آنہ پائی کے حساب سے مسائل کا مطالبہ کرنا، یہ بے سود اور بے نتیجہ محض ہے۔ اگر ترکہ صرف ایک روپیہ ہوتا تو ایک بات تھی ورنہ پھر پائیوں کی کسرات کو پائی بنانا اور پائیوں سے آنہ کرنا اور ان آنوں کو روپیہ کرکے تقسیم کرنا یہ خود ایک مشکل کام ہوگا۔ لیکن حسب خواہش سائل آنہ پائی بنا کر بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ سینیر مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ

مسئلہ، ت ۷۲ حکیم نظام الدین

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
مسماۃ بی بی منیرن	نصیر الدین	معین الدین	نعیم الدین	محمد اسحٰق	مسماۃ بی بی صدیقہ
۹/۹	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷
۲ر	۳/۱/۳	۳/۱،۱/۳	۳/۱،۱/۳	۳/۱،۱/۳	۳/۲،۶/۱

یعنی روپیہ میں سے ۲ر حق زوجہ مسماۃ بی بی منیرن کا ہوا اور چاروں لڑکے میں ہر ایک ۳/۱ ا پائی ۳/۱ یعنی انگریزی پائی کی تہائی اور مسماۃ بی بی صدیقہ دختر کا اس کا نصف ۶/۱ پائی اور انگریزی پائی کا دو تہائی۔ واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از موضع ابوسعید پور، مجید پور، اعظم گڑھ مرسلہ مولوی عبدالکریم خاں حنفی ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید سنی المذہب حنفی نے انتقال کیا اور ان کے

marfat.com

ورثاء شیعہ مذہب ہیں اور بعض اہلسنت و جماعت۔ پس متروکہ متوفی موصوف الذکر سے شریعت اہلسنت و جماعت کو ہی دی جائے یا غیر ملت کو بھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زید کے ورثاء شیعی المذہب اگر حضرات شیخین خواہ ان میں سے ایک کی بھی شان میں گستاخی کرتے ہوں، اگر چہ صرف اسی قدر کہ انہیں امام وخلیفہ برحق نہ جانتے ہوں یا قرآن شریف میں تحریف وتبدیل کے قائل ہوں یا حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ وائمہ اطہار رضی اللہ عنہم اناء اللیل واناء النہار کو حضرات انبیاء کرام سابقین علیہم الصلوٰۃ من رب العالمین سے افضل بتاتے ہوں یا روافض کے مجتہدان حال (جنہوں نے اپنے فتووں میں ان کفریات کا اقرار کرلیا ہے) کے پیرو ہوں یا لااقل انہیں دینی عالم وپیشوا جانتے ہوں تو وہ کتب معتمدہ فقہیہ کی تصریحات اور عامہ اہل ترجیح وفتویٰ کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہیں۔

درمختار، طحطاوی، خلاصہ، خزانۃ المفتیین، فتح القدیر، وجیز امام کردری، جوہرہ نیرہ، تبیین، بدائع، اتحاف الابصار والبصائر، فتاویٰ القرویۃ، واقعات المفتیین، برجندی، فتاویٰ ظہیریہ، مجمع الانہر، شرح کنزملا مسکین، نظم الفرائد، تیسیر المقاصد، بحر الرائق، حاشیہ علامہ شلبی علی التبیین میں ہے: ”فی الروافض من فضل علیا علی الثلثة فمبتدع وان انکر خلافة الصدیق او عمر رضی الله عنهما فهو کافر۔“

”رافضیوں میں جو شخص مولیٰ علی کو خلفاء رضی اللہ عنہم سے افضل کہے، گمراہ ہے اور اگر صدیق یا فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انکار کرے تو کافر ہے۔“

امام قاضی عیاض مالکی شفا شریف میں بہت سی یقینی اجماعی کفریات بیان کر کے فرماتے ہیں: ”وکذلك من انکر القرآن او حرفا منه او غیّر شیئا منه او زاد فیه۔“

”یعنی اور اسی طرح وہ بھی قطعاً اجماعی کافر ہے جو قرآن شریف یا اس کے کسی حرف کا انکار کرے یا اس میں کچھ بدلے، قرآن میں اس موجود سے کچھ زیادہ بتاوے“۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

از دفتر بید اہل السنّت والجماعت بتاریخ ۱۰؍ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ یکم ماہ، بنگلور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہماری جماعت اہل السنّت والجماعت، حنفی المشرب میں زمانہ قدیم سے فاتحہ مروجہ کا رواج چلا آرہا ہے۔ مندرجہ ذیل نمازوں کے بعد دعاؤں میں فاتحہ اس طرح پڑھی جاتی ہے کہ امام دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے بلند آواز میں الفاتحہ کہتا ہے اور امام کے ساتھ مقتدی آہستہ سورہ فاتحہ ایک بار، سورۂ اخلاص تین بار پڑھا کرتے ہیں۔ پھر امام اور مقتدی درود شریف بلند آواز سے پڑھنے کے بعد دعا ختم کرتے ہیں۔ جن نمازوں میں فاتحہ مروجہ پڑھی جاتی ہے، وہ یہ ہیں:

marfat.com

(۱) فجر کی نماز کے بعد دعا میں (۲) نماز جمعہ کے بعد سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد کی دعا میں (۳) خطبۂ نکاح کے بعد دعا میں (۴) نماز جنازہ کے بعد دعا میں (۵) قبرستان میں موتی کی تدفین کے بعد دعا میں۔

تقریباً چار ماہ ہوئے، مسجد کی امامت کے لئے ایک امام صاحب کا تقرر ہوا۔ امام موصوف نے فاتحہ مروجہ کے پڑھنے سے یکسر انکار کردیا۔ وہ نہ نماز فجر کے بعد دعا میں فاتحہ مروجہ پڑھتے ہیں، نہ بعد نماز جمعہ سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد دعاء ثانی میں، نہ خطبۂ نکاح کے بعد دعا میں، نہ نماز جنازہ کے بعد دعا میں، نہ موتی کی تدفین۔ کے بعد دعا میں۔

ہم اہلسنت و جماعت، حنفی المشرب ہیں۔ اس لئے آپ سے ہماری مخلصانہ گذارش ہے کہ فاتحہ مروجہ کے مذکورہ بالا طریقہ کے جواز یا عدم جواز کے متعلق دلائل کے ساتھ روشنی ڈالیں تا کہ حق وصواب ظاہر ہو جائے اور سب لوگ صحیح راہ اختیار کریں۔ بینواوتوجروا

المستفتی غلام دستگیر خان، صدر جمعیت بید اہل السنّت والجماعت جنوبی ہند

الجواب

فاتحہ مروجہ مذکورہ فی السوال بلا شبہ جائز ہے۔ اور اس کی اصل احادیث شہیرہ کثیرہ صحیحہ سے ثابت۔ اور اس کے جواز واستحسان پر بہت سی تصریحات علماء کرام ومفسرین عظام ومحدثین فخام وصوفیائے ذوی الاحترام سے قائم ہیں۔ جس میں کلام نہ کرے گا مگر وہابی بے شعور یا منکر مغرور۔ "مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ" (النور : ۴۰) "اور جسے اللہ نور نہ دے، اس کے لیے کہیں نور نہیں"۔ (کنز الایمان)

سورہ فاتحہ کی فضیلت، احادیث میں اس قدر وارد جن سے ادنیٰ اہل علم بھی ناواقف نہیں ہوسکتا۔ اس کو افضل القرآن فرمایا، اس کی قراءت دوثلث قرآن کے برابر قرار دی، "لا مثل لھا فی القرآن" اس کی شان میں فرمایا۔

مولانا عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز میں فرماتے ہیں: "این سورہ رانامہا بسیار ست۔ از آنجملہ قرآن عظیم زیرا کہ ایں سورہ در جمیع سور اعظم وافضل ست در ثواب"۔

اسی میں ہے: "عبید بن حمید در مسند خود از ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت می کند کہ فاتحۃ الکتاب برابر ثلث قرآن ست در ثواب ودر روایات بسیار کہ نزد حاکم ...... الکتاب۔ در شعب الایمان نیز آنہا را تصحیح نمودہ لفظ افضل القرآن در حق ایں سورہ وارد شدہ وابونعیم ودیلمی از ابوالدرداء روایت کردہ اند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ فاتحۃ الکتاب کفایت می کند از آنچہ ہیچ چیز کفایت نمی کند واگر فاتحۃ الکتاب را در یک پلہ تراز و بنہند وتمام قرآن در پلہ دیگر۔ فاتحۃ الکتاب ہفت چند قرآن آید الخ"۔

اور سورۂ اخلاص کی فضیلت سے تو مسلمان کا بچہ بچہ واقف "قل ھو اللہ احد تعدل ثلث القران" سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اسی لئے فاتحہ مروجہ میں تین مرتبہ پڑھنا معمول کہ قرآن کا ثواب حاصل ہو۔ رواہ الامام مالک والامام احمد فی مسندہ والبخاری وابوداؤد والترمذی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ورواہ

marfat.com

البخاری عن قتادہ بن النعمان ورواہ مسلم عن ابی الدرداء ورواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابی ھریرۃ ورواہ النسائی عن ابی ایوب ورواہ الامام احمد وابن ماجہ عن ابی مسعود الانصاری ورواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، عن معاذ ورواہ الامام احمد عن ام کلثوم بنت عقبۃ ورواہ البزار عن جابر ورواہ ابو عبیدۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنھم وفی روایۃ" من قرء قل ھو اللہ احد فکانما قرء ثلث القران"۔ رواہ الامام احمد والنسائی عن ابی اوفیٰ روایتہ "من قرء قل ھو اللہ احد ثلث مرات فکانما قرٔ القران اجمع" رواہ العقیلی عن رجاء بن حیوۃ رضی اللہ عنھما۔

اور درود شریف کی برکت کا کیا کہنا۔ اس سے محروم سوائے بدنصیب ازلی کے کون ہوگا؟ کہ وہ" یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا"۔ (الاحزاب: ۵۶) ''اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو''۔ (کنزالایمان) کی تعمیل حکم ہے۔ درود شریف کی فضیلت میں اتنی حدیثیں وارد کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو مجلدات ہوجائیں۔ غرض فاتحۂ مروجہ میں تین چیز پڑھی جاتی ہے۔ اور تینوں کا ثواب ابر باراں سے زیادہ وسیع اور آفتاب سے زیادہ روشن۔ رہا ان اوقات خاص میں فاتحہ وقل ودرود شریف پڑھنا، یہ کوئی بات پوچھنے کی نہیں۔ اس لئے کہ جو امر شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے بلاقید زمان ومکان واشخاص وارد ہو، اس کو جو شخص جس وقت کرے گا اور جس مکان میں بجالائے گا، سب اسی امر مشروع کا ایک فرد قرار پائے گا جب تک کہ خاص اس کی ممانعت وارد نہ ہو۔

امام نووی فرماتے ہیں: "اعلم ان المصافحۃ سنۃ مستحبۃ عند کل لقاء وما اعتادہ الناس بعد صلاۃ الصبح والعصر لا اصل لہ فی الشرع علیٰ ھذا الوجہ ولکن لا باس بہ فان اصل المصافحۃ سنۃ وکونھم محافظین علیھا فی بعض الاوقات ومفرطین علیھا فی کثیر من الاحوال لا یخرج ذلک البعض عن کونہ من المصافحۃ التي ورد الشرع باصلھا۔"

اور اس مسئلہ کی پوری تحقیق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے رسالہ ''الحجۃ الفائحہ بطیب التعیین والفاتحۃ'' اور حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رامپوری کے رسالہ' عمدۃ الفاتحۃ فی ادلۃ جواز العرس والفاتحۃ'' اور فقیر غفرلہ کا رسالہ" مواھب ارواح القدس لکشف حکم العرس'' میں درج ہے۔ من شاء التفصیل فلیراجع الیھا واللہ اعلم ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۶۰ء

کتبہ الفقیر ظفر الدین القادری عفی عنہ بمحمد المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ۱۲ ربیع الثانی ۶۹ھ مطابق ۳۱ جنوری ۶۰ء

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ...... بنک گھر میں جمع تھی۔ اس نے اپنے حقیقی بھائی وارث شرعی کو محروم کرنے کے لئے ایک غیر شخص کے نام ہبہ نامہ عوض حق الخدمۃ کا لکھا کر اس کے رجسٹری کرادی۔ ہنوز وہ دستاویز

marfat.com

ہبہ نامہ اس موہوب لہ کو واپس نہیں ملی اور نہ روپیہ بنک گھر سے اس کو وصول ہوئے۔ اب بعد لکھانے اور رجسٹری کرانے کے زید کو خیال آیا کہ میں نے ورثائے شرعی کو محروم کر کے ایک غیر شخص کے نام روپیہ ہبہ کر دیا۔ اس واسطے اب وہ اس کو ہبہ کو ناجائز رکھتا ہے اور اس کو فسخ کر کے روپیہ خود وصول کرنا چاہتا ہے۔ تو یہ فسخ ہبہ جائز ہے یا نہیں اور وہ اپنے روپیہ کے واپس لینے کا مختار ہے یا نہیں؟ اور زید چونکہ دو ماہ سے سخت علیل ہے۔ اس وجہ سے یہ ہبہ نامہ غیر شخص کے نام لکھایا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ بعد میرے مرنے کے، میرے وارث شرعی مالک ہو جائیں۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔ تو اگرچہ ہبہ نامہ لکھ کر اس کی رجسٹری کرادی لیکن جب روپیہ بنک گھر سے وصول نہ ہوئے تو یہ ہبہ محض ناتمام و بے اثر رہا۔

درمختار میں ہے: ”وتتم الهبة بالقبض الكامل۔“

اسے ہر وقت نہ دینے کا اختیار ہے۔ اور اسے ایسا ہی کرنا چاہئے، کہ بلا وجہ شرعی وارث کو محروم کرنے کی نیت سخت شنیع ہے۔

حدیث میں ہے: ”من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة۔“ والله تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

marfat.com

(یہ چار فتاوی فائنل پرنٹ نکلنے کے بعد دستیاب ہوئے۔اس لیے موضوعات کا خیال کئے بغیر انھیں ضمیمے کے طور پر شامل کرلیا گیا۔احقر اس سلسلے میں محب گرامی مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی زید کرمہ کا ممنون ہے۔۱۲ساحل)

مسئلہ از بہار شریف محلہ خانقاہ مسلۂ مولوی محمد سعید ۱۳؍ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

مشفقی مخلصی جناب مولوی ظفر الدین صاحب مدمجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد التماس خدمت ہے چند مسائل یہاں لوگوں میں درپیش ہیں۔ان کو آپ مہربانی کرکے مع سوال اس کا جواب مع عبارات کثیرہ اور حوالہ کتب کے لکھ کر اور جناب اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی مدظلہ العالی کے دستخط اور مہر سے مزین فرما کر بہت جلد ضرور ارسال فرمایئے۔خداوند تعالیٰ اجر جزیل عطا کرے گا۔

مسئلہ یہ ہے کہ (۱) فرائض خمسہ اور نماز عیدین و جمعہ و نوافل میں بعد قرأت فاتحہ کتاب کے ایک ہی رکعت میں ضم سورہ میں ایک ہی سورہ کو دوبار یا تین بار درمیان میں رک جانے کی وجہ سے یا بغیر رک جانے کے عمداً یا سہواً پڑھنے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ (۲) اور بر تقدیر سہواً سجدۂ سہو لازم کہ نہیں؟ اگر لازم ہوا اور نہ کیا گیا تو کیا حکم ہے؟ (۳) اور ان سہوں میں تکرار سورۂ خاص، موجب تاخیر رکن کا ہوا کہ نہیں؟ اگر اس سے تاخیر رکن ہوئی تو ترک واجب ہوا یا نہیں؟ (۴) اور لزوم سجدۂ سہو میں سب نمازوں کا حکم مساوی ہے یا عیدین اور جمعہ کے لیے کوئی حکم مخصوص ہے؟ (۵) اور ان سب نمازوں میں سورہ فاتحہ مکرر عمداً یا سہواً پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟ (۶) اور سب نمازوں میں سورۂ فاتحہ کا تکرار اور ضم سورہ کا تکرار دونوں برابر ہے یا دونوں میں فرق ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

مخلص الاخوان واحب الخلان مکرمی اکرمکم اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا سوال کثیر الاذیال چند مسائل کو شامل اور متعدد صورتوں کو مشتمل۔بعد قرأت فاتحہ ایک ہی رکعت میں سورت دو یا چند بار رک جانے کی وجہ سے پڑھی یا بے رکے بر تقدیر ثانی عمداً یا سہواً فان التکرار لا حل الحصر انما یکون عمدا تو یہ تین صورتیں ہیں۔پھر ان میں ہر ایک فرائض میں ہوگی جن میں جمعہ بھی شامل یا واجبات میں کہ وتر و عیدین کو مشتمل یا سنن مؤکدہ میں کہ تراویح وغیرہ کو متناول یا نفل مطلق میں، یہ چار ہوئیں اور بلحاظ انقسام بہ منفرد و امام ولا ثالث لھما لان المقتدی لا حظ لہ فی القراءۃ واز انجا کہ جمعہ و عیدین میں انفراد نامتصور، یہ چار بحق امام چھ کی طرف منحل ہوں گی خمسہ جمعہ عیدین وتر سنن نوافل اور بحق منفرد چار ہی رہیں گی اور مجموعہ تیس صورتیں ہوں گی کما لا یخفی ان سب کا حکم مجمل یہ ہے کہ صور مذکورہ میں سہواً کچھ نہیں اور عمداً غیر فرائض میں منفرد کو مطلقاً جائز۔ہاں اس کے سبب یہ رکعت اپنی پہلی سے طول فاحش پیدا کرے تو مکروہ تنزیہی اور امام کو مطلقاً ناجائز جبکہ مقتدیوں پر ثقیل کرے رہے۔فرائض ان میں نفس کراہت علی الاطلاق ہے اور تطویل ہو تو دوہری کراہت اور تثقیل ہو تو امام کے حق میں معصیت۔

عالمگیریہ میں فرمایا: اذا کرر آیۃ واحدۃ مراراً فان کان فی التطوع الذی یصلی وحدہ فذلک غیر مکروہ و ان کان فی الصلاۃ المفروضۃ فھو مکروہ فی حالۃ الاختیار واما فی حالۃ العذر والنسیان فلا باس بہ ھکذا فی المحیط.

marfat.com

باقی احکام کے نقول آئندہ آتے ہیں اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان میں کسی صورت میں سجدۂ سہو نہیں۔ فرائض میں عمداً ہوا تو صرف کراہت ہے اور عمد میں سجدۂ سہو نہیں اور سہو پر صاف فرمایا کہ کوئی حرج نہیں اور ترک واجب ہوتا تو حرج ضرور تھا، نما زمیں قصور تھا جس کے جبر وتلافی کو سجدہ لازم تھا۔ ضم سورہ میں تکرار سورہ موجب تاخیر رکن نہیں کہ سورت بہ تکرار، سورت ہی رہے گی نہ کہ کوئی اور صورت۔ اور قرآن عظیم جتنا پڑھا جائے قرآن ہی ہے، نہ کہ فصل بالاجنبی جو مستلزم تاخیر رکوع ہو ولہٰذا علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر بعد فاتحہ چند سورتوں کو جمع کرکے پڑھے یا سورت کے بعد پھر سورۂ فاتحہ پڑھے تب بھی کچھ واجب نہیں کہ قرأت اولیٰ کے متصل ہی رکوع ضرور نہیں کما سیاتی تصریحه من العلامة الشامی قدس سره السامی تمام نمازوں میں سہو کا ایک ہی حکم ہے مگر مشائخ کرام نے جمعہ وعیدین میں (کہ عادۃً ان کی جماعت بڑی ہوتی، مجمع عام خواص وعوام ہوتا ہے) فتنہ وتشویش بے علماں کے خیال سے بحالت سجدۂ سہو ساقط جانا۔

عالمگیریہ میں مضمرات اور نیز محیط سے ہے: السهو فی الجمعة والعیدین والمکتوبة والتطوع واحد الا ان مشایخنا قالوا لا یسجد للسهو فی العیدین والجمعة لئلا یقع الناس فی فتنة.

سورۂ فاتحہ مکرر ہونے کی بھی متعدد صورتیں ہیں کہ تکرار صرف قبل سورت کئی بار پڑھنے سے ہوئی یا صرف بعد یا یوں کہ قبل وبعد دونوں جگہ تلاوت کی اور بہرحال سہواً یا عمداً یہ چھ صورتیں ہیں۔ پھر تکرار کسی رکعت غیر لازمۃ القراءۃ میں ہوگی کہ خمس غیر الفجر کی ماعدا الاولیین ہے یا لازمۃ القراۃ میں کہ مذکور کے سوا جملہ رکعات فرائض وواجبات وسنن ونوافل ہیں پھر بلحاظ انقسام بہ منفرد وامام اس تقسیم اخیر کی قسم اول بارہ اور اخیر ازانجا کہ حق امام میں نمازیں چھ اور حق منفرد میں چار ہیں کما تقدم ساٹھ جملہ بہتر صور ہوں گی کما لایخفی علی متعلم ذهین فضلا عن فاضل مثلکم فطین ان بارہ میں تکرار مطلقاً موجب سجدۂ سہو نہیں۔

شرح منیہ میں ہے: وقید بالاولین لا ان الا قتصار علی مرة فی الاخرین لیس بواجب حتی لا یلزمه سجود السهو بتکرار الفاتحه فیهما سهوا.

ہاں قصداً ہو تو تکرار دوصورت اخیرہ جن میں بعد سورت قرأت فاتحہ ہے مطلقاً ممنوع کہ عکس ترتیب ہے اور صورت اولیٰ امام کے لیے مکروہ تحریمی جب کہ مقتدیوں پر ثقیل ہو۔

ردالمحتار میں ہے: ولو تعمده لا یکره مالم یؤدالی التطویل علی الجماعة او اطالة الرکعة علی ماقبلها.

درمختار میں ہے: ولو تعمده لایکره مالم یؤدالی التطویل علی الجماعة او اطالة الرکعة علی ماقبلها.

درمختار میں ہے: اطالة الثانیة علی الاولی یکره تنزیها اجماعاً.

ردالمحتار میں ہے: فی شرح المنیة الاصح کراهة اطالة الثانیة علی الاولی فی النفلایضا.

اور ان ساٹھ میں اگر عمداً ہو تو مطلقاً ناجائز وگناہ مگر دوصورت اخیر میں کہ تکرار فاتحہ قبل سورت نہیں، صرف ممانعت ہے لترک واجب القراءۃ نماز کی حاجت نہیں لعدم ترک واجب الصلاة اور صورت اولیٰ میں کہ تکرار قبل سورت ہے اعادہ بھی واجب لترک الواجب وهو ضم السورة اور اگر سہواً ہو تو صورت اولیٰ میں سجدہ آئے گا کمامر اور دوصورت اخیرہ میں کچھ نہیں لعدم ترک شی من الواجبات.

marfat.com

ذخیرہ وغیرہ میں ہے: فلو قرء ھافی رکعة من الاولیین مرتین وجب سجود السھولتاخیر الواجب وھو السورة و کذالو قراء اکثر ھاثم اعادھا کما فی الظھیریة.

عالمگیریہ میں ہے: ولو کررھا فی الاولیین یجب علیه سجود السھو بخلاف مالوا عادھا بعد السورة او کررھافی الاخریین کذا فی التبیین.

ردالمحتار میں ہے:اما لو قرء ھا قبل السورة مرة وبعد ھا مرة فلا یجب کما فی الخانیة واختاره فی المحیط والظھیریة والخلاصة وصححه الزاھدی لعدم لزوم التاخیر لان الرکوع لیس واجبا باثرالسورة فانه لوجمع بین سور بعد الفاتحة لا یجب علیه شی کذا فی البحر.

اسی میں قبیل امامت ہے: انھم نصوا ان القراء ة علی الترتیب من واجبات القراء ة فلو عکسه خارج الصلاة یکره فکیف لا یکره فی النفل.

اس کے بیان واجبات میں ہے: انھم قالوا یجب الترتیب فی سور القران فلو قرأه منکوساائم لکن لایلزمه سجودالسھو لان ذلك من واجبات القرأة لامن واجبات الصلاة کما فی البحر.

یہیں سے ظاہر ہوا کہ تکرار فاتحہ وتکرار سورت کا حکم مختلف ہے وقد مضی التفصیل علیه التعویل ھذا ماعند ھذا لعبد الذلیل والعلم بالحق عند ربنا العلی الجلیل وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد واله اجمعین بالتکریم والتجبیل۔واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از ڈھاکہ مشرقی بنگال مرسلہ مولانا حافظ احسن الدین

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد وفات حضرت ﷺ جو شام چلے گئے تھے وہاں سے پھر واپس تشریف لائے یا نہیں اور مدینۂ منورہ میں شاہزادوں کے حکم سے اذان دی یا نہیں اور وہیں مدفون ہوئے یا نہیں اور قصیدہ حضرت بلال کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب

اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں مگر اکثر کا قول ہے کہ شام میں انتقال فرمایا اور حلب میں مدفون ہوئے۔

اصابہ میں ہے:ثم خرج بلال بعد النبی ﷺ مجاھدا الی ان مات بالشام پھر بعد وصال اقدس ﷺ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد کے لیے شام گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

اسی میں ہے: قال البخاری مات بالشام فی زمن عمر امام بخاری نے کہا کہ حضرت بلال نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت میں شام میں انتقال فرمایا۔

اسد الغابہ میں ہے:وذھب الی الشام فسکن فیه حتی مات پھر حضرت بلال شام چلے گئے یہاں تک کہ وہیں انتقال فرمایا۔

تقریب التہذیب امام ابن حجر میں ہے:مات بالشام. شام میں انتقال فرمایا۔

marfat.com

اصابہ میں ہے: وفی المعرفة لابن مندة انه دفن بحلب.

اسد الغابہ میں ہے: وقال علی بن عبد الرحمٰن مات بلال بحلب و دفن علی باب الاربعین علی بن عبد الرحمن نے کہا کہ بلال نے حلب میں انتقال فرمایا اور باب الاربعین مین مدفون ہوئے۔

اسی میں ایک قول کاتب واقدی کا نقل کیا کہ دمشق میں انتقال فرمایا اور باب الصغیر میں دفن ہوئے اور ایک روایت میں ہے: بعد شام جانے کے خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے فرمایا اے بلال! کیا تجھے اس کا وقت نہیں آیا کہ تو ہماری زیارت کرے۔ پس یہ غمگین ہو کر جاگے اور مدینہ طیبہ کے قصد سے سوار ہوئے اور روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے اور روتے اور لوٹتے تھے کہ صاحبزادگان حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لائے حضرت بلال دونوں صاحبوں کو چومتے اور گلے لگاتے پس دونوں نے فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آج صبح کی اذان تم دو پس مسجد کی چھت پر چڑھے اور فرمایا اللہ اکبر گونج اٹھا مدینہ اور جب کہا اشهد ان لا اله الا الله زیادہ ہوا گونجنا اس کا پھر جب کہا اشهد ان محمدا رسول الله پردے والی عورتیں اپنے پردوں سے نکل آئیں ذکرها فی اسد الغابة۔ اور قصیدۂ حضرت بلال میری نظر سے نہیں گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از دوست پور ضلع سلطانپور مرسلۂ حاجی عبد اللہ خان صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک مسجد منہدم تھی۔ اس کو ایک شخص نے اس طور پر درست کرا کے چھت پٹوائی جو کہ شہید ہونے والی ہے، بالکل غیر مستحکم۔ راجوں کا بیان ہے کہ یہ بہت جلد شہید ہو جائے گی۔ اسی لئے اہل محلہ چاہتے ہیں کہ چھت کو گرا کر دیواروں پر کھپریل ڈلوا دیں تا کہ دیواریں بھی محفوظ رہیں اور سایہ بھی ہو جائے۔ آیا ان کو یہ کام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

وقف کی تعمیر اسی طرح چاہئے جس طرح اصل میں تھی کما نص علیه فی الاشباه وفتح القدير وغيرهما تو اگر اہل محلہ استطاعت رکھتے ہیں کہ کمزور چھت کو مستحکم کر دیں یا اسے اتار کر مضبوط الحکم چھت بنوا دیں تو چھت ہی بنوائیں اور اگر استطاعت نہیں اور چھت کے گر جانے کا ظن غالب ہے تو جائز ہے کہ اس کے بدلے کھپریل ڈلوا دیں پھر جب استطاعت ہو اس وقت بنوائیں والله يعلم المفسد من المصلح.

مضمرات پھر ہندیہ پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے: مسجد مبنی اراد رجل ان ينقضه ويبنيه احكم ليس له ذلك لانه لا ولاية له اه.

ردالمحتار پھر تاتارخانیہ میں ہے: الا ان يخاف ان ينهدم ان لم يهدم۔ والله تعالیٰ اعلم

مسئلہ از اٹاوہ مرسلۂ مولانا مولوی عبد المصطفےٰ وصی علی صاحب

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک زوج و زوجہ میں کسی امر خانگی پر ضد بڑھ گئی۔ زوج نے کہا دیکھو اگر تم میرا کہنا نہ مانوں گی تو میں تمہیں طلاق دیتا ہوں پھر کہا دیکھو مانو نہیں تو طلاق دیتا ہوں۔ اس پر زوجہ نے سخت کلامی کی۔ زوج نے کہا تم پر طلاق ہے۔ جب دونوں کا غصہ فرو ہو چکا تو سخت پشیمان ہوئے۔ اب جواب طلب یہ امر ہے کہ یہ تین طلاقیں مانی جائیں گی یا صرف پچھلی ایک طلاق مانی جائے گی کیونکہ اول دوبار میں محض طلاق کا قصد اور آمادگی پائی جاتی

marfat.com

ہے، نہ صریح طلاق۔ البتہ تیسری بار میں طلاق صریح ہے۔ پس یہ طلاق رجعی ہوئی یا نہیں اور شوہر پھر رجوع کرسکتا ہے یا نہیں اور اگر یہ طلاق بائن ہے تو کس قسم کی ہے؟ آیا شوہر زوجہ سے پھر نکاح کرسکتا ہے یا حتی تنکح زوجاً غیرہ کی حد میں آ گئی؟

(۲) حیوان قربانی کا پوست وکلہ و پارچہ وامعا وغیرہ فروخت کر کے قیمت اس کی نذر تعمیر مسجد کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) قربانی کا جانور ایسے فروخت کرنے والے سے خرید کرسکتا ہے کہ فروشندۂ جانور مذکور خریدار کا مقروض ہے۔ زر قرضہ میں قیمت حیوان قربانی کی خریدار محسوب کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) قصاب کو قبل ذبح قربانی کے صاف کرنے اور بنانے کی اجرت معین کر لینی چاہیئے یا بعد قربانی کرنے کے بطور خود قصاب مذکور کو اس کی اجرت دی جائے صور تہائے مذکورہ میں مفصل طور پر ارشاد فرمایا جائے۔ بینوا توجروا

الجواب

(۱) صرف ایک طلاق رجعی ہوئی کہ دونوں پہلے قول اس کے تعلیق تطلیق ہیں نہ تعلیق طلاق اور ان سے عرفاً ارادۂ عزم ظاہر ہے اور دونوں بار دیکھو کا لفظ معنی تخویف کی طرف ناظر ہے ولا یثبت الطلاق بالشك ہاں! اس سے بہ نیت ایقاع طلاق یہ کہے تو طلاق مغلظہ ہوگئی۔ اب بے حلالہ حلال نہیں ہوسکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) کر سکتے ہیں اگر مسجد کے لیے بیع کیا ہو اور اپنے لئے بیچا پھر ارادہ مسجد میں دینے کا کر لیا تو نہیں دے سکتا بلکہ فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہے لانہ حصل بوجہ خبیث.

عالمگیریہ میں ہے: ویتصدق بروثها اه واذا کان هذا بالروث فالتصدق بالاطراف وغیرها اولیٰ اور ظاہر ہے کہ اس تصدق سے مراد صدقۂ واجبہ نہیں بلکہ نافلہ ہے جو جمیع قربات کو شامل کما حققته فی رسالتی اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیة الی المساجد۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) ہاں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) قبل ذبح یا بعد ذبح کے اختیار ہے، البتہ قبل بنانے کے مقرر کر لینا چاہیئے۔

عالمگیریہ کتاب الاجارہ شرائط انعقاد اجارہ میں ہے: ومنها ان تکون الاجرة معلومة.

اجرت دینے میں اس کا ضرور خیال رہے کہ اجرت اپنے پاس سے دے۔ اضحیہ کے گوشت یا پوست سے ادائے اجرت صحیح نہیں۔

ہدایہ میں ہے: ولا یعطی اجر جزار من الاضحیه لقوله ﷺ لعلی رضی اللہ عنه تصدق بجلالها و خطامها ولا تعط اجر الجزار منها شیئا. اضحیہ کی جھول اور مہار کو صدقہ کردے اور اس سے کچھ قصاب کی اجرت میں نہ دے۔ رواہ الائمة الستة الا الترمذی عنه رضی اللہ تعالیٰ عنه۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

marfat.com

کتابیات

marfat.com

مآخذ ومراجع

تفسیر

نمبر	اسمائے کتب	اسمائے مصنفین	سن وفات
۱	افضل القران	شہاب الدین احمد ابن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۲	البحر المحیط	شیخ اثیر الدین ابوحیان محمد ابن یوسف اندلسی	۷۴۵ھ
۳	تفسیر ابن ابی حاتم	ابو محمد عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷ھ
۴	التفسیر لابن جریر طبری (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰ھ
۵	التفسیر لابن کثیر	علامہ اسمٰعیل بن عمر دمشقی	۷۰۴ھ
۶	تفسیر ابن مردویہ	احمد بن موسیٰ ابن مردویہ	۴۱۰ھ
۷	التفسیر لابی السعود (ارشاد السلیم)	علامہ ابو السعود محمد بن محمد العمادی الحنفی	۹۸۲ھ
۸	التفسیرات الاحمدیہ	احمد بن ابوسعید معروف بہ ملاجیون	۱۱۳۰ھ
۹	تفسیر البیضاوی	عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱ھ
۱۰	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۰۰۴-۹۱۱ھ
۱۱	تفسیر جمل علی الجلالین	سلیمان ابن عمر عجیلی معروف بہ جمل	۱۲۰۴ھ
۱۲	التفسیر الحسینی	شیخ یحییٰ بخاری گجراتی بن محمود ابن محمد الحسینی	
۱۳	التفسیر للخازن (لباب التاویل فی معانی التنزیل)	علاء الدین علی بن محمد الخازن	۷۴۱ھ
۱۴	تفسیر روح البیان	شیخ اسمٰعیل حقی	
۱۵	تفسیر الصاوی علی الجلالین	شیخ احمد بن محمد الصاوی المالکی	
۱۶	تفسیر الفتوحات الربانیہ	عبد العزیز الحکیم	

marfat.com

۱۷	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	۶۰۶ھ
۱۸	التفسیر الکشاف	جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸ھ
۱۹	التفسیر للنیشاپوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشاپوری	۷۲۸ھ
۲۰	تفسیر النہر المارمن البحر	شیخ اثیر الدین ابوحیان محمد ابن یوسف اندلسی	۷۴۵ھ
۲۱	التفسیر للواحدی	امام علی بن احمد بن محمد ابوالحسن الواحدی نیشاپوری	۴۶۸ھ
۲۲	التفسیر الیمنی		
۲۳	تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباس	ابوطاہر محمد ابن یعقوب فیروزآبادی	۸۱۷ھ
۲۴	جامع احکام القران	قاضی ابوعبداللہ محمد بن احمد ابوبکر بن عربی قرطبی مالکی	۶۷۱ھ
۲۵	حاشیۂ تفسیر بیضاوی	علامہ شہاب الدین خفاجی	۱۰۶۹ھ
۲۶	حاشیۂ تفسیر بیضاوی	علامہ قونوی	
۲۷	الدر المنثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمن سیوطی	۹۱۱ھ
۲۸	روح المعانی	سید محمود بن عبداللہ الآلوسی البغدادی	۱۲۷۰ھ
۲۹	فتح البیان فی مقاصد القرآن	صدیق حسن خان بھوپالی	۱۳۰۷ھ
۳۰	فتح الرحمان لطالب آیات القرآن	فیض اللہ علمی زادہ	
۳۱	مدارک التنزیل	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰ھ
۳۲	معالم التنزیل	ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶ھ

حدیث

۱	اتحاف السادۃ المتقین فی شرح احیاء علوم الدین	سید محمد مرتضی زبیدی بلگرامی	۱۲۰۵ھ
۲	احیاء علوم الدین	امام ابوحامد محمد ابن محمد غزالی	۵۰۵ھ
۳	الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ
۴	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳ھ
۵	الاستیعاب	ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی	۴۶۳ھ
۶	اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ

marfat.com

۷	الافراد	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸ھ
۸	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود ابوعبیدہ بن حسن بغدادی معروف بہ ابن النجار	۶۴۳ھ
۹	التاریخ	امام محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ
۱۰	التاریخ للبغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
۱۱	تاریخ دمشق	علامہ علی بن الحسن معروف بہ ابن عساکر دمشقی	۵۷۱ھ
۱۲	التاریخ	عبدالجبار الخولانی	
۱۳	التذکرۃ للقرطبی	ابوعبداللہ محمد ابن احمد القرطبی	۶۷۱ھ
۱۴	الترغیب والترہیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶ھ
۱۵	التعلیق الممجد حاشیہ الموطا امام محمد	ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی	۱۳۰۴ھ
۱۶	جامع البرکات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۷	جامع الترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	۲۷۹ھ
۱۸	الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
۱۹	الجامع الصغیر فی الحدیث	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطی	۹۱۱ھ
۲۰	حلیۃ الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰ھ
۲۱	الدر النظیم فی مولد النبی الکریم	علامہ سیف الدین ابوجعفر بن عمر الحمیری الحنفی	
۲۲	الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۱۷۶ھ
۲۳	دلائل النبوۃ	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۲۴	سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	۲۷۳ھ
۲۵	سنن ابوداؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	۲۷۵ھ
۲۶	سنن بیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۲۷	سنن دارقطنی	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵ھ
۲۸	سنن دارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵ھ
۲۹	سنن نسائی	امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی	۳۰۳ھ
۳۰	شرح ابن ماجہ	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطی	[illegible]ھ

marfat.com

۳۱	شرح جامع ترمذی	محمد ابوالطیب سندھی	۱۱۰۹ھ
۳۲	شرح جامع صغیر	عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱ھ
۳۳	شرح الشفا	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۳۴	شرح المسلم	شیخ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ
۳۵	شرح موطا امام مالک	علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲ھ
۳۶	شرح المواہب اللدنیہ	علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲ھ
۳۷	شعب الایمان	امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۳۸	الشفا بتعریف حقوق المصطفےٰ	قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مالکی	۵۴۴ھ
۳۹	شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی	۷۵۶ھ
۴۰	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴ھ
۴۱	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ
۴۲	صحیح المسلم	امام مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱ھ
۴۳	طبقات ابن سعد	محمد بن سعد	۳۲۰ھ
۴۴	طبقات اصفہانیین		
۴۵	طیبی شرح مشکوٰۃ	شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی	۷۴۳ھ
۴۶	عقود الجواہر المنیفہ فی روایۃ الامام ابی حنیفہ	سید محمد مرتضیٰ زبیدی بلگرامی	۱۲۰۵ھ
۴۷	عون المعبود علیٰ سنن ابی داؤد	ابوالطیب شمس الحق بن شیخ امیر علی عظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
۴۸	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۴۹	فتح المغیث	امام محمد ابن عبدالرحمٰن سخاوی	۹۰۲ھ
۵۰	فوائد ابن ابی بکر بن خلاد	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰ھ
۵۱	القول الجمیل ترجمہ شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ/ مترجم خرم علی بلہوری	۱۱۷۶ھ
۵۲	الکامل	ابواحمد عبداللہ ابن عدی	۳۶۵ھ
۵۳	کتاب الآثار	امام محمد ابن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
۵۴	کتاب الاخوان	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن ابی دنیا القرشی	۲۸۱ھ

marfat.com

۵۵	کتاب الصحابہ	ابوموسیٰ المدینی	
۵۶	کتاب العلل	ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷ھ
۵۷	کتاب الفتن	نعیم ابن حماد	
۵۸	کتاب القبور	امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۵۹	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵ھ
۶۰	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر صدیقی	۹۸۱ھ
۶۱	مرقات شرح مشکوٰۃ	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۶۲	مسند امام احمد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۶۳	مسند امام اعظم	امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰ھ
۶۴	مسند ابن ابی شیبہ	ابوبکر بن ابی شیبہ	۲۳۵ھ
۶۵	مسند ابویعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
۶۶	مسند ابوداؤد طیالسی	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴ھ
۶۷	مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	۲۹۲ھ
۶۸	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸ھ
۶۹	المستدرک	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵ھ
۷۰	المسویٰ شرح الموطا	شاہ ولی اللہ دہلوی	۱۱۷۶ھ
۷۱	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲ھ
۷۲	مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵ھ
۷۳	مصنف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱ھ
۷۴	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۷۵	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۷۶	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۷۷	المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳ھ
۷۸	الموضوعات الکبیر	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ

marfat.com

۷۹	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹ھ
۸۰	موطا امام محمد	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹ھ
۸۱	نسیم الریاض	شہاب الدین خفاجی	۱۰۶۹ھ
۸۲	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	امام ابوعبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵ھ
۸۳	وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ	علی بن عبداللہ سمہودی	

عقائد، اصول، فقہ

۱	الابانہ	للسنجری	
۲	اتحاف الابصار والبصائر		
۳	اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۴	ازکی الاہلال بابطال ما احدث الناس فی امر الہلال	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	
۵	اسعاف المبطا برجال الموطا	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطی	۹۱۱ھ
۶	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم معروف بہ ابن نجیم	۹۷۰ھ
۷	الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰ھ
۸	الجام الصاد عن سنن الضاد	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۹	امداد المسلمین		
۱۰	انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرطوسی	۷۵۸ھ
۱۱	ایذان الاجر فی اذان القبر	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۲	الایضاح		
۱۳	الباعث علی انکار البدع والحوادث	امام حافظ ابومحمد عبدالرحمٰن سخاوی	۹۰۲ھ
۱۴	البحر الرائق شرح کنز الدقائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم (ابن نجیم)	۹۷۰ھ
۱۵	بدائع الصنائع	علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷ھ
۱۶	براہین قاطعہ	خلیل احمد انبیٹھوی	۱۳۴۶ھ
۱۷	برکات الامداد لاہل الاستمداد	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ

marfat.com

۱۸	البنایہ شرح ہدایہ	امام بدرالدین ابو محمد عینی	۸۵۵ھ
۱۹	تبیین الحقائق	امام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳ھ
۲۰	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳ھ
۲۱	تحذیر الناس	مولوی قاسم نانوتوی	۱۲۹۷ھ
۲۲	تذکرۃ الموتی والقبور	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ
۲۳	ترغیب الصلوٰۃ		
۲۴	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلو بغا الحنفی	۸۷۹ھ
۲۵	تصحیح المسائل	علامہ فضل رسول بدایونی	۱۲۸۹ھ
۲۶	تعالیق قاسم بن قطلو بغا	علامہ قاسم بن قطلو بغا الحنفی	۸۷۹ھ
۲۷	تعلیم المتعلم	امام برہان الاسلام زرنوجی تلمیذ صاحب ہدایہ	
۲۸	تفہیم المسائل		
۲۹	تقویۃ الایمان	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء
۳۰	تکملۃ الرازی		
۳۱	تنبیہ الولاۃ		
۳۲	تنقیح الفتاوی الحامدیہ	علامہ سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۳۳	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ ابن احمد تمرتاشی	۱۰۰۴ھ
۳۴	توضیح تلویح	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۳۵	التیسیر للمناوی	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱ھ
۳۶	تیسیر المقاصد		
۳۷	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲ھ
۳۸	جامع الفصولین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل معروف بہ ابن قاضی	۸۲۳ھ
۳۹	جامع المضمرات		
۴۰	جدالممتار	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۴۱	جواب استفتائے رویت ہلال	امیر شریعت اول، پھلواری شریف، پٹنہ	

marfat.com

۴۲	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	
۴۳	الجوہرۃ النیرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادالیمنی	۸۰۰ھ
۴۴	حاجز البحرین الواقی عن الجمع بین الصلاتین	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۴۵	حاشیۃ الدر المختار	علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی	۱۰۶۷ھ
۴۶	حاشیۂ درر	محمد بن مصطفیٰ ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶ھ
۴۷	حاشیہ شرح عقائد	علامہ حسن شہید	
۴۸	حاشیہ شرح عقائد	علامہ احمد بن موسیٰ خیالی	۸۶۲ھ
۴۹	حاشیۃ الشریفی للسراجی	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶ھ
۵۰	حاشیۃ العلامہ الشلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱ھ
۵۱	حاشیۂ کنز الدقائق	قاضی القضاۃ ابوالسعود بن محمد عمادی حنفی	۹۸۲ھ
۵۲	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن نوح القابسی	۶۰۰ھ
۵۳	الجۃ الفائحۃ بطیب التعیین والفاتحۃ	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۵۴	الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیۃ	علامہ عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳ھ
۵۵	الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۵۶	حسن التوسل	شہاب الدین احمد بن حجر مکی	۹۷۳ھ
۵۷	حلیۃ المجلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹ھ
۵۸	خزانۃ المفتیین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ھ کے بعد
۵۹	خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۶۰	درر الحکام	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵ھ
۶۱	الدر المختار علی تنویر الابصار	علامہ علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸ھ
۶۲	الدر المنتقی شرح الملتقی		
۶۳	ذخیرۃ العقبیٰ	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵ھ
۶۴	ردالمحتار علی الدر المختار	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۶۵	روح المسائل فی الفروع	شیخ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ

marfat.com

۶۶	زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۶۷	زیادات امام محمد	امام محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
۶۸	السراج الوھاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	
۶۹	السراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی	ساتویں صدی
۷۰	سل الحسام الھندیۃ		
۷۱	سلک تحقیق الحقیقۃ	مطبوعہ گلزار حسینی بمبئی	
۷۲	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن البیری	۱۰۹۹ھ
۷۳	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱ھ
۷۴	شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱ھ
۷۵	شرح العقائد	سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۷۶	شرح العقائد	علامہ جلالی	
۷۷	شرح عباب		
۷۸	شرح عقود رسم المفتی	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۷۹	شرح الفقہ الاکبر	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۸۰	شرح القدوری	علامہ محمود زاہدی	
۸۱	شرح حاشیۃ الکنز	ملا مسکین معین الدین الہروی	۹۵۴ھ
۸۲	شرح اللباب		
۸۳	شرح المجمع		
۸۴	شرح مختصر وقایہ	محمود بن الیاس رومی (۸۵۱ھ میں مکمل کی)	
۸۵	شرح مختصر وقایہ	عبدالعلی برجندی (۹۳۲ھ میں مکمل ہوئی)	
۸۶	شرح المقاصد	سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۸۷	شرح مسلم الثبوت	علامہ عبدالحق خیرآبادی	۱۳۱۶ھ
۸۸	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷ھ
۸۹	شرح وہبانیہ	علامہ محمد بن محمد ابن شحنہ	۸۹۰ھ

marfat.com

۹۰	شرعۃ الاسلام	امام رکن الاسلام محمد ابن ابو بکر	۵۷۳ھ
۹۱	شرنبلالیہ	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۹۲	صراط مستقیم	مولوی اسمعیل دہلوی	۱۸۳۱ء
۹۳	صغیری شرح منیۃ	ابراہیم الحلبی	۹۵۶ھ
۹۴	الصواعق المحرقہ	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳ھ
۹۵	طحطاوی علی الدرر	سید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۳۰۲ھ
۹۶	طحطاوی علی المراقی	سید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۳۰۲ھ
۹۷	طریقہ محمدیہ ترجمہ درر وہبیہ		
۹۸	العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۹۹	عقود الدریۃ	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۱۰۰	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابو الحسنات محمد عبد الحی فرنگی محلی	۱۳۰۴ھ
۱۰۱	عمدۃ الفاتحہ فی ادلۃ جواز العرس والفاتحہ	مولانا سلامت اللہ رامپوری	
۱۰۲	العنایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶ھ
۱۰۳	عینی شرح کنز	علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵ھ
۱۰۴	غرر الاحکام	قاضی محمد ابن فراموز ملا خسرو	۸۸۵ھ
۱۰۵	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکی	۱۰۹۸ھ
۱۰۶	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد حلبی	۹۵۶ھ
۱۰۷	فتاویٰ اسعدیہ	سید اسعد بن ابی بکر حسینی مدنی	۱۱۱۶ھ
۱۰۸	فتاویٰ آہو		
۱۰۹	فتاویٰ بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷ھ
۱۱۰	فتاویٰ تاتارخانیہ	عالم بن العلا الانصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
۱۱۱	فتاویٰ الحجۃ		
۱۱۲	فتاویٰ حدیثیہ	احمد بن محمد بن حجر الہیثمی	۹۷۳ھ
۱۱۳	فتاویٰ خلاصہ	طاہر ابن احمد عبد الرشید البخاری	۵۴۲ھ

marfat.com

۱۱۴	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	علامہ خیر الدین ابن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱ھ
۱۱۵	فتاویٰ رحمانیہ		
۱۱۶	فتاویٰ رشیدیہ	رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
۱۱۷	تفسیر السراج المنیر	محمد الخطیب الشربینی	۹۷۷ھ
۱۱۸	فتاویٰ سراجیہ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵ھ
۱۱۹	فتاویٰ عزیزیہ	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۱۲۰	فتاویٰ شیخ الاسلام البلقینی		
۱۲۱	فتاویٰ صوفیہ		
۱۲۲	فتاویٰ ظہیریہ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹ھ
۱۲۳	فتاویٰ عالمگیریہ	جمعیت علمائے اورنگ زیب	
۱۲۴	فتاویٰ مولانا عثمان حسن دمیاطی	مولانا عثمان حسن دمیاطی	
۱۲۵	فتاویٰ علامہ قاری الھدایۃ	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز	۵۳۶ھ
۱۲۶	فتاویٰ غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۲۷	فتاویٰ قاضی خان	امام حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲ھ
۱۲۸	فتاویٰ الکبریٰ لصدر الشہید		
۱۲۹	الفتاویٰ القرویۃ		
۱۳۰	الفتاویٰ الولوالجیۃ	عبد الرشید بن ابی حنیفۃ الوالوالجی	۵۴۰ھ
۱۳۱	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبد الواحد (بہ ابن الہمام)	۸۶۱ھ
۱۳۲	فتح اللہ المعین	سید محمد ابو السعود الحنفی	
۱۳۳	فصول العمادی	محمد بن محمود استروشنی	۶۳۶ھ
۱۳۴	فواتح الرحموت	بحر العلوم عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵ھ
۱۳۵	فوائد متفرقہ		
۱۳۶	فیصلہ ہفت مسئلہ	حاجی امداد اللہ مہاجر مکی	۱۳۱۷ھ
۱۳۷	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸ھ

marfat.com

۱۳۸	القول بالاحسان العمیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم	علامہ شمس الدین بن القطان	
۱۳۹	القہستانی		
۱۴۰	الکافی شرح الوافی	ابوالبرکات عبداللہ بن محمد النسفی	۷۱۰ھ
۱۴۱	کشف الغمۃ عن جمیع الامہ	امام عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳ھ
۱۴۲	کشف الاصول	امام فخرالاسلام علی بن محمد بزدوی	۴۸۲ھ
۱۴۳	کنزالدقائق	امام عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰ھ
۱۴۴	لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۴۵	مائۃ مسائل	مولوی اسحاق دہلوی	۱۲۶۲ھ
۱۴۶	ماثبت بالسنۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۴۷	مبسوط سرخسی	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳ھ
۱۴۸	مجمع الانہر	الشیخ عبداللہ بن محمد بن سلیمان معروف بہ داماد آفندی	۱۰۷۸ھ
۱۴۹	مجمع البرکات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۵۰	مجمع الروایات		
۱۵۱	مجمع الفتاویٰ		
۱۵۲	المحاکمۃ الملیۃ فی حکم جلود الاضحیۃ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۵۳	المحیط	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶ھ
۱۵۴	المحیط للسرخسی / المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱ھ
۱۵۵	المختار		
۱۵۶	مختار الفتاویٰ		
۱۵۷	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ
۱۵۸	المدخل	ابوعبداللہ محمد ابن محمد ابن امیر الحاج العبدری	۷۳۷ھ
۱۵۹	مراقی الفلاح بامداد الفتاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۱۶۰	مسائل اربعین	مولوی اسحاق	۱۲۶۲ھ
۱۶۱	مستخلص الحقائق شرح کنزالدقائق	ابوالقاسم بن بکر لیثی سمرقندی	

marfat.com

۱۶۲	المستطرف		
۱۶۳	المسلک المتقسط شرح منسک المتوسط	ملاعلی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۶۴	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹ھ
۱۶۵	مصباح الدجیٰ	امام حسان بن محمد صغانی ہندی	۶۵۰ھ
۱۶۶	معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹ھ
۱۶۷	مغنی المستفتی	علامہ حامد آفندی	
۱۶۸	ملتقط (فی فتاویٰ ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶ھ
۱۶۹	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶ھ
۱۷۰	مناسک القاری		-
۱۷۱	منحۃ الخالق	سید محمد امین بن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۱۷۲	المنح الفکریۃ	ملاعلی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۷۳	المنسک المتوسط	رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ سندھی	۹۶۳ھ
۱۷۴	المنیۃ/منیۃ المصلی	سید محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵ھ
۱۷۵	المواقف السلطانیہ فی علم الکلام	عضد الدین عبدالرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۱۷۶	المواہب	علامہ برہان الدین ابراہیم طرابلسی	
۱۷۷	نسخۃ الخلائق		
۱۷۸	النظم	زندویستی	
۱۷۹	نظم الفرائد	عبدالرحیم شیخ زادہ	
۱۸۰	النقایۃ مختصر الوقایۃ	امام عبداللہ بن مسعود	۷۴۵ھ
۱۸۱	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۱۸۲	نور الشمعۃ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۸۳	النہی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۸۴	الوافی	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰ھ
۱۸۵	واقعات المفتیین		

marfat.com

۱۸۶	الوجیز للکردری	بدرالدین محمد بن محمود الکردری خواہرزادہ	۶۵۱ھ
۱۸۷	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳ھ
۱۸۸	الوقف والابتدا	ابوجعفر نحاس	۳۳۸ھ
۱۸۹	الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳ھ

سیرت، تصوف وغیرہ

۱	الابریز فی علم سیدنا عبدالعزیز		
۲	احسن الوعا لآداب الدعا	علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی	۱۲۹۷ھ
۳	اذاقۃ الآثام لمانعی عمل المولد والقیام	علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی	۱۲۹۷ھ
۴	الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلا	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۵	بہجۃ الاسرار شریف	یوسف بن جویر اللخمی الشطنوفی	۷۱۳ھ
۶	التیسیر	علامہ ابوعمرو عثمان حرانی	۴۴۴ھ
۷	جامع الاصول فی الاولیاء وانواعہم	ضیاالدین احمد مصطفیٰ کمشخانوی مجددی	
۸	الجوہر المنظم فی زیارۃ قبر النبی المکرّم	شہاب الدین احمد بن حجر مکی	۹۷۳ھ
۹	رسالہ طیبہ	حافظ محمد ابی جزری	
۱۰	ذیل المدعا لاحسن الوعا	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۱	سبع سنابل شریف	میر عبدالواحد بلگرامی	۱۰۱۷ھ
۱۲	شاطبیہ	علامہ شاطبی	۵۹۰ھ
۱۳	عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر	سید جعفر برزنجی شافعی	
۱۴	فوائد الفواد شریف	محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیا مرتبہ حضرت امیر علاء سنجری	۷۲۵ھ ۱۳۳۶ء
۱۵	شرح البردۃ	شیخ ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۷ھ
۱۶	شرح البردۃ	علامہ خالد الازہری	
۱۷	شرح البردۃ	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ

marfat.com

۱۸	شرح عین العلم	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۹	قصیدہ بردہ شریف	امام ابوعبداللہ محمد بن سعید بن حسن بوصیری	۶۹۶ھ
۲۰	قصیدہ دالیہ	سیدی ابوالحسین حمدونی شاذلی	
۲۱	قصیدۂ غوثیہ	محبوب سبحانی محی الدین ابومحمد سید عبدالقادر جیلانی	۵۶۱ھ
۲۲	قوت القلوب	امام ابوطالب مکی	۴۳۷ھ
۲۳	القول المنجی علی مولد البرزنجی	مفتی مالکیہ شیخ محمد بن احمد	
۲۴	کشف القناع عن اصول السماع	مولانا فخرالدین زراوی خلیفہ محبوب الٰہی	
۲۵	کنز العلوم واللغۃ		
۲۶	الکوکب الانور علی عقد الجوہر	جعفر بن اسمٰعیل البرزنجی	۱۳۱۷ھ
۲۷	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱ھ
۲۸	مدارج النبوۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۲۹	مکتوبات مجدد الف ثانی	مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ
۳۰	ملفوظات	سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت	
۳۱	ملفوظات عزیزی	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۳۲	ملفوظات	مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحیٰ منیری	۷۸۲ھ
۳۳	النفحۃ العنبریہ لاثبات القیام فی مولد خیر البریۃ	امام مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی	۸۱۷ھ
۳۴	نفحات الانس	علامہ عبدالرحمٰن جامی	۸۹۸ھ

☆☆☆☆☆

marfat.com

[ملک العلما کے دست مبارک سے تحریر شدہ ایک فتوے کا عکس]

(۴) یہ حدیث صحیحین میں تو فقیر کی نظر سے نہیں گزری بلکہ انہیں لفظوں سے سنن ابی داود و ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ [illegible] مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے بسند ضعیف مروی ہے۔ نیز ترمذی شریف میں ابو امامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ان لفظوں سے مروی ہے ثلاثة لا تجاوز صلاتهم آذانهم العبد الآبق حتى يرجع وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط وامام قوم وهم له كارهون۔ امام ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا۔ نیز طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ان لفظوں سے روایت کیا ایما رجل ام قوما وهم له كارهون لم تجز صلاته۔ نیز طبرانی شریف میں حضرت جنادہ رضی اللہ تعالی عنہ ان لفظوں سے مروی ہے من ام قوما وهم له كارهون فان صلاته لا تجاوز ترقوته۔ نیز جمع الجوامع و کنز العمال میں بروایت ابو سعید حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے انه اتاه قوم برجل فقالوا ان هذا يؤمنا ونحن له كارهون فقال له انك لخروط اتؤم قوما وهم لك كارهون۔ نیز اس حدیث کو مصنف عبد الرزاق نے علی بن ابی طالب اور اسود بن ہلال سے معنًا روایت کیا ہے۔ پس حدیث ابی داود اگرچہ ضعیف ہے مگر بوجہ تعدد طرق کے بعض طرق کے لائق حسن ٹھہری۔ حدیث مذکور اگرچہ بظاہر تحریم و نفی قبول نماز پر دال ہے مگر علما سے بعض اس کو محمول برکراہت کی طرف گئے ہیں اور بعضوں نے تہدید پر حمل کر کے کراہت کا فتوی دیا ہے مگر یہ کراہت اسی [illegible] میں ہے جب کراہت و نفرت کسی امر دینی و سبب شرعی کی وجہ سے ہو اور دنیوی خصومت یا نفسانیت کی وجہ کراہت کا اصلا اعتبار نہیں بلکہ اب خیال خود ہی مذموم ہے کما فی الدر المختار۔ شرح جامع صغیر میں حدیث ترمذی نقل کر کے لکھا وهم له كارهون لمعنى مذموم شرعا [illegible] الا ان [illegible] الاستخفاف بالعبد [illegible] تقدم قوما سے امام بننا اور نماز پڑھانا [illegible] مراد ہے واللہ تعالی اعلم

marfat.com

نور سے ظہور تک
درود شریف
کشف المحجوب
مواعظ القرآن والحدیث
تحفہ شیعہ
تذکرہ
محدثِ اعظم پاکستان
نوری کتب خانہ
نزد جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور
Voice:042-6366385
ملنے کے پتے
نوری بک ڈپو
دربار مارکیٹ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور
Voice:042-7112917